ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalmovel.com

بیاد ــــ زینب النساء
فرحت آراء
مدیر اعلیٰ ــــ مشتاق احمد قریشی
مدیرہ ــــ قیصر آراء
نائب مدیرہ ــــ سعیدہ نثار
مدیرہ معاونین ــــ ندا رضوان
مدیر خصوصی ــــ طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب کراچی

جلد	02
شمارہ	11
ستمبر	2017

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

آرٹیکل

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ستمبر ۲۰۱۷ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

اہل وطن کو عید الاضحیٰ مبارک

اللہ سبحان وتعالیٰ کا بڑا ہی احسان وشکر ہے کہ اس نے ہر طرح سے نوازا ہے' وطن عزیز اللہ سبحان وتعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اپنے محل وقوع کے اعتبار سے' اپنے حدود اربعہ کے لحاظ سے اور ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہمارا یہ خطۂ ارض ہر قسم کی معدنیات، صحرا، پہاڑ، دریا، میدان کیا کچھ نہیں ہے کہ جس کا جتنا شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے ہاں یہ اور بات کہ ہمارے حکمران اس نعمت الٰہی پر کفران نعمت کرتے ہیں اور ذاتی مفادات کے لیے مسند اقتدار حاصل کرتے ہیں وطن عزیز کو اپنی فیکٹری بلکہ شوگر مل سمجھ کر چلاتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ ہمیں، ہمارے حکمرانوں کو اپنا شکر گزار رہنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین۔ ورنہ تو امریکا جواب تک ہمارے سرپرست کی حیثیت سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا ہمیں آنکھیں دکھا رہا ہے یہ ہمارے حکمرانوں کی کمزوریاں ہیں ورنہ ایک جوہری توانائی والے ملک کو یوں دھمکانا کوئی معمولی بات نہیں جبکہ وطن عزیز کے پاس ہر طرح کے جوہری غیر جوہری ہتھیار موجود ہیں، جن کے نشانے پر امریکا بھی آتا ہے بہرحال اللہ سے اجتماعی دعا کی ضرورت ہے کہ وہ ہماری ہمارے وطن عزیز کی حفاظت کرے اور ہر آفت ومشکل سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے، آمین۔

میں اپنی تمام بہنوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے جس طرح میری اور میری ساتھی کارکنوں کی محنت کو سراہا ہے ان کے محبت ناموں نے جس طرح حوصلہ بڑھایا ہے وہ میرے لیے میری ساتھیوں کے لیے روشنی اور لگن کا باعث بنتا ہے آپ کے تعاون سے آپ کے آنچل کے بعد اب حجاب بھی مقبولیت کی طرف گامزن ہے یہ آپ کے بھرپور تعاون اور پُرخلوص مشوروں کا ہی ثمر ہے امید ہے کہ آپ اپنی آرا سے یوں ہی نوازتی رہیں گی۔

آیئے اب چلتے ہیں اس ماہ کے ستاروں کی جانب:۔
سویرا فلک، فلمی فہیم گل، قرۃ العین سکندر، حنا اشرف، ریحانہ آفتاب، مونا شاہ قریشی، ماورا طلحہ، عائشہ اختر بٹ، حرا قریشی، شائستہ جٹ، نیلم شہزادی، سدرہ فریال، نورعین۔
اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو
قیصر آرا

لائق حمد تری ذات کہ محمود ہے تُو
لائقِ سجدہ تری ذات کہ مسجود ہے تُو
انکساری مرا مقسوم کہ بندہ ہوں میں
خود نمائی ترا دستور کہ معبود ہے تُو
بعد اتنا کہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ تجھے
قرب اتنا کہ مری جان میں موجود ہے تُو
ہے وراء حدِ تعین سے تری ذاتِ قدیم
کون کہتا ہے کسی سمت میں محدود ہے تُو
حسن پردے میں بھی بے پردہ نظر آتا ہے
اتنا چھپنے پہ بھی منظور ہے مشہود ہے تُو
میری کیا بُود کہ معدوم تھا معدوم ہوں میں
تیری کیا شان کہ موجود تھا موجود ہے تُو
ایک اعظم ہی نہیں عاشقِ ناچیز ترا
سب کا مطلوب ہے محبوب ہے مقصود ہے تُو

محمد اعظم چشتی

خاک مجھ میں کمال رکھا ہے
مصطفیٰ ﷺ نے سنبھال رکھا ہے
میرے عیبوں پہ ڈال کر پردہ
مجھ کو اچھوں میں ڈال رکھا ہے
ان کی رحمت نہیں فقط ہم پہ
غیر کا بھی خیال رکھا ہے
دل سے دافعِ بلا ہیں وہ
یوں محمد ﷺ میں دال رکھا ہے
جو فقیرانِ شاہ بطحا ہیں
ان کی گدڑی میں لعل رکھا ہے
مصطفیٰ ﷺ کی شبیہ حسینؓ و حسنؓ
نام پردے میں آل رکھا ہے
تیرا اعجاز کب کا مرجاتا
تیرے ٹکڑوں نے پال رکھا ہے

اعجاز صاحب

ذکر اس پری وش کا

زینب اسعد

ثناء بشیر

پیارے قارئین اور آنچل اسٹاف میرا پیار بھرا سلام قبول ہو‘ سب سے پہلے میں آپ کو اپنا تعارف کروادوں میرا نام ثناء ہے میں شاہدرہ لاہور کی رہنے والی ہوں۔ ہم سات بہن بھائی ہیں‘ مجھ سے تین بہن بھائی بڑے ہیں اور تین چھوٹے ہیں۔ میں نے بی اے کے ایگزام دیئے ہیں اور پانچ سال سے ٹیچنگ کررہی ہوں‘ میرے تمام اسٹوڈنٹس مجھے بے حد پسند کرتے ہیں‘ میں بھی ان سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ بچپن ہی سے لکھنے اور پڑھنے کا بے حد شوق ہے‘ 7th کلاس میں تھی جب ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا‘ مجھ سے دونوں بڑی سسٹرز ڈائجسٹ پڑھتی تھیں‘ جب وہ دونوں آپس میں ڈائجسٹ کے متعلق ڈسکشن کررہی ہوتیں تو میرا دل بھی چاہتا کہ میں بھی پڑھوں اور یوں میں نے ڈائجسٹ پڑھنا شروع کردیئے۔ آنچل سے رشتہ ایسے جوڑا کہ میں ایک بار جاب کے سلسلے میں گئی تو وہاں بیٹھی بور ہورہی تھی کہ میں نے آنچل پڑھنا شروع کردیا اور پھر اس کو اٹھا کر گھر لے آئی۔ ارے آپ مجھے غلط مت سمجھئے میں نے چوری نہیں کی تھی جس لڑکی کا تھا اس سے اجازت لی تھی‘ جاب تو نہ ملی البتہ آنچل سے رشتہ جوڑ لیا اس کے بعد میں آنچل کی ہوگئی اور آنچل میرا۔ لکھنے کا شوق یوں ہوا کہ ایک بار ٹیچر نے لیکچر کے دوران کہا کہ ملک کا نام کھلاڑی اور رائٹرز روشن کرتے ہیں بس اس دن سے فیصلہ کرلیا کہ میں اپنے ملک کے لیے کچھ کروں گی۔ میٹرک کے بعد کچھ نہ کچھ لکھنا شروع کردیا دو تین ناول بھی لکھ چکی ہوں‘ ارے آپ حیران مت ہوں ابھی وہ صرف میرے پاس ہیں میں نے ابھی کسی بھی ادارے میں شرکت نہیں کی کیونکہ ابھی میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی جب اپنے آپ کو اس قابل سمجھوں گی تو سب سے پہلے آنچل میں شرکت کروں گی۔ اب بھی یہ میرا کسی بھی ادارے میں ابتدائی قدم ہے اور میرے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہورہی ہے جیسے میں لو لیٹر لکھ رہی ہوں ویسے وہ تو میں لکھ رہی ہوں لیکن صرف آنچل کے لیے اور مجھے یقین ہے کہ آنچل وحجاب پڑھنے والوں لکھنے والوں کو میری شرکت پسند آئے گی‘ اگر نہیں آئی تو میں معذرت کرتی ہوں۔ اکثر لوگ مجھے کہتے ہیں کہ انا پرست ہوں اور جو مجھے زیادہ قریب سے جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ نرم دل کوئی ہے ہی نہیں۔ مجھے میک اپ پسند نہیں‘ زیادہ تر سادہ رہتی ہوں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں میں بہت زیادہ بولتی ہوں جبکہ میرے خیال میں‘ میں صرف کام کے وقت بولتی ہوں۔ آپ لوگ بوریت محسوس تو نہیں کررہے اگر کررہے ہیں تو پلیز مجھے تھوڑی دیر اور برداشت کرنا پڑے گا۔ میری پسندیدہ رائٹرز اقرأ صغیر احمد‘ عشنا کوثر‘ نازیہ کنول نازی‘ عمیرہ احمد اور فرحت اشتیاق ہیں۔ پسندیدہ ناول میں ’’محبت دل پہ دستک‘ یہ چاہتیں یہ شدتیں‘ پیر کامل‘ سبز رتوں کی جھلمل میں اور افسوس جاں شامل ہیں اس کے علاوہ ایک قطعہ جو مجھے بے حد پسند ہے آپ کے ساتھ شیئر کروں گی۔

کھلتے پھولوں کی ردا ہوجائے
اتنی حساس ہوا ہوجائے
مانگتے ہاتھ پر کلیاں رکھ دے
اتنا مہربان میرا خدا ہوجائے

یوں تو میری بہت سی دوستیں ہیں جن سے بہت زیادہ گپ شپ رہتی ہے لیکن میں اپنی پرسنل باتیں

صرف ڈائری سے شیئر کرتی ہوں۔ میرے خیال میں میں نے کچھ زیادہ ہی لمبا تعارف لکھ دیا ہے' تمام پڑھنے والیوں کا شکریہ' میں کیسی لگی اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا' میں انتظار کروں گی اگر کوئی بات بری لگی ہو تو معذرت چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

کنیز فاطمہ کرن

پیارے قارئین' رائٹرز اور ایڈیٹرز کو میرا پیار بھرا سلام اور میرے آنچل کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ یہ یوں ہی مہکتا رہے' ترقی کرے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جائے تو جناب بندی تعارف کی طرف آتی ہے' مجھے کنیز فاطمہ کہتے ہیں۔ میرا نام والد صاحب نے رکھا اور میں ان کی لاڈلی بیٹی ہوں' کنیز میری پھوپو کا نام ہے اور فاطمہ دادی کا دونوں میری آمد سے قبل ہی وفات پا چکی تھیں تو ابو نے میرا نام یہ رکھ دیا۔ 10 اکتوبر 1993ء کو اس دنیا میں تشریف لائی' ہم تین بہنیں اور چار بھائی ہیں۔ میں نے ایف ایس سی کیا ہے اور 875 نمبر حاصل کیے' ڈاکٹر بننا میرا خواب تھا جو کہ پورا نہ ہوسکا اب میں بی اے کررہی ہوں۔ سادگی بہت پسند ہے' بناوٹ اور منافقت اچھی نہیں لگتی' میری سب سے بڑی خوبی خوش اخلاقی اور عاجزی ہے۔ میری پسندیدہ شخصیت میری فیملی ہے' میرے بڑے بھائی ہیں جو سچائی پسند' دیانت دار' اصول پسند اور ہمارا بہت بہت خیال رکھنے والے ہیں۔ رنگوں میں سفید اور گلابی رنگ اچھا لگتا ہے' سبزیوں میں کریلے اور پھلوں میں انگور۔ پسندیدہ شاعر علامہ اقبال ہیں' پسندیدہ کھلاڑی شاہد خان آفریدی اور پسندیدہ ایکٹر میکال ذوالفقار ہیں۔ اپنے ملک سے بہت محبت کرتی ہوں' پاک فوج بہت پسند ہے جہاں مجھے آرمی کے افسران نظر آئیں میرا دل ان کو سلیوٹ کرنے کو کرتا ہے۔ تمام دوستیں اور ٹیچرز بہت اچھی ہیں اور میرے ساتھ مخلص ہیں۔ میری دوستوں میں درناز' شمائلہ' سعدیہ' انیلا' ناہید' عابدہ' مہوش' عفت' عنبرین اور سمعیہ ہیں۔ پسندیدہ ٹیچرز میں مس نورین' مس زکیہ' مس صبا' مس قیصرہ اور مس مہوش ہیں۔ زندگی کے بارے میں بس اتنا ہی کہوں گی......

زندگی کا کوئی احسان نہیں ہے مجھ پر
میں نے ہر ایک سانس کی قیمت دی ہے

پہلی دفعہ حجاب میں لکھا ہے' کچھ اشعار' اقوال اور ایک کہانی بھیجی ہے دعا ہے کہ شائع ہوجائیں۔ نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف طور نے بہت متاثر کیا ہے' امید کرتی ہوں کہ میرے آنچل و حجاب والے مجھے اداس نہیں کریں گے' سب کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اور نیک تمنائیں۔ اپنی رائے سے آگاہ کیجیے کہ میں آپ کو کیسی لگی' دعاؤں میں یاد رکھنا اسی کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی' پاکستان زندہ باد۔

مصباح بتول

السلام علیکم! میں آج آپ کا تعارف ایک ایسی ہستی سے کروارہی ہوں جس کا نام بھی آپ نے پہلی بار پڑھا ہوگا۔ میرا پورا نام مصباح بتول ہے والد کا نام نثار احمد ہے' میں نے 1992ء میں فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں 109 میں جولائی کی رات کو جنم لیا۔ کاسٹ ہماری جٹ ہے' چار بھائی ہیں' اکلوتی بہن ہوں۔ سب سے بڑے بھائی شکیل ان کے بعد میں اور پھر بھائی نوید پھر بھائی ندیم پھر لاسٹ پر بھائی وسیم۔ میٹرک پاس ہوں پڑھنے کا شوق تو بہت ہے لیکن امی جان ذہنی مریضہ ہیں اس لیے میں آگے پڑھ نہیں سکی' دسمبر میرے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔ 12 ربیع الاول' 12 دسمبر کی شام کو میرے پیارے ابو ہم سے جدا ہوگئے' آپ سب سے التجا ہے میرے پیارے ابو جان کے لیے دعائے

مغفرت کریں' اللہ تعالیٰ میرے پیارے ابو جان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر کرنے کی توفیق دے' آمین۔ میری امی جان کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی شفاء دے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے' آمین۔ کھانے میں آئسکریم' سموسے' بریانی پسند ہے۔ جیولری میں چوڑیاں' لاکٹ' بندے پسند ہیں۔ مہندی بہت پسند ہے' پھولوں میں سرخ گلاب پسند ہے۔ چوہدویں کا چاند' جھیل' سمندر کی لہریں' بارش بہت پسند ہے۔ میڈم سمیرا اور ٹیچر صائمہ اچھی لگتی ہیں' دوستی کرنا اچھا لگتا ہے کوئی دوستی کرنا چاہے تو موسٹ ویلکم ویسے دوستوں میں کچھ کے نام لکھ رہی ہوں جو مجھے بہت پسند ہیں اور میں ان کو کبھی بھی چھوڑ نہیں سکتی سامیہ' شمائلہ' کرن' ارم' صائمہ' سعدیہ' رخسانہ تو میری خالہ بھی ہیں اور بہت اچھی دوست بھی۔ سامیہ اور آنٹی رخسار میری دکھ سکھ کی ساتھی ہیں' لباس میں شلوار قمیص اور دوپٹہ پسند ہے۔ کتابوں کو پڑھنا میرا جیون ہے' میری فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور حضرت عمرؓ، علیؓ، ابوبکرؓ ہیں۔ خوبیاں اور خامیاں بھی ہیں' خوبیاں یہ ہیں کہ حساس ہوں' نرم دل ہوں یقین جلدی کرلیتی ہوں۔ خامیاں یہ ہیں کہ غصہ بہت آتا ہے' کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ٹھوکر کھا کر بھی سنبھلتی نہیں ہوں پھر یقین کرلیتی ہوں' جب اعتبار ٹوٹتا ہے تو بہت دکھ ہوتا ہے۔ اقرأ صغیر' نازیہ کنول نازی' فاخرہ گل' سمیرا شریف' افشاں علی کے ناول پڑھنا پسند کرتی ہوں۔ میری خواہش ہے والدہ کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا ہے۔ شاعروں میں وصی شاہ اور فراز پسند ہیں' اب اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ ''اللہ تعالیٰ سب کے والدین دک لمبی زندگی دے اور ہر ایک کو نیک اولاد سے نوازے' آمین۔'' ہمارا آنچل و حجاب دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے' اللہ حافظ اور جو بھی دوستی کرنا چاہے مجھ ناچیز سے تو موسٹ ویلکم مجھے انتظار رہے گا' فی امان اللہ۔

ماریہ کنول ماہی

السلام علیکم! آنچل وحجاب کے تمام اسٹاف' ریڈرز اینڈ رائٹرز کو مابدولت کا محبتوں اور چاہتوں سے لبریز سلام قبول ہو۔ دوسری بار تعارف بھیج رہی ہوں اللہ کرے اب شائع ہوجائے' آمین۔ جی قارئین آیئے ہم آپ کو ملواتے ہیں گوجرانوالہ ریاست کی سب سے کیوٹ اینڈ سویٹ سی شہزادی ماریہ کنول ماہی سے۔ ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور مابدولت کو ماشاء اللہ چار بھائیوں کی اکلوتی اور لاڈلی سسٹر ہونے کا شرف حاصل ہے الحمدللہ۔ بڑے بھائی شاہد چٹھہ میرڈ ہیں' عبدالرحمٰن اور عبدالسلام کراچی میں رہائش پذیر ہیں اور سب سے چھوٹا حافظ محمد فہد الحمدللہ حافظ قرآن بن رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن اشاعت توحید و سنہ کا بہت بڑا عالم وفاضل بنانے کا ارادہ ہے اور آپ سب کی دعاؤں سے بن جائے گا' ان شاء اللہ۔ اب اجازت ہوجائے مابدولت کی تو ہم پانچ دسمبر کو اس دنیا فانی میں تشریف لائے اور ہم اکلوتی ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں کبھی پیار سے تو کبھی ایموشنل بلیک میل کرکے (ہاہاہا) میں اپنی فیملی میں سب سے زیادہ اپنے بڑے بھائی شاہد سے کلوز تھی پر اب نہیں' پتا ہے کیوں جب سے ان کی شادی ہوئی ہے وہ بالکل ہی الگ ہوگئے ہیں۔ اب تو میں ان سے بات کرنے کو بھی ترستی ہوں' فرینڈشپ تو اب دور کی بات ہے (ہے نا افسوس کی بات) چلو جی کوئی گل نہیں (بس اللہ ان کو شاد وآباد رکھے)۔ بھائی عبدالسلام بھی دوستوں جیسا ہی ہے ویسے بھی بھائیوں کو ہی میں اپنی

فرینڈز لسٹ میں شامل کرتی ہوں سوائے عبدالرحمٰن وہ تو بالکل ہٹلر کا جانشین ہے (اف اللہ) پسند اور ناپسند کی بات آئے تو جناب کو کھانے میں رزق حلال پسند ہے چاہے سوکھی روٹی کا ایک نوالہ ہی ملے۔ پہننے میں مجھے بالکل مشرقی لباس پسند ہے جو میرے جسم کے ساتھ میری روح کو بھی سکون دے۔ رنگوں میں بلیک' وائٹ اینڈ میرون پسند ہے۔ گیلی مٹی کی خوشبو' گلاب کا پھول اینڈ سفید موتیا پسند ہے۔ جنوری کی شامیں' دسمبر کی راتیں' دھند سے لپٹی ہوئی اچھی لگتی ہے' بارش میں کھیلنا اور شرارتیں اچھا لگتا ہے۔ خوشبو کی تو میں دیوانی ہوں پر لگاتی شاذ و نادر ہی ہوں (وہ بھی گھر میں) باہر لگا کر آج تک نہیں گئی۔ فیورٹ بک' قرآن مجید' احادیث رسول ﷺ' فیورٹ پرسنلٹی نبی پاک ﷺ' قائداعظم محمد علی جناح اینڈ علامہ اقبال۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال اینڈ فراز احمد۔ خوبیاں اینڈ خامیاں...... خوبیاں تو نہ ہونے کے برابر ہیں بقول امی کے میں دنیا کی واحد لڑکی ہوں جس میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے ویسے آپس کی بات ہے وہ تو مجھے بڑھاپے تک بھی سگھڑاپے کی سند نہیں دے سکتی۔ مجھ میں سب سے بڑی خوبی پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھتی ہوں کسی کو بددعا نہیں دے سکتی چاہے کسی نے میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکا فراڈ کیا ہو۔ خامیاں تو اس قدر کثرت سے ہیں کہ ماؤنٹ ایورسٹ بھی ان کے سامنے کم لگے۔ غصہ کی بہت تیز ہوں جب آجائے اور جس پر آجائے پھر دل چاہتا ہے اسے مار دوں یا خود مر جاؤں۔ منافق اور دھوکے باز لوگوں پر بے تحاشہ غصہ آتا ہے' میں سمجھتی ہوں جیسی میں ہوں اندر اور باہر ایک جیسا سامنے والا بھی بالکل ایسا ہی ہو پر افسوس اس دور میں بے ایمان زیادہ ہیں جنہوں نے دنیا کی خاطر اپنا ایمان بیچ رکھا ہے۔ میری تمنا جو سب پر حاوی ہے اپنی فیملی کے ساتھ حج وعمرہ کرنا۔ لاء گریجویٹ کر کے مقابلے کا امتحان دے کر اے ایس پی آف پنجاب پولیس بننا ہے اس کے بعد شہادت کا رتبہ پانا اللہ کرے میری ہر دلی خواہش پوری ہو' آمین۔ میرا مشغلہ پڑھنا اور لکھنا ہے' رائٹرز کا اعزاز حاصل کرنا بھی میرے خواب میں شامل ہے۔ دوستوں میں خدا کی ذات کے علاوہ ون اینڈ اونلی نازیہ امین آپی ہے اللہ اسے ہمیشہ شاد و آباد رکھے' آمین۔ حساس اور ضدی بہت ہوں' میری ضد سے تو میرے گھر والے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ رحم دل اور مہربان بھی بہت ہوں کسی پر ظلم نہ کر سکتی ہوں نہ ہوتا دیکھ سکتی ہوں۔ میری دعا ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا ہے اللہ پاک ان سب کو ان کے ظلم سے بچا کر عزت اور آزادی کی زندگی نصیب فرمائے' آمین۔ یار گھور کیوں رہی ہیں جا رہی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمارے ملک پاکستان کو رہتی دنیا تک آباد رکھے اور اس کا کونا کونا پر امن اور خوشیوں کا گہوارہ بن جائے' آمین۔ اوکے جی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' فی امان اللہ۔

رخ سخن

سباس گل

فاخرہ گل

☆ ماں کا دیا ہوا بہترین تحفہ؟
فاخرہ گل: اعلیٰ تربیت۔
☆ ڈریسز میں کیا پسند ہے، کیا لباس پہنتی ہیں؟
فاخرہ گل: چوڑی دار پاجامے فراک اور شلوار قمیص کے ساتھ بڑے سے دوپٹے گرمیوں میں بہت اچھے لگتے ہیں جبکہ

سردی میں ٹراؤزر شرٹ کے ساتھ اسکارف لیتی ہوں۔
☆ کسی کی محبت دیکھنی ہو تو؟
فاخرہ گل: اپنے اوپر ذرا مشکل وقت آنے دیں سارے چہرے اور جذبے مکمل سچائی کے ساتھ نظر آجاتے ہیں۔
☆ گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟
فاخرہ گل: اللہ کا شکر ہے مجھے اپنے گھر کا ایک ایک کونہ جنت کا ٹکڑا لگتا ہے۔
☆ کس کے میسج کا فوری جواب دیتی ہیں؟
فاخرہ گل: بہنوں کے۔
☆ آپ بہت سے لوگوں کی پسندیدہ رائٹر ہیں یہ بتایئے آپ کے پسندیدہ رائٹر کون ہیں؟
فاخرہ گل: بانو قدسیہ، بانو قدسیہ اور بانو قدسیہ۔
☆ آپ اپنی شخصیت کو تین الفاظ میں کیسے بیان کریں گی؟
فاخرہ گل: محبت، عاجزی، رحمت۔
☆ خدا کی بہترین تخلیق؟
فاخرہ گل: بلاشبہ انسان۔
☆ کھانے کی ٹیبل پر کیا نہ ہو تو کھانے کا مزہ نہیں آتا؟
فاخرہ گل: کھانے کی ٹیبل پر ساتھ کھانا کھانے کے لیے کوئی بندہ ضرور ہونا چاہیے، کھانا کتنا ہی بہترین کیوں نہ ہو لیکن میں اکیلے نہیں کھا سکتی۔
☆ دن کے کس حصے میں خود کو فریش محسوس کرتی ہیں؟
فاخرہ گل: صبح سویرے ظاہر ہے زیادہ فریش ہوتی ہوں ورنہ میں عام طور پر تو پورا دن ہی فریش رہتی ہوں۔
☆ سینما میں سب سے پہلی فلم کون سی دیکھی تھی؟
فاخرہ گل: سینما؟ میں نے تو آج تک سینما نہیں دیکھا اور نہ ہی فلموں کا شوق ہے چھوٹے تھے تو ابو کو فلمیں دیکھنا پسند نہیں تھا اسکول میں کلاس فیلوز باتیں کرتی تھیں کہ فلاں فلم بہت اچھی ہے وغیرہ تو ایک مرتبہ امی سے کہا کہ امی کوئی بات نہیں ہم فلم دیکھ لیتے ہیں ابو کو پتا تھوڑی چلے گا جس پر امی نے جواب دیا تھا کہ
"فرمانبرداری یہ نہیں ہوتی کہ والدین کے سامنے ہوں تو ان کی بات مانی جائے بلکہ اچھے بچے تو وہ ہوتے ہیں کہ جنہیں والدین ایک مرتبہ کسی کام سے منع کردیں تو وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں تو بھی وہ کام نہ کریں صرف یہ سوچ کر کہ یہ کام ہمارے امی ابو کو پسند نہیں ہے۔
بس پھر اس کے بعد کبھی کہا ہی نہیں اور نہ کبھی دلچسپی محسوس کی۔
☆ اپنے تجربے سے سیکھتی ہیں یا دوسروں کی غلطیوں سے؟
فاخرہ گل: میرا مشاہدہ بہت تیز ہے لہذا تجربے تک بات آنے سے پہلے ہی مشاہدے کی مدد سے بہت کچھ سیکھا۔
☆ طبیعت میں ضد ہے؟
فاخرہ گل: بہت زیادہ خیر اب آہستہ آہستہ بہت تبدیلی

آئی ہے۔

☆بوریت کس طرح دور کرتی ہیں؟

فاخرہ گل: زندگی اتنی مصروف ہے کہ بور ہونے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔

☆میوزک کے حوالے سے پسندیدہ شخصیت؟

فاخرہ گل: تین چار سال ہوئے، میوزک سننا چھوڑ چکی ہوں۔

☆کسی کو فون نمبر دے کر پچھتائیں؟

فاخرہ گل: نہیں، بہت کم لوگوں کے پاس نمبر ہے اور جن کے پاس ہے وہ سب بہت اچھے ہیں۔

☆آپ کے ہینڈ بیگ کی تلاشی لی جائے تو کیا نکلے گا؟

فاخرہ گل: پانی کی ایک چھوٹی بوتل، چاکلیٹ، پرفیوم، والٹ، چابی اور ایک چھوٹا سا پرس جس میں ہینڈ لوشن مسکارا اور لپ کیئر کی چیزیں ہوتی ہیں یعنی کہ ضرورت کی ہر چیز ہر وقت میرے پاس ہوتی ہے۔

☆کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟

فاخرہ گل: بالکل بھی نہیں، میرے پاس کپڑے جوتے ہینڈ بیگ وغیرہ کچھ بھی بہت زیادہ تعداد میں نہیں ہیں میرے پاس چیزیں زیادہ ہو جائیں تو مجھے بے چینی ہونے لگ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نئی چیزیں خرید کر انہیں استعمال کرنے سے پہلے ہی پرانی دے دیتی ہوں، اگلے موسم کے لیے میں نے کبھی بھی کپڑے وغیرہ سنبھال کر نہیں رکھے کچھ رکھ کر باقی دے دیتی ہوں اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ جس نے اس مرتبہ سب کچھ اتنا بہترین دیا تھا تو اگلے موسم میں بھی وہی دے گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس پر توکل کرنے والوں میں سے ہوں یعنی جمع کرنے سے زیادہ دینے پر میرا ایمان ہے۔

☆نصیحت جو بری لگتی ہو؟

فاخرہ گل: کوئی بھی نصیحت بری لگتی ہے نہ ہی نصیحت کرنے والے کیونکہ نصیحت کوئی تبھی کرتا ہے جب آپ کو مزید بہتر دیکھنا چاہتا ہے۔

☆وقت کی پابندی کرتی ہیں؟

فاخرہ گل: کچھ کاموں میں تو سو فیصد کرتی ہوں ورنہ کوشش ضرور ہوتی ہے۔

☆کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟

فاخرہ گل: آپ یہ پوچھیں کہ کن کیڑوں سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ مجھے تو سب ہی کیڑوں بلکہ چھپکلی وغیرہ سے بھی ڈر لگتا ہے اور اس میں بھی کیڑوں کی ہی غلطی ہے کہ وہ بغیر کسی ایڈوانس اطلاع اور دعوت کے کیوں آ جاتے ہیں۔

☆اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟

فاخرہ گل: ہاں کر لیتی ہوں مگر صرف اس جگہ جہاں اعتراف کو قبول کیا جائے یا سراہا جائے ورنہ اللہ کے سامنے ہر بات کرتی ہوں ہمیشہ۔

☆دل کی سنتی ہیں یا دماغ کی؟

فاخرہ گل: ویسے تو دماغ کو دل پر اس لحاظ سے فوقیت ہے کہ جسمانی لحاظ سے بھی دیکھا جائے تو دماغ کو ہر جسمانی عضو سے برتر اور اوپر جگہ دی گئی ہے لیکن اس کے باوجود میری دل کے ساتھ زیادہ دوستی ہے اس کی سنتی ہوں اور اس کے مکین یعنی اللہ سے کہتی ہوں۔

☆کبھی غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟

فاخرہ گل: بہت دفعہ، کیونکہ غصے میں کتنی ہی کوشش کروں کچھ کھایا نہیں جاتا۔

☆کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟

فاخرہ گل: کبھی بھی نہیں، ایک مرتبہ امی نے ایک بات کہی تھی جب ہم چھوٹے تھے انہوں نے کہا تھا کہ چھپکلیاں پہلے انسان تھیں لیکن ان میں دیواروں سے لگ کر چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سننے کی عادت تھی اس لیے انہیں ہمیشہ کے لیے ہی دیواروں سے لگا دیا گیا انہوں نے تو بس ایک کہانی کے طور پر یہ بات صرف اس لیے سنائی تھی کہ ہم میں وہ عادت نہ

آئے اور واقعی پھر ایسا ہی ہوا۔ بلکہ کئی مرتبہ ایسا موقع بھی ملا اور تجسس بھی ہوا لیکن یہ کہانی یاد آجاتی تھی۔

☆ نیند کی کچی ہیں یا گہری نیند سوتی ہیں؟
فاخرہ گل: اللہ کا شکر ہے ہمیشہ پرسکون اور گہری نیند سوتی ہوں۔

☆ پیار کا نام؟
فاخرہ گل: فاخرہ ہی ہے۔

☆ تاریخ پیدائش، شہر۔
فاخرہ گل: دس اگست، گجرات

☆ غصے میں ری ایکشن زبان درازی یا توڑ پھوڑ؟
فاخرہ گل: ڈیپینڈ کرتا ہے کہ غصہ کس پر ہے اگر کوئی بہت اپنا ہو تو غصے کا بھرپور اظہار کرتی ہوں ورنہ صرف خاموشی۔

☆ کبھی غرور آیا دماغ میں؟
فاخرہ گل: کس بات پر میرا کیا ہے جس پر غرور کروں غرور تو اسے سجتا ہے جس کا سب کچھ ہے، ہم انسان کیا اور ہماری اوقات کیا آج ہیں کل شاید نہ ہوں تو پھر غرور کس بات پر آئے گا دماغ میں۔

☆ پسندیدہ موسم؟
فاخرہ گل: بہار۔

☆ کوئی ایک پسندیدہ شعر؟
فاخرہ گل: ایک تو مشکل ہے کیونکہ ڈھیروں اشعار پسند ہیں۔

☆ اپنی شاعری میں سے کچھ شیئر کریں جو خود آپ کو بہت پسند ہو؟
فاخرہ گل: مجھے اپنی لکھی ہوئی شاعری میں یہ چند لائنیں
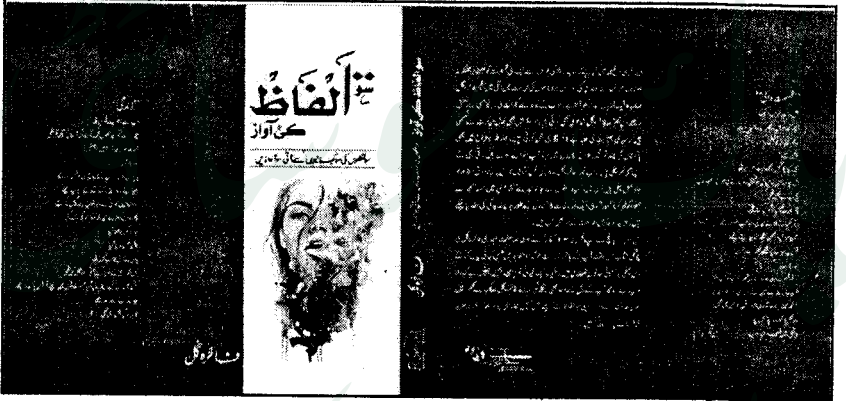
☆ برا وقت جو گزرا؟
فاخرہ گل: امی کے ہوتے ہوئے سب کچھ حسین تھا ان کے جانے کے بعد سے اب تک کچھ بھی اچھا نہیں لگتا نہ کوئی وقت نہ چیز۔

☆ زندگی کا نچوڑ کیا ہے کوئی ٹپ؟
فاخرہ گل: ایسے رہا کرو کہ لوگ کریں آرزو
ایسا چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

☆ کیا آپ کی دعائیں یا آپ کے خواب کبھی پورے ہوئے ہیں؟
فاخرہ گل: اللہ کا شکر ہے میری بہت زیادہ دعائیں قبول ہوتی ہیں اکثر خواب بھی (اچھے ہوں یا برے) سچے ہو جاتے ہیں۔

☆ اللہ کے ساتھ آپ کا رشتہ کیسا ہے؟
فاخرہ گل: دوستی اور محبت کا۔

بہت پسند ہیں۔

میرے ہم نوا کو خبر کرو مجھے زندگی کی نوید دے
میرے رت جگے ہیں طویل تر انہیں روشنی کی سعید دے
سر لوح شام فراق پھر کبھی ساتھ تیرا نصیب ہو
وہی پل ہوں جاں سے عزیز تر جنہیں تیرا قرب کشید دے
ہے ساعتوں میں سرور سا وہی لفظ ہیں ابھی گونجتے
ہے کوئی جو ماضی قریب سے مجھے بیتے لمحے خرید دے
وہ شفق شفق سا ہو سامنے اسے دیکھ لیں تو قرار ہو
سر خامشی ہو یوں گفتگو کہ جو زندگی کی امید دے
سر دشت دل جو سحاب تھیں نہیں اب رہیں وہ محبتیں
جو تیرے حوالوں کا ناز تھے انہیں ایک موقع مزید دے
فاخرہ گل

☆ زندگی میں کبھی کچھ ایسا چاہا جو نہ مل سکا ہو؟

فاخرہ گل: نہیں اب تک ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ بہت کچھ بن مانگے ملا۔

☆سنجیدہ ہیں یا چلبلی؟

فاخرہ گل: خوش مزاج ہوں، خوش رہنا اور دوسروں کو خوش دیکھنا پسند ہے۔

☆سونے جاگنے کے کیا اوقات ہیں؟

فاخرہ گل: فجر کے وقت جاگنا البتہ سونے میں ہمیشہ بارہ ایک تو کم از کم بج جاتے ہیں، اس وقت بھی صبح کے پونے تین بج رہے ہیں۔

☆فنکشنز پر شوق سے جاتی ہیں یا مجبوراً؟

فاخرہ گل: موڈی ہوں، موڈ پر ڈیپینڈ کرتا ہے۔

☆دوستی سوچ سمجھ کر کرتی ہیں یا بنا سوچے سمجھے؟

فاخرہ گل: بھئی کیا دوستی بھی سوچ سمجھ کر کی جاتی ہے میرا تو خیال ہے یہ تو خود بخود ہی ہوتی ہے آپ کی سوچ اور خیالات جس سے بھی مل جائیں۔

☆اسٹوڈنٹ لائف کیسی رہی؟

فاخرہ گل: بہت زبردست، حکمرانی کا دور تھا میرے اللہ کا شکر ہے اسکول وغیرہ میں ٹیچرز اور پروفیسرز کی آنکھوں کا تارہ رہی۔

☆پڑھائی میں لائق تھیں یا ایوریج؟

فاخرہ گل: اگر اسے اپنے منہ میاں مٹھو نہ سمجھا جائے تو بے حد ذہین تھی اور اس لیے ہی اساتذہ کی گڈ بکس میں بھی سب سے نمایاں تھی۔

☆پسندیدہ اداکار، اداکارہ، گلوکار، گلوکارہ۔

فاخرہ گل: ان چیزوں کے لیے وقت ہی نہیں ہے میرے پاس دو چار مشہور لوگوں کے علاوہ مجھے انڈین پاکستانی اداکاروں کی بھی شناخت نہیں نہ کوئی دلچسپی ہے کہ وقت نکالا جائے البتہ سیاست میں گہری دلچسپی ہے۔

☆رائٹرز میں سے کوئی اچھی دوست؟

فاخرہ گل: یہ سوال تو اگر کوئی مجھ سے نیند میں بھی پوچھے تو میرا جواب سباس گل ہی ہوگا گو کہ ہمارا کوئی بہت زیادہ رابطہ نہیں ہوتا لیکن پھر بھی میں نے جتنا سباس کو محسوس کیا بہت مخلص، محبت کرنے والی اور خوب صورت دل کی مالک پایا اور پھر اس انٹرویو کے لیے جس طرح پورا سال وہ میرے پیچھے لگی رہی اتنی ہمت اور مستقل مزاجی بھی کم لوگوں میں ہوتی ہے۔

☆ایک دن کی حکومت ملے تو سب سے پہلا کام؟

فاخرہ گل: بے روزگاری کا خاتمہ۔

☆جب قارئین تعریف کرتے ہیں تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟

فاخرہ گل: اچھا لگتا ہے اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں۔

☆کون سی اپنی عادت ختم کرنا چاہیں گی؟

فاخرہ گل: ضرورت سے زیادہ حساسیت۔

☆کیسی کہانیاں لکھنا پسند ہے؟

فاخرہ گل: معاشرتی موضوعات پر۔

☆پہلی تحریر کتنے عرصے بعد چھپی تھی؟

فاخرہ گل: الحمدللہ بھیجنے کے بعد اگلے ہی مہینے چھپ گئی تھی۔

☆فارغ وقت میں کیا کرتی ہیں؟
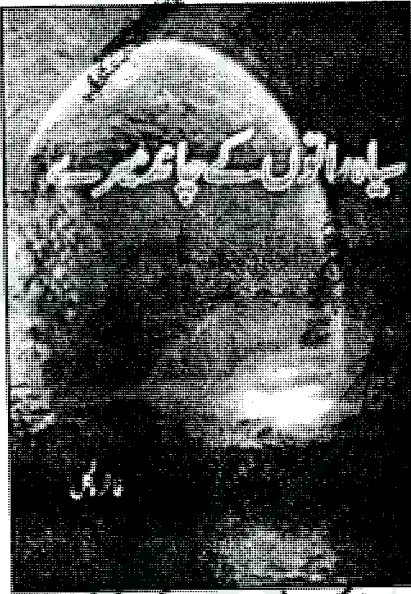
فاخرہ گل: فارغ وقت ملتا ہی بہت کم ہے لکھنے کے شوق پر بھی اپنے آرام کا وقت قربان کرتی ہوں۔

☆آپ کی سب سے اچھی عادت؟

فاخرہ گل: یہ تو دوسرے لوگ ہی ٹھیک بتا سکتے ہیں۔

☆پہلی ملاقات میں کس چیز پر دھیان دیتی ہیں؟

فاخرہ گل: انداز گفتگو۔

☆اپنے ہاتھ کی بنی کیا چیز پسند ہے؟

فاخرہ گل: بریانی۔

☆پسندیدہ فروٹ؟

فاخرہ گل: میٹھے آم لیکن بہت سارے۔
☆ کھانے کی زیادہ شوقین ہیں یا نہیں؟
فاخرہ گل: اچھا کھانے کا شوق تو ہے لیکن بہت تھوڑا سا کھانے سے ہی پیٹ بھر جاتا ہے۔
☆ دولت اہم ہے یا رشتے؟
فاخرہ گل: وہ رشتے جو دولت کو اہم نہ سمجھیں۔
☆ کوئی جملہ جو بہت زیادہ بولتی ہوں؟
فاخرہ گل: کوئی خاص جملہ تو نہیں لیکن میری کی گئی دس باتوں میں سے چھ میں امی، ابو کا تذکرہ آ جاتا ہے۔
☆ مطالعے کی اہمیت؟
فاخرہ گل: مطالعے کے بغیر بندہ سوچ تو سکتا ہے بول نہیں سکتا۔
☆ پاکستان کے لیے آپ کے جذبات؟
فاخرہ گل: بہت سے بھی کہیں زیادہ محبت ہے اپنے وطن سے اپنے سامنے کسی کو پاکستان کی برائیاں کرتے نہ برداشت کرتی ہوں نہ کرنے دیتی ہوں یہ اللہ کا خاص انعام ہے ہم سب کے لیے۔
☆ ڈپریشن میں کیا کرتی ہیں؟
فاخرہ گل: جن کا تعلق اللہ سے براہ راست ہو اور جو اپنا ہر مسئلہ اللہ سے بیان کرنے کے عادی ہوں انہیں ڈپریشن نہیں ہوتا میرا بھی یہی حال ہے۔
☆ کیا شہرت ایک نشہ ہے کیسا محسوس ہوتا ہے جب اتنے لوگ جانتے ہیں؟
فاخرہ گل: میرے نزدیک تو شہرت نشہ نہیں اللہ کی عطا ہے جو شکر گزاری کے مزید قریب لے گئی ہے۔
☆ فضول خرچ ہیں یا کنجوس؟
فاخرہ گل: متعدل۔
☆ کتابیں خریدتی ہیں یا تحفے میں بھی ملتی ہیں؟
فاخرہ گل: خود بھی خریدتی ہوں اور تحفے میں بھی ملتی ہیں۔
☆ آئینہ دیکھ کر کیا کہتی ہیں کیا کرتی ہیں؟
فاخرہ گل: اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جسمانی لحاظ سے مکمل ہوں البتہ مسکراتی ضرور ہوں۔
☆ محبت کیا ہے؟
فاخرہ گل: زندگی کی بنیادی ضرورت جس کے بغیر ساری دنیا بے رنگ اور ادھوری ہے۔
☆ کوئی ایسی کامیابی جس کی امید نہ تھی؟
فاخرہ گل: ویسے تو اب تک جہاں پر ہوں مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کبھی ایسا ہوگا۔

میں اس کرم کے کہاں تھی قابل
حضورﷺ کی بندہ پروری ہے

البتہ سو لفظوں کی کہانی لکھنے والی پہلی خاتون رائٹر کا اعزاز ملنا میرے لیے بہت غیر متوقع لیکن خوشی کا باعث بنا۔
☆ کامیابیوں کا سہرا کس کے سر جاتا ہے؟
فاخرہ گل: سب سے پہلے امی ابو جن کی حوصلہ افزائی اور دیے گئے اعتماد کے بغیر میں کچھ نہیں میری بہن نورین جس نے لکھنے کے میدان میں اس وقت میری مدد کی اور لکھنے کے لیے اکسایا جب میں بالکل چھوڑ چکی تھی اور اب میرے ہزبینڈ جس کا بھرپور تعاون میرے ساتھ ہے۔
☆ اپنے ماضی اور حال پر مختصر رائے کیا ہوگی؟
فاخرہ گل: تم الحمدللہ۔
☆ صبح اٹھتے ہی پہلا کام؟
فاخرہ گل: موبائل پر ٹائم دیکھتی ہوں۔ اس کے علاوہ شبینہ کو بھی اب تک جتنا جان پائی اتنی ہی اسے محبت کرنے والا پایا۔
☆ حجاب پڑھنے والوں کے لیے کوئی پیغام؟
فاخرہ گل: تمام قارئین سے التماس ہے کہ ناول افسانے ضرور پڑھیں مگر اس میں موجود ہیرو یا ہیروئن کو حقیقی زندگی میں پانے کی لاحاصل تمنا نہ کریں نہ ہی ان کی افسانوی زندگی کا اپنی زندگی سے موازنہ کریں ہیرو اور ہیروئن کی صرف اور صرف خوبیوں پر فوکس رکھا جاتا ہے اس لیے وہ پوری کہانی کے ہیرو ہیروئن کہلاتے ہیں۔
آپ بھی اپنی حقیقی زندگی میں ساتھ دینے والوں کی صرف اور صرف خوبیوں پر ہی نظر رکھیں ان کی اچھائیوں پر فوکس کریں اور ان کی خامیوں کو اسی طرح ذہن میں نہ لائیں جیسے رائٹرز کہانی میں نہیں لاتے پھر دیکھیے گا کہ آپ کو اپنے سے جڑے لوگ افسانوی ہیرو اور ہیروئن سے کہیں زیادہ پرکشش اس لیے بھی محسوس ہوں گے کہ آپ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں چھو سکتے ہیں محسوس بھی کر سکتے ہیں اور ان سے بات بھی کر سکتے ہیں۔ بس شرط وہی ایک کہ خوبیوں پر فوکس اور خامیوں کو نظر انداز کریں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

آغوش مادر

عائشہ نور محمد

"کیا یہ غرارہ تمہاری مما نے سیا ہے؟"

"مما کو اس کی کٹنگ ہی نہیں آتی۔" تین سالہ بچی کا زور زور سے اثبات میں ہلتا سر اپنی پانچ سالہ بہن کی بات پر رک گیا اس نے حیران ہو کر اپنی بہن کو دیکھا کیونکہ اس نے خود اپنی ماں کو اس کاٹن کے ہلکے سے سادے کپڑے پہ دن رات محنت کرتے دیکھا تھا پھر اس کی بہن جھوٹ کیوں بول رہی تھی۔

"پھر کس نے کٹنگ کی ہے؟"

"میری پرنانی نے۔" وہ مسکرا کر جتا کر بولی تھی' سننے والے فوراً ماشاءاللہ کہتے وہ پانچ سال کی تھی اس کی پرنانی 80 سال کی اور اللہ کے فضل سے اس عمر میں وہ اتنی پھرتیلی اور چاق و چوبند تھیں کہ جوانوں کو مات دیتی تھیں تو آج آغوش مادر کے لیے ایک ایسی ہی نانی کا قصہ ہے جسے سنانے والی صرف نواسی ہے ان کی اکلوتی نواسی۔

"جیسی نانی ہوتی ہے ویسی نواسی ہوتی ہے۔" یہ میرے شوہر کا کہنا ہے۔

"آپ دھوکہ کھا گئے۔" میں ہنس کر انہیں چھیڑتی ہوں' اس لیے کہ نانی مشرق ہیں اور میں شمال۔

"ہاں میں دھوکہ کھا گیا' نانی جیسی کوئی نہیں ہوسکتی کوئی بھی نہیں۔" تو شروع کرتی ہوں نانی کی باتیں تب سے جب سے مجھے باتیں یاد رہنا شروع ہوئی ہیں۔

سردیوں میں ان کے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہم سب خالا ماموں کے بچے گھس کر بیٹھے ہوتے ان سے ان کی باتیں پوچھتے تھے۔

"دادی آپ کی عمر کیا ہے؟" ان کی بڑے بیٹے کی اکلوتی بیٹی اس سے چھوٹے دو بھائی بھی ہیں۔

"جب پاکستان آزاد ہوا میں پندرہ سال کی تھی۔"

"یعنی اس وقت آپ 63 سال کی ہیں۔" نواسے نے فٹافٹ حساب کتاب کیا۔ خیال رہے اتنی عمر میں وہ ہمارے لیے ناشتا خود پکاتی تھیں اور بھی گھر کے دوسرے کام وہ خود کرتی تھیں کوئی ذمہ داری نہیں تھی لیکن کوئی کام کبھی پڑا بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"اور انڈیا کیسا تھا؟" فلموں ڈراموں میں بھارت کو دیکھنے والے شوقین......

"بہت اچھا' میرے ابا ریلوے میں تھے جگہ جگہ ٹرانسفر ہوتا اور ہم مختلف شہر گھومتے' کتنا اچھا وقت تھا وہ بھی۔"

"نانا سے ملاقات کہاں ہوئی آپ کی؟" وہ ان کا آج کا دور کا بے باک نواسا۔

"کیا......؟ توبہ' میں کیوں ملنے لگی ابا کی پسند تھا ان کا رشتہ۔" وہ یوں شرمائی تھیں' آج کی دلہن میں بھی وہ شرم مفقود ہوگی۔

"ہونہہ......" ان دونوں کو جوڑنے والی نے خفگی سے دیکھا۔

"نہیں تو دیکھیں کتنا شرما رہی ہیں۔" ساری ینگ جنریشن ہنسنے لگی تھی۔

"آپ کی شادی کب ہوئی؟"

"جب پاکستان آزاد ہوا میری شادی کو دو تین ماہ ہوگئے تھے۔"

"پندرہ سال کی اتنی کم عمر میں شادی۔"

"تب اس عمر میں ہی شادیاں ہوجاتی تھیں خیر اب بھی ہوجاتی ہیں مگر وہ دور......"

ہمارے نانا بھی بہت اچھے تھے' ہم نے انہیں تو نہیں دیکھا خالہ کے بڑے دونوں بیٹوں نے دیکھا تھا مگر وہ بھی دھندلا دھندلا یاد ہے انہیں۔ وہ بے حد کھلے دل اور کھلے ہاتھ کے تھے تو نانی بھی ایسی ہی ہیں۔ امی کہتی ہیں کہ ہمارے یہاں روز بہت سا کھانا پکتا تھا اور آخر میں نانی کو بھوکا رہنا پڑتا کیونکہ مہمان اس

قدر ہوتے تھے۔

"نانی بہت غصہ آتا ہوگا آپ کو۔"

"غصہ کیوں آتا اللہ کا شکر تھا کہ اس نے ہمیں اتنا دیا تھا کہ ہم اس کے بھیجے گئے مہمانوں کو کھلا پلا سکتے۔"

"پھر آپ کیا کھاتی تھیں؟ کیا پھر اپنے لیے کھانا پکاتی تھیں؟" ان کی کاہل نواسی پریشان تھی۔

"نہیں بھئی بہت کچھ ہوتا تھا کھانے کو بھوکے کیوں رہتے۔" وہ 47ء کا دور تھا جب مسلمان جوق در جوق پاکستان آرہے تھے رشتہ دار، رشتہ داروں کے رشتہ دار جسے جہاں جگہ مل رہی تھی وہ وہی کا ہو جاتا۔

"بھائی کا بس نہیں چلتا ورنہ ریلوے اسٹیشن جا کھڑے ہوں اور ہندوستان سے آنے والے ہر لٹے پٹے قافلے کو اپنے گھر لے آئیں۔" نانا کے چھوٹے بھائی اپنے بھائی کو دریا دلی سے تنگ تھے، سرکاری جاب ایمانداری سے کرتے ہوئے میرے نانا مختلف کام بھی کرتے تھے ہومیوڈاکٹر بھی تھے لیکن وہ لوگ ہی ایسے تھے جنہیں اللہ کی راہ میں دینے کا شوق ہوتا ہے اور اللہ انہیں نوازرہا ہوتا ہے بظاہر کوئی اسباب بھی نہ تھے۔

ریٹائرمنٹ کے بعد نانا نے ایک کارخانہ کھول لیا' جہاں ہر ڈیزائن کے کپڑے سلتے' محلے کے سبھی گھروں میں اس کام کی مقبولیت ہوگئی اور کام اتنا بڑھا کہ پورے علاقے میں نانا کا گھر مشہور ہوگیا لیکن کٹنگ کا سارا کام میری نانی کا تھا۔ میکسیاں' غرارے' اسکرٹ' بلاؤز (کیونکہ انگریزوں کو گئے زیادہ وقت نہ ہوا تھا) آخر وہ کون سا ڈیزائن تھا جو وہ کٹنگ نہ کرسکتی تھیں۔ میری شادی ہوجانے کے بعد بھی میں نے آدھے پاجامے انہی کے ہاتھ کے سلے ہوئے پہنے۔ میری اور خالہ کے بیٹے کی دلہن کے شرارے انہوں نے ہی سیے تھے۔

میری شادی کے وقت ان کی عمر 75 سے 76 سال تھی لیکن وہ بہت چاق وچوبند تھیں اتنی کہ ان کے آگے ہم بیمار تھے یوں کہ ہم دسترخوان سمیٹ کر کچن میں کچھ دیر کے لیے ہی سہی رکھ آتے لیکن وہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اٹھتیں تو اپنی پلیٹ بھی کھنگال کر ریک میں لگا آتیں' چائے پیتیں تو کلی کرنے جاتیں اور کپ دھوکر آجاتی تھیں۔ ان کے کپڑے تو کبھی ہم میں سے کسی نے دھوئے ہی نہیں' نہانے جاتیں تو ساتھ ہی اپنا پہنا ہوا سوٹ دھو کے باہر آتی تھیں۔ بیٹیاں، بہوئیں غصہ ہوتیں۔

"امی مشین لگے گی تو کیا یہ ایک سوٹ نہیں دھل سکتا۔"

"بھئی ایک سوٹ دھونے میں وقت ہی کیا لگتا ہے۔"

"کام کام اور کام...... قائداعظم کو خود کہتے سنا تھا اس پر ہی عمل پیرا ہیں آج تک۔"

"کاش یہ تم بھی سن لیتیں۔" میرے شوہر کو موقع ملے مجھے کچھ کہنے کا' گھر کی چار دیواری کو پوری دنیا سمجھنے والی بے حد سیدھی خاتون ایک روز اپنی نواسی اور پوتی کے ساتھ بازار گئیں' پوتی نواسی آج کے دور کی لڑکیاں جلد ہی تھک گئیں اور واپسی پر ایک آٹو والے کو روک لیا۔

"ارے نہیں میں اکیلے اس میں نہیں بیٹھوں گی۔"

"اماں میں بھی آپ کے ساتھ گھر چلوں گی۔" میں نے اپنی ایک سالہ بچی کو آٹو میں بیٹھ جانے والی اپنی کزن کو تھمایا۔

"تم کیا مرد ہو؟" انہوں نے غصہ سے مجھے دیکھا۔

"دادی ہم تین دن کی مسافت پر نہیں جارہے ہیں۔" پوتی نے جلدی سے کہا۔

"اماں ڈریئے نہیں میں آپ کے بیٹے جیسا ہوں۔" رکشہ والا ہنس دیا۔

"ارے نہیں بیٹا! حالات اتنے خراب ہیں' مرد کے بغیر نکلتے بھی ڈر لگتا ہے۔" مرد کی عمر بھی ملاحظہ ہو تو پندرہ سالہ نواسہ کو ساتھ لانے کی ضد کررہی تھیں۔

سارے رستے وہ دعائیں پڑھ پڑھ کر ہم دونوں پر پھونکتی رہیں۔

"میری بچی تو بہت بہادر ہے۔" گھر پہنچتے ہی بہادری کا کریڈٹ میرے گلے میں ڈال دیا۔

"اور میں......؟"

"تم ابھی بچی ہو۔" میں نے اسے چھیڑا۔

''اس عمر میں دادی کی شادی ہوگئی تھی۔'' وہ جیسے جل گئی تھی۔

''میری یہ بچی بھی بہت اچھی ہے۔'' وہ کسی کو خفا نہیں دیکھ سکتی ہیں۔

''میرا دل چاہتا ہے دادی اوروں کی دادی کی طرح ابو کو ڈانٹا کریں۔'' بڑی پوتی کی خواہش تھی۔

''کیا...... کم از کم ایک بات تو سنا دیا کریں' میری دوست کی دادی اپنے بیٹوں پر ابھی بھی جوتا اٹھالیتی ہیں۔'' مگر اس کی خواہش خواہش ہی رہی' اس کی دادی بڑی حلیم طبیعت کی مالک ہیں' ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں ان کے سب سے بڑے بیٹے کا جب انتقال ہوا اس وقت باقی تمام بچے 15 سال سے کم عمر تھے لیکن انہیں آج بھی اس بچے کی ایک ایک عادت اچھی طرح یاد ہے حالانکہ اپنی دوائی بھول جاتی ہیں مگر وہ ماں ہیں ناں اپنا بچہ نہیں بھولتی باقی بچے عام بچوں طرح ہیں وہ آپس میں بہن بھائی کیسے بھی ہوں لیکن اپنی ماں کے اچھے بچے ہیں۔

ہر کوئی چاہتا ہے امی اس کے ساتھ ہی رہیں مگر اماں کے لیے تو سب بچے برابر ہیں سو وہ کبھی ایک کے گھر کبھی دوسرے کے گھر لیکن زیادہ وہ منجھلے ماموں کے پاس رہتی ہیں لیکن وہ نانا کا گھر تھا وہیں نانا کا انتقال ہوا اس گھر سے ان کا رشتہ پرانا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہی ان کا گھر ہے' ہم بہن بھائی نانی کا گھر کہہ کر ہمیشہ اسی گھر میں گئے' انہیں بھی اس گھر سے بے حد انسیت ہے۔ وہ بے حد خوش قسمت ہیں ان کی تمام اولاد فرماں بردار تھی اور اولاد کی اولاد بھی ایسی ہی فرماں بردار بلکہ اپنی ماؤں سے زیادہ ان کے قریب' اپنی ماؤں کی شکایتیں بھی کتنی بار ان سے لگائی ہم نے۔ کئی ایسے راز جس میں ہم نے اپنے والدین کو شریک نہیں کیا مگر ان کی محفل میں ان سے کہہ دیا۔ ہمیں کبھی یہ فکر ہی نہیں ہوئی کہ وہ کسی سے کہیں گی اور اب جب میں اپنی بیٹیوں کو دیکھتی ہوں تو مجھے اپنے بچپن کے دن یاد آتے ہیں جو سوال ہم ان سے کرچکے وہی اب میری بیٹیاں ان سے کرتی ہیں ان پرنواسیاں' چار پانچ اور ڈھائی سال کی۔

''آپ کے اتنی جھریاں کیوں ہیں؟'' ام ہانی کو ان کی جھریوں کی فکر رہتی تھی۔

''اور آپ کے دانت کیوں نہیں ہیں؟'' طابہ کیوں پیچھے رہے فکر کرنے میں۔

''اور آپ کے بابا کہاں ہیں؟'' فاطمہ کے سوال ہمیشہ الگ نوعیت کے ہوتے ہیں۔

''اماں یہ دولہا پوچھ رہی ہے۔'' ام ہانی کو ڈیفنیشن کرنے کے لیے یہی الفاظ سوجھا تھا' وہ بے اختیار ہنس دی تھیں اور اس دن کے بعد وہ اکثر فاطمہ کو چھیڑنے لگی تھیں۔

''فاطمہ تمہارا دولہا کہاں ہے؟''

''اماں وہ تو نانی کو بتا کر چلا گیا۔'' فاطمہ کون سی اٹھارویں صدی کی بچی تھی بھئی وہ آج کے دور کی بچی ایسے ایسے جواب دیتی تھی کئی سالوں تک اماں اس سے کہتی رہیں۔

''کب آئے گا تمہارا دولہا؟'' اور پھر اس کے جواب وہ مزے سے سب کو بتاتیں۔

''اور تمھیں عالیان کیسا ہے؟'' وہ پانچ سال کی تھی جب میرے بیچ والے ماموں نے پوچھا۔ یہ عالیان نام میں نے دیا اس کے دولہا کو۔

''ایں...... یہ بات نانو کو کس نے بتائی؟'' طابہ حیران......

''اماں کی بہت لاڈلی ہے فاطمہ' ہر وقت ہمارے گھر میں اسی کی باتیں ہوتی ہیں۔'' ممانی نے ہنس کر بتایا' اماں کی لاڈلی ہونے کی وجہ سے سب گھروں کی لاڈلی ہے وہ کسی کا بھی فون آجائے سب سے پہلے فاطمہ کی خیریت پوچھی جاتی ہے وہ میرے لیے بہت سی دعائیں کرتی تھیں۔

''اللہ سے دعا ہے وہ ان بہنوں کا ایک بھائی دے دے۔''

''بس اماں اللہ کا شکر ہے اس نے جس سے نوازا لیکن انہی کی دعائیں تھیں کہ شادی کے دس سال بعد اللہ نے محمد اور حرم سے نوازا۔''

''ان لوگوں نے مجھے بے حد تنگ کر رکھا ہے۔''

''محمد تنگ نہیں کرے گا' حرم ہی کرے گی۔ چار بہنوں کا

بھائی ہے سیدھا سادا ہی ہوگا۔‘‘ اور سچ ہوا محمد واقعی تنگ نہیں کرتا بہت سیدھا ہے جبکہ حرم نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔

’’اللہ کیسے سنبھالوں میں انہیں۔‘‘ مجھے سمجھ نہیں تھی اس لیے کہ سمجھانے والی میری پیاری نانی بہت بیمار ہیں‘ سیڑھیاں اترتے ان کا پیر فریکچر ہوگیا تھا‘ پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی وہ جو ساری عمر پھرکنی کی طرح گھومتی رہی تھیں اب بیڈ پر انہیں دیکھ کر ہمارے دلوں پر کیا بیتی ہے بیان سے باہر ہے۔ ان کے اس ایکسیڈنٹ سے دو تین ماہ پہلے میرے چھوٹے بھائی کی شادی تھی۔ 86 سال کی عمر میں انہوں نے مامی جیسی ڈیزائنر خاتون کو کئی بار لہنگے کی کٹنگ اور سلائی کے بارے میں مشورے دیئے۔

’’اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں یہ ہی آسان طریقہ ہے۔‘‘ مامی معترف تھیں‘ وہ واقعی ایک بہترین خاتون تھیں جو زندگی کو بہت بہتر گزار رہی تھیں لیکن اس عمر میں جو چوٹ انہیں لگی تھی اس چوٹ نے جیسے ہمارے دلوں کو گہری چوٹ دی تھی‘ اتنی عمر میں بھی انہوں نے کبھی کسی سے پانی کا گلاس نہ مانگا تھا۔

اکثر ان کے منہ سے سنتے تھے لیکن یہ بیماری بہت کم عرصے رہی انہوں نے ہمیں مہلت ہی نہ دی کہ ہم ان کی ڈھیروں خدمت کرتے۔ گیارہ ماہ بیمار رہ کر وہ اس دنیا سے چل بسی تھیں‘ ہر خاندان کی طرح کچھ لوگوں کے بیچ ناراضگیاں تھیں جنہیں وہ اپنی زندگی میں دور کرنے کی کوشش کرتی رہیں اور وہ سب ان کی موت پر یوں اکٹھے تھے جیسے کبھی ناراض ہوئے ہی نہ ہوں۔ یکم اگست 2016ء کو ان کے منہ میں کچھ چھالے ہوگئے جن کا ہر طرح سے علاج کروایا لیکن پھر بھی وہ منہ میں پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے بھی تڑپ کر رہ جاتیں۔ 15 اگست کو ان کا انتقال ہوا تھا‘ ان پندرہ دنوں میں ان کا چہرہ بے حد کملا گیا تھا ورنہ تو زندگی بھر وہ فریش نظر آئیں‘ یوسف زئی پٹھان تھیں۔

’’دادی کو تو فیشل کی ضرورت بھی نہیں ہے ایسے ہی ان کا چہرہ تو ملائم ہے۔‘‘ پوتیاں مزے سے کہتی تھیں۔

’’شرم تو نہیں آرہی ہوگی میری ماں کو نظر لگاتے۔‘‘ ماموں ہنستے۔ وہ واقعی بے حد خوب صورت تھیں بے حد گوری رنگت اور شفاف چہرہ‘ ایک نشان تک نہ تھا ان کے چہرے پر اور محض پندرہ دنوں میں ان کی رنگت بالکل جھلس گئی بات کرتیں تو الفاظ تک سمجھ نہ آتے تھے‘ میں ان کے انتقال سے چھ دن پہلے ان سے ملنے گئی تھی۔

’’حرم چلنے لگی۔‘‘ سب کہہ رہے تھے‘ ایک ڈیڑھ ماہ سے وہ کسی کو نہیں پہچان رہیں۔

’’جی اماں!‘‘ میرا دل بھر آیا تھا انہوں نے مجھے پہچان لیا تھا مجھے کسی تعارف کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

’’محمد کو بولنا نہیں آرہا۔‘‘ جب میں جولائی کے آخری ہفتہ میں گئی تھی تب وہ بالکل ٹھیک تھیں لیکن بے حد کمزور ہوچکی تھیں تب میں ان سے محمد کے بارے میں یہ بات کرکے آئی تھی کہ اسے بولنا نہیں آرہا اس کے مقابل حرم بولنے لگی ہے۔

’’نہیں اماں!‘‘ میں ان سے بہت باتیں کرتی تھی لیکن ان کا مرجھایا چہرہ ان کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہیں جارہی تھی‘ الفاظ تھے جیسے گم ہوکر رہ گئے تھے جب میں واپس آئی تو وہ مجھ سے جاتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

’’کھانا کھا کے جاتی۔‘‘

’’اماں ابھی تو آپ کے ساتھ کھایا ہے۔‘‘ اتنی بیماری میں بھی مہمان نوازی‘ اللہ ہمیں بھی ایسے اخلاق سے نوازے۔ 15 اگست کی صبح ساڑھے نو بجے وانیہ کی کال آئی (منجھلے ماموں کی بیٹی)۔

’’باجی دادی کی بہت طبیعت خراب ہے جلدی آئیں۔‘‘ میں نے فوراً ان کو اٹھایا۔

’’وانیہ نے کال کی ہے تو مطلب بہت حالت خراب ہے۔‘‘ یہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھے اور ابھی یہ بستر سے اترنے بھی نہیں پائے تھے کہ پھر کال آئی۔

’’دادی نہیں رہیں۔‘‘

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جو کیفیت تھی وہ قلم نہیں لکھ سکتا یوں لگا جیسے میں ایک دم سے بے سہارا ہوگئی ہوں۔ بے جان تو ہو ہی گئی تھی‘ بچیاں اس وقت ناشتا کررہی تھیں تینوں کے

ہاتھ رک گئے۔

میں نے پھرتی سے اٹھ کر حرم محمد کے کپڑے تبدیل کیے تھے' خود کو رونے نہیں دیا' آنسو قابو میں نہیں تھے دل قابو میں نہیں تھا بدن پر لرزہ طاری تھا لیکن زبان......اسے میں نے قابو میں رکھا تھا کیونکہ یہ ہی جنت میں لے جائے گی اور یہی واویلا کر کے جہنم کے گڑھے میں پہنچا دے گی۔

تینوں بہنوں نے ناشتا چھوڑ کر اسکارف اٹھائے تھے اور جب ہم وہاں پہنچے تو امی منجھلی ممانی' خالہ تینوں رو رو کر بے حال تھیں۔ ان کا کفن کاٹا جا رہا تھا' انہیں مدینے سے آیا سفید کپڑا بطور کفن نصیب ہوا' سبحان اللہ۔ ان کے لیے کفن تیار ہوا اور جب غسل کے لیے ان پر سے چادر ہٹائی گئی تو خود خالہ بھی حیران رہ گئیں اور منجھلی ممانی بھی کیونکہ گھر میں ان کے علاوہ کوئی نہ تھا اور انہوں نے ہی یہ چادر دی تھی' وہ سفید رنگت کی ہو رہی تھیں حالانکہ کچھ دیر پہلے ان کا یہ رنگ نہیں تھا' بے حد کملایا ہوا چہرہ تھا اور اب بے حد پر رونق تھا اس قدر چمک جیسے زندہ کے چہرے پر ہوتی ہے' بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا گویا وہ پر سکون نیند سو رہی ہوں' انہیں غسل دینے کے لیے جب تخت پر لٹایا گیا تو بے اختیار ماشاء اللہ نکلا' بدن بے حد نرم و ملائم تھا اتنا کہ موت کی سختی تو تھی ہی نہیں' مجھے تو یوں لگ رہا تھا وہ سو رہی ہیں ذرا سا ہلاؤں گی تو اٹھ جائیں گی۔ انہیں غسل دیتے ہوئے کفن پہناتے ہوئے مسلسل میرے ہاتھ کپکپاتے رہے اور جب ان کو لے جایا گیا تب دل پر قابو مشکل ہوا جا رہا تھا۔ آخری دیدار کے لیے جب گھر والوں کو بلایا گیا تو جیسے سب ان کے چہرے کی رونق پر حیران تھے' بالکل سوئی ہوئی لگ رہی تھیں' چھوٹے ماموں تو بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

''آپ بھی دیکھ لیں اماں کا آخری بار چہرہ۔'' میں نے اپنے شوہر کو بلایا۔

''نہیں وہ پردے والی خاتون تھیں' اب مجھ پر ان کے پردے کا احترام واجب ہے۔'' میرے شوہر نے انکار کر دیا بس ان کی یہ بات ان کی مجھ میں بھی ہے ورنہ تو ان جیسا کچھ نہیں میرے اندر۔

''اماں اب کوئی نہیں پسند کر رہا آپ کو نقاب تو ہٹا دیا کرو کم از کم۔'' منجھلے ماموں اکثر چھیڑتے۔

''اور کیا اس عمر میں آپ کو کون دیکھ رہا ہے؟'' لیکن 80 سال کی عمر میں بھی ان کا نقاب نہیں اترا تھا' برقعہ کیا اترتا۔ وہ بیٹوں اور نواسوں کے سامنے لیٹنے سے گریز کرتیں' داماد تو بہت دور تھے اتنی خوش قسمت کہ بچوں کے بچے اپنے بہو داماد پھر بچوں کے بہو داماد پھر ان کے بھی بچے سب اشک بار تھے۔

''امی پورا دن حرم محمد نے فیڈر نہیں پیا' ابھی بھی دے رہی ہوں تو دودھ نہیں پی رہے۔'' میں حیران تھی' کیا ان دونوں کو بھی احساس تھا کہ ہمارے سر سے ایک مشفق سایہ ہٹ گیا ہے جو لمحہ لمحہ ہم سب کے لیے فکر مند دعا گو رہتا تھا۔

''اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑوس نصیب فرمائے' آمین۔ ان کی قبر کو کشادگی اور جنت کی ہواؤں سے مہکائے' آمین۔ ان کی قبر کو وسیع کر دے اور ان پر اپنی رحمت فرمائے' ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے ساتھ اللہ عزوجل ہم پر بھی اپنا رحم و کرم فرمائے اور ہمیں صبر و ہمت عطا کرے اور ہمارے اس صبر پر ہمیں اور ان کو اجر عطا کر دے' آمین۔''

''آخر میں سب سے کہنا چاہوں گی کہ پلیز پلیز اگر آپ کے والدین حیات ہیں تو ان کی بے حد خدمت کریں' اگر کسی وجہ سے وہ ناراض ہیں اور غلطی بھی انہی کی ہے تو آپ معافی مانگ لیں' انہوں نے آپ کی پرورش میں بہت سی قربانیاں دی ہوں گی' معافی مانگ کر آپ بھی اپنی انا کی قربانی دے دیں کیونکہ اس رشتے کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا اور جب یہ چلے جاتے ہیں تو سوائے افسوس کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اپنے اور اس کے درمیان مقابلہ کب شروع کیا۔ شاید پہلی بار اس وقت جب اس کا ایڈمیشن ایک خوب صورت اور عالی شان عمارت والے مشہور انگلش میڈیم اسکول میں ہوا اور میرا داخلہ ایک بوسیدہ اور بدوضع عمارت پر مشتمل سرکاری اسکول میں کروایا گیا۔ اس کے نیوی بلو اور وائٹ چیک والے اسکرٹ بلاؤز کے یونیفارم میں اس کی گلابی مائل رنگت اس قدر کھلی کہ ہر کوئی اسے فیری سے مشابہ قرار دینے لگا جبکہ میرا سانولا رنگ روپ سرمئی رنگ کے یونیفارم میں اور دب گیا۔ مجھے اس کی ہر چیز الگ جدا اور منفرد لگتی تھی۔ اس کی ہلکی بھوری بادامی آنکھیں، گلابی مائل رنگت، عالی شان گھر اور اس میں موجود زندگی کی ہر آسائش یہاں تک کہ مجھے اس کا نام بھی اپنے نام سے اچھا لگتا تھا۔ 'روما' چھوٹا سا ایڈوانس اور ایلی گینٹ۔ اس لیے میں نے اماں سے ضد کر کے خود کو تابندہ کے بجائے ''تابی'' کہلوانے پر زور دیا۔

''اماں تمہیں اس سے پرانا نام نہیں ملا......'' میں باقاعدہ اماں سے لڑتی تھی۔

''ارے بے وقوف اتنا خوب صورت نام تو ہے' تابندہ کے معنی ہیں روشن' چمک دار۔ نام کا بھی شخصیت پر کچھ اثر ہوتا ہے گڑیا۔'' اماں مجھے بار بار سمجھاتیں۔

مگر میں نے بھی اپنی منوا کر ہی دم لیا۔ فقط اتنا ہی تو میرے بس میں تھا ورنہ میرے پاس تو ویسا کچھ بھی نہیں تھا جیسا اس کے پاس تھا۔ اگر میرا مزید بس چلتا یا میرے اختیار میں ہوتا تو میں اپنا سب کچھ اس سے بدل لیتی۔ ظاہر باطن اور شاید نصیب اور مقدر بھی...... کیونکہ اسی کے سبب تو وہ اتنی مکمل تھی۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ روما ہے کون...... میں اس سے جلن کرتی تھی یا حسد' تو آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ روما میری تایا زاد کزن تھی۔ میرے تایا جہانگیر امین' یعنی روما کے پپا پراپرٹی کے بزنس میں ترقی کرتے کرتے اسٹیٹس میں بھی ترقی کرتے چلے گئے۔ اپنے سنگل اسٹوری مکان کو انہوں نے ٹرپل اسٹوری بنگلو کی شکل دے دی۔ پرانی موٹر بائیک بیچ کر زیرو میٹر مرسڈیز لے لی۔ ان کی بیوی یعنی میری بڑی تائی ثریا جہانگیر' جنہیں وہ ایک چھوٹے سے شہر سے بیاہ کر لائے تھے' سادہ مزاج گھریلو عورت تھیں مگر جب مکان کا حلیہ بدلا تو گھر کے مکینوں کا رہن سہن اور اطوار بھی بدل گئے۔ تائی امی گھریلو خاتون سے بزنس وومن بن گئیں۔ انہوں نے میرج بیورو چلانا شروع کر دیا۔ ان کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ عورت فقط میٹرک پاس ہے۔ شہر کے مشہور سیلون سے گرومنگ کروا کر اور برانڈڈ کپڑے پہن کر وہ اپنے اونچے لمبے سراپے سے کوئی ماڈرن عورت ہی دکھائی دیتی تھیں۔ اونچی سوسائٹی میں موو کرتے کرتے اور ٹی وی دیکھ دیکھ کر وہ انگریزی کے چھوٹے چھوٹے جملے بھی بولنے لگی تھیں۔ تایا ابو پہنتے تو پہلے کی طرح شلوار کرتا تھے مگر کپڑے کی کوالٹی منہ سے بولتی تھی۔ اس کے برعکس میرے ابو یعنی روما کے چچا عابد امین ایک کریانے کا اسٹور چلاتے تھے' میری امی' آمنہ عابد' میرے دادا کے دوست کی بیٹی تھیں۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں سے تعلق رکھتی تھیں اور شادی کے بعد ابو کے ساتھ شہر آ گئیں۔ دادا ابو نے جب اپنے آخری وقت میں اپنا مکان اور زمینیں بیچ کر اولادوں کا حصہ ان میں تقسیم کیا تو دونوں بیٹوں نے اپنے حصے کی رقم سے ایک ہی علاقے میں مکان اور گھر تعمیر کر لیا تاکہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے قریب رہیں اور اچھے برے وقت میں ایک دوسرے کا سہارا بنے رہیں' جبکہ خالدہ پھوپو نے جو میری اکلوتی پھوپو تھیں' اپنے حصے کی رقم اپنے شوہر وارث پھوپا کے کاروبار میں لگا دی۔ بعد ازاں پھوپو اور ان کی فیملی لندن شفٹ ہو گئی۔ کیونکہ پاکستان کی دن بدن بگڑتی سیاسی اور معاشی صورت حال میں وارث پھوپا کو اپنے کاروبار کا مستقبل کچھ خاص

دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اب وقت اور حالات کی کرنی دیکھیے کہ میرے تایا ابو ترقی کرتے کرتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور میرے ابو وہیں کے وہیں رہ گئے۔ البتہ دونوں بھائیوں اوران کی فیملیز میں کبھی بھی امارت دیوار بن کر کھڑی نہیں ہوئی اسی وجہ سے تایا ابو نے اپنا ٹھکانہ نہیں بدلا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا بھائی کسی پوش علاقے میں رہائش افورڈ نہیں کرسکتا۔

اب آتے ہیں آپ کے دوسرے سوال کی طرف کہ میں روما سے حسد کرتی تھی یا جلن‘ تو اس کا جواب آپ کو خود ڈھونڈنا ہوگا کیونکہ میں خود یہ کبھی بھی جان نہیں پائی کہ مجھے روما سے حسد تھا یا اس پہ رشک آتا تھا۔ میری سوچ تو بس یہ تھی کہ وہ کیوں...... میں کیوں نہیں...... یعنی اس کو حاصل تمام نوازشات پر میرے دل و دماغ میں فقط یہی خیال کوندتا تھا کہ ان عنایتوں کا نزول روما پر کیوں ہورہا ہے‘ مجھ پر کیوں نہیں......؟ میری خواہش تو بس اتنی تھی کہ مجھے کوئی ایسا جادو یا کمال حاصل ہوجائے کہ وہ تابی بن جائے اور میری طرح روکھی پھیکی اور خالی خولی زندگی گزارے اور میں روما بن کر اپنی بدرنگ اور بدمزہ زندگی سے نجات پالوں۔ میری دنیا کہکشاں کی طرح جگمگا اٹھے‘ میرا وجود تتلی کی طرح رنگوں سے بھر جائے...... مگر خواہشیں کب پوری ہوتی ہیں۔ کم از کم میری تو نہیں ہوئیں۔ خواب میں دیکھنے کو تو چڑاسی بھی اپنے آپ کو ملک کے صدر کے روپ میں دیکھ سکتا ہے مگر خواب بھی کبھی سچے ہوئے ہیں‘ کم از کم میں نے تو اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں پائی...... میری تو تمام حسرتیں ناتمام ہی رہیں اور میں اپنی ناکام اور نامراد تمناؤں کے ساتھ تہی داماں رہی۔ اماں کو میرے تمام خیالات کا علم تھا کیونکہ وہ ماں تھیں اور مائیں اولاد کا چہرہ پڑھ لیا کرتی ہیں۔ وہ مجھ سے اکثر کہتیں۔

”تابندہ ایسا نہیں سوچتے گڑیا۔ رب کی رضا پر راضی رہنا سیکھو۔ حرص و ہوس انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ شکر ادا کرو جو کچھ تمہارے پاس ہے اس کے ہونے پر اور جو نہیں ہے اور جس شے کی تمنا ہے اس کے لیے دعا کرو۔ اللہ سب آرزوئیں پوری کرنے والا ہے۔ سب کی سننے والا ہے‘ وہی ہے جس کے بس میں سب ہے۔ وہی ہے جو ہر شے پر قادر ہے اور ہر راز سے واقف ہے۔“

میں نے اماں کی بات مان لی اور دعا کرنے لگی۔ ہر وقت‘ ہر لمحہ‘ ہر پل‘ روما بن جانے کی دعا تاکہ میں روما کی جگہ لے سکوں اور میری زندگی میں سب کچھ ویسا رنگین اور پُرلطف ہوجائے‘ جیسا روما کی زندگی میں تھا۔ میں تو صرف نام کی تابندہ تھی‘ مگر دراصل تو روما...... اس کا سراپا...... اس کی زندگی روشن اور تاباں تھی‘ سب کچھ تو اس کے پاس تھا میں تو بس خالی ہاتھ تھی...... میرے پاس تو بس میری ادھوری رہ جانے والی خواہشیں تھیں۔

جب روما کی آمین ہوئی تو میں نے بھی اماں سے ایسی ہی آمین کی خواہش ظاہر کی۔ اماں نے اپنے ہاتھ سے سرخ ساٹن کا غرارہ اور کرتی سی کر پہنائی اور سمجھیں کہ میری خواہش پوری ہوگئی کیونکہ روما نے اپنی آمین میں ہو بہو ویسا ہی غرارہ سوٹ‘ ڈیزائنر کا بنا ہوا پہنا تھا‘ مگر کہاں بڑے سے ہال میں بے شمار مہمانوں کی موجودگی میں اسٹیج پر‘ مووی اور کیمرہ کے ساتھ دھوم دھام سے منائی گئی آمین اور کہاں میرے گھر کے صحن میں‘ گھر کے ہی نفوس کی موجودگی میں مولوی صاحب سے کرائی جانے والی آمین...... قصہ یہیں کہاں ختم ہوا تھا۔ دن گزرتے جارہے تھے اور روما مجھ سے آگے آگے اور آگے نکلتی جارہی تھی اور میں اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے نڈھال ہورہی تھی۔ میرا اور روما کا قد کاٹھ بڑھتے وقت کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ روما کی رنگت مزید نکھرتی جارہی تھی۔ وہ ڈریسنگ بھی غضب کی کرتی تھی‘ اپنے ڈیزائنر سے اپنی نگرانی میں کپڑے ڈیزائن کرواتی تھی جس کی سب ہی تعریف کرتے تھے۔ ڈریسنگ کا شوق مجھے بھی تھا مگر گھر کے یا ٹیلر کے سلے ہوئے کپڑے روما کے بوتیک کے آگے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ روما نے اپنے شوق کی بنا پر شہر کے مشہور ترین آرٹ انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا‘ جہاں کے تعلیمی اخراجات لاکھوں میں تھے‘ تو میں نے بھی اپنی

دلی تسکین کے لیے ایک ووکیشنل سینٹر میں داخلہ لے لیا۔ میرا سرٹیفکیٹ اس کے ڈپلومہ کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا' میں یہ بات بخوبی جانتی تھی مگر مجھے یہ اطمینان تھا کہ کسی نہ کسی طرح میں بھی اپنے شوق کی تکمیل کررہی ہوں' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں وہی کام کررہی تھی جو روما کررہی تھی۔ اس سے میرے اندر کی خلش کچھ کم ہوئی تھی۔ کورس کے اختتام پرہمیں ہمارے ادارے نے ایک سالانہ بنیادوں پر منعقد ہونے والے مقابلے میں شرکت کے لیے بھیجا۔ جہاں ہر چھوٹے بڑے ادارے سے نیو فیشن ڈیزائنر شرکت کے لیے آرہے تھے۔ روما اور اس کی ٹیم بھی اپنے پروجیکٹس کے ہمراہ اس ایگزیبیشن میں شریک ہوئے اور پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا آیا تھا۔ وہ فرسٹ پرائز حاصل کرکے ونر قرار پائی اور میں رنراپ رہی۔ مجھے افسوس اپنی ہار یا اس کی جیت پرنہیں ہوا کیونکہ وہ لازم اور مصدقہ تھی۔ مجھے پچھتاوا اپنی غلطی دہرانے پر ہوا۔ میں کیوں ہر بار اس کے مقابل آکھڑی ہوتی ہوں......؟ میں نے خود کو بھرپور لعنت ملامت کی مگر اماں ہر بار کی طرح مجھے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"کوئی بات نہیں بیٹا' ایسے مقابلے تو ہوتے رہتے ہیں اور مقابلہ ہوتا ہے تو ہار اور جیت تو ہوتی ہے' تم ہمت نہ ہارو' فرسٹ پوزیشن نہ سہی' انعام تو ملا ہے تمہیں۔" اور میں چاہ کر بھی امی سے یہ پوچھ نہ پائی کہ کیوں امی...... آخر کیوں...... فرسٹ پر روما ہی کیوں...... میں کیوں نہیں؟"

فیشن ڈیزائننگ کے کورس کے بعد تایا ابو نے اس کی فرمائش پر اسے بوتیک کھول دیا' آخر پیسے کو بڑھانا بھی تو تھا اور روما تو ویسے بھی تایا ابو کی اکلوتی اولاد تھی۔ ان کی ساری امیدیں' چاہتیں' خواب سب روما سے ہی وابستہ تھے۔ ادھر میں نے بھی گھر پر سلائی کا کام شروع کردیا کیونکہ ہمیں تو پیسے کی ضرورت تھی۔ ایسے میں بڑی اولاد ہونے کے ناطے میں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے ہنر سے گھر کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی بھرپور کوشش شروع کردی۔ میرے اس فیصلے پر اماں اور ابو دونوں ہی مطمئن اور سرشار تھے۔ اپنی محنت اور ہنر کی بدولت میں نے جلد ہی اپنے کام کا لوہا منوالیا۔ لوگ میری ڈیزائننگ اور سلائی پسند کرنے لگے اور میرا کام زور پکڑنے لگا' ادھر روما کا بوتیک بھی ترقی کرنے لگا...... روما کے پاس کام کرنے کے لیے ورکر تھے۔ آنے جانے کے لیے گاڑی تھی' اس لیے وہ اپنی دیگر سرگرمیوں یعنی پارٹیز' ہوٹلنگ' آؤٹنگ اور دوستوں کے ساتھ گیٹ ٹوگیدر کے لیے بھی وقت نکال لیتی تھی' مگر میں اپنا کام اکیلے کرتی تھی' کام کے لیے سامان کی خریداری اور گاہکوں سے ڈیلنگ کے سارے معاملات خود پبلک ٹرانسپورٹ کے دھکے کھا کر پورے کرتی تھی' اس لیے مجھے بالکل فرصت نہیں ملتی تھی۔ رات کو بھی تھک ہار کر کب سو جاتی مجھے خود پتہ نہ چلتا تھا۔ دوستی یاری تو میری ویسے بھی کچھ خاص نہ تھی' البتہ اپنے واحد مشغلے ڈائجسٹ پڑھنے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ اب مجھے روما کا خیال بھی کم آتا تھا۔ اس لیے کہ میرا دماغ اب خالی نہیں تھا اور خالی دماغ کو ہی تو شیطان کا کارخانہ کہتے ہیں نا......؟ میں بھول گئی تھی کہ میں اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن تھی یا نہیں' میں اپنے کام میں مکمل طور پر مگن ہوگئی تھی۔ آپ کا کام جب آپ کا پسندیدہ ہو تو اس کے عشق اور جنون میں آپ کو کسی چیز کی پروا نہیں رہتی۔ مگر آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ جب ساکن جھیل میں کوئی پتھر پڑتا ہے تو اس میں ہلچل پیدا ہوجاتی ہے۔ میری ساکت ہوئی زندگی میں بھی یکا یک ہلچل پیدا ہوگئی جب مجھے پتہ چلا کہ خالدہ پھوپو اپنے اکلوتے سپوت کے لیے لڑکی دیکھنے پاکستان آرہی ہیں۔ میری امید کی شمع ایک بار پھر روشن ہوگئی۔ میں نے ایک بار پھر خود کو روما کے مقابلے پر لاکھڑا کیا۔ روما کی خوب صورتی' امارت اور اسٹیٹس کی طاقت کو جانتے ہوئے بھی میں پھر جنگ کے میدان میں اتر آئی۔ مجھے نہیں پتہ کہ یہ میرا پاگل پن تھا یا جنون...... یا پھر کچھ اور کہ میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند کرلینا چاہتی تھی جسے خبر تھی کہ سامنے بیٹھی بلی اسے چاروں شانے چت کردے گی۔ مجھے کوئی زعم' غرور' کوئی فخر نہیں تھا' مجھے بس امید تھی'

مجھے پتہ تھا کہ صارم میرے لیے ایک سراب سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوگا' مگر پھر بھی میں ایک بار پھر اپنی قسمت آزمانا چاہتی تھی۔ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی اور دل بھلا کب کسی تجربے' کسی منطق کو مانتا ہے' وہ تو بس اپنی من مانی کرتا ہے' میں نے ایک بار پھر دعائیں شروع کردیں' اپنی جیت کی۔

میں نے نفلوں کی تعداد بڑھادی اور سجدے طویل کردیئے۔ آخر کار پنڈال سج گیا۔ مقابلے کا آغاز ہوگیا۔ خالدہ پھوپو پاکستان پہنچ گئیں۔ فی الحال صارم ان کے ساتھ نہیں آیا تھا۔

''صارم کو اپنی فرم سے چھٹیاں نہیں مل رہی تھیں' کوئی ضروری پروجیکٹ آ گیا تھا' وہ دس پندرہ دن میں پہنچ جائے گا۔'' ایئرپورٹ پر سب کے استفسار پر انہوں نے بتایا۔

خالدہ پھوپو نے سب سے پہلے بڑے بھائی کے گھر قیام وطعام کی خواہش ظاہر کی اور ہمارے گھر بھی آنے کا وعدہ کیا۔ تائی امی نے پھوپو کی آمد کے باعث خصوصی ڈنر کا اہتمام کیا تھا۔ ہم بھی ڈنر میں انوائٹڈ تھے تاکہ سب بہن بھائی ایک جگہ مل کر بیٹھ سکیں۔ ہم لوگ مقررہ وقت پر ڈنر کے لیے تایا ابو کے گھر پہنچ گئے۔ تمام لوگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے' پھوپو مجھے کافی خاموش مزاج لگ رہی تھیں' جبکہ ابو بتاتے تھے کہ وہ کافی شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج قسم کی خاتون ہوا کرتی تھیں۔ ان کے مزاج میں بدلاؤ کا سبب تایا ابو بھی پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

''ارے ہماری پیاری بہنا کافی خاموش رہنے لگی ہے' وہ جو بات بے بات قہقہے لگایا کرتی تھی' آج صرف مسکرانے پر اکتفا کررہی ہے' کیا بات ہے آخر؟''

''ارے کچھ نہیں بھائی جان' اب عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے مزاج میں بھی تو بدلاؤ آہی جاتا ہے نا' کہاں لڑکپن کی بے فکریاں اور کہاں شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریاں......'' پھوپو نے رسانیت سے جواب دیا تو تایا ابو ان کی لوجک سے اتفاق کرتے ہوئے مطمئن ہوگئے پھر تائی امی نے کھانا لگنے کا اعلان کردیا۔

کھانے کی ٹیبل لوازمات سے پر تھی۔ تائی امی نے بے انتہا اہتمام کر رکھا تھا' سنگاپورین رائس' اٹالین پاستا میٹ بالز' فرائیڈ فش' رشین سیلڈ' رس ملائی اور بلیک فارسٹ کیک کے ساتھ وائٹ ساس' چلی گارلک ساس اور لیمونڈ ڈرنک ان کی لمبی سی ڈائننگ ٹیبل کی رونق بڑھا رہے تھے۔

''ارے بھابی آپ نے بھی کس قدر تکلف کرلیا۔'' پھوپو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اس میں تکلف کی کیا بات ہے بھلا؟ تم اتنی دور سے اتنے عرصے بعد آئی ہو اور ہماری مہمان ہو اور ہم اپنے مہمانوں کی تواضع اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اب بس تم تکلف مت کرنا۔ مجھے کہنا نہ پڑے سب کچھ ٹھیک سے لینا' میں نے ہر چیز اپنی نگرانی میں پکوائی ہے۔ چلیں بھئی آپ سب بسمہ اللہ کریں۔ کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے۔'' تائی امی نے بھی کرسی سنبھال لی' ڈنر کے بعد کافی کا دور چلا۔ پھر ابو نے پھوپو سے رخصت کی اجازت لی اور ساتھ ہی امی نے بھی پھوپو کو کھانا کی دعوت دے ڈالی۔

''ضرور آؤں گی بھابی' آپ کو مجھے دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ میرا اپنا گھر ہے مگر ذرا تین چار دن ٹھہر کر۔'' پھوپو نے اماں کو گلے لگاتے ہوئے کہا تو ابو نے ان کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

''جیتی رہو۔'' پھر میں نے پھوپو کو الوداع کہہ کر رخ موڑا تو روما سامنے ہی کھڑی مجھے ہی دیکھ رہی تھی۔ جانے کیوں مجھے لگا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ میدان چھوڑ دو' مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ صارم میری ضد نہیں بلکہ میری جنگ تو براہ راست خود اس سے ہے۔ ایک لمحے کو میرا دل بھی دھڑکا کہ کہیں میں ہار نہ جاؤں' مگر اسی لمحے میں نے اپنی دعاؤں میں اضافہ کرلیا۔

پھر ٹھیک تین دن بعد ایک شام پھوپو حسب وعدہ ہمارے گھر آ گئیں۔ میں تمام سازوسامان سمیت مکمل طور پر تیار تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ کرکے اپنی کمان سے ایک ایک تیر نکالنا شروع کردیا۔

''پھوپو یہ دیکھیں یہ سوٹ میں نے خود کاڑھا ہے اپنے

ہاتھوں سے آپ کے لیے تاکہ آپ جب بھی اسے پہنیں مجھے یاد کریں۔" میں نے فیروزی جارجٹ کا قمیص دوپٹہ انہیں تھماتے ہوئے کہا' جس کی قمیص اور دوپٹے پر میں نے ملٹی کلر کی ملتانی کڑھائی کررکھی تھی۔

"ارے بیٹا اتنے تردد کی کیا ضرورت تھی بھلا' آج کل تو ہر چیز ہی بنی بنائی ریڈی میٹ مل جاتی ہے' مگر یہ سوٹ حقیقتاً مجھے ہمیشہ عزیز رہے گا کیونکہ اس کی ہر بنت میں میری پیاری سی بیٹی کا محبت اور خلوص شامل ہے۔" پھوپو نے محبت سے میرا ماتھا چوما تو میں مسکرادی۔ پھر شام کی چائے میں دہی بھلوں' پھولوں کی چاٹ' قیمے کے سموسوں اور...... اور رات کے کھانے میں دم پخت بریانی' مرغ مسلم' گولا کباب' مٹن قورمہ اور رس ملائی سے ٹیبل سجا کر میں نے حتی الامکان اہتمام کرڈالا اور پھر جب رات کے کھانے کے بعد میں نے میوہ جات سے بھری کشمیری چائے کا کپ پھوپو کے آگے رکھا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے برابر میں بٹھالیا۔

"بھئی تابی...... تم نے تو حقیقی معنوں میں مجھے احساس دلا دیا کہ میں وطن عزیز میں ہوں' مکمل دیسی مینو اور اب کشمیری چائے نے تو گویا کشمیر کی وادیوں میں ہی پہنچا دیا۔"

"تابی کو کوکنگ کا بہت شوق ہے' کئی کورسز بھی کررکھے ہیں۔" اماں نند کے منہ سے بیٹی کی تعریف سن کر پھولے نہیں سمارہی تھیں۔

"ہاں بھابی...... اس کا ذوق تو جھلکتا ہے اس کے بنائے کھانوں میں اور ماشاء اللہ سے ہاتھ میں ذائقہ بھی بہت ہے' بہت اچھی بات ہے۔ لڑکیوں کو ایسا ہی سگھڑ اور سلیقہ مند ہونا چاہیے تاکہ اگلے گھر میں راج کریں۔ اللہ نیک نصیب کرے ہماری بچی کا۔" پھوپو نے مجھے گلے لگا لیا اور میں من میں پھوٹتے شگوفوں کی گدگداہٹ کا لطف لینے لگی آخر کو میرے تیر نشانے پر لگے تھے۔

❀......❀......❀

اس کے بعد پھوپو شاپنگ میں مصروف ہوگئیں۔

شاپنگ کے وقت میں اور روبا دونوں ہی ساتھ ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنی اور اپنی فیملی کے علاوہ میرے اور میرے گھر والوں اور روما اور اس کے گھر والوں کے لیے بھی ہمارے نہ نہ کرتے ہوئے بھی خاصی خریداری کر ڈالی۔ شادی سے متعلق شاپنگ البتہ انہوں نے صارم کی آمد تک ملتوی کردی کہ وہی اپنی دلہن اور ویڈنگ سیری منی کی شاپنگ کرے گا۔ آخر کار ٹھیک سترہویں روز صارم رات تین بجے کی فلائیٹ سے پاکستان پہنچ گیا لیکن بارشوں کے پیش نظر اس نے ہم سب کو ایئر پورٹ پر آمد سے منع کردیا۔ وہ فی الحال ایک قریبی ہوٹل میں رک گیا تھا۔ پھوپو نے صارم کی آمد پر ہمیں ایک ریسٹورنٹ میں ڈنر پر انوائیٹ کیا تاکہ وہ ہم سب سے ایک ہی بار مل لے۔ صارم نے اپنے ایک دوست کی مدد سے ایک اپارٹمنٹ اور کار بھی کرائے پر حاصل کرلی تھی۔ بقول پھوپو صارم نہیں چاہتا تھا کہ ان کی آمد کے باعث کسی کو بھی ان کے قیام وطعام کے باعث تکلیف پہنچے۔

میں نے اپنی اگلی اننگز کھیلنے کے لیے بھرپور محنت کی۔ اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا سب سے خوب صورت جوڑا میں نے اس شام کے لیے منتخب کیا۔ رائل بلو گھیر دار فراک جس کے باٹم اور گھیر پر نفیس سلور ستاروں کا کام کیا ہوا تھا' میرے سانولے رنگ کی گہرائی کو کم کرنے میں بہت معاون ثابت ہورہی تھی۔ باقی کام میں نے میک اپ سے لے لیا۔ میرے بال لمبے اور گھنے تھے' سو میں نے ان کی چوٹی بنا کر دائیں جانب فرنٹ پر ڈال لی۔ اماں نے مجھے دیکھا تو جھٹ پٹ بلائیں اتار کر ڈھیروں آیتیں پڑھ ڈالیں۔ مجھے یقین ہوگیا کہ اب تو میں میدان مار ہی لوں گی۔ کیونکہ اماں کی دعائیں میرے ساتھ تھیں' آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ جب ماں کی دعائیں اپنے حصار میں لے لیتی ہیں تو آپ ہر نقصان سے بچ جاتے ہیں۔ پھر ہم ہوٹل پہنچ گئے اور روما کو دیکھ کر مجھے کہیں پڑھا ہوا یہ قول یاد آگیا' اپنے دشمن کو کمزور مت جانو اور یہی حقیقت ہے کہ گراؤنڈ میں اترنے کے بعد ہی آپ کو اپنی اور اپنے حریف کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوپاتا ہے۔ پنکش مرجنڈا کلر کی اے لائن شرٹ جس کی آستینوں اور فرنٹ لائن پر باریک سفید موتیوں کا کام ہوا تھا' روما کی گلابی رنگت کو اس قدر نکھار رہی تھی کہ نظر ٹھہرانا مشکل ہورہا تھا۔ روما کے ہلکے بھورے بال جو لیئرز میں کٹے ہوئے تھے' اس کے چہرے کو اور بھی دلکش بنا رہے تھے۔ پھر میں نے صارم کی جانب دیکھا۔ اونچے لانبے قد والا صارم جب اسکائی بلو شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے پھوپو کے ہمراہ ریسٹورنٹ میں داخل ہوا تو کتنے ہی لوگوں کی نظروں نے اس کے ماڈل جیسے سراپے کو سراہا تھا۔ اس کی گندمی رنگت اور بھوری آنکھیں کیا کم تھیں کہ جب یکایک وہ کسی بات پر مسکرایا تو گالوں میں پڑنے والے ڈمپل گویا اس کی وجاہت کو چار چاند لگا گئے تھے۔ وہ گفتگو بھی بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کررہا تھا۔ صارم کو دیکھ کر اسے پانے کی خواہش شدید تر ہوگئی تھی۔ کیونکہ جب آپ میچ کھیلتے ہیں تو چاہے آپ میں جیتنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو' چمکتی دمکتی ٹرافی پر نظر پڑتے ہی آپ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پھر آپ دل ہی دل میں دعا کو رٹو طوطے کی طرح دہرانا شروع کردیتے ہیں' میں بھی یہی کررہی تھی۔ ''یا اللہ مجھے صارم دے دے۔''

❁......❁......❁

اس دن موسم نے یکایک پلٹا کھایا' جانے کہاں سے ڈھیر سارے سرمئی بادلوں نے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تیز ہواؤں کے ساتھ ہلکی ہلکی پھوار پڑنا شروع ہوگئی۔ میں نے جلدی سے ابو کا ناشتہ ٹرے میں رکھ کر ان کے کمرے میں پہنچایا اور صحن میں سوکھنے کے لیے ڈالے جانے والے کپڑے رسی سے اتارنے لگی۔ کپڑے اتار کر کمرے میں گئی تو دیکھا کہ اماں کسی سے فون پر باتیں کررہی ہیں۔ میں کپڑے تہہ کرکے الماری میں رکھنے لگی۔ اماں نے باتیں کرتے کرتے اچانک ہنسنا شروع کیا تو میں نے اور ابو نے چونک کر انہیں دیکھا پھر اماں نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا۔

''کس کا فون تھا بھئی؟'' ابا نے چائے ختم کرکے اماں

ستمبر 2017ء کے شمارے کی ایک جھلک

ایکس ون: ناول Mark Arundel نے لکھا اس میں ایک ریٹائر فوجی کو ایک شخص کی جان بچانے کی ذمہ داری دی جاتی ہے جبکہ کئی دشمن اسے مارنے پر تلے ہوتے ہیں ہر ہر چیپٹر میں ایک نیا انکشاف ہوتا ہے دلچسپی اور سنسنی خیز واقعات سے پر ناول۔

مرشد: بہت سے ایسے زندہ وجودوں میں سے ایک جو بازار حسن کے کوٹھوں اور گلیوں میں جھڑکیاں اور گالیاں کھائے ہوئے وقت کی ٹھوکروں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ہاں البتہ قدرت نے حالات و واقعات کا جو کھیل رچایا تھا اس کی بدولت اس کے وجود کی ترکیب میں ان لطیف جذبوں کا آہنگ یکجا ہو پایا تھا جو جذباتی حالت کی معراج ہوا کرتے ہیں۔

خلوص... دیانت... ادب... ایثار... خدمت... شکر گزاری... کیفیت و احساس کی صورت وجود رکھنے والے محبت کی یہ بنیادی اجزا دودھ اور خون کے ذریعے اس کے جسم و جان کا حصہ بنے تھے۔ بدمعاش کی دنیا نے اسے مرشد مانا اور پھر... وہ کسی کا مرید ہو گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

کی طرف دیکھا جو ابھی تک مسکرا رہی تھیں۔

"خالدہ کا فون تھا" کہہ رہی ہے بھائی جان سے کہہ دیں کہ آج دکان بند رکھیں، ہم سب پکنک پر چلیں گے۔ اس نے تو گاڑی اور کھانا بھی بک کروالیا ہے۔ بتا رہی ہے کہ صارم تو یہاں کی گرمی سے بہت گھبرایا ہوا تھا اور دو دن کے حبس سے تو بہت ہی ہلکان ہو رہا تھا۔ اب پاکستان کے موسم کا یہ رخ قسمت سے دیکھنے کو ملا ہے تو میں یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ آخر کو لندن اور پاکستان کا مقابلہ ہے۔" اماں نے تفصیل بتائی تو مجھے اور ابا کو بھی ہنسی آ گئی۔ ابا تو موقع غنیمت جان کر ٹاک شو لگا کر بیٹھ گئے اور میں نے اور اماں نے تیزی سے تیاری شروع کردی۔

سوا گھنٹے بعد پھوپو اور صارم، تایا ابو، تائی امی اور روما کو پک کرتے ہوئے ہمارے گھر پہنچ گئے، ہمیں لے کر راستے سے بریانی اور کولڈ ڈرنک لیتے ہوئے ہم کیپ ماؤنٹ کے ساحل پر پہنچے۔ بارش نے زور نہیں پکڑا تھا، تاہم ہلکی ہلکی پھوار وقفے وقفے سے دل بہلا رہی تھی اور اس رم جھم رم جھم کا مزہ لینے کئی لوگ پکنک پوائنٹ پر موجود تھے۔ بڑوں نے تو ہٹ کے پاس ہی اپنی نشست جمالی جبکہ میں روما اور صارم ساحل کے پاس پہنچ گئے۔ صارم آج بلیک ٹراؤزر اور گرین ٹی شرٹ میں اور بھی زیادہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ روما آج بہت Causaly ڈریس اپ تھی۔ اس نے بالوں کو ہائی پونی ٹیل میں قید کیا ہوا تھا اور رفلڈ بلو جینز کے ساتھ اس نے لیمن یلو کرتی پہن رکھی تھی۔ میں نے لائٹ گرین پرنٹڈ جارجٹ کا سوٹ پہنا ہوا تھا، کیونکہ اماں مجھے ماڈرن طرز کی ڈریسنگ کرنے نہیں دیتی تھیں اور میں بچوں کی طرح یہ سوچ کر خوش ہوتی رہی کہ چلو میرے اور صارم کا ڈریس کلر تو میچ کر رہا ہے۔

ہم لوگ چلتے چلتے ساحل سے دور نسبتاً اس جگہ آ گئے جہاں رش تھوڑا کم تھا۔ روما نے آنکھوں پر لگائے ڈارک گلاسز بالوں پر ہیئر بینڈ کی طرح چڑھا لیے۔ میں نے تیز ہواؤں سے بدکتے آنچل پر اپنی گرفت سخت کردی۔ صارم نے اپنے ٹراؤزر کو ٹخنوں سے کچھ اوپر تک فولڈ کرلیا تھا۔ ہم لوگ اونچی نیچی چٹانوں پر ٹک کر ساحل کا نظارہ کرنے لگے۔ صارم نے موجوں سے نظر ہٹا کر ہماری طرف دیکھا۔

"اور بھئی آپ لوگوں کی ہابیز وغیرہ کیا ہیں؟" صارم نے ایک چٹان پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"میں تو......" میں نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ روما یک دم صارم کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔

"اسے تو خالصتاً دیسی لڑکیوں والے شوق ہیں، کوکنگ سیونگ، نٹنگ وغیرہ۔"

"ہاں تو......لڑکیوں کو لڑکیوں والے شوق ہی ہونے چاہئیں۔ بائی دا وے مس روما آپ بھی لڑکی ہی ہیں آپ کے کیا انوکھے اور نرالے شوق ہیں بھئی۔" اب صارم نے اپنے چہرے کا رخ مکمل طور پر روما کی طرف کرلیا تھا۔ مجھے صارم کا دایاں رخسار نظر آ رہا تھا۔

"جناب ہم تو نئی صدی کی پیداوار ہیں، کوکنگ وکنگ میں ٹائم ضائع نہیں کرتے۔ مجھے آرٹ میں دلچسپی تھی اور میں اپنا بزنس بھی رن کرنا چاہتی تھی اس لیے فیشن ڈیزائننگ کا ڈپلومہ کرلیا...... دوسری صورت میں میرے پاس مکمل اختیارات ہیں۔" روما نے اپنے ماتھے پہ آئی لٹوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"آہم...... مثال کے طور پر۔" صارم نے باقاعدہ روما کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"فار ایگزامپل...... کمپیوٹر، نیٹ، سرچنگ، ٹیبل ٹینس، مجھے ٹیلی کام میں بھی اچھی آفرز تھیں مگر دل نہیں مانا، مجھے لگتا تھا کہ مجھے تجربہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا لہٰذا آئی لو ایڈوانچر۔" روما نے پوری خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"گڈ...... یعنی حرکت میں برکت ہے، پر یقین رکھتی ہیں آپ۔" صارم نے مزید گہرائی سے اس کے سراپے کو جانچا تو وہ کندھے جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جی بالکل، ٹھیک سمجھا آپ نے۔ اچھا اب مجھے پیاس لگی ہے میں جوس لینے جا رہی ہوں، تم لوگوں کے لیے بھی لاؤں۔"

"ہاں ضرور۔" صارم نے مسکرا کر جواب دیا اور میں نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ روما چلی گئی تو صارم نے اپنا رخ میری جانب موڑا۔

"جی جناب' ہماری اور آپ کی بات تو ادھوری ہی رہ گئی۔ آپ بتایئے کیا ہیں آپ کی ہابیز؟"

"کچھ خاص نہیں' بس کوکنگ' اور سیونگ وغیرہ۔" میں نے دھیمے سے کہا اور اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔ میں روما کی طرح اس سے خود اعتمادی سے بات نہیں کر پا رہی تھی جبکہ میرا اور روما کا اس سے ایک ہی رشتہ تھا مگر یا تو میں روما کی طرح بولڈ اور آؤٹ اسپوکن نہیں تھی یا پھر میرے عدم اعتماد اور گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ روما کی طرح میرا لڑکوں سے عمومی ٹاکرا برائے نام بھی نہیں تھا۔ روما کو ایجوکیشن میں پڑھی ہوئی تھی' بزنس شروع کرنے کے بعد بھی ملکی سطح پر کام کرنے کے باعث اس کا مرد حضرات سے خاصا رابطہ رہتا تھا' جبکہ میں گرلز اسکول و کالج سے پڑھی ہوئی تھی۔ بزنس کے نام پر میرا چھوٹا سا سلائی کڑھائی کا کام گھریلو سطح تک محدود تھا جس کے باعث میرا میل ملاپ بھی خواتین کی حد تک ہی تھا۔ اس لیے میں چاہ کر بھی صارم کے سامنے اپنے احساس کمتری اور بوکھلاہٹ کو نہیں چھپا پا رہی تھی اور یہ چیز صارم نے محسوس کرلی تھی۔

"ایک بات کہوں' اپنے آپ کو انڈر اسٹیمیٹ نہیں کرنا چاہیے۔ آپ جو کچھ بھی ہیں اس پر فخر کرنا سیکھیں۔ اگر آپ صحیح ہیں تو دنیا پر ثابت کریں کہ آپ صحیح ہیں' یہی چیز زندگی میں آپ کو آگے رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ وگرنہ آپ ہانپنے لگتے ہیں' تھکنے لگتے ہیں اور آخر کار نڈھال ہوکر گر جاتے ہیں۔" گوکہ صارم نے بہت نارمل انداز میں یہ بات کہی تھی مگر میں چونک اٹھی تھی۔

"کیا وہ فیس ریڈر ہے؟" ایک دم ہی مجھے خیال آیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ آتی جاتی لہروں کو گننے میں مگن تھا۔ میں بھی خاموشی سے موجوں کے اتار چڑھاؤ کو تکنے لگی۔ اتنے میں روما آ گئی۔

"یہ لو یہ پی کر ہٹ کی طرف چلو' کھانا لگ رہا ہے۔" روما نے انرجی ڈرنکس کے کینز ہماری طرف بڑھائے' تو ہم نے کین کھول کر منہ سے لگائے اور ہٹ کی جانب چلنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔

❀......❀......❀

صارم سے ملاقات کے بعد' اسے پانے کی آرزو اور چاہ مزید بڑھ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے اس سے محبت ہوگئی تھی یا نہیں؟ مگر آپ کو یہ تو پتہ ہوگا کہ وہ چیزیں یا لوگ جو آپ کو اچھے لگتے ہیں' آپ ان کو پانا چاہتے ہیں' صارم مجھے اچھا لگا تھا اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی تھی' اس لیے میں اس کے ساتھ' اس کی ہمراہی کے خواب دیکھنے لگی اور میری دن رات سپنے بنتی آنکھیں اماں نے پڑھ ڈالیں۔

"بیٹا انسان کو خواب ضرور دیکھنا چاہیں مگر ان کی تعبیر کے اچھے اور برے ہوجانے کے لیے بھی خود کو تیار رکھنا چاہیے' کیونکہ سب کچھ انسان کی مرضی اور منشاء کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ بہت کچھ توقع اور امید کے خلاف ہوتا ہے۔" اماں کی بات سن کر میری طبیعت بے انتہا مکدر ہوگئی۔

"تو اماں کیا خواب دیکھنا چھوڑ ہی دینا چاہیے..... کیا پھوڑ ڈالنا چاہیے ان آنکھوں کو جو سپنے بنتی ہیں؟"

"نہیں گڑیا میں نے کہا ناں..... خواب ضرور دیکھنا چاہیں اور ان کی تعبیروں کو پانے کے لیے جدوجہد بھی کرنی چاہیے' مگر اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے بیجوں کو صبر کی کھاد اور عقل کی پھوار سے سینچنا چاہیے وگرنہ ضد اور ہوس کی گوڈی کرتے رہنے سے یہ ایسے تن آور درخت بن جاتے ہیں جنہیں کاٹنا دشوار اور تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔"

میں نے اماں کی بات سنی مگر اس پر دھیان نہیں دیا کیونکہ میں اپنے ہی خیالوں میں مگن تھی۔ میرے خواب اس قدر رنگین تھے کہ میں سرتاپا سپنوں میں ڈوب چکی تھی۔ میرے جسم و جاں خمار کی زد میں آچکے تھے اور آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ جب نشہ بھرپور ہوجاتا ہے تو انسان اپنا آپ بھلا بیٹھتا ہے' اسے اچھے برے کی تمیز اور اپنے پرائے کی پہچان بھول جاتی ہے' میرے ساتھ بھی ایسا ہی

ہو رہا تھا۔ میں دنیا جہاں سے بے خبر ہو کر اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھی تھی۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھی۔ میں خود پر سے اختیار کھو چکی تھی اور جب آپ اپنی نگاہوں کو بے لگام کر کے اپنی حدود و قیود بھول جاتے ہیں تو لڑکھڑانا لازم ہے اور لڑکھڑائیں تو چوٹ لگنا بھی...... اور چوٹ لگے تو درد ہونا بھی اور آپ کو تو پتہ ہی ہوگا کہ جب زخم لگتا ہے درد ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے......؟

❁......❁......❁

صارم کے آنے کے پندرہ دن بعد خالدہ پھوپو نے ایک بار پھر ہمیں اپنے گھر ڈنر پر انوائیٹ کیا کیونکہ بقول ان کے وہ صارم کو اپنے کچھ مزید ملنے والوں سے بھی ملوانا چاہ رہی تھیں اس لیے انہوں نے اپنے گھر پر بھی ایک چھوٹا سا گیٹ ٹو گیدر فنکشن رکھا تھا۔ ہم لوگ مقررہ وقت کے مطابق ٹھیک نو بجے پھوپو کے گھر پہنچ گئے۔ تقریب لان میں رکھی گئی تھی، لائٹس سے لے کر ٹیبل اور کرسیوں کی ڈیکوریشن تک سب بے انتہا خوب صورت تھی۔ باوردی ویٹرز مہمانوں کو مختلف مشروبات سرو کر رہے تھے۔ لوگ بہت زیادہ نہیں تھے اس لیے سب کچھ بہت منظم طریقے سے آرگنائز ہوا تھا۔ ہمیں داخل ہوتے دیکھ کر بلیک ڈنر سوٹ میں ہمیشہ سے کہیں زیادہ پرکشش لگتا صارم ہماری جانب چلا آیا۔ وہ بہت ہی تپاک سے ملا۔ ہمیشہ کی طرح اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ وہ ہمیں لے کر پھوپو کی جانب ہی چلا آیا۔ فیروزی کامدار شیفون کی ساڑھی میں ملبوس خالدہ پھوپو بالوں کا اونچا سا جوڑا بنائے بہت ہی جاذب نظر لگ رہی تھیں۔ پھوپو نے بھی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں ویلکم کہا اور پھر ہمیں بٹھا کر ویٹر کو جوس سرو کرنے کا اشارہ کیا۔

''ان کا خصوصی خیال رکھنا یہ ہمارے خاص مہمان ہیں۔'' انہوں نے ویٹر سے کہا تو اس نے تابعداری سے سر ہلایا اور میں لفظ ''خاص'' سن کر گویا ہواؤں میں اڑنے لگی یہ جانے بغیر کہ بھلا بنا پنکھ کے بھی کوئی اڑ سکتا ہے۔

''اچھا بھابی آپ لوگ آرام سے بیٹھیں میں ذرا اور مہمانوں کو دیکھ لوں۔'' پھوپو نے میرا گال تھپتھپایا تو میں مسکرا دی۔

''ہاں جاؤ مہمانوں کو دیکھو...... ہماری فکر نہ کرو ہم تو گھر والے ہیں۔'' ابو نے کہا تو پھوپو کے چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ ابھر آئی اور دیگر آنے والے مہمانوں کا استقبال کرنے چل دیں۔

''بھائی صاحب اور بھابی نظر نہیں آ رہے؟'' اماں نے چاروں جانب دیکھتے ہوئے کہا تو میری نظریں بھی روما کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔

''ٹھہرو...... پوچھتا ہوں سب خیریت ہے......؟'' ابو نے موبائل نکال کر کال ملانا شروع کر دی تب ہی ایک آواز پر ہم سب چونک گئے۔

''معزز مہمانان گرامی...... السلام علیکم!'' مائیک پر ابھرتی ہوئی آواز کے تعاقب میں نظریں دوڑائیں تو لیفٹ کارنر پر ایک چھوٹے مگر خوب صورت اسٹیج پر پھوپو کو صارم کے ہمراہ کھڑا پایا۔ پھوپو نے ایک نظر تمام مہمانوں پر ڈالی اور پھر مائیک سنبھال لیا۔

''میں آپ سب کی آمد کی تہہ دل سے مشکور ہوں، آپ سب ہی جانتے ہیں کہ میں یہاں ایک بہت خاص کام سے آئی ہوں...... اپنے بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان ایک ماں کے لیے خاص ہی ہوتا ہے ناں...... اور آج آپ کی موجودگی اور دعاؤں میں میں اپنے بیٹے کی رنگ سیرمنی کرنے جا رہی ہوں۔ کم آن ڈیئر......'' پھوپو نے اشارہ کیا تو کچھ فاصلے پر کھڑا صارم ان کے پاس چلا آیا۔

''اینڈ ناؤ آئی ایم گوئنگ ٹو ڈس کلوز دی نیم آف مائی بی لوڈ ڈاٹر ان لا......'' پھوپو نے مسکراتے ہوئے شرارت سے چند لمحوں کے لیے ہونٹ سکیڑے تو مجھے لگا کہ میرا دل بھی سکڑ رہا ہے...... لان پر طاری سکوت نے گویا میری سانسیں بند کر دیں...... میرے ہونٹ خشک ہونے لگے...... جذبات کی شدت سے رخسار انگارہ بن گئے اور میں گویا برف کی طرح منجمد ہو چکی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی ہر

صلاحیت سے عاری۔
"پلیز...... ویلکم آور نیو فیملی ممبر روما......" پھوپو کے الفاظ تھے کہ آتش فشاں کے شعلے میں یکلخت پگھل کر پانی پانی ہوگئی۔ شرم ذلت اور توہین کا احساس آپ کی یہی حالت کردیتا ہے ناں......؟ اور پانی رکتا نہیں...... بہتا چلا جاتا ہے اور اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر بھی لے جاتا ہے۔ ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور میرے اندر پانی کی مقدار بڑھتی جارہی تھی۔ اب وہ طوفان کا روپ دھار چکا تھا اور طوفان آپ کو قدم جمانے نہیں دیتا میرے قدم بھی لڑکھڑائے اور ہاتھ میں پکڑا جوس کا گلاس میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جاگرا۔ جیسے میں گری تھی اوپر سے نیچے...... آسمان سے زمین پر...... جوس کے چھینٹوں نے میرے کپڑوں کو داغدار کردیا۔ میرا بہت پیارا اور من پسند جوڑا جسے میں نے میٹھی عید پر بہت دل سے بنایا تھا' عنابی جوڑے پر ستارے ٹانکتے ٹانکتے میری گردن اور آنکھیں دکھنے لگیں تھیں اور من چاہی شے جب برباد ہوجائے تو اس کے دکھ کی شدت آپ کو مار ڈالتی ہے۔ میں بھی مر رہی تھی پل پل...... قریب تھا کہ میں گرجاتی۔ اماں نے مجھے سہارا دیا۔ مائیں تو ہمیشہ ہی سہارا دیتی ہیں وہ کب اپنی اولاد کو گرتا دیکھ سکتی ہیں۔ میں گرتی تو چوٹ لگتی...... چوٹ لگتی تو درد ہوتا اور درد ہوتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں ناں...... میرے بھی نکلنے لگے تھے۔
"اماں چلیں یہ داغ دھو کر آتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں' میں ٹھیک ہوں۔ بس ذرا چکر آ گیا تھا۔" میں گھر کے اندر جانے والے راستے کی جانب بڑھ گئی۔ میں خود کو سنبھالتے سنبھالتے' سہارا دے کر بمشکل واش روم تک پہنچی۔ کپڑوں کے ساتھ ساتھ میرا چہرہ اور آنکھیں بھی گیلے ہوچکے تھے۔ میں نشان مٹانے کی کوشش کرنے لگی' مگر آپ کو پتہ ہے نا کچھ داغ اور نشان انمٹ ہوتے ہیں...... وہ کبھی نہیں جاتے' میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہورہا تھا۔ میری ہر کوشش رائیگاں جارہی تھی۔ میں ہلکان ہورہی تھی خود کو سنبھالنے کی کوشش میں۔ خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے' آپ دوسروں کو سہارا دے سکتے ہیں مگر آپنے آپ کو سہارا دینا بہت مشکل ہوتا ہے اور میں مشکل ترین کام کررہی تھی کیونکہ مجھے دنیا کا سامنا کرنا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن تھا ہی نہیں' چاہتے ہوئے بھی خود سے دنیا سے فرار ممکن نہیں تھا' کسی بھی شے سے نہیں نہ دنیا سے' نہ دنیا والوں سے' نہ خود سے' مجھے سب کچھ فیس کرنا تھا' ہر حال میں' مجھے ہر چیز کا سامنا کرنا تھا' چاہے میں چاہوں یا نہ چاہوں...... ذلت' شکست اور حقیقت......

❀......❀......❀

اور اس رات جب میں سونے کے لیے بستر پر لیٹی تو سارا منظر' ساری آوازیں گویا فلم بن کر آنکھوں کے سامنے چلنے لگی۔ میں کروٹیں بدل بدل کر دل و دماغ کے سرکش گھوڑوں کی لگامیں کسنے کی کوشش کرنے لگی۔ ہر طرح کی توجیحات اور دلائل دیئے' سمجھایا' گھر کا' سرزنش کی مگر دل و دماغ کی سرد جنگ بڑھتی ہی جارہی تھی' کیوں اور آخر کیوں کی تکرار سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو سن کیے جارہی تھی۔ لاکھ تسلیاں دیں' بہلاوے دیئے کہ کون سا عشق تھا جو اس قدر گریہ وزاری ہے...... محبت کب تھی کہ بے وفائی کا صدمہ ہو' مگر سب لاحاصل...... ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں تھا۔

تیرے شانوں پہ کوئی چھت نہیں تھی
میرے ذمے کوئی آنگن نہیں تھا
کوئی وعدہ تیری زنجیر پا بننے نہیں پایا
کسی اقرار نے میری کلائی کو نہیں تھاما
ہوائے دشت کی مانند
تو آزاد تھا
رستے تیری مرضی کے تابع تھے
مجھے بھی اپنی تنہائی پہ
دیکھا جائے تو......!
پورا تصرف تھا
مگر جب آج تو نے
راستہ بدلا

تو کچھ ایسا لگا مجھ کو
کہ جیسے تو نے مجھ سے بے وفائی کی

دل و دماغ کی اس کش مکش کے باعث مجھے لگا کہ میرا دم گھٹ رہا ہے تو میں صحن میں رکھی چارپائی پر آ کر بیٹھ گئی۔ سب گھر والے سو چکے تھے رات کے دو بج رہے تھے تو اردگرد کی فضاؤں میں بھی خاموشی کا راج تھا۔ میں گہری گہری سانسیں لے کر اپنا دم بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی' کھلی فضا میں جسم و جاں کا حبس دور ہوا تو کچھ سکون ملا۔ میں وہیں چارپائی پر لیٹ گئی۔ نظریں آسمان کا طواف کرنے لگیں' صاف شفاف نیلگوں آسمان پر آج چاند ستارے کچھ زیادہ ہی دمک رہے تھے' مجھے لگا کہ میں بالکل تنہا ہوں' پوری کائنات میری شکست کا مذاق اڑا رہی ہے' لاچاری کے احساس نے میری آنکھوں سے اشک رواں کردیئے' ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے اور میں نے تمام حدوں کو پار کر کے اوپر والے سے حساب مانگنا شروع کردیا۔

"کیا ہوتا اگر تو میرا مقدر بھی یوں چمکا دیتا' تو تو سب سے ایک جیسا پیار کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو تو کہتا ہے کہ تو سب کی سنتا ہے' اپنے بندوں کو بہت چاہتا ہے' پھر تو نے میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں کی......؟ تو نے سب کچھ صرف روما کو ہی کیوں دے ڈالا...... کیوں تو ہمیشہ صرف مجھے ہی تہی داماں رکھتا ہے' ایسا کیا قصور' کیا گناہ سرزد ہوگیا تھا مجھ سے......؟ کیا غلطی ہوگئی تھی کہ تو نے میری ایک دعا بھی قبول نہیں کی۔ میری طلب' میری چاہت تیرے نزدیک اس قدر ارزاں ہیں کہ تو نے ہمیشہ مجھے ہی بے مراد رکھا۔ تو تو کہتا ہے کہ مجھ سے مانگو...... میں دوں گا...... میں نے جھولی بھر بھر کر تجھ سے مانگا مگر تو نے مجھے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔ ٹھیک ہے اگر تجھے میری کوئی دعا نہیں سننی تو میں بھی تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی' کبھی نہیں مانگوں گی' تو میری سنتا ہی نہیں تو ہمیشہ وہی کرتا ہے جو تیری مرضی ہے۔" میں ازخود ہی لڑ کر نڈھال ہوگئی تو نیند مجھ پر غالب آ گئی۔

❀......❀......❀

پھوپو کے جانے میں بہت کم عرصہ رہ گیا تھا۔ پھوپا کو بمشکل تیس دن کی چھٹی ملی تھی' اسی لیے مسجد میں نکاح کر کے رخصتی کی چھوٹی سی تقریب فائیو اسٹار میں' مختصر ترین اشخاص کی موجودگی میں منعقد کرنا قرار پائی تھی۔ میں کسی نہ کسی طرح جانے سے کترانا چاہ رہی تھی۔ طبیعت خراب ہونے کے بہانے بنائے مگر اماں نے کہا کہ وہ اتنی دور سے آئی ہیں' کیا سوچیں گی۔ تم فی الوقت کوئی ٹیبلیٹ لے لو اور بے شک وہاں ایک جگہ بیٹھ جانا مگر ہمیں ہر حال میں شرکت کرنی ہے۔ چاروناچار میں نہایت بے دلی سے تیار ہوئی۔ اماں نے ہی مجھے میرون اور لائٹ گولڈن کنٹراس کا کامدار سوٹ نکال کر دیا اور اماں کے بے حد اصرار پر میں زبردستی منہ پر مسکراہٹ کا لیبل چپکائے ایک کونے میں بیٹھ گئی۔ پھوپو نے ایک آدھ بار پوچھا تو میں نے وہی سوچا ہوا طبیعت کا بہانہ گھڑ دیا۔ اس کے بعد وہ اتنی بزی ہوگئیں کہ میری طرف آ ہی نہ سکیں اور میں نے جان چھوٹنے پر صد شکر ادا کیا اور بیزاری سے ہال کا جائزہ لینے لگی۔ ویٹرز مشروبات اور دوسرے لوازمات ٹیبلز پر سرو کر رہے تھے۔ ٹیبل کھانے کے لوازمات سے بھری ہوئی تھی۔ اسٹیج پر فی الحال ایک کے بعد ایک گلوکار پرفارم کر رہے تھے' سب ہی لوگ دلہا دلہن کی آمد کے منتظر تھے۔ میں سنگرز کی پرفارمنس سے بے نیاز نہایت حسرت سے اسٹیج پر موجود دلہا دلہن کے لیے رکھے گئے خوب صورت پھولوں سے آراستہ صوفہ سیٹ کو دیکھ رہی تھی۔ اسٹیج کا بیک گراؤنڈ بھی انتہائی دیدہ زیب تھا۔ میری آنکھیں پُرنم ہونے لگیں۔ اس اسٹیج پر بیٹھنے کی تمنا تو مجھے تھی...... میرے دل سے آہ اٹھنے لگی مگر اس سے قبل کہ میری سوچوں کا تلاطم میری آہوں کو سسکیوں میں بدل دیتا...... شور نے میرے خیالات کا ردھم توڑ دیا۔ دلہن کو بھی اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا۔ مووی والوں نے اسٹیج کو گھیر لیا' گروپ فوٹوز بھی بننے لگے۔ میں بھی اماں کی گھورتی ہوئی نظروں اور بڑبڑاہٹ کے باعث طوعاً و کرہاً دلہا دلہن کو مبارک باد دینے اسٹیج پر چلی آئی۔ آف وائٹ بھوپالی سوٹ میں روما کا حسن اس قدر

دو آتشہ ہو رہا تھا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپسرا اور صارم اور پھوپو کی رائٹ چوائس ماننے پر مجبور ہوگئی' گو کہ میں نے یہ اعتراف دل ہی دل میں کیا مگر جب روما نے میری مبارک باد بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ قبول کی تو مجھے لگا کہ وہ کہہ رہی ہو کہ کھیل میں حصہ لینے سے پہلے حریف کی طاقت کو دیکھ لینا چاہیے اور پھر جب گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس روما کے پہلو میں بیٹھے صارم نے فوٹو گرافر کے کہنے پر اس کی مہندی سے سجی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھا تو مجھے واضح طور پر اپنے حلق کے اندر کوئی شے گرتی ہوئی محسوس ہوئی اور اس سے قبل کہ میں خود بھی گر جاتی میں خاموشی سے اسٹیج سے اتر آئی۔

❁......❁......❁

تقریب کے تین دن بعد ہی پھوپا' پھوپو' صارم اور روما کے ساتھ واپس چلے گئے۔ اس بار میں اماں کے اصرار اور ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود انہیں سی آف کرنے ایئر پورٹ نہیں گئی۔ میں دہری جدائی اور ہار نہیں سہہ سکتی تھی۔ سارے شور ہنگامے ختم ہوگئے اور میری زندگی تو جیسے تھم سی گئی۔ میرا دل ہر شے سے اچاٹ ہوگیا۔ میرے چپ چاپ اور بیزار رہنے پر اماں مجھے ٹوکتیں۔

''کیوں ہر وقت منہ بنائے بیٹھی رہتی ہو' وقت بے وقت پیر پسارے نحوست پھیلائے رکھتی ہو۔ آخر کیا آفت' کیا قیامت آ گئی ہے؟'' اماں کے اصرار پر مجھے حیرت بھی ہوئی اور غصہ بھی آتا کہ اماں کیسی ماں تھیں جو اپنی اولاد کے دل کا حال نہیں جانتی تھیں' انہیں تو چاہیے تھا کہ وہ میرے یاسیت زدہ چہرے کی کھوج لگاتیں اور میرے رنجور دل کی دلجوئی کرتیں' آپ نے بھی سنا ہی ہوگا کہ مائیں اولاد کے دل و دماغ پڑھ لیتی ہیں۔

میرے مسلسل چپ رہنے اور چڑ چڑے پن کو ابو نے بھی نوٹ کرلیا۔ اس دن ہڑتال کے باعث ابو اور میرا چھوٹا بھائی گڈو گھر پر ہی تھے وگرنہ اب تو ملک کی سیاسی صورت حال کے باعث کاروبار کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے ابو اور گڈو چھٹی والے دن بھی دکان پر جایا کرتے تھے۔ گڈو مجھ سے چھ سال چھوٹا تھا مگر ہم میں خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ ہم خوب موج مستی کرتے تھے۔ مگر جب جی ہی اچھا نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ گڈو لیڈو کا بورڈ اور گوٹیں اٹھائے میرے پاس آیا۔

''آ جاؤ باجی...... ایک ایک بازی ہو جائے۔'' تو میں نے غصے میں اسے ڈپٹ دیا۔

''جاؤ ہر وقت میرے سر پر سوار مت ہوا کرو۔'' چند لمحے تو گڈو نے میری طرف حیرت سے دیکھا کیونکہ میں نے پہلے کبھی اس سے اس طرح بات نہیں کی تھی مگر پھر وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر گلی میں کرکٹ کھیلنے چلا گیا۔ تب ہی ابو اخبار ایک طرف رکھ کر میرے پاس آ بیٹھے اور میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے؟ آج کل ہماری گڑیا رانی بڑی چپ چپ رہنے لگی ہے۔ ہنسا بولا کرو بیٹا' ہمارے تو گھر کی رونق ہی تم ہو' کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔ کچھ چاہیے تو میں لا دوں اپنی لاڈلی کو؟''

''اللہ نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے' ہاتھ' پاؤں' دیکھنے کے لیے آنکھیں' سننے کے لیے کان' دل و دماغ' چار دیواری کا تحفظ' پیروں کے نیچے زمین اور سر کے اوپر چھت' تین وقت کا کھانا' بس یہی ناشکری ہو رہی ہے کوے کی طرح ہنس کی چال چل کر ٹھوکر کھانے کا شوق پیدا ہوگیا ہے اسے۔'' میرے بجائے اماں نے جواب دیا تو میں سن ہو کر رہ گئی۔

''تو کیا اماں سب کچھ جانتی ہیں؟'' میں حیرت سے اماں کا چہرہ اور آنکھیں پڑھنے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ سر جھکائے سبزی کاٹنے میں مگن رہیں۔ میری کشمکش بڑھ گئی تو میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''بلاوجہ اس کا موڈ اور خراب کردیا' تم بھی نہ حد کرتی ہو۔'' پیچھے سے ابو کی آواز آئی تھی۔

❁......❁......❁

''اماں مجھے نہیں کرنی ہے شادی۔'' میں سخت جھنجلائی ہوئی تھی مگر اماں بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔

''کیوں نہیں کرنی، تم کوئی انوکھی لڑکی ہو دنیا کی' جس کی شادی ہونے جارہی ہے یا کسی اور کو پسند کرتی ہو تو وہ بھی صاف صاف بتادو۔''

''توبہ ہے...... حد ہی کردی اماں' کیا کسی لڑکی کے شادی سے انکار کی یہی وجہ ہوسکتی ہے بس......؟'' میں مزید چڑ گئی۔

''ہاں' اس کے علاوہ کوئی اور وجہ معقول مانی ہی نہیں جاسکتی' کیونکہ تمہاری تعلیم مکمل ہوچکی ہے اور رشتے میں بھی کوئی خامی نہیں۔ ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ بلاجواز انکار کرنا سراسر بے وقوفی ہوگی۔ اگلے اتوار کو وہ لوگ باقاعدہ رسم کرنے آرہے ہیں۔ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ پارلر کا چکر لگالینا۔ مجھے گھر اور باہر کے کئی اور کام بھی نمٹانے ہیں۔'' اماں فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو میں اماں کی دوغلی پالیسی پر لب بھینچ کر رہ گئی کہ ایک تو بالا ہی بالا رشتہ طے کردیا اور اوپر سے مجھ سے پوچھ کر یہ بھی جتادیا کہ ہم زبردستی نہیں کررہے۔

وقاص اور اس کی فیملی نے مجھے روما کی شادی پر ہی دیکھا تھا۔ وقاص کے ابو' تایا ابو کے پرانے دوست تھے۔ سو اسی توسط سے یہ رشتہ آیا تھا۔ اس لیے تایا ابو کے اطمینان دلانے کے بعد سب نے ہی وقاص کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بظاہر اس رشتے میں کوئی خامی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ وقاص ایک فیکٹری میں سپروائزر تھا' تعلیم گریجویٹ تھی' ذاتی مکان تھا' وقاص کے بڑے بھائی باہر تھے۔ دو بہنیں شادی شدہ اپنے ماموں کے دونوں بیٹوں سے لاہور میں بیاہی گئی تھیں۔ پانچ سال قبل والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ وقاص کے والد وقاص کے ساتھ رہتے تھے۔ وقاص کی عمر بتیس سال تھی اور بقول گڈو اس کے دلہا بھائی گڈ لکنگ بھی تھے۔ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والی لڑکی کے لیے یہ مناسب ترین رشتہ تھا مگر مجھے تو بہترین کا انتظار تھا۔ وہ جو روما کے صارم کا مقابلہ کرسکے۔ مگر ہمیشہ کی طرح میری نہ چلی' کسی نے ایک نہ سنی' ہر کسی نے اپنی مرضی کی۔

منگنی کی تقریب کے فقط دو ماہ بعد ہی نکاح اور رخصتی کی تاریخ ٹھہرادی گئی کیونکہ وقاص کے والد کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تھی اور وہ جلد از جلد بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنا چاہتے تھے۔ اماں نے سگھڑ ماؤں کی طرح میری شادی کی تیاری میری پیدائش سے ہی شروع کردی تھی اور پھر کیونکہ میں اکلوتی لڑکی تھی تو ابو بھی زیر بار ہونے کے خوف سے آزاد ہوکر ہاں کر بیٹھے کہ اچھے رشتے روز روز نہیں آتے۔ وقاص نے مایوں' مہندی اور ڈھولکی جیسی رسموں کو پیسوں اور وقت کا ضیاع قرار دے کر ان کے اہتمام سے منع کردیا تو میں مزید جل بھن گئی۔

''سب بہانے ہیں اماں' کنجوس پیسے بچا رہا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے' تم لوگوں کے ہی کام آئیں گے اور ابھی سے اس کے متعلق منفی سوچیں مت پالو' لوگوں کو برتنے کے بعد ہی ان کے بارے میں رائے قائم کرنا چاہیے۔ ویسے بھی مثبت سوچیں اچھائی کو اور منفی برائی کو جنم دیتی ہیں۔'' اماں کی ایسی ہی نصیحتوں کو سنتے سنتے شادی کا دن آگیا' گو کہ مجھے یہ کہیں سے بھی شادی نہیں لگ رہی تھی کیونکہ نہ رسمیں ہوئیں نہ میری بارات ڈھولک باجوں کے ساتھ دھوم دھام سے آئی' اس لیے میں دلہن بن کر بھی کوئی خوشی محسوس نہیں کررہی تھی۔

''میری بات غور سے سن تانی' ماں کی نصیحتیں ہمیشہ اولاد کو بری ہی لگا کرتی ہیں' مگر ماں اپنی اولاد سے بھلائی ترک نہیں کرسکتی' اس لیے میں تجھے پھر سمجھا رہی ہوں اپنے چہرے سے یہ مایوسی اور غم کا لیبل ہٹالے' اپنے دل و دماغ کو بدگمانیوں اور وسوسوں سے پاک کرلے کیونکہ بیوی کی بیزاری شوہر کو شک میں مبتلا کردیتی ہے اور شک کا ناگ اگر ایک بار بھی ڈس لے تو زہر ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے اور اس زہر کا تریاق کسی حکیم کے پاس بھی نہیں ہوتا۔''

اماں کی تنبیہہ اور فوٹو گرافر کے اصرار کے بعد بالآخر میں چہرے پر جھوٹی مسکان سجانے پر مجبور ہوگئی۔ لاکھ اختلاف و ناراضگی سہی لیکن جب بابل کا در چھوڑنے کا وقت آیا تو میں اماں اور اماں میرے گلے لگ کر بہت

روئے۔ میں نے اماں کی آغوش میں چھپ کر ان جدائی کے لمحوں سے فرار چاہی مگر اماں نے میرا ماتھا چوم کر میرا ہاتھ وقاص کے ہاتھ میں دیا کہ میں پرائی ہوچکی ہوں لیکن رخصتی کے اس لمحے بھی اماں سرگوشیوں کی صورت میں مجھے یاددہانی کرانا نہ بھولی تھیں۔

''گڑیا رانی...... پیارے آقا ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اللہ کی رضا میں راضی ہوگئے اور شاکر رہے بہت خوش نصیب ہیں اور وہ لوگ جو اپنے اللہ کی رضا میں ناخوش اور ناراض رہے وہ بلاشبہ بدنصیبوں کی فہرست میں شامل ہیں۔'' اور میں جھلملاتی آنکھوں سے اماں کو دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

شادی اور ولیمے کے فنکشن کے بعد وقاص کے بڑے بھائی یاور اور اس کی دونوں بہنوں نے ہمیں مری کے لیے ہنی مون ٹکٹس گفٹ کیے' کیونکہ بقول ان کے وقاص نے ان لوگوں کی غیر موجودگی میں گھر کو اکیلے ہی سنبھالا ہوا تھا اور اب کیونکہ دیگر بہن بھائی وقاص کے والد کے پاس موجود ہیں تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وقاص کو بھی اپنی زندگی کے یادگار لمحوں کو بھرپور طور پر انجوائے کرنا چاہیے۔ وقاص تو اپنے بہن بھائیوں کی اس محبت اور توجہ کے باعث بے حد خوش تھا مگر میں اس کی اس خوشی میں اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی' پیکنگ سے لے کر مری روانگی تک تو وہ میرے اس گریز اور خاموشی کو میری شرم سے تعبیر کرتا رہا اور خود بھی لوگوں کی موجودگی کے باعث خاموش رہا' مگر پہلے ہی دن ناشتے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھ ہی لیا۔

''کیا بات ہے تابی' تم اس طرح خوش نظر نہیں آرہی ہو یا کہ تمہیں ہونا چاہیے تھا؟ کپلز تو ہنی مون کو بہت انجوائے کرتے ہیں مگر تمہاری یہ خاموشی' تمہارا یہ لیا دیا سا انداز بتا رہا ہے کہ یہ شادی تمہاری مرضی سے نہیں ہوئی' یا تم کسی اور کو تو پسند نہیں کرتیں۔''

تب ہی مجھے احساس ہوا کہ اماں نے بالکل ٹھیک کہا تھا میری خاموشی کو وقاص کچھ اور ہی معنی دے رہا تھا اور میں اپنی کردارکشی ہرگز برداشت نہیں کرسکتی تھی۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں' آپ غلط سمجھ رہے ہیں' اصل میں' میں اماں سے پہلی بار اتنی دور ہوئی ہوں' ویسے تو سب ہی لڑکیوں پر یہ وقت آتا ہے مگر کیونکہ میری کوئی بہن نہیں تھی تو میں اور اماں' ماں بیٹی کے علاوہ بہنیں اور دوست بھی تھیں۔ بس اسی لیے ان کی کمی زیادہ محسوس ہورہی ہے۔'' میں نے اپنی جانب سے وقاص کو مطمئن کرنے کی کوشش کی' باوجود اس کے کہ میرا بہانہ انتہائی بودا اور پرانا تھا' وقاص نے مان لیا۔ پھر میں نے سوچ لیا کہ قسمت سے ٹکر لینے سے اچھا یہی ہے کہ میں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دوں' وگرنہ یہ نہ ہو کہ صورت حال اس طرح بگڑ جائے کہ اس پر قابو پانا ناممکن ہوجائے اور میں کسی صورت اپنے والدین کو دکھ پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے وقاص کی توقع سے زیادہ خوش مزاجی ظاہر کرنا شروع کردی۔ بات بات پر قہقہے لگانا' رات گئے تک خوش گپیاں کرنا' بچوں کی طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں کی فرمائش کرنا' شرمانا' لجانا' تعریف کرنا کرانا' قربت کے لمحات میں اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لیے بننا سنورنا غرض کہ وہ تمام جو مجھے وقاص کے لیے دلربا بنادیں' جو کوئی بھی نئی دلہن اپنے پیا کی زندگی اور چاہت بن جانے کے لیے اپناتی ہے' میں نے اپنائیں' اپنے ظاہر سے باطن سے' آنکھوں سے زبان سے' اپنے انگ انگ سے میں نے وقاص کو یہ یقین دلایا کہ میں تمہاری ہوں اور تمہاری ہی رہوں گی' بدلے میں اس نے اپنی وفاؤں اور عمر بھر ساتھ نبھانے کا یقین دلاتے ہوئے اپنی چاہتوں کے پھول مجھ پر نچھاور کردیئے اور جب بیوی کو شوہر کی محبت اور توجہ حاصل ہوجائے تو اس رم جھم پھوار میں بھیگ کر وہ پھولوں کی طرح نکھر جاتی ہے' میرے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا' میں سب کچھ بھول کر تازہ دم ہوچکی تھی۔ اور اماں میری شگفتہ آواز سن کر مجھے ''سدا سہاگن'' رہنے کی دعا دیتیں' تو میں ہنس کر کہتی۔

''یہ سب تمہاری دعاؤں کا ہی اثر ہے اماں۔'' اور اماں

کہتیں "یہ سب سوہنے رب کا کرم ہے بیٹا کہ اس نے ہم پر کرم کی نگاہ کی" اور میں ایک بار پھر اماں کی باتوں میں الجھنے لگتی کچھ نہ سمجھتی تو کہتی۔

"اچھا اماں بیلنس ختم ہونے والا ہے میں فون رکھ رہی ہوں آؤں گی تو پھر باتیں کریں گے۔ گڈو سے کہنا کہ آپ کو ان باکس کھول کر تصویریں دکھا دے میں نے اس کے موبائل میں سینڈ کردی ہیں۔ مری بہت خوب صورت ہے میں تصویروں کو البم بنا کر آپ کو بھی دوں گی۔" اور اماں "جیتی رہو" کہہ کر اللہ حافظ کہہ دیتیں۔

وقت بھی عجیب شے ہے جب غم لے کر آتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے گویا جانے کا نام ہی نہیں لیتا اور جب خوشی کے ساتھ آتا ہے تو ڈھنگ سے جشن بھی نہیں منانے دیتا اور جانے کی جلدی مچا دیتا ہے ہمارے ہنی مون کا پندرہ دن کا عرصہ بھی گویا پر لگا کر اڑ گیا۔ میں نے سامان پیک کر کے رکھا اور وقاص کا انتظار کرنے لگی جو ریسپشن سے ڈیوز وغیرہ کلیئر کرنے گیا تھا۔ میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو چند لمحے کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی کہ ان خوب صورت وادیوں کا آخری بار نظارہ کرلوں تب ہی وقاص اندر آیا' اس نے چند لمحے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"تابی تم اس طرح چلوگی' مطلب تم یہ میک اپ اور جیولری اتار دو اور کوئی لائٹ کلر کے کپڑے نہیں تمہارے پاس پلیز وہ پہن لو۔"

اس نے میرے میرون لباس اور جھمکوں کی طرف اشارہ کیا تو میں چونک گئی کیونکہ وقاص نے ہی یہ ڈریس میرے لیے منتخب کیا تھا کہ ابھی تو میں بالکل نئی دلہن تھی تو بہت سے مہمان مجھے دیکھنے بھی پہنچے ہوئے ہوں گے۔ وقاص نے میری خاموشی محسوس کرلی تو میرے قریب چلا آیا۔

"یار وہ اصل میں' مجھے دھیان نہیں رہا' دیکھو ہمیں ایئر پورٹ سے اتر کر گھر پہنچنے میں کافی فاصلہ طے کرنا ہوگا تو نئے شادی شدہ جوڑے تو نظر میں آجاتے ہیں' لوگ محسوس کرلیتے ہیں کہ جیولری اور گولڈ وغیرہ بھی ہوگا...... کیوں......؟ اس لیے میں چاہ رہا ہوں حالات کے پیش نظر احتیاط کرلینی چاہیے۔"

"جی...... آپ مجھے پندرہ منٹ دیں' میں اپنا لباس تبدیل کرلیتی ہوں۔" یہ کہہ کر میں ڈریسنگ روم میں چلی آئی' اس پورے عرصے میں پہلی بار مجھے وقاص قدامت پسند محسوس ہوا مگر میرا ذہن یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کیونکہ ان پندرہ دنوں میں' وقاص مجھے سب جگہ لے کر گھوما تھا' چوری ڈکیتی کا بہانہ بھی مجھے سمجھ نہیں آیا کیونکہ کون سے نئے جوڑے ہیں جو آج کل کے حالات میں گولڈ ساتھ لے کر چلتے ہیں' مگر پھر بھی میں اس سے بحث کر کے الجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ سو میں خاموشی سے لباس تبدیل کر کے نکل آئی اور ہم روانہ ہوگئے' دوران سفر بھی وقاص غیر معمولی طور پر خاموش ہی رہا' مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ایسی کیا بات ہوگئی ہے جو وہ یوں اچانک خاموش ہوگیا۔ میں نے ایک آدھ بار سرسری طور پر پوچھا تو اس نے تھکن کا بہانہ بنادیا۔ میں نے بھی اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

مرد شک کرنے والی' بحث کرنے والی' کسی بات کے پیچھے پڑ جانے والی عورت کو پسند نہیں کرتا بیٹا' اماں کی ایک اور نصیحت کی یاد نے مجھے خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کردیا' مگر جب وقاص نے ٹیکسی کا رخ میرے سسرال کی بجائے میرے میکے کی جانب کروایا تو میں پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہوگئی ہے وقاص' کیا آپ ناراض ہیں' کچھ کہہ نہیں رہے' کچھ بتا نہیں رہے' ہمیں تو گھر جانا تھا' پھر آپ اماں کی طرف......" میرے الفاظ میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے کیونکہ مجھے وقاص میں ہونے والی اس تبدیلی کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ میری رندھی ہوئی آواز سن کر وقاص نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تابی' میری جان میں تمہارے ساتھ ہوں مگر تمہیں حوصلے سے کام لینا ہے' دیکھو تمہارے تایا ابو کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لیے......" وقاص کی بات ختم ہونے سے پہلے ٹیکسی رک گئی اور سامنے کا منظر مجھے بہت کچھ سمجھا

گیا۔ قناعتوں میں موجود لوگوں کے چہرے میری تیزی سے بھیگتی ہوئی آنکھوں کے باعث دھندلا رہے تھے‘ میں وقاص کا انتظار کیے بغیر تیزی سے اندر کی جانب بھاگی۔ تایا ابو نے مجھے بھی روما کی ہی طرح چاہا تھا‘ اس لیے وہ مجھے بھی ابو کی طرح عزیز تھے۔ ان کی جدائی میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ یہ کب‘ کیوں اور کیسے ہو گیا‘ میں اماں کو سامنے پا کر پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ انہوں نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود یٰسین پڑھنے میں مصروف ہوگئیں۔ وہ برابر میں بیٹھی گم صم تائی اماں پر وقفے وقفے سے دم کرتی جا رہی تھیں۔ تائی اماں کو دیکھ کر میرا غم سوا ہونے لگا‘ تائی اماں نے بھی ہمیشہ مجھے بیٹیوں کی طرح چاہا‘ یہ حقیقت تھی کہ دونوں بھائیوں کے درمیان حیثیت کے فرق نے محبت اور خلوص کو ختم نہ ہونے دیا تھا۔ در و دیوار جدا تھے مگر دل ملے ہوئے تھے۔ اس لیے آج ان لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی‘ شگفتہ مزاج تائی اماں آج سفید جوڑے میں گم صم بیٹھی تھیں۔

”ایسا کیا ہوا جو یہ صورت حال پیدا ہوگئی۔“ میں اپنی سوچوں کے تانے بانے جوڑنے میں مصروف تھی کہ اماں نے قرآن پاک بند کر کے مجھ پر بھی دم کیا تو میں چونک گئی۔ پھر میں اٹھ کر اماں کے گلے لگ کر سسک پڑی۔

”بس بیٹا‘ اپنے تایا کے لیے دعا کرو‘ اس طرح رونے سے جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔“ اماں میرا سر سہلاتے ہوئے مجھے تسلی دینے لگیں۔

”اماں...... تائی اماں کچھ نہیں بول رہیں۔“ میں نے ساکت بیٹھی تائی امی کو افسردگی سے دیکھا جو ارد گرد سے بے نیاز خلاؤں میں تک رہی تھیں۔

”ہاں بیٹا بھابی کب سے یونہی چپ چاپ بیٹھی ہیں۔ سب نے انہیں رلانے کی بہت کوشش کی مگر ان کا سکتہ نہیں ٹوٹ رہا۔ بھابی کی بڑی بہن لاہور سے نکل چکی ہیں‘ ۲ سے ۳ گھنٹوں میں کراچی پہنچ جائیں گی۔ شاید اپنوں کو دیکھ کر بھابی کے دل کا غبار باہر آجائے۔“ اماں نے تائی امی کے بکھرے بال سمیٹ کر ان کا دوپٹہ سر اور شانوں پر پھیلا دیا۔

”اماں‘ روما کو کسی نے اطلاع کی...... وہ کب تک پہنچے گی؟“ میں نے اپنے آنسوؤں سے تر رخساروں کو ٹشو سے خشک کرتے ہوئے پوچھا۔

”روما آچکی ہے بیٹا۔“ اماں نے سر پر دوپٹہ لپیٹا اور جائے نماز بچھالی۔

”کب پہنچی وہ...... مجھے تو نظر نہیں آئی...... کہاں ہے؟“ میں نے چونکتے ہوئے اماں سے پوچھا۔

”وہ ہاسپٹل میں ہے۔“ اماں جائے نماز پر قبلہ رو کھڑی ہوگئیں۔

”کیا......؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی میری چیخ نکل گئی۔

”شش...... وقت نکل رہا ہے‘ میں مغرب کی نماز ادا کرلوں۔ پھر بات کریں گے۔ تم بھی وضو کر کے نماز ادا کرلو۔“ اماں نے نیت باندھ کر نماز شروع کردی۔

میں خاموشی سے اٹھ کر واش روم کی طرف چلی گئی‘ وضو سے لے کر نماز کے اختتام تک بظاہر خاموش گزرے لمحے مسلسل مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ تمام مناظر گویا زندہ ہو کر فلم کی طرح میری آنکھوں کے آگے چلنے لگے۔ بچپن سے جوانی تک اور پھر شادی‘ تایا ابو اور تائی امی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے روما کو بے انتہا چاہتے تھے‘ روما نے بھی والدین کی چاہت کا جواب ہمیشہ اپنی فرماں برداری اور سعادت مندی سے دیا‘ بیوگی کا احساس تائی ای کی یہ حالت کر گیا تو یتیمی کے احساس کو روما بھی سہہ نہ سکی ہوگی۔ تایا ابو ایک خیال رکھنے والے شوہر اور باپ تھے۔ میں ان کی مغفرت کی دعا مانگتے مانگتے ایک بار پھر سسک پڑی۔

”باجی جی چائے پی لیں۔“ گھر کی پرانی ملازمہ حاجرہ کی آواز پر میں سجدے سے اٹھ بیٹھی۔ اپنے آنسو دوپٹے کے پلو سے خشک کیے اور ٹرے سے ایک کپ اٹھالیا۔

”جزاک اللہ حاجرہ۔ اس وقت چائے کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ حاجرہ روما بی بی کے پاس کون

ہے ہاسپٹل میں..... کیا ہوا تھا انہیں.....؟'' میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''باجی..... صاحب جی کو دل میں درد ہوا تو ایسا اٹھا کہ موئے نے جان لے کر ہی چھوڑی۔ سب ایمبولینس کا انتظار کررہے تھے مگر صاحب نے نہ کیا۔ چھوٹی بی بی باپ کی موت کا غم سہہ نہ سکیں اور بے ہوش ہوکر گر پڑیں' آپ کے ابو نے انہیں اسی ایمبولینس میں ہاسپٹل پہنچایا' ادھر بڑی بیگم صاحبہ بھی ہوش کھو بیٹھی تو میں نے اپنی بیٹی ثروت کو روما بی بی کے پاس ہاسپٹل میں چھوڑ دیا۔ آخر ہم نے نمک کھایا ہے اور ہماری تو مالکوں پر جان بھی قربان ہے اور پھر مالک بھی ایسے خدا ترس کہ نوکر تو سمجھتے ہی نہیں ہمیں کبھی۔'' حاجرہ تفصیل بتاتے بتاتے خود بھی سسک پڑی۔

اماں نماز ختم کرکے دوبارہ قرآن پاک لے کر بیٹھ گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ تلاوت شروع کرتیں' میں نے پھر ان سے تفصیل جاننا چاہی تو انہوں نے تکیہ کے نیچے رکھا خط نکال کر مجھے پکڑا دیا۔

''تم یہ پڑھو اور حاجرہ سے کھانا لے کر روما کے پاس چلی جاؤ۔ اسے دیکھ بھی لینا اور کھانا بھی کھلا دینا۔ تمہارے ابو یہاں کفن دفن کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ کچھ لوگوں کا انتظار ہے۔ کل نماز ظہر میں تدفین ہے مجھے بھی گھر میں ہی کام دیکھنے ہیں۔ تم گڈو یا وقاص کے ساتھ چلی جاؤ۔ ورنہ زیادہ رات ہوجائے گی۔ بلکہ یہ بھی راستے میں ہی پڑھ لینا۔ بچی اکیلی ہے' بھوکی پیاسی ہوگی جلد از جلد وہاں پہنچو۔'' اماں نے مجھے ہدایات دے کر دوبارہ قرآن پاک کھول لیا اور تلاوت شروع کردی۔ میں شش و پنج کے عالم میں چادر اوڑھ کر پرس اٹھا کر نیچے چلی آئی' کچن سے ہاسپٹل کے لیے تیار کی گئی باسکٹ لے کر میں نے مردانے میں سے گڈو کے ذریعے وقاص کو بلوایا اور ساتھ ٹیکسی کا بھی کہہ دیا۔ کچھ ہی دیر میں ٹیکسی بھی آ گئی' وقاص ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا اور پیچھے میں باسکٹ لے کر بیٹھ گئی۔ ٹیکسی کے اسٹارٹ ہوتے ہی میں نے بے چینی سے خط کھول کر پڑھنا شروع کردیا۔ خط پھوپو کی طرف سے تایا ابو کے لیے تھا میں اور مضطرب ہوگئی۔

''پیارے بھائی جہانگیر!

السلام علیکم!

میں جانتی ہوں کہ میری کہی ہوئی کسی بھی بات کو تم سچ نہ مانو گے' تم یہی سمجھو گے کہ میں نے' تمہاری بہن نے تم سے دھوکہ کیا' دغا دیا۔ مگر تم مانو یا نہ مانو میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے سب کچھ صاف نیت سے کیا۔ روما کو میں اپنی بیٹیوں کی طرح عزیز رکھتی ہوں' اس لیے جان بوجھ کر اسے تکلیف پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی' ہاں مجھ سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ صارم بذات خود اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا مگر یقین مانو کہ میرے اصرار پر وہ مان گیا تھا' ظاہر ہے جب ہی تو وہ یہاں آیا' شادی کی۔ مگر میری اولاد ہوکر مجھے اس طرح دغا دے گا' مجھے یوں رسوا کرائے گا کہ میں اپنوں سے نظر ملانے کے قابل نہ رہوں گی' میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا' اس نے مجھے کہا تھا کہ امی آپ جس سے کہیں گی میں شادی کرلوں گا' اس سے تو اچھا تھا کہ وہ سرا سر انکار ہی کردیتا' ایک مجھے ہی تکلیف ہوتی ناں' یوں ہم سب تو اس کے کاری وار کی لپیٹ میں نہ آتے' روما کو مزید کوئی تکلیف نہ پہنچے اس لیے میں اسے صارم سے چھٹکارا دلوا کر باحفاظت تمہارے پاس پہنچا رہی ہوں تاکہ روز قیامت کم از کم اس حوالے سے تو میں جوابدہ نہ رہوں' گوکہ میرا یہ گناہ قابل معافی تو نہیں مگر میرے بھائی اگر ہوسکے تو اپنی اس بہن کو معاف کردینا۔ میں اور صارم کے باپ دونوں ہی صارم جیسی ناخلف اولاد سے ہر رشتہ ختم کرچکے ہیں' کیونکہ اپنی من مانی کرنے والی اور اپنے ماں باپ کی عزت پیروں تلے روندنے والی اولاد سے ہم بے اولاد ہی اچھے۔ شاید روما کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے باعث ہم اسی سزا کے مستحق ہیں کہ اولاد ہوتے ہوئے بھی ہم اولاد کے لیے ترس ترس کر اپنی گنی چنی عمر گزار دیں۔

معافی کی خواستگار و طلب گار......!

تمہاری بہن خالدہ''

معاً ٹیکسی بھی رک گئی اور مجھے لگا کہ میرا دل بھی رک رہا ہے۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ خالدہ پھوپو نے یہ معافی نامہ بھیجا۔ میرا ذہن اور بھی منتشر ہونے لگا۔ وقاص نے دروازہ کھول کر مجھے باہر نکلنے کا کہا تو میں ''کیوں' کیا اور کیسے'' جیسے سوالوں کے جواب ڈھونڈتے' اس ریشم جیسی الجھن کی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کرتے کرتے چپ چاپ ٹیکسی سے اتر کر اس کے پیچھے چل دی۔ روم کے باہر نرس نے ہمیں روک لیا۔

''آپ میں سے مریض کے پاس ایک ہی فرد جاسکتا ہے۔'' وقاص نے باسکٹ مجھے تھمادی۔

''تم اندر آجاؤ۔ روما بہن کو کھانا وغیرہ کھلاؤ اور تسلی دو۔ اس وقت انہیں تمہارے سپورٹ کی بہت ضرورت ہوگی' تمہیں بہت ہمت سے خود کو سب کو سنبھالنا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تم اپنا خیال رکھو' میں گھر جارہا ہوں' سامان پہنچا کر فریش ہوکر تمہیں لینے آجاؤں گا۔ پھر واپس تایا ابو کے گھر چلیں گے۔ ٹیک کیئر۔'' اس نے میرے گال سہلائے تو میں نے سر ہلا دیا۔ میں کمرے میں داخل ہوئی تو روما کا چہرہ دوسری جانب تھا۔ وہ غالباً سو رہی تھی۔ میں نے دھیرے سے باسکٹ کا سامان احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پر منتقل کرنا شروع کیا۔ اتنے میں نرس آگئی۔

''مجھے مریض کا بلڈ پریشر چیک کرنا ہے۔ آپ کھانا کھلادیں تو بتادیجیے گا۔ میں انہیں میڈیسن دے دوں گی۔ میری ڈیوٹی ختم ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ہے۔ آپ اس سے پہلے بتادیجیے گا۔'' نرس اب روما کی طرف مڑ گئی۔ ''بی بی اٹھیے بی پی چیک کرالیجیے۔ ڈاکٹر راؤنڈ پر آنے والے ہیں۔ ریکارڈ چیک کریں گے۔'' نرس نے بی پی آپریٹس کھول کر روما کے سرہانے رکھ دیا۔ روما نے کروٹ بدلی' آنکھیں کھولیں تو میں دہل گئی۔

''یااللہ یہ روما ہے۔'' بادامی آنکھیں گہرے سیاہ حلقوں میں دھنس چکی تھیں۔ گلابی مائل چہرہ اور ہونٹ پپڑی زدہ اور زردی مائل ہوچکے تھے۔ سڈول جسم کمزور ہوکر اس کی نقاہت کی گواہی دے رہا تھا۔ نرس نے بی پی چیک کرکے اس کی ڈرپ کا لیول اور رفتار سیٹ کی اور باہر چلی گئی' روما نے ایک نظر مجھے دیکھا پھر کراہ کر آنکھیں موند لیں۔ میں اس کے قریب جاکر کھڑی ہوئی۔ پھر اس کے سرد ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے ہونے کا احساس دلایا تو اس نے آنکھیں کھول کر پھر مجھے دیکھا۔ یکایک اس کی آنکھوں کے گوشے تیزی سے گیلے ہونے لگے۔

میں نے دوسرا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیر کر اسے تسلی دینا چاہی تو اس کے رخسار اور بھی بھیگتے چلے گئے اور اس کے ساتھ میری بھی سسکیاں نکلنے لگیں۔ لمحے بیتنے لگے پھر یکایک مجھے احساس ہوا کہ ایسا نہ ہوکہ روما کی حالت زیادہ بگڑ جائے۔ میں نے نرمی سے اس کے رخسار ٹشو سے خشک کیے۔

''روما بس صبر کرو اور کھانا کھالو۔ تمہاری میڈیسن کا ٹائم ہونے والا ہے۔ ویسے بھی کھانا ٹھنڈا ہوجائے گا۔'' میں نے اسے سہارے سے بٹھایا اور خود ٹفن سے کھانا نکالنے لگی۔

''میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا تابی؟'' روما کی آواز سے زیادہ مجھے اس کے سوال نے سانسیں روکنے پر مجبور کردیا۔ ''کیا گناہ' کیا غلطی سرزد ہوگئی تھی مجھ سے' کہ میرے سگے رشتوں نے میرے ساتھ ایسا کیا؟'' میرا دل چاہا کہ میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر روما کے آگے جاکر بیٹھ جاؤں اور پوچھوں کہ 'یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں' مجھے بتاؤ ایسا کیا ہوا کہ یہ نوبت آپہنچی'۔ مگر یہ عقل اور وقت کا تقاضا نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اپنے تیزی سے دھڑکتے دل کو گہری سانس لے کر سنبھالا اور دلیہ کی پلیٹ لے کر اس کے سامنے آبیٹھی۔

''کھانا کھالو ٹھنڈا ہورہا ہے۔'' مگر اس نے جیسے میری سنی ہی نہیں۔

''کتنے چاؤ' کتنے مان سے پھوپو مجھے بیاہ کر لے گئی تھیں۔ کیا اولاد کی محبت انسان کو اتنا اندھا کردیتی ہے کہ اسے یہ احساس تک نہیں رہتا کہ جیسا درد اس کے دل میں اپنی اولاد کا ہے ویسا ہی درد ہر ماں باپ اپنی اولاد کے لیے

اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ سچ ہے ناں اگر احساس ہی نہ ہو رشتوں کا سگا ہونا' خونی ہونا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میں نے صرف سنا تھا خون سفید ہونا...... مگر جب دیکھا تو......'' وہ ایک بار پھر سسکنے لگی۔

''روما پلیز تمہاری طبیعت خراب ہوجائے گی۔'' میں نے دلیہ کا چمچ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے آہستگی سے اسے پرے کردیا۔

''اب کچھ دل نہیں چاہتا۔ نہ سانس لینے کو نہ زندہ رہنے کو' کچھ اچھا نہیں لگتا مجھے نہ اپنا آپ نہ یہ دنیا۔''

''ایسا نہیں کہتے روما' تمہیں تائی امی کو دیکھنا ہوگا' سنبھالنا ہوگا' حادثے اور ناگہانیاں تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں' ہماری زندگی ان سے متاثر ضرور ہوتی ہے مگر ختم نہیں ہوتی' یہی حقیقت ہے روما۔ ہمیں جینا پڑتا ہے' ہم چاہیں یا نہ چاہیں' اپنے لیے' دوسروں کے لیے۔''

''امی کیسی ہیں؟'' روما کو اچانک ہی خیال آگیا۔

''ٹھیک ہیں۔ سو رہی تھیں۔'' میں نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولو تابی۔ جو کچھ ہوچکا ہے ناں' اب اس سے بڑھ کر شاید کچھ بھی نہیں' میں اس قدر ٹوٹ چکی ہوں کہ مزید بکھرنے کے لیے اب میرے اندر کچھ باقی ہی نہیں۔'' روما استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''تم کھانا کھالو پلیز' ہم بعد میں باتیں کریں گے۔'' میں نے پھر دلیہ کا چمچ اس کی طرف بڑھایا اس بار اس نے خاموشی سے منہ کھول دیا۔ میں اسے کھلاتی رہی' پانچویں چمچ پر اس نے پھر مجھے روک دیا۔

''بس مجھے پانی دے دو۔'' میں نے بھی اصرار مناسب نہیں سمجھا۔ طبیعت اچھی نہ ہو تو بھوک بھی مرجاتی ہے۔ یہ سوچ کر میں نے اسے پانی کا گلاس دیا جو اس نے گھونٹ گھونٹ آدھا گلاس پیا پھر مجھے واپس کردیا۔ میں نے گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور باقی سامان سمیٹنے لگی۔ روما نے ایک بار پھر آنکھیں موند لیں۔ میں سمجھی وہ سونا چاہ رہی ہے میں نے اسے واپس لٹانا چاہا۔

''نہیں مجھے نیند نہیں آرہی' بس میں آنکھیں بند کرکے سب چیزیں فراموش کرنا چاہتی ہوں مگر نہیں کر پارہی کہ آنکھیں بند کرنے سے تمام باتیں میرے ذہن میں گردش کرنے لگتی ہیں۔ ماضی زندہ ہوکر آنکھوں کے آگے ناچنے لگتا ہے۔'' اس نے ہراساں ہوکر آنکھیں کھول دیں۔

''ریلیکس روما' اس طرح ٹینشن مت لو' تمہیں سب کچھ بھلانا تو ہوگا ہی۔''

''وہ سب کچھ بھولنا بھی اتنا ہی اذیت ناک ہے تابی جتنا اسے یاد رکھنا' کاش اس صدمے سے میری یادداشت ہی چلی جاتی۔ مجھے ان تلخ یادوں کی اذیت سے تو چھٹکارا مل جاتا۔'' وہ پھر سسکنے لگی۔

''روما اگر تم مناسب سمجھو اور چاہو تو مجھ سے اپنے دل کی بات شیئر کرسکتی ہو۔'' میں نے بالآخر کہہ ڈالا کیونکہ مجھے لگا کہ یہ میرے لیے اور روما کے لیے بھی بہت ضروری تھا۔ کیونکہ اگر روما کہتی تو اس کا اور میں نہ سنتی تو میرا دل پھٹ جاتا۔ ہمارے ذہن میں بڑھتے ہوئے انتشار پر قابو پانے کا اب ایک یہی واحد راستہ نظر آرہا تھا۔ گو کہ میں روما کے کبھی بھی اتنا قریب نہیں رہی تھی مگر اس وقت مجھے بھی یہی محسوس ہورہا تھا کہ میں ہی اس کے سب سے قریب ہوں اور شاید روما کو بھی میں ہی غنیمت لگ رہا تھا۔ دل کی بھڑاس اور غبار نکالنے کے لیے۔ اسی لیے اس نے مجھ سے پوچھا۔

''تم نے وہ خط پڑھ لیا۔''

''ہاں اماں نے مجھے دیا تھا' مگر وہ قرآن پاک پڑھ رہی تھیں اس لیے مجھ سے تفصیلی بات نہیں کرسکیں۔ میں بھی آج ہی مری سے لوٹی ہوں۔'' میں نے قصداً اسے تفصیل بتائی تاکہ وہ جان سکے کہ مجھے واقعی کچھ نہیں معلوم۔

''پھوپو نے کتنی آسانی سے معافی نامہ لکھ کر اپنی جان چھڑالی' جانے مائیں یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ وہ شادی کرکے اپنے بیٹوں کو بدل لیں گی۔ مرد کب کسی کی مرضی سے بدلتا ہے وہ تو اپنی مرضی سے اپنا کردار چنتا ہے' کبھی جورو کا غلام بن کر اور کبھی بیوی کو غلام بنا کر۔ ماں من پسند بیوی لادے

تو ماں کا فرماں بردار اور اگر نہ لائے تو ماں ظالم۔ پھوپو نے اپنی قسم دے کر صارم کو مجھ سے شادی پر رضامند تو کرلیا مگر وہ یہ جان نہ سکیں کہ مرد کے لیے ایک عورت کے لیے دوسری عورت کو چھوڑنا کبھی بھی مشکل نہیں رہا۔ مرد ہمیشہ اپنی ہی چلاتا ہے' جیسے صارم نے چلائی۔ پھوپو نے خود پر ریوالور رکھ کر خود کو مارنے کی دھمکی دی تو وہ ان کی من پسند لڑکی سے شادی کرنے پر رضامند ہوگیا۔ پھوپو نے اپنی دانست میں یہ جان کر میرا انتخاب کیا کہ ایک تو سات سمندر پار والے صارم کی حقیقت سے ناآشنا رہیں گے' دوسرا اپنوں کو گھیرنے میں زیادہ مشکلات بھی پیش نہیں آئیں گی اور تمہیں پتا ہے تابی کہ انہوں نے میرا انتخاب کیوں کیا......؟'' وہ ٹھہری تو میرا دل ٹھہرنے لگا۔

''تاکہ میری خوب صورتی کے باعث صارم میرا اسیر ہوجائے۔'' روما کے انکشاف پر میرے اندر گویا زلزلہ آ گیا۔ میرے اندر کی بڑھتی ہوئی چیخوں سے میرا دم گھٹنے لگا۔

''کیوں اللہ میاں' روما کیوں...... میں کیوں نہیں...... صارم اور پھوپو کو میں نظر نہیں آئی۔''

''تجھے بھی تو میں نظر نہ آئی۔'' کوئی بازگشت تھی جو چہار اطراف سرگرداں تھی۔ میں روما کے بیڈ کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گئی کیونکہ اب مجھے سہارا چاہیے تھا' کس کا' یہ تو آپ کو پتہ ہی ہوگا' اسے ضرور پتہ تھا' جس کو سب کچھ معلوم ہے' جو سب کچھ جانتا ہے' جو ہر پل کی خبر رکھتا ہے' جو ماضی' حال' مستقبل سب سے واقف ہے' یا اللہ میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل پایا' اس سے زیادہ مانگنے کی جسارت نہیں تھی' ہمت نہیں تھی مجھ میں۔

''پانی...... تابی مجھے پانی پلادو۔'' روما کمزوری کے باعث چند لفظ بول کر نڈھال ہونے لگی تھی۔ میں نے اسے پانی کے بجائے پائن ایپل جوس گلاس میں ڈال کر دیا۔

''تم تھوڑا جوس پی لو' کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا۔ کم ازکم جوس سے تھوڑی سی کمزوری بھی دور ہوگی۔'' اس نے دو تین گھونٹ لے کر گلے پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے وہ جوس سے پیدا ہونے والی تراوٹ کو محسوس کرنا چاہتی ہو' پھر اس نے ایک ٹھنڈا گہرا سانس لیا اور شاید اس کی ہمت کچھ بحال ہوئی تو اس نے پھر بولنا شروع کردیا۔ میں تو منتظر تھی' اس لیے میں ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''میری شکل صورت' پاپا کی امارت' کچھ بھی صارم کو اپنا نہیں بنا سکے' کیونکہ صارم تو پہلے ہی کسی گوری کا اسیر تھا اور پھوپو اپنی نسل کسی غیر مسلم کے حوالے سے بڑھانا نہیں چاہتی تھیں' کتنا عجیب لگتا ہے نا تابی ہم سب اپنی عقل کو کل' اپنے علم کو بالا' اپنی منطق کو دانا جانتے ہوئے اپنی تدبیروں سے اپنے مقدر لکھنے چل پڑتے ہیں جبکہ ہمیں پتا ہے کہ تقدیر بنانے' بگاڑنے کا اختیار تو کسی اور کے ہاتھوں میں ہے اور پھر غلط کام' بدنیتی کا بدلہ اور پھل اچھا اور نیک کیسے نکل سکتا ہے' پھوپو اگر دھوکہ دہی سے کام نہ لیتیں تو شاید شاید سب کچھ ٹھیک ہوجاتا' ہم سب مل کر کوئی حل تلاش کرتے' تو شاید منزل پالیتے' کم ازکم یوں ذلیل خوار اور رسوا تو نہ ہوتے' پھوپو کے پاس خود کیا رہا' نہ بیٹا' نہ بھائی اور نہ رشتے' محبت اور اعتبار' مگر میں سوچ رہی ہوں کہ میں نے کس قصور کی سزا پائی' کیا گناہ سرزد ہوگیا مجھ سے' کیوں اللہ نے مجھے اس خسارے کو ڈھونے کے لیے چنا' آخر کیوں؟'' وہ مجھ سے جواب طلب کررہی تھی۔

''میرے پاس جواب تھا مگر میں کیسے اسے دیتی' اس جواب کو دینے کے لیے تو مجھے پل صراط سے گزرنا پڑتا اور مجھے معلوم تھا کہ میں کر ہی نہیں سکتی کیونکہ میرا یقین تو مستحکم تھا ہی نہیں...... میں تو ڈگمگا جانے والوں میں سے تھی۔ میں خود احتسابی کے کٹہرے میں کھڑی ہوئی تھی' کیا میرا باعزت بری ہونا ممکن تھا' شاید نہیں...... نہیں' ہرگز نہیں...... کبھی نہیں......؟

روما کا سانس اچانک تیز چلنے لگا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ شاید اسے ڈپریشن کا اٹیک ہونے لگا تھا۔ مجھے لگا کہ اسے کچھ ہونہ جائے' میں نرس کو بلانے کے لیے باہر جانے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پاس بٹھا

لیا اور ہاتھ کے اشارے سے پھر پانی مانگا' میں نے تیزی سے پانی کا گلاس بھر کر اسے تھمایا۔ اس نے پھر گھونٹ گھونٹ پانی حلق میں اتارا اور پُرسکون ہوگئی۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔

''تم اب آرام کرو روما۔'' میں نے اسے لٹانا چاہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں تابی' یہ اندر جو آگ لگی ہے' جس کی تپش سے میرے وجود کے ساتھ ساتھ میرے اپنے بھی جھلس گئے ہیں' وہ یوں آسانی سے کہاں بجھے گی اور جو بجھ بھی گئی تو وہ جو جلنے کا عذاب ہم نے جھیلا اس کا درد' کرب اور اذیت محسوس کرکے ہم ساری زندگی تڑپتے رہیں گے۔''

''ایسا مت کہو روما' اللہ صبر دینے والا ہے' کرم کرنے والا ہے۔''

''ہاں بے شک' مگر جانے اس نے مجھے اپنے اس کرم کے قابل کیوں نہ سمجھا' میں اتنی حقیر اور اتنی ارزاں کیوں ٹھہری اپنے اللہ کی نظر میں۔'' اس کی آنکھیں اوپر کی طرف اٹھ گئیں اور میری آنکھیں جھک گئیں۔

ہم دونوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں' مگر میری آنکھوں سے گرنے والا پانی میری روح کو سیراب کر رہا تھا جبکہ روما کی آنکھوں سے گرنے والا پانی اس کے تمام وجود میں طغیانی پیدا کر رہا تھا۔ ہم دونوں بظاہر خاموش تھے مگر ہماری روحیں' ہمارا وجود' ہمارا ضمیر باتیں کر رہا تھا' یکا یک دروازے کی دستک نے ہمیں چونکایا' ہم نے تیزی سے اپنے آنسو خشک کیے' میں نے لاکڈ دروازہ کھول دیا' سامنے نرس کھڑی تھی۔

''آپ نے کھانا کھلا دیا' مجھے میڈیسن دینی ہے۔''

''جی بس ابھی ختم کیا ہے' میں آنے ہی والی تھی بتانے کے لیے۔'' میں اپنی لاپروائی پر خجل ہونے لگی۔ مگر نرس نے کسی بھی چیز کا نوٹس لیے بغیر روما کی میڈیسن اس کی ہتھیلی پر رکھ دیں۔ جنہیں روما نے میرے کہنے پر جوس کے ہمراہ نگل لیا۔ نرس باہر چلی گئی' میں نے کمرہ لاک کردیا' میں نے دراز سے برش نکال کر روما کے بال سنوارنا شروع کردیئے۔

''وقاص تھوڑی دیر میں آنے والے ہوں گے' میں کچھ دیر کے لیے گھر جاؤں گی' اماں کی کچھ مدد کروا کر رات میں واپس آجاؤں گی۔ اب تمہیں اکیلے چھوڑنے کا دل نہیں کر رہا' ویسے بھی اپنوں کے ہوتے ہوئے تم تنہا کیوں رہو۔'' میں نے اس کے بال بینڈ میں قید کیے تو اس نے اپنی پشت تکیہ سے ٹکا دی۔

''شکریہ اس اپنائیت کے لیے' میں نے کہا ناں تابی خلوص کے لیے رشتہ ہونا نہیں' احساس ہونا اہم ہے۔''

''شکریے کی تو اس میں کوئی بات ہی نہیں' ایک بات پوچھوں روما' صارم یہاں تو...... میرا مطلب ہم سے ملاقاتوں میں...... شادی پر بہت خوش تھا' اگر وہ تمہیں پسند نہیں کرتا تھا' تو اس نے ہاں کیوں کی؟ ایسا کرکے تو اس نے اپنے ساتھ کئی زندگیاں برباد کردیں' اگر پھوپو نے زبردستی کی بھی تھی تو وہ خود بھی کوئی دودھ پیتا بچہ تو نہ تھا' آخر اس نے کیا تو وہی جو وہ چاہتا تھا' پھر اس ڈرامے کا کیا مقصد تھا؟'' روما کی نسبت مجھے پھوپو سے زیادہ صارم پر غصہ تھا' بظاہر مدھم لہجے اور صاف گو طبیعت کا صارم بھی اس کھیل میں ایسا منفی کردار رہا تھا جس سے اب مجھے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

''میں نے بھی صارم سے یہی سب پوچھا تھا' تو پتہ ہے اس نے بڑی صفائی سے خود کو ہر الزام سے بری کرلیا۔ اس نے کہا...... روما میں پہلے اپنی ماں کے آگے مجبور ہوگیا تھا' انہوں نے مجھے خود کو مار ڈالنے کی دھمکی دی' میرے اور ان کے اختلافات اپنی جگہ' مگر بہرحال وہ میری ماں ہیں' میں نے سچے دل سے تمہیں سوزین کی جگہ دینے کی کوشش بھی کی' تم مجھے پسند بھی آئیں' تم خوش شکل ہو' خوش مزاج ہو' اسٹرونگ بیک گراؤنڈ رکھتی ہو' ہر مرد اپنے لیے ایک پُرکشش اور پُراعتماد شریک حیات چاہتا ہے مگر اب میں مجبور ہوں' میں تمہیں اپنی بیوی کے طور پر اپنے ساتھ رکھ لیتا مگر سوزین اس حوالے سے شبہات کا شکار ہے' اس لیے مجھے مجبوراً تمہیں طلاق دینا ہوگی۔''

''مجبوری...... مجبوری...... آخر ایسی کون سی مجبوری تھی' جو اسے ہر رشتے' ہر محبت سے نظریں چرانے پر مجبور کررہی تھی' کیسی مجبوری تھی یہ جو اسے نہ ماں کی ممتا نظر آرہی تھی نہ بیوی کی وفا......؟'' میرا غصہ صارم کی بے جا' بے چارگی کے راگ الاپنے پر اور سوا ہونے لگا تھا۔

''اسے سب کچھ دکھائی دے رہا تھا تابی' سب کچھ سنائی دے رہا تھا' اس نے پھوپو سے بھی یہی کہا کہ وہ سب جانتا ہے' سب مانتا ہے مگر وہ واقعی مجبور ہے' کیونکہ جس طرح پھوپو' صارم کے بغیر نہیں رہ سکتیں' جس طرح وہ اپنی اولاد سے دوری' اس کا غم برداشت نہیں کرسکتیں' اسی طرح صارم بھی اپنی اولاد کی چاہت میں مجبور ہے' ہماری شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد صارم کو سوزین کی ای میل موصول ہوئی جس میں اس نے صارم اور سوزین کے بیٹے کی تصویر بھیج کر اسے اپنے پاس آنے اور اپنے بیٹے کو اپنانے کی نہ صرف منتیں اور التجائیں کیں بلکہ صاف صاف دھمکی بھی دی کہ اگر وہ سیدھی طرح نہ مانا تو وہ ڈی این اے ٹیسٹ رپورٹس کے ذریعے اس پر کیس دائر کردے گی اور ایسی صورت میں ہر جانے کے ساتھ ساتھ صارم کو کافی ذلت کا سامنا بھی کرنا ہوگا' وہ واقعی مجبور تھا' پھوپو بھی اس کی مجبوری جان کر معافی نامہ لکھنے پر مجبور ہوگئیں' وہ جتنی جلدی میں مجھے بیاہ کرلے گئیں اتنی ہی جلدی انہوں نے مجھے یہاں روانہ کرنے میں لگائی تاکہ میں صارم کے لیے کسی مشکل کا باعث نہ بنوں' وہ سب ڈر گئے تھے سوزین سے' شاید مجھے بھی لگا کہ مزید ذلت' رسوائی اور کرب سہنے سے کہیں زیادہ یہی اچھا ہے کہ میں یہاں آجاؤں' مجھے اندازہ تھا کہ پاپا' مما یہ سب نہیں سہہ پائیں گے مگر میں بھی مجبور تھی تابی' یقین کرو میں بھی مجبور ہوگئی تھی' میں بھی ڈر گئی تھی۔'' روما پھر سسکنے لگی تھی اور میں اسے گلے لگا کر تسلیاں دیتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی۔

''ہم انسانوں سے اور ان کی چالوں سے ڈر جاتے ہیں مگر اللہ اور اس کے احکامات سے نہیں ڈرتے' پھوپو اور صارم کو اپنے اپنے مفادات اور مقاصد کی تکمیل کی چاہ میں یہ نظر نہیں آیا کہ وہ ایک معصوم لڑکی کے ساتھ کیا زیادتی کرنے جارہے ہیں' سب کچھ جانتے بوجھتے کرنے کے باوجود وہ کس آسانی سے محض لفظ ''معافی'' ادا کرکے خود کو بے قصور قرار دے گئے انسان اپنی غرض پانے کے لیے اس قدر سفاک اور اندھا ہوجاتا ہے کہ وہ دوسروں کو پہنچنے والے ہر نقصان کو فراموش کردیتا ہے' ہم خود جینے کے لیے' اپنا آپ منوانے کے لیے دوسروں کی انا کو بھٹی میں جھونک کر ان کو اذیت کدہ میں مقید کردیتے ہیں' نہ صرف روما کی کزن بلکہ ایک انسان ہونے کے ناتے' مجھے رشتوں کی اس درجے پامالی اور ناقدری پر رنج ہونے کے ساتھ ساتھ بے حسی کی شدت پر حیرت اور غصہ بھی آرہا تھا۔ اگر محبتوں اور وفاؤں کا یہ نتیجہ دیا جائے گا' خلوص اور اعتبار کا اس طرح خون کیا جائے گا تو کون کس پر اپنی چاہت اور وفاداری قربان و نچھاور کرے گا۔ میں سوچتی ہی رہی پھر موبائل کی بپ نے مجھے چونکایا' وقاص کی کال تھی' وہ مجھے باہر آنے کا کہہ رہا تھا تاکہ وہ روما کی خیریت دریافت کرلے اور ہم گھر کی طرف چلیں۔ میں نے موبائل بند کرکے پرس میں رکھا اور روما کی چادر ٹھیک کرکے اس کو لٹا دیا۔

''روما...... وقاص آگئے ہیں' ایک وقت میں ایک اٹینڈڈ الاؤ ہے' اس لیے میں جارہی ہوں' وہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آنا چاہ رہے ہیں۔ میں اب رات میں آؤں گی۔ اپنا سامان بھی نہیں لائی' ٹھیک ہے اب تم آرام کرو۔'' میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا' شاید وہ بھی تھک گئی تھی اور سونا چاہ رہی تھی' میں باہر آگئی پھر جب تک وقاص نے روما کی عیادت کی' میں نے ڈاکٹر سے روما کی صورت حال پر ڈسکس کرکے ضروری معلومات حاصل کرلیں' دس منٹ بعد ہی وقاص باہر آگیا اور ہم گھر کے لیے نکل گئے۔

❀......❀......❀

تایا ابا کی تدفین چند رشتے داروں کی عدم موجودگی کے باعث دوسرے دن ظہر میں ہونا تھی' میں نے چادریں بچھوا کر حاجرہ کو کچن سے متعلق ہدایات دیں اور اوپر کی منزل پر

چلی آئی۔ تائی امی سورہی تھیں۔ ان کی بہن آچکی تھیں بہن سے مل کر ان کا سکتہ ٹوٹ گیا تھا مگر ڈپریشن بہت تھا اس لیے ڈاکٹر کی ہدایات کے مطابق انہیں ٹرینکولائز دی گی تھی۔ زیادہ تر خواتین عشاء کی نماز ادا کررہی تھیں۔ رات کے دس بج رہے تھے تھکی ہاری مائیں بچوں کو سلانے کی کوشش کررہی تھیں۔ چند بچے خود ہی نڈھال ہوکر سوچکے تھے۔ مردوں نے گھر کے لاؤنج میں ستانے کا انتظام کرلیا تھا۔ چند ایک گفتگو میں مگن تھے۔ میں نے وقاص کو کال کرکے ٹیکسی لانے کو کہا اور اماں کے پاس بیٹھ گئی جو نماز کے بعد دعا مانگنے میں مصروف تھیں مجھے دیکھ کر انہوں نے منہ پر ہاتھ پھیر کر جائے نماز تہہ کی۔

"میں روما کے پاس جارہی ہوں اماں رات وہیں رکوں گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں بھی یہی کہنے والی تھی اب تم بھی وہاں جاکر سوجانا کچھ مت سوچنا سوچنے سے کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ سب اللہ پر چھوڑ دو وہ ہمیشہ سب کے لیے بہتر کرتا ہے۔" اماں مجھے دھیرے دھیرے سمجھارہی تھیں آج مجھے اماں کی کسی بات سے نہ چڑ ہورہی تھی نہ حیرت کیونکہ اب اماں کے ساتھ ساتھ یہ حقائق مجھے بھی معلوم ہوچکے تھے۔

"روما کے لیے دعا کریں اماں۔" میں نے کہا تو انہوں نے میری پیشانی چوم لی۔

"ماں تو سب کے لیے دعا ہی کرتی ہے بیٹا۔"

"اماں کیا روما کے لیے تائی اماں نے دعا نہیں کی ہوگی؟" جانے کہاں سے بلکہ کب سے ذہن میں رکا سوال زبان پر آہی گیا تھا۔

"کیوں نہیں کی ہوگی بیٹا مگر ہوسکتا ہے کہ انہوں نے روما کے لیے وہی مانگا ہو یعنی صارم صارم مجھے بھی پسند آیا تھا بیٹا ہر ماں کی طرح میں بھی چاہتی تھی کہ میری بیٹی کو بھی صارم جیسا خوبرو اور شان بان والا شوہر ملے مگر تم نے سنا ہوگا کہ ہر چمکنے والی شے سونا نہیں ہوتی بس اسی لیے میں نے بھی تمہارے لیے اپنی پسند اور چوائس کے مطابق کچھ نہیں مانگا بیٹا میں نے صرف تمہاری خوشیاں اور تمہارے نصیب کی بہتری مانگی اور پھر میں خوش نصیب بھی رہی کہ میری دعائیں سن لی گئیں۔ بے شک وہی سننے والا ہے۔" اماں تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

"اماں...... میں...... میں خوش نصیب ہوں یا نہیں...... میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ اللہ نے میری دعا نہیں سنی صارم مجھے نہیں دیا مگر کیا میں اپنے لیے خوشیاں مانگوں گی تو وہ میری دعائیں نہیں سنے گا۔" میں نے آج کھل کر اماں سے حال دل کہہ دیا تھا۔ اماں مسکرائیں اور تسبیح کے چند بچے ہوئے دانوں کی طرف اشارہ کیا جو چکر مکمل کرنے کے قریب تھے اور میں اشارہ جان کر خاموش ہوگئی۔ اپنے الجھتے ہوئے ذہن کو سکون دینے کے لیے میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ مگر محض چند لمحوں بعد ہی ایک آواز کے تعاقب کی غرض نے مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کردیا۔ کسی بچے نے بوریت دور کرنے کے لیے ٹی وی کھول دیا تھا۔

"زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے سب اپنی حاجتیں اسی سے مانگ رہے ہیں۔ ہر آن وہ نئی شان میں ہے پس اے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟"

"مما مجھے کارٹون دیکھنا ہے۔" بچے نے ماں سے ضد کرکے ریموٹ چھیننا چاہا۔

"میں معافی چاہتی ہوں بچے کو تو نہیں پتا کہ میت کے گھر ٹی وی نہیں دیکھا جاتا۔ چلو چل کر سوجاؤ۔" خاتون مہمان نے معذرت کرتے ہوئے ریموٹ چھین کر بچے کی پہنچ سے دور الماری کے اوپر رکھ دیا اور ٹی وی بند کرکے چلی گئیں۔ ٹی وی بند ہوگیا اور میرے دماغ کی گرہیں کھل گئیں۔ میں تیزی سے اٹھی اور واش روم کی جانب بھاگی۔

جی ہاں آپ صحیح سمجھے وضو کرنے مجھے اللہ کے حضور شکرانے کے سجدے جو کرنے تھے۔

''کیا دیکھ رہی ہو زونی؟'' وہ سیڑھیوں پر کھڑی ساتھ والوں کے گھر میں جھانک رہی تھی تبھی اس کی مما (مسز نورین) نے کسی قدر حیرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

''وہ دیکھیں مما...... انیلہ آنٹی کا بکرا کتنا خوب صورت ہے ناں۔'' وہ ابھی بھی دیوار کے پار چارہ کھاتے ہوئے بکرے کو دیکھ رہی تھی۔

سفید رنگ کا بکرا تھا' جس کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی تھی جوں جوں وہ اپنا سر ہلاتا گھنٹی کی ٹن ٹن شروع ہوجاتی زونی کو بڑا اچھا لگتا تھا۔

''اس بار ہمارا بکرا نہیں آیا مما؟'' اسے اچانک یاد آیا اور سیڑھیوں سے اتر کران کے پاس چلی آئی۔

''آجائے گا بیٹا ابھی تو عید میں بہت وقت ہے۔'' وہ اس وقت لان میں بیٹھی اخبار کا مطالعہ کررہی تھیں۔ مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''لیکن انیلہ آنٹی کے یہاں تو بکرا آبھی آگیا۔''

''بیٹے ابھی عید میں بہت دن پڑے ہیں اور تم جانتی ہو کہ تمہارے پاپا بکرا عید کے آخری دنوں میں ہی جانور لاتے ہیں۔ اتنی جلدی بکرا لاکر ہم اس کا خیال کیسے رکھیں گے۔''

''رکھ لیں گے مما۔ آپ پاپا سے کہیں وہ بکرا لے آئیں۔ میں اس کا خیال رکھوں گی۔'' اس کی سوئی تو گویا ایک ہی بات پر اٹک گئی تھی۔

''زونی...... ابھی بکرا نہیں لاسکتے ہم اس کا خیال نہیں رکھ سکتے۔ تم صرف اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔'' انہوں نے سختی سے کہا۔

''اتنے دن پہلے بکرا لانا گویا مصیبت کو آواز دینا ہے۔ لان دیکھا ہے کتنا صاف ستھرا اور خوب صورت ہے' بکرا آگیا ناں تو حشر نشر ہوجائے گا اور عید والے روز جب گیسٹ آئیں گے تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری۔''

''تو کیا ہوا مما؟ انیلہ آنٹی بھی تو بکرا لے کرآئی ہیں ان کا لان تو ہمارے لان سے بھی زیادہ خوب صورت ہے اور ان کا بکرا تو پورے لان میں گھومتا ہے انہیں تو برا نہیں لگتا پھر ہم کیوں......؟''

''اسٹاپ اٹ زونی۔'' ان لوگوں کا موازنہ خود سے مت کرو۔ وہ تو پینڈو' جاہل لوگ ہیں انہیں کیا پتا صحیح اور غلط کا......اور ان کے لان کا حال دیکھا ہے جھاڑ جھنکار بنا ہوا ہے۔ تمہیں پتا ہے محلے والے کتنے تمسخر اڑاتے ہیں ان کا۔ ان کے خلاف طنزیہ باتیں کرتے ہیں۔ جانتی ہو ناں جب میں اس پینڈو سی انیلہ سے کبھی ملتی تھی تو میری فرینڈز مجھے کیا کیا سناتی تھیں اور تم ہو کہ......''

''او پلیز مام......لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے ہر کسی کے خلاف باتیں کرنے کی۔ انیلہ آنٹی اور انکل کو دیکھا ہے آپ نے' کتنے نائس ہیں۔ ان بات چیت دیکھی ہے ان کے انداز میں کتنی مٹھاس ہے' ان کے لہجوں میں کتنی ممتا ہے' اور محلے والوں کی تو بات ہی مت کریں جاہل تو یہ لوگ ہیں جنہیں بولنے کی بھی تمیز نہیں۔''

''بکواس مت کرو زونی' مجھے تم سے فضول بحث نہیں کرنی اور ہاں آئندہ تم ان کے ہاں بالکل نہیں جاؤ گی' انڈر اسٹینڈ۔ تمہاری دوستی امبرین سے ہے اس سے تمہاری ملاقات کالج میں ہوجاتی ہے یہ ہر دو گھنٹے بعد وہاں جانے کی ہرگز ضرورت نہیں اوکے۔''

''بٹ وائے مام...... یہ پابندی کس سلسلے میں؟'' اسے ازحد حیرانی ہوئی۔

''کوئی سلسلہ ولسلہ نہیں......بس کہہ دیا ناں تم نہیں جاؤ گی تو نہیں جاؤ گی بس۔'' انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''لیکن مم......''

''بس زونی...... مجھے مزید کوئی بحث نہیں کرنی۔ مجھے

ڈسٹرب مت کرو' جاؤ یہاں سے۔'' اسے ڈپٹتے ہوئے اخبار کی جانب متوجہ ہوگئیں۔ ذونی نے چند پل بغور ان کی جانب دیکھا' رسپانس نہ پاکر پاؤں پٹختے ہوئے اندر چلی گئی۔

☆☆......☾......☆

قاسم جلیل کی فیملی کچھ عرصہ قبل اس محلے میں شفٹ ہوئی تھی' قاسم تین بہن بھائی تھے۔ دو بہنیں اور ایک بھائی۔ امبرین' رامین اور بھائی قاسم...... ان کے پیرنٹس انیلہ جلیل اور جلیل احمد۔ پہلے یہ لوگ ایک چھوٹے سے محلے میں رہائش پذیر تھے۔ قاسم کی جاب اچھی تھی' بہت کم وقت میں ترقی کرتے ہوئے وہ ایک اچھی پوسٹ پر پہنچ گیا تھا' حالات اچھے ہوئے تو محلہ بھی اچھا چن لیا اور والدین اور بہنوں کے ساتھ یہاں آن بسا...... بقول ان کے آس پڑوس بھی اچھا مل گیا تھا۔

ذُنائشہ وقار' نورین اور وقار کی اکلوتی اولاد اور بہت لاڈلی بھی تھی۔ قاسم کے ہمسائے میں رہتی تھی۔ یہاں شفٹ ہونے کے بعد امبرین اور رامین نے اسی کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔ امبرین اسی کی کلاس فیلو تھی اور پھر اب نیبرز تھے تو ان میں خوب دوستی بھی ہوگئی تھی۔ قاسم وغیرہ کی فیملی کے لوگ سادہ مزاج تھے مگر خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ ان کی سادہ لوحی' یہاں کے لوگوں کو بالکل پسند نہیں تھی۔

یہی حال ذونی کی مما کا بھی تھا۔ ذُنائشہ دن میں کتنی ہی مرتبہ ان کے ہاں جاتی تھی' نہ بھی جاتی تو سیڑھیوں پر کھڑی ہوکر ان سے گفت وشنید میں مصروف نظر آتی تھی۔ مسز نورین کو بہت سی دوسری محلے والیوں کی طرح اس کا ان کی طرف جانا بالکل پسند نہیں تھا' مگر ذونی کو ان کی اس بات سے اختلاف تھا' باقی وہ ہر بات مانتی تھی' کیونکہ وقار صاحب کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

☆☆......☾......☆

''تم لوگوں نے شاپنگ کرلی کیا؟'' وہ امبرین کی طرف آئی تھی' مسز نورین حسب معمول گھر پر نہیں تھیں اسی لیے وہ نظر بچا کر ان کی طرف نکل آئی تھی۔

''شاپنگ......!'' رامین نے کسی قدر حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''عید کی شاپنگ یار۔'' اس نے استہزائیہ انداز اپنایا۔

''بکرا آتو گیا ہے اور کون سی شاپنگ کرنی ہے۔'' امبرین نے بسکٹ اٹھاتے ہوئے مسکراہٹ دبائی۔

''ہاہاہاہا...... بکرا...... یہ تم لوگوں نے بکرے کو اوڑھنا پہننا ہے کیا؟''

''یار بکرا عید ہے تو جانوروں کی ہی شاپنگ ہوگی ناں؟ گھریلو خواتین کو کہاں ٹائم ملتا ہے خود کو تیار کرنے کا۔'' امبرین آہستگی سے مسکرائی۔

''لو...... قربانی تو مردوں نے کرنی ہوتی ہے' خواتین تو فارغ ہی ہوتی ہیں۔ میں اور مما تو جب پاپا عید کی نماز کے لیے جاتے ہیں تو تیار ہوکر بیٹھ جاتی ہیں۔ کب قربانی ہوئی' کب گوشت آیا' کب پیکٹ بنے اور کب فریز ہوئے ایٹ لیسٹ مجھے تو بالکل علم نہیں ہوتا۔ عید والے

دن تو ہمارے گھر میلا لگا رہتا ہے' گیسٹ آتے ہیں' کلیجی بھون کر کھلائی جاتی ہے' طرح طرح کے پکوان سے ان کی خاطر کی جاتی ہیں اور ایسے ہی عید کا دن گزر جاتا ہے' اپنے فرینڈز کے گھر جاتے ہیں وہ آتے ہیں اور بس.......''

''اور بس......'' امبرین نے معنی خیزی کے ساتھ رامین کی طرف دیکھا۔

''ہاں......'' اس نے ناسمجھی سے کندھے اچکائے۔

''اور گوشت کب تقسیم کرتے ہو؟'' رامین نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

''وہ...... وہ تو مجھے نہیں پتا۔'' اس نے لاعلمی سے کندھے اچکائے۔

''بانٹتے بھی ہو کہ نہیں؟'' امبرین نے نرمی سے استفسار کیا۔

''میں نہیں جانتی یار' اس چیز پر تو میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا اور نہ ہی کبھی مما سے پوچھا۔ اس بار پوچھوں گی۔'' بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ چائے کے سپ لینے لگی جبکہ امبرین اور رامین ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھنے لگی تھیں۔

☆......☆☾☆......☆

''یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟'' وہ اس وقت امبر کے گھر آئی تھی۔ رامین اپنے بکرے کو چارہ کھلا رہی تھی۔ اسے پیار کر رہی تھی' وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور اسی کی تقلید میں چارہ اٹھا اٹھا کر کھلانے لگی۔ اسے بڑا مزا آرہا تھا' ان کے ہاں تو لاسٹ ڈے ہی بکرا آتا تھا' رات کو آتا اور صبح قربان کر دیا جاتا۔ اسے تو محض دیکھنے کا ہی ٹائم ملتا تھا' رامین کسی کام کی غرض سے تھوڑی دیر کے لیے اندر گئی تھی مگر وہ وہیں بیٹھی رہی اور چارہ اٹھا اٹھا کر اسے کھلاتی رہی۔ اچانک اسے کیا سوجھی کہ وہاں پڑی چھوٹی سی اسٹک اٹھائی اور شرارتاً اس کی ٹانگوں پر مارنے لگی' اس نے بارہا دیکھا تھا یہاں بکروں کے ساتھ کھیلتے ہوئے سب ایسے ہی شرارت کرتے ہیں عین اسی لمحے وہاں قاسم چلا آیا۔ اس کی حرکت پر وہ دم بخود رہ گیا اسے بہت تاؤ آیا اس پر حالانکہ بہت ضبط کیا تھا۔

''آپ کو علم ہے یہ قربانی کا جانور ہے اور آپ اس کے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہیں۔ شرم آنی چاہیے آپ کو۔''

''وہ......وہ ایم سوری......'' اس کی آواز اتنی اونچی اور بے ساختہ بلند تھی کہ چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی اور وہ خود تیزی سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''وہ ایکچوئیلی باقی سب بھی ایسے ہی بکروں کے ساتھ شرارتیں کرتے ہیں تو میرا بھی دل کیا کہ......!!''

''واہ کیا بات ہے آپ کی؟ آپ کو کھیلنے کے لیے اور شرارت کرنے کے لیے ایک یہ قربانی کا جانور ہی ملا تھا کیا؟'' وہ ازحد برہم ہوا جبکہ وہ سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی۔ قاسم کو ایک پل کو دکھ ہوا تبھی ذرا نرم اور نادم سے انداز میں گویا ہوا۔

''دیکھیے ذُنائشہ......قربانی کا جانور احترام کے قابل ہوتا ہے' ناکہ شرارت کے۔ ہم قربانی کا جانور نیک نیت سے ایک نیک مقصد کے لیے لے کر آتے ہیں ایسے جانور کو شرارت کا نشانہ بنانا صحیح ہے کیا؟'' اس نے رسانیت سے سمجھاتے ہوئے استفسار کیا۔

''آئم سو سوری' مجھے بالکل نہیں پتا تھا ایسے جانور کے ساتھ کیسے ٹریٹ کیا جاتا ہے' میں نے تو یہی سب......''

''اوں ہوں' یہ ایک غلط کونسیپٹ ہے آپ کو پتا ہے جب ہم قربانی کا جانور خریدنے جاتے ہیں تو اسے ہر اینگل سے چیک کرتے ہیں' کہیں کوئی نقص تو نہیں' کہیں کوئی چوٹ تو نہیں لگی ہوئی' کیونکہ ایسے جانور کی قربانی نہیں ہوتی' اگر ہم جانور لا کر اسے مار کر خود ہی چوٹ پہنچا دیں اور چوٹ ایسی ہو کہ وہ داغ بن جائے تو وہ قربانی کے لائق رہے گا کیا؟ اسی لیے ہم جب قربانی کا جانور لاتے ہیں تو اس کا خیال رکھتے ہیں' اس کا احترام کرتے ہیں تاکہ ایک پاک صاف اور بنا کسی داغ و نقص کے ایک اچھے جانور کو اللہ کی راہ میں قربان کیا جائے......یہی قربانی تو قربانی کہلاتی ہے۔ آیا کچھ سمجھ شریف میں؟'' اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے رسان سے پوچھا۔

اس نے حیرت سے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا مگر پیار سے۔ وہ نظریں چرا گئی اس کی آنکھوں سے جھلکتے جذبات کو وہ بہت پہلے پہچان گئی تھی مگر وہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرسکتی تھی وہ اپنے ماں کے خیالات سے اچھی طرح واقف تھی، وہ جان بوجھ کر کسی کے جذبات کے ساتھ نہیں کھیل سکتی تھی، اسی لیے چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔ قاسم نے پُرسوچ انداز میں اسے دور جاتے ہوئے دیکھا۔

☆......☾☆......☆

"السلام علیکم!" وہ اس وقت مسز نورین اور وقار صاحب کے ساتھ بیٹھی لافٹر شو دیکھ رہی تھی سلام کی آواز پر تینوں نے بے ساختہ دروازے کی طرف دیکھا۔

رامین ہاتھوں میں ڈھکی ہوئی ڈش پکڑے کھڑی تھی۔ ڈنائشہ تیزی سے اٹھنے لگی مگر نورین کے اشارے نے اسے بیٹھے رہنے پر مجبور کردیا۔

"آؤ آؤ بیٹا...... اندر آؤ ناں۔" وقار صاحب پُرمسرت لہجے میں مخاطب ہوئے۔ وہ جھجکتے ہوئے اندر آ گئی۔ وہ پہلے بھی ان کے گھر آتی تھی مگر نورین کی سرد مہری نے ذرا محتاط کردیا تھا۔ اکثر جب نورین کہیں گئی ہوتی تو ذونی بلا لیتی اور پھر سب انجوائے کرتی تھیں مگر نورین کی موجودگی میں وہ جھجک جاتی تھیں۔

"بہت پیاری خوشبو آرہی ہے بھئی، کیا لائی ہے ہماری بیٹی؟" ان کے بے تکلف سے انداز پر وہ بہت خوش ہوئی۔

"بریانی لائی ہوں انکل...... امی نے آپ لوگوں کے لیے بھی بھجوائی ہے۔"

"لو ہمارے لیے کیوں بھیجی، مستحق لوگوں کو بھیجتیں، ہم کوئی مستحق ہیں کیا؟" حسب معمول مسز نورین روکھے سے انداز میں گویا ہوئیں اس کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

"ذونی بیٹے اٹھو...... جاؤ بریانی لے آؤ پلیٹ میں ڈال کر، بڑی بھوک لگی ہے، تمہاری ماں کو تو ہمارا خیال ہی

نہیں جانے کب کچھ کھانے کو ملے۔ بریانی کی خوشبو بڑی اچھی ہے میں تو پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔" وقار صاحب نے نورین کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے شگفتہ سے انداز میں کہا اسے تو بہانہ چاہیے تھا وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آؤ رامین کچن میں چلتے ہیں۔" اس سے پہلے کہ ماں کوئی اور اشارہ کرتی وہ رامین کو لیے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"ایم سوسوری۔ میں جانتی ہوں تمہیں مما کی باتیں بری لگی ہیں۔"

"اٹس او کے...... اب تو عادت ہوگئی ہے۔" اس نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی۔ وہ ازحد شرمندہ ہوئی ان کا ظرف بہت بڑا تھا۔ وہ تو پہلے ہی قائل ہوچکی تھی۔ مگر مسز نورین کو جانے کیوں ان سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

"آپ بہت دنوں سے ہمارے گھر نہیں آئیں۔ سب آپ کا پوچھ رہے تھے۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" سب پر زور دیتے ہوئے معنی خیزی سے کہا۔

"ویسے ہی بزی تھی یار...... آؤں گی کسی دن۔" اس کے معنی خیزی کو نظر انداز کرتے ہوئے پلیٹ ٹرے میں رکھی اور بنا اس کی جانب دیکھے باہر نکل گئی۔

☆......☾☆☆......☆
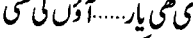
"ایکسکیوزمی زونی...... کیا میں آپ کا تھوڑا سا ٹائم لے سکتا ہوں۔" وہ آج بڑے دنوں بعد ان کے ہاں آئی تھی اور حیرت انگیز طور پر قاسم بھی گھر پر ہی تھا۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی' جونہی اسے علم ہوا کہ قاسم گھر پر ہے وہ زیادہ دیر وہاں رکی نہیں فوراً باہر نکل آئی مگر...... اس کی آواز پر وہ رکی ضرور مگر پلٹی نہیں۔ آنکھیں سختی سے بند کرتے ہوئے گویا سب کچھ فراموش کرنا چاہا تھا۔

"وہ...... مم میں چلتی ہوں مما آ گئی ہوں گی۔" لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

"زیادہ نہیں صرف پانچ منٹ لوں گا۔" اس نے گویا دبے دبے لہجے میں اصرار کیا۔ وہ لب بھینچ گئی۔ انکار ناممکن تھا۔

"جی کہیے......" بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا۔

"آپ مجھ سے بھاگ کیوں رہی ہیں زونی؟" اس نے آہستگی سے استفسار کیا تو وہ بری طرح چونکی۔

"میں...... میں کیوں بھاگوں گی آپ سے۔ میرا بھلا کیا تعلق آپ سے؟" اس نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔ یہ بہت ضروری تھا۔ قاسم ایک پل کو چپ سا رہ گیا۔

"میں غلط ہوں کیا؟ واقعی جو نظر آرہا ہے وہ سچ نہیں......" اس نے گویا طنز کیا۔ وہ چند پل خاموش رہی۔

"بالکل...... شاید آپ جانتے نہیں کہ بعض اوقات جو نظر آتا ہے وہ ہوتا نہیں۔ اکثر نظریں دھوکا کھا جاتی ہیں۔ آپ بھی کسی دھوکے میں ہیں۔" اس نے کسی قدر سختی سے کہا۔

"شاید ایسا ہو؟ مگر مجھے نہیں لگتا۔" میرے خیال میں تو آپ کی سوچوں کی کڑیاں' غلط جگہ پر گھٹنے ٹیک رہی ہیں۔ ایک مشورہ دوں اگر اجازت ہو تو۔" معنی خیزی سے کہتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی کہیے۔" لہجہ اور انداز دونوں مضبوط تھے۔

"منفی سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر مثبت سوچ اپنایئے مجھے امید ہے یہ جو کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرکے فرار کی راہ ڈھونڈی ہے ناں وہ نہیں ڈھونڈنا پڑے گی' آزمائش شرط ہے۔" اس نے انتہائی مضبوط اور پُرخلوص لہجے میں مشورہ دیا۔ اس کے لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ پشت پر ہاتھ باندھے' آنکھوں میں بے پناہ اپنائیت لیے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ اس کی آنکھوں میں رقم سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"میں چلتی ہوں۔" مدھم سی آواز میں کہہ کر وہ وہاں سے نکل آئی۔

"میرے مشورے پر عمل ضرور کرنا' افاقہ ہوگا۔" اس نے گویا یاد دہانی کروائی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆......☾☆☆......☆

اس کی بے پناہ ضد پر آج وقار صاحب بکرا لے ہی

آئے تھے۔ مسز نورین نے تو بہت مخالفت کی تھی اور اس کے آنے پر خوب ناک بھوں چڑھائے تھے۔ ڈُنائشہ کو تو خوب کھری کھری سنائی تھیں' اسے جاہل پینڈو تک کا خطاب دے دیا تھا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی تھی۔ بکرے کے چارہ پانی کے لیے ملازم کو ہدایات جاری کردی گئی تھیں۔ مگر ذونی نے کہہ دیا تھا کہ خیال وہ خود رکھے گی۔ جیسے امبرین وغیرہ رکھتے تھے۔

مسز نورین نے تو اسے پاگل اور خبطی کا خطاب بھی دے دیا تھا اس وقت بھی وہ لان میں وقار صاحب اور نورین کے ساتھ شام کی چائے پی رہی تھی' جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ اٹھ کر بکرے کی جانب چلی آئی (لان کی خوب صورتی برقرار رکھنے کے لیے مسز نورین نے بکرے کے لیے الگ تھلگ اور بیکار سا کونا مختص کر چھوڑا تھا تاکہ وہ اپنی حدوں سے باہر آ کر لان کو جھاڑ جھنکار نہ بنادے' وہ اس چیز کو لے کر بڑی کانشس تھیں۔)

وہ بکرے کے پاس چلی آئی اور اسے چارہ کھلانے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے غیر ارادی طور پر صاف کرنے لگی دور بیٹھی مسز نورین سے یہ منظر بالکل برداشت نہ ہوا' اس کی حرکت پر انہیں ابکائیاں سی آنے لگیں مجبوراً انہیں اٹھ کر اس کے پاس آنا پڑا۔ وقار صاحب اندر چلے گئے تھے۔

''یہ کیا حرکت ہے ذونی؟ ہٹو اس کے پاس سے۔ کتنا گندا ہو رہا ہے اور تم اسے پیار کررہی ہو جیسے آسٹریلیا کا خوب صورت پپی ہو۔'' کسی قدر نخوت سے کہتے ہوئے ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔ غصے میں شاید کچھ زیادہ بول گئی تھیں۔

''کیسی بات کررہی ہیں مام...... مجھے بالکل یقین نہیں آرہا آپ کا مینٹل لیول اتنا لو ہے۔ قربانی کے پاک صاف جانور کو آپ ایک حرام اور گھٹیا جانور سے ملارہی ہیں۔ استغفراللہ صرف ''کلاس'' کے زعم میں آپ بولتے ہوئے سوچنا بھی گوارا نہیں کرتیں۔ میں بہت ہرٹ ہوتی ہوں آپ کی ان باتوں سے' آپ سے اچھے تو وہ لوگ ہیں جنہیں آپ اجڈ گنوار کہتے نہیں تھکتیں۔ ایٹ لیسٹ انہیں صحیح غلط کی تمیز تو ہے اور آپ......'' وہ مزید کچھ کہتے کہتے لب بھینچ گئی تھی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے ذونی' تم اتنی چھوٹی اور گھٹیا سوچ کی مالک ہوگی مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔'' وقار صاحب کسی کام سے باہر جانے کے ارادے سے آئے تھے' ان کی باتیں سن کر ادھر ہی کی جانب چلے آئے۔ انہیں بیوی کی بات حقیقتاً بہت بری لگی تھی۔

مسز نورین ایک پل کو شرمندہ ہوئی مگر دوسرے ہی پل ڈھٹائی سے ہنکارا بھرتے ہوئے بنا ان سے کوئی بات کیے وہاں سے چلی گئیں۔ جبکہ وقار صاحب بھی ڈُنائشہ کی طرح بکرے کے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ انہیں رہ رہ کر نورین کی بات پر افسوس ہورہا تھا۔

☆......☆☆......☾......☆☆

''ایک بات کہوں ذونی۔'' وہ اور امبرین بکس ایشو کروانے آئی تھیں تبھی امبرین نے کہا۔

''ہوں کہو۔'' بکس چیک کرتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تمہیں قاسم بھائی اچھے نہیں لگتے؟'' اس نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے دریافت کیا تھا کہیں وہ برا ہی نہ منالے۔ اس نے کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا۔

''میں نے کب کہا کہ وہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔''

''تو کیا وہ اچھے لگتے ہیں؟'' اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

''ہاں یار...... وہ برے کب ہیں' اچھے انسان ہیں سبھی کو اچھی لگتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

''انجان مت بنو ذونی' میرا اشارہ جس طرف ہے تم اچھی طرح جانتی ہو۔'' اس کی بات پر اس نے لب بھینچے۔

''کیا تم آنٹی کی وجہ سے تو نہیں......''

''مما کی وجہ سے...... او نو نو...... مما کی وجہ سے کیوں بھئی؟ میرے دل میں ان کے لیے ایسی کوئی فیلنگز نہیں ہیں یار۔ ٹرسٹ می۔ مما کا اس میں کیا ذکر؟'' وہ سمجھ تو گئی تھی مگر وہ اس کی ماں تھیں' وہ کیونکر ان پر کوئی

بات آنے دیتی۔

''ایکچوئیلی وہ ہماری فیملی سے کچھ اکھڑی اکھڑی سی رہتی ہیں تو اس لیے میں نے سمجھا.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''ارے نہیں یار۔ وہ شروع سے ہی ایسی ہیں' ان کا لہجہ ایسا ہے ورنہ وہ تو تم لوگوں کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتیں۔'' وہ خوب جھوٹ بول رہی تھی اور خوب شرمندہ بھی ہو رہی تھی۔

''اچھا.....'' امبرین نے لفظ 'اچھا' بہت کھینچ کر ادا کیا تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ امبرین سب جانتی تھی مگر جتایا نہیں۔

''میری بات تو بیچ میں ہی رہ گئی یار' میں تم سے قاسم بھائی کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔'' امبرین نے دانستہ اس موضوع کو کلوز کیا اور شوخ سے لہجے میں گویا ہوئی۔

''کیا ہم کسی اور ٹاپک پر بات نہیں کر سکتے پلیز۔'' اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

اسے فیملی ڈسکشن سے الجھن ہو رہی تھی۔ نہیں چاہتی تھی دل کا حال زبان تک آئے یا پھر آنکھوں سے عیاں ہو۔

''نہیں..... آج مجھے جواب چاہیے۔ کیونکہ یہ ذمہ داری صرف قاسم بھائی کی طرف سے ہی نہیں بلکہ امی ابو کی طرف سے بھی مجھ پر ڈال دی گئی ہے۔ ایکچوئیلی وہ تمہارے گھر آنا چاہتے ہیں اور تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے اتاؤلے ہو رہے ہیں' تمہارے جواب کا انتظار ہے بس۔'' وہ اس کی زرد پڑتی رنگت پر غور کیے بنا اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی۔ جونہی اس کے چہرے پر نظر پڑی بری طرح چونکی۔

''آر یو آل رائٹ ذونی؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''اوں ہوں..... کچھ نہیں' چلیں کافی ٹائم ہو گیا ہے۔'' اس کی بات کو یکسر نظر انداز کیے گہری سنجیدگی لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

امبرین کو اپنی بات کا جواب مل گیا تھا' اسے دکھ تو بہت ہوا مگر کیا کیجیے کہ یہ دل کے معاملے ہیں ضروری تو نہیں اگر اس کا بھائی اسے پسند کرتا ہے تو وہ بھی اسے دل میں بسا لے گی۔ وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کے ساتھ ہو لی۔

☆......☾☆☆......☆

''میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں کیا؟ اگر آپ کو برا نہ لگے تو؟'' بڑے شائستہ سے انداز میں کوئی شائستہ سی انگریزی میں مخاطب ہوا تھا۔ وہ کسی قدر حیرت سے پلٹی مگر جونہی مخاطب ہونے والے کو دیکھا برا سا منہ بنا کر رخ موڑ گئیں۔

''نہیں اس کی ضرورت نہیں معمولی سا فالٹ ہے میں دیکھ لوں گی۔''

''اوکے.....'' کندھے اچکاتے ہوئے اس نے کہا۔

''ہنہ.....'' وہ ہنکارا بھر کر دوبارہ سے گاڑی پر جھک گئی تھیں۔ چند لمحے بعد انہیں احساس ہوا تھا ان کے علاوہ بھی کوئی یہاں کھڑا ہے۔ انہوں نے سہمے ہوئے انداز میں چہرہ گھما کر دیکھا تھا۔ وہ ابھی بھی وہاں کھڑا تھا۔ انہیں بڑا ناگوار گزرا۔

''یہاں کیوں کھڑے ہو جاؤ یہاں سے۔'' کسی قدر کوفت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

''ایم سوری ٹو سے بٹ جس جگہ پر آپ کھڑی ہیں' یہ جگہ ایسی نہیں جہاں لیڈیز تنہا بے فکر ہو کر کھڑی ہو سکیں۔ ایسے میں آپ کو تنہا اس سنسان جگہ پر چھوڑ کر نہیں جا سکتا' آپ میری ہیلپ لینا گوارا نہیں کرتیں اوکے فائن لیکن معاف کیجیے گا میں یہیں کھڑا رہوں گا' مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا کہ میں جانتے بوجھتے کسی کو مصیبت میں ڈال کر چلا جاؤں۔'' ان کی بات کا تفصیلی جواب دے کر وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ اس کا لہجہ اور انداز اتنا خوب صورت تھا کہ وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکیں مگر 'انا' حاوی ہی رہی۔

''اوکے آؤ دیکھو.....'' گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا اس پر احسان کیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خاصا

محظوظ ہوا۔ مسز نورین گاڑی کے بونٹ پر جھکے سوٹڈ بوٹڈ قاسم کو بغور دیکھ رہی تھیں آج انہیں وہ بالکل برا نہیں لگا تھا' بڑا ہینڈسم اور ڈیسنٹ سا لگ رہا تھا۔ انہیں جانے کیوں ان کی فیملی سے اور اس سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔

''یہ لیں ہوگیا۔'' بونٹ نیچے گراتے ہوئے وہ ان کی جانب مڑا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں' اس کے مڑنے پر گڑبڑا سی گئیں۔

''شکریہ۔'' گو انداز بہت روکھا پھیکا سا تھا مگر حقیقتاً وہ اس سے متاثر ہوئی تھیں۔

مسز نورین کو ویسے تو ان سے کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ ایک ماڈرن خاتون تھیں' فرینڈز بھی ایسی ہی تھیں' جب انہوں نے قاسم کی والدہ سے میل ملاپ رکھا اور انہیں اپنے ساتھ دو ایک جگہ پر لے گر گئیں تو ان کی فرینڈز ان کا بہت مذاق اڑائیں' انہیں بہت فیل ہوا' بڑے غیر محسوس انداز میں وہ ان سے کنارہ کش ہوگئیں' حالانکہ قاسم کی والدہ بہت اچھی اور سلیقہ مند خاتون تھیں خوش اخلاق بھی تھیں مگر ان کا لہجہ اور انداز سادہ تھا بقول ان کی فرینڈز کے پینڈو اور جاہل۔ مسز نورین بھی ملنسار اور خوش اخلاق خاتون تھیں' وہ بہت سوشل تھیں ان میں ایک خامی تھی اگر کوئی ان پر طنز کرتا یا مذاق اڑاتا تو وہ دل پر لے لیتی تھیں' اسی خامی نے انہیں قاسم کی نیک فطرت فیملی سے دور کردیا۔ انہوں نے تو دُ نائشہ کو بھی حتی الامکان ان سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی مگر......

☆......☾☆☆......☆

جب سے بکرا آیا تھا اور اسے علم ہوا تھا کہ قربانی کے جانور کا خیال رکھنا ثواب کا کام ہے تب سے وہ زیادہ تر اسی کے اردگرد پائی جاتی تھی۔ کبھی اسے چارہ کھلاتی' کبھی پانی پلاتی' اس وقت بھی وہ اس کے قریب ہی چیئر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ تبھی اس کی نظر گیٹ کی جانب اٹھی تھی جہاں سے مسز نورین اور ہنستا مسکراتا ہوا قاسم چلے آرہے تھے۔ پچھلے کچھ روز کی دو چار ملاقاتوں نے اتنا اثر ڈالا تھا وہ حیرت سے دنگ رہ گئی تھی اس نے کتنی ہی دفعہ پلکیں

امشاج اواب راجپوت

تاریخ پیدائش 20 جنوری 19993' ماسٹر کررہی ہوں البتہ تھوڑی نالائق ترین (دیکھ لیں پھر بھی)۔ ڈاکٹر بننا میرا خواب تھا لیکن کچھ باتیں لکھنا کتنا تکلیف دہ امر ہے۔ اگر لکھنے بیٹھوں تو کہانی ہی بن جائے' روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں۔ ہم گاؤں کے زمین دار ہیں۔ خوبیاں...... حساس ہوں' منافق نہیں ہوں اور کوئی خوبی نہیں مجھ میں۔ جیسا ہمارا ماحول ہے مینرز اور ایٹی کیٹس ہم جیسوں کو چھو کر بھی نہیں گزرتے۔ جھوٹ' چوری' غیبت' دھوکا اور بن گئی بدتمیز۔ خامیاں بے شمار لاتعداد نامہ اعمال کے صفحہ قرطاس میں پرت در پرت گناہوں کا انبار لگا جارہا ہے۔ کوئی نہیں دیکھتا ایسا کیوں ہورہا ہے یا ایسا مت کرو۔ ہاں میری ماں بس میری بے بس ماں...... باپ کے گھر تمہیں اتنا کچھ برداشت کرنا پڑا' پہننے اوڑھنے اور کھانے پینے میں سوائے پابندیوں کے کچھ نہ ملا۔ مچھلی کے علاقے سے تعلق ہونے کی بنا پر مچھلی کا ہر آئٹم پسند ہے۔ بریانی اور چکن ملائی بوٹی میٹھے میں ٹرائفل۔ عجیب و غریب عادت' آسمان پر چاند کی بجائے جہاز دیکھنا' یہ شوق مین گرمی کی جلتی دوپہر اور سردی کی خنک راتوں میں بھی پورا کرتی ہوں بعض اوقات طنز و تنقید کا نشانہ بھی بنتی ہوں۔ ''پنڈو پروڈکشن لیکن یہ میری عادت پختہ ہی ہوتی جارہی ہے' پتا نہیں میں جہاز کی اڑان میں کیا ڈھونڈتی ہوں شاید گم شدہ اداب (یہ میری سطحی سوچ بھی ہوسکتی ہے)۔ فیورٹ رائٹرز میں فرحت اشتیاق' نمرہ احمد اور شہناز صدیق (مجھے شہناز صدیق کا ناول ''پھر کرم ہوگیا'' کبھی نہیں بھولتا۔ میرا لکھنا زیادہ ہی طول پکڑ رہا ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھنا' آپ کی آراء کی منتظر' اللہ حافظ۔

جھپک جھپک کران کی جانب دیکھا مگر نہ ہی منظر بدلا تھا اور نہ ہی لوگ۔ کبھی وہ مسکراتی اور قاسم کے کندھے کو تھپکتی نورین کو دیکھتی اور کبھی قاسم کو سر جھکائے سعادت مندی سے جواب دیتے ہوئے۔ پہلے تو بے یقینی سے پلکیں جھپک جھپک کرانہیں دیکھ رہی تھی اور اب ساکت سی بنا پلکیں جھپکے دیکھے جارہی تھی۔

''کیا ہوا میم...... آر یو آل رائٹ؟'' اس کی ساکت نظروں کے سامنے قاسم نے مسکراتے ہوئے ہاتھ لہرایا۔ وہ بری طرح چونکی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا ہنستا مسکراتا سا بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے سٹپٹا کر نظریں چرائیں۔

''میں نے کہا تھا ناں مثبت سوچ اپنایئے مگر آپ نے عمل نہیں کیا' میں نے کیا اور کامیاب ٹھہرا۔ ثبوت آپ کے سامنے ہے۔'' بڑے فخر سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور دوبارہ سے بکرے کی جانب متوجہ ہوگئی۔

''یقین و بے یقینی کی کیفیت میں ہو یا پھر پوز کررہی ہو؟'' وہ اتنا غیر سنجیدہ ہرگز نہیں تھا پھر اب جانے کیا ہوا تھا' حالات کی تبدیلی یا پھر...... انداز بدلا تھا تو انداز تخاطب بھی بدل گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔ اسی لیے چپ رہی۔

''مجھے آنٹی نے چائے پر بلوایا ہے آیا تو یہ سوچ کر ہوں کہ آپ کے ہاتھ کی چائے ملے گی مگر......''

''مجھے چائے پکانی نہیں آتی۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''کیا واقعی......! پھر تو مشکل ہوجائے گی یار؟'' وہ بڑبڑایا' اس نے غور نہیں کیا۔

''اس کا مطلب ہے چائے کے بغیر ہی جانا پڑے گا۔'' کسی قدر افسوس بھرے لہجے میں گویا تھا۔

''جو آپ کو چائے پینے کے لیے لے کر آئی ہیں وہ میرے ہاتھ کی نہیں اپنے ہاتھ کی چائے پلانے لائی ہیں' جایئے جا کر چائے پیجیے' آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بنا اس کی جانب دیکھے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

قاسم نے کسی قدر بے یقینی سے دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیا۔ اسے اس کے رویے کی بالکل سمجھ نہیں آئی تھی۔

☆......☾☆......☆

بقرہ عید میں بہت کم دن رہ گئے تھے ہر جانب قربانی کے جانور دکھائی دے رہے تھے' تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ جیسے باہر جانوروں کی آمد سے رونقیں لگی ہوئی تھیں ویسے ہی ان کے گھر کا سنجیدہ سا ماحول گل و گلزار بنا ہوا تھا۔ حالات بڑی تیزی سے بدلے تھے' جن دو گھروں میں ناراضگی کی یا پھر سرد مہری کی ان دیکھی دیوار تن گئی تھی وہ ٹوٹ گئی تھی' سرد مہری گرم جوشی میں بدل گئی تھی۔

شروع شروع میں تو ذونی کو یہ سب کچھ بڑا عجیب سا لگتا مگر اب حالات کے ساتھ ساتھ وہ بھی سیٹ ہوتی جارہی تھی۔ بس تھوڑی سی ہچکچاہٹ تھی۔

''مما جب قربانی کرتے ہیں تو گوشت بانٹتے بھی ہیں۔ آپ بھی بانٹتی ہیں کیا؟'' بہت دنوں بعد اسے امبرین کی کہی بات یاد آئی تھی۔

''ہاں بیٹا...... فیملی اور فرینڈز میں بھیجتے تو ہیں۔'' انہوں نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔ وہ مطمئن سی ہوگئی۔

''ذونی......'' انہوں نے چند پل غور سے اسے دیکھا۔

''ہوں......''

''تمہیں قاسم کیسا لگتا ہے؟'' انہوں نے اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔ وہ چونکی' ایک پل کو ماں کی جانب بھی دیکھا تھا دوسرے ہی پل نظریں چرالیں تھیں۔

''اچھا ہے مام...... آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟'' اس نے لاتعلقی سے جواب دیا۔

''تمہیں نہیں پتا کہ میں کیوں پوچھ رہی ہوں۔'' انہوں نے بڑی معنی خیزی سے پوچھا۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔

''پلیز مام...... مجھے اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنی۔''

''مجھے وہ پسند ہے ذونی۔'' انہوں نے کسی قدر شرمندگی سے سر جھکایا تھا۔ ذونی نے بہت حیرت سے انہیں دیکھا۔

''اور آپ کی سوچ...... وہ اجڈ وگنوار ہیں' جاہل بھی اور وغیرہ وغیرہ۔'' اس نے گویا طنز کیا۔

''میں غلط تھی بیٹا میری سوچ غلط تھی۔ لوگوں کی باتوں میں آ گئی تھی' اب جان گئی ہوں وہ سادہ مزاج ضرور ہیں مگر ان جھوٹے اور دوغلے لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔ سچے اور کھرے لوگ ہیں۔ انیلہ نے تمہارا رشتہ مانگا ہے' بیٹا بڑے خلوص سے مجھے اور وقار کو کوئی اعتراض نہیں' وہ تمہارے لیے بہت اچھا سسرال ثابت ہوگا بیٹا' اور قاسم وہ بہت اچھا لڑکا ہے' گڈ لکنگ' ڈیسنٹ ہے اور...... میں نے سوچنے کا وقت مانگا ہے' تمہاری مرضی پوچھنی تھی ورنہ ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔''

''کیا واقعی مما......'' اس نے بے یقینی سے دیکھا۔

''ہنڈریڈ پرسنٹ میری جان۔'' انہوں نے بیٹی کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ قاسم کی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی کو وہ بہت پہلے بھانپ چکی تھیں بس اپنی ضد میں اسے بھی متنفر کر رہی تھیں شرمندہ بھی تو تھیں۔

''اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو جو آپ کی مرضی وہ کیجیے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ شرماتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

''میری جان' خوش رہو۔'' انہوں نے اسے پیار سے اپنی آغوش میں چھپالیا۔

☆......☾☆☆......☆

''ہوں...... ہوں لگتا ہے مثبت سوچ اپنالی ہے۔'' جب سے رشتہ طے ہوا تھا وہ آج ان کے گھر آئی تھی۔ آئی

بھی اس ٹائم تھی جب قاسم گھر پر نہیں ہوتا تھا مگر وائے ری قسمت گیٹ پر پہلا ٹکراؤ ہی اسی سے ہوا' جونہی وہ اندر داخل ہوئی وہ اس کے پیچھے چلا آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''جواب نہیں دیا آپ نے...... یہ معجزہ کب ہوا؟''

''جب سے ہمسایوں کی سنگت ملی ہے۔'' جواب بے ساختہ تھا۔

''ساتھ تو پہلے بھی تھا تبدیلی اب کیوں؟'' وہ جان بوجھ کر بات بڑھا رہا تھا وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

''رویے بدل جائیں تو معجزات ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔ وہ بہت دیر تک اس کی مسکراہٹ میں کھویا رہا۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو اس نے حیرانگی سے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' اس کی وارفتگی نے اسے نگاہیں جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔'' دھیرے سے کہہ کر وہ آگے بڑھی۔

''تمہاری مسکراہٹ بہت اچھی ہے۔ اگر یونہی مسکراتی رہو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔'' بڑے دھیمے سروں میں سرگوشی کی تھی۔ وہ بنا کوئی جواب دیے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

☆......☾☆☆......☆

''ہائے وے بھراوا...... کی پیا دیندا ایں' دو بوٹیاں ناں وچاوے ساڈے واسطے اے چھیچھڑے ای رہ گئے نیں۔ (او بھائی' اب دو بوٹیاں بھی دے دو ہمارے لیے یہ چھیچھڑے ہی ہیں کیا؟)

''چل بی بی چل' جو ہے وہی تو دے رہے ہیں اور کیا یں اب کیا اپنی بوٹیاں اتار کے دے دیں تمہیں۔'' اس نے اس عورت کو سختی سے جھڑکا۔ آج عید تھی اور ہر گھر میں قربانی کی جا رہی تھی' جس گھر میں قربانی کی جا رہی تھی ان گھروں کے باہر مانگنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

مسز نورین اچھا اور صاف گوشت الگ کرتی جا رہی تھیں اور جو چھیچھڑے نما بوٹیاں تھیں وہ مانگنے والوں کے حصے میں آ رہی تھیں۔ ذونائشہ نے پہلے کبھی ان باتوں پر غور نہیں کیا تھا مگر واقعی یہ ساتھ والوں کی صحبت کا اثر تھا کہ وہ ہر بات نوٹ کرنے لگی تھی' مانگنے والوں کو بھی دیکھ رہی تھی' گوشت دینے اور لینے والوں کو بھی دیکھ رہی تھی اور از حد حیران ہو رہی تھی۔

''یہ لو بیٹا...... یہ اپنے سسرال والوں کو بھی دے آؤ' وہ کیا سوچیں گے کہ ہماری طرف سے ابھی تک گوشت نہیں آیا۔'' مسز نورین آج بہت مصروف تھیں مصروفیت بھرے انداز میں اسے ٹرے تھمائی۔

''اتنا زیادہ مما......؟''

''بیٹا وہ تمہارے سسرال والے ہیں' وہاں تو یہ بھی کم ہے اور پھر جو تعلق واسطے والے لوگ ہوتے ہیں انہیں دو دو بوٹیاں دیتے ہوئے اچھا لگتا ہے کیا؟'' ان کی وضاحت پر اس نے ناسمجھی سے سر ہلایا اور باہر نکل آئی۔

گیٹ پر کھڑا ملازم مانگنے والوں کو تھوڑا سا گوشت تھماتا جا رہا تھا اور باتیں بھی سناتا جا رہا تھا۔ اسے برا تو بہت لگا مگر کہا کچھ نہیں اور ٹرے اٹھائے گیٹ سے باہر نکل آئی۔

قاسم کے گھر آئی تو گھر کا ماحول ہی چینج تھا۔ لان میں بچھی ہوئی چٹائی پر لوگ بیٹھے تھے اور کھانا کھا رہے تھے' وہاں بیٹھے لوگ محلے دار یا رشتے دار نہیں تھے یہ وہ لوگ تھے جو مانگنے آئے تھے' گھر گھر جا کر گوشت کی حصول کے لیے جھڑکیاں کھاتے تھے۔

''ارے ذونی...... تم کب آئیں؟ عید مبارک یار۔'' ابھی وہ حیرت سے لان میں بیٹھے لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ امبرین کے پکارنے پر بری طرح چونکی۔

''عید مبارک۔'' قدرے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کی جانب بڑھی۔

''ارے یہ کیا......! اتنا زیادہ؟'' اسے اتنا گوشت دیکھ کر بالکل خوشی نہیں ہوئی تھی۔ مگر چپ چاپ پکڑ لیا تھا۔

''ہوں' مما نے بھیجا ہے۔'' وہ ابھی بھی ان لوگوں کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تو کیا ہوا' کیا ان کا حق نہیں اندر بیٹھ کر کھانا کھانے کا۔" امبرین نے طنزیہ استفسار کیا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں میں تو......"

"میں جانتی ہوں تمہارا مطلب کیا ہے؟ یار آج عید کا دن ہے اور ہم لوگ عید والے دن بھی ان لوگوں کو جھڑک رہے ہوتے ہیں' کس لیے؟ محض دو چار گوشت کی بوٹیوں کے لیے۔ جانتی ہو ہمارے گھر کا کیا اصول ہے؟ جب ہم قربانی کرتے ہیں تو قرآن وسنت کی تعلیم کے مطابق گوشت کے باقاعدہ تین حصے کرتے ہیں۔ ایک حصہ ان جیسے غریبوں کے لیے دوسرا حصہ عزیز واقارب کے لیے اور تیسرا حصہ خود رکھتے ہیں یہ نہیں کہ اندازے سے کچھ گوشت نکال کر غریبوں کو دو دو بوٹیاں دیں کر جھڑکیں اور اپنے رشتہ داروں کو ٹرے بھر بھر کر بھیجے جائیں کہ عزت کا سوال ہے۔" اس کی آخری بات پر وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی تھی۔ یہی الفاظ تو اس کی مما نے بھی کہے تھے۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو مجھے معاف کر دینا ایکچوئیلی شروع سے ایسے ہی دیکھتی آ رہی ہوں تو یہ سب دیکھ کر عجیب سا لگا' آئم سوری یار۔" وہ حقیقتاً شرمندہ ہوئی۔

"اٹس او کے۔ اچھا ہے تمہیں ہمارے گھر کے اصول وضوابط پتا چل رہے ہیں' آگے کی زندگی آسان ہو جائے گی۔" امبرین نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

"ہاں...... کہیں ہماری زندگی مشکل نہ ہو جائے؟" کسی نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور اس کے کان میں سرگوشی ہوئی تھی۔ اس نے جھٹکے سے سر گھما کر دیکھا۔ بڑی گہری نگاہوں سے دیکھتا ہوا وہ قاسم ہی تھا' اس نے سر جھکا لیا۔

"ہوں...... ہوں' عید مبارک۔ ہمارے نئے تعلق کی پہلی عید۔"

"آپ کو بھی عید مبارک۔" شرمائے لجائے انداز میں کہا گیا تھا۔

"چلو گی میرے ساتھ؟"

"کہاں؟"

"ڈیٹ پر؟" اس نے استہزائیہ کہا۔

"واٹ؟" اسے حیرت ہوئی۔ "انوکھی ڈیٹ ہے؟"

"ہاں انوکھی ڈیٹ' جو ہم پرانی بستی کی جھگیوں میں منائیں گے وہاں کے لوگوں میں گوشت تقسیم کر کے' وہاں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ہاتھ نہیں پھیلاتے' اگر کوئی انہیں خود کچھ دے آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں' اور ڈھیروں دعائیں بھی دیتے ہیں اور پھر عید منانے کا حق تو ان کا بھی ہے ناں۔ وہ بھی تو عید کے گوشت کا انتظار کر رہے ہوں گے' جو سال میں شاید انہی دنوں میں اس کا مزا چکھتے ہیں اور ہم جیسے لوگ روز ہی گوشت کھاتے ہیں' اس کے باوجود عید پر اتنے لالچی ہو جاتے ہیں کہ فریج بھرنا ہی قربانی کا مقصد رہ جاتا ہے۔" رومینٹک ہوتے ہوئے وہ ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔ وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی...... اس کی مما بھی تو یہی کر رہی تھیں۔

"میں ضرور چلوں گی قاسم' یہ سب میرے لیے بالکل نیا ہوگا' مجھے اچھا لگے گا یقیناً۔ آپ کا ساتھ دے کر اور نئے تعلق کی پہلی عید کی اس انوکھی ڈیٹ پر جا کر۔" اس نے سوچ لیا تھا آج سے وہ اپنی ماں کو ایسا ہرگز نہیں کرنے دے گی' اسے یقین تھا وہ سمجھ جائیں گی۔

"چلو پھر تیار ہو جاؤ' میں آنٹی سے اجازت لے لیتا ہوں۔" وہ پرمسرت انداز میں کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اس نے بھی ایک اچھا اور نیک کام کرنے کی غرض سے۔

قسط نمبر 22

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

زرتاشہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہوکر گرنے لگتی ہے تو باسل بروقت اسے تھام کر سہارا دیتا ہے جبکہ زرینہ اس کی غیر موجودگی پر بے حد متفکر نظر آتی ہے باسل باہر سے احمد کے نمبر پر رابطہ کرتے اسے تمام صورت حال سے آگاہ کرتا ہے جب ہی زرینہ اور احمر وہاں پہنچ کر زرتاشہ کو بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر شاکڈ رہ جاتے ہیں، وہ تینوں زرتاشہ کو سنبھالتے ہاسٹل پہنچتے ہیں جبکہ احمر کے لیے یہ سب انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے زرینہ اس کی بگڑتی حالت کا ذمہ دار خود کو قرار دیتی ہے اگلی صبح زرتاشہ ہوش میں آنے پر زرینہ سے اصل معاملہ جاننا چاہتی ہے تو وہ باسل کی مدد کو نظر انداز کرتے تمام بات بتاتی ہے جس پر زرتاشہ کو یقین نہیں آتا اسے یہی لگتا ہے کہ اس کے جوس میں کسی نے کچھ ملایا تھا ہاسٹل میں چھٹیاں ہونے پر وہ دونوں گھر جانے کے لیے تیار ہوجاتی ہیں۔ دوسری طرف احمر زرینہ کو لے کر سنجیدہ ہوتا ہے ایسے میں باسل اسے محبت کے معاملات سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے ماحول میں بے حد فرق کی بدولت اسے یہ رشتہ ہونے کی امید نہیں ہوتی لیکن احمر دل کے ہاتھوں مجبور ہوجاتا ہے ساتھ ہی وہ اس شخص تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جس نے مہندی کے فنکشن میں ایسی گری ہوئی حرکت کی تھی لیکن فی الحال اسے کامیابی حاصل نہیں ہوپاتی۔ ماریہ فراز سے مل کر اس سے مدد کی درخواست کرتی ہے جس پر وہ کچھ سمجھ نہیں پاتا لیکن اس کا جھکاؤ فراز کو الجھا دیتا ہے بہرحال وہ اس کی ہر طرح کی مدد کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ جیسکا میک کی باتوں میں آکر ابرام سے الجھ پڑتی ہے اسے یہی لگتا ہے کہ ابرام اس کے ساتھ ٹائم پاس کررہا ہے جب ہی وہ اس کی مردانگی پر طنز کرتی ہے ایسے میں ابرام دوستی کے اس نام نہاد رشتے کو ختم کرنے کی بات کرکے جیسکا کو شاکڈ کردیتا ہے۔ جیسکا میک کے کہنے پر ماریہ پر نظر رکھنے کی حامی بھرتی ہے کیونکہ اسی شرط پر وہ ابرام تک رسائی حاصل کرسکتی تھی۔ مہرینہ اپنے باپ کے رویے پر بے حد حیران ہوتی ہے ایسے میں لالہ رخ کی تنبیہ پر عمل کرتے وہ مومن جان کے ساتھ کہیں بھی جانے سے انکار کردیتی ہے مومن جان کے لیے یہ انکار مشکلات پیدا کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنے ارادے میں مستحکم رہتا ہے۔ کامیش سونیا کو معاف کرکے نئی زندگی شروع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا جبکہ ساحرہ کو یہی لگتا ہے کہ اس سب میں فراز قصوروار ہے۔ ماریہ ایک آخری کوشش کے طور پر فراز سے ملتی ہے اور اسے شادی کی آفر کرتی ہے۔ ماریہ کے اس پروپوزل پر فراز شاکڈ رہ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁
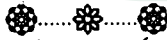
''آپ سے شادی اور میں......'' فراز شاہ نے انتہائی اچنبھے کے عالم میں اپنے سامنے بیٹھی اس اجنبی اور انجان مگر بے حد عجیب لڑکی کو دیکھا۔

''جی فراز صاحب کیا آپ مجھ سے شادی کریں گے؟'' ماریہ بے حد اطمینان وسکون سے اپنی نشست پر بیٹھی ایک بار پھر فراز سے استفسار کرتے ہوئے بولی تو چند ثانیے فراز نے بے حد ہونق سا ہو کر اسے دیکھا پھر کچھ دیر بعد ذہن جب کام کرنے کے قبل ہوا تو اسے پہلا خیال یہی آیا کہ اس کے مقابل بیٹھی یہ لڑکی کچھ پاگل ہے ماریہ ایڈم سر اٹھائے اسے بغور

دیکھتی اس کے جواب کی منتظر تھی جب کہ فراز کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ چند ثانیے خاموشی کے بعد فراز گلا کھنکھارتے ہوئے ماریہ کی جانب نگاہ اٹھا کر کافی روڈ انداز میں بولا۔

''مس ماریہ...... مجھے اس وقت کسی ضروری کام سے جانا ہے سو پلیز......'' اس نے قصداً جملہ ادھورا چھوڑا تو یک دم ماریہ کے چہرے پر جلی جوت بجھ سی گئی اس نے ایک تھکن آمیز سانس بھری پھر فراز کی جانب دیکھتے ہوئے مایوس کن انداز میں بولی۔

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا مسٹر فراز...... اس کا مطلب ہے کہ آپ میری مدد نہیں کریں گے۔'' اندر ہی اندر خود سے الجھتا فراز اس پل چونکا تھا' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ماریہ کو غور سے دیکھا پھر قدرے بےزاری سے بولا۔

''آپ مجھ سے شادی کر کے بھلا کس طرح کی مدد لینے کی خواہش مند ہیں مس ماریہ...... اور یہ شادی کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے یہ وہ پاکیزہ اور مقدس بندھن ہے جو ایک بار بندھ جائے تو تادم مرگ اسے نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے کم از کم ہمارے کلچر میں تو ایسا ہی ہوتا ہے محض دنیاوی اور مادی فائدے کے لیے شادی جیسے رشتے کو استعمال کرنا میرے نزدیک کسی گناہ سے کم نہیں ہے اور آئی ایم سوری مس ماریہ...... میں کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہرگز نہیں ہونا چاہتا۔'' اس وقت فراز شاہ کا انداز و لہجہ بےلچک اور دوٹوک تھا' ماریہ نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر سہولت سے گویا ہوئی۔

''آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں فراز صاحب اور آپ بھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں' ان فیکٹ ایک بالکل اجنبی لڑکی آپ کو اچانک آ کر شادی کے لیے پروپوز کردے تو یقیناً آپ یہی کچھ سوچیں گے مگر......'' وہ کچھ پل کے لیے ٹھہری جب کہ فراز اپنی دونوں کہنیاں صوفے کے ہتھے سے ٹکائے اپنے دونوں ہاتھوں کو تھوڑی پر ٹکائے بغور اسے سن رہا تھا۔

''مگر فراز صاحب آپ کو شادی کا پروپوزل میں کوئی دنیاوی فائدے کے لیے نہیں دے رہی بلکہ ایسا کرنا میری مجبوری بن گیا ہے۔'' آخر میں اس نے اپنا سر جھکایا پھر ایک ہنکارا بھر کر سر اونچا کر کے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرا نام ماریہ ایڈم ہے میرا جنم ایک کرسچن گھرانے میں ہوا ہے' میرے والد ایڈم ڈین کو اپنی مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں ہے ان فیکٹ وہ کسی بھی مذہب کو فالو نہیں کرتے۔ وہ آزاد منش انسان ہیں اپنی دنیا اور دلچسپیوں میں مست و مگن۔'' بولتے بولتے اس وقت ماریہ کا لہجہ تلخی سے بھرپور ہوگیا' فراز خاموشی سے سنتا رہا۔ ''جیکولین میری مدر ہیں مگر ابرام برو میری مدر کے فرسٹ ہزبینڈ کے بیٹے ہیں جن کی ڈیتھ ایک حادثے میں ہوگئی تھی اس دنیا میں مجھے سب سے زیادہ پیارا اپنے ابرام برو سے ہے' ہماری زندگی اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہی تھی کہ ایک دن......'' پھر ماریہ نے اسے جو کچھ بتایا وہ کسی انکشاف سے کم نہیں تھا' فراز شاہ نے بڑی تحیر کے عالم میں اس لڑکی کو دیکھا جس نے اتنی کم عمری اور کم سنی میں اتنے بڑے بڑے کارنامے کر ڈالے تھے' بےشک وہ ایک بہادر اور جی دار لڑکی تھی وہ بھونچکا سا بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

''پھر میں پوری صداقت اور نیک نیتی سے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔'' ماریہ جیسے اس پل وہاں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھی' وہ اس وقت اور حالات میں داخل ہوچکی تھی جس نے اس کی زندگی کی کایا پلٹ دی تھی اسے نیکی اور ہدایت کی روشنی اور ایمان کے روح افروز نور سے منور کردیا تھا' جس نے اس کی آنکھوں میں بندھی غفلت اور لاعلمی کی پٹی کو اتار پھینکا تھا۔

''ولیم غیر مذہب سے ہے مسٹر فراز اور میک...... وہ تو انسان کے بھیس میں ایک غلیظ اور مکروہ شیطان ہے۔ ولیم کے چنگل سے آزاد ہو کر میں میک کے جال میں جا پھنسی اور اب......'' وہ پوری تفصیل سے فراز شاہ کو آگاہ کرنے لگی اور فراز شاہ اپنی جگہ بیٹھا سوچ رہا تھا۔

"بھلا اتنی بہادر اور ثابت قدم لڑکی بھی کوئی ہو سکتی ہے جس نے اتنے نامساعد حالات اور سنگین ترین صورت حال میں بھی ہمت نہیں ہاری خود کو سرنڈر نہیں کیا۔ دین اسلام سے دھوکہ بازی نہیں کی کسی غیر مسلم سے شادی کر کے اپنے ایمان کو غیر شفاف نہیں کیا بلکہ ہر قدم ہر موڑ پر اپنے ایمان کی جان توڑ حفاظت کی آفرین ہے ایسی لڑکی پر۔"

"اب آپ ہی بتائیے مسٹر فراز...... کیا میں ان لوگوں کے سامنے آ کر اپنے مذہب کا اعلان کر کے اللہ کی راہ میں جان دے دوں یا پھر کسی طرح ان کے چنگل سے نکل کر اس ملک سے ہی بھاگ جاؤں۔" ماریہ اپنی کتھا سنا کر آخر میں اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں مروڑتے ہوئے اضطراری انداز میں بولی تو ایک ٹرانس کی کیفیت میں بیٹھا فراز بھی جیسے ہوش کی دنیا میں واپس آیا اس نے بے اختیار ایک گہری سانس کھینچی پھر بے حد سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"تو آپ مجھ سے پیپر میرج کر کے پاکستان جانا چاہتی ہیں۔"

"ہاں مسٹر فراز میں فی الفور یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں ورنہ سر پال اور میک کی تنظیم مجھے الیکٹرک چیئر میں بٹھانے پر ایک لمحہ نہیں لگائیں گے کیوں کہ میک سے شادی کرنے سے بہتر میں مرنے کو ترجیح دوں گی۔"

"اور آپ کی مام اور بھائی۔" فراز نے استفسار کیا تو ماریہ ایک لمحہ کو بالکل چپ ہو گئی نا چاہتے ہوئے بھی اس کی خوب صورت شفاف آنکھوں میں نمی اتر آئی اس نے بے اختیار اپنا چہرہ جھکا لیا شاید وہ اپنے آنسو اندر اتارنے لگی تھی فراز خاموشی سے بیٹھا اسے بغور دیکھتا رہا کچھ دیر بعد وہ اپنے جذبات پر قابو پا چکی تھی تب ہی وہ سر اٹھا کر مضبوط اور بے لچک لہجے میں بولی۔

"میں اپنے ایمان کی خاطر سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوں بس مجھے ہر قیمت پر اپنا ایمان بچانا ہے مسٹر فراز چاہے اس کے لیے مجھے مام اور برو کو چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔" فراز نے اس پل اسے متاثر کن نگاہوں سے دیکھا۔

"میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ پیپر میرج کر کے میں یہاں سے جلد از جلد آپ کے ملک چلی جاؤں وہاں آپ میرے رہنے کا کوئی مناسب بندوبست کر دیجیے گا کیوں کہ ان حالات میں خود اکیلے جا کر پاکستان کا ویزا لگوا کر اس اجنبی ملک میں رہنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے اس نے کچھ یاد آنے پر جلدی سے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا تو بے پناہ گھبرا گئی۔

"اوہ گاڈ اتنی دیر ہو گئی۔" پھر تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"مسٹر فراز...... آپ مجھے کل سوچ کر جواب دیجیے گا کہ آپ کو میرا پرپوزل قبول ہے یا نہیں میں کل شام چار بجے آپ کو فون کروں گی۔" اگلے ہی پل وہ فراز کے روم کے ساتھ آفس سے بھی نکل گئی تھی جب کہ فراز وہیں بیٹھا سوچوں کے ساغر میں غوطا کھانے لگا تھا۔

❁ ❁ ❁

بند کمرے میں اس پل ملگجا سا اندھیرا تھا قد آور کھڑکیوں میں دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جب کہ کمرے میں چلتا اے سی خوش گوار سی ٹھنڈک دے رہا تھا۔ شام کے اس پہر کمرے میں جیسے گہری رات کا ماحول تھا جب کہ دو نفوس اضطراری انداز میں سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہے تھے اپنے اندر کی الجھن اور جھنجھلاہٹ وہ اس تمباکو کو اپنے منہ میں ڈال کر ناک کے نتھنوں سے دھوئیں کی صورت میں نکال رہے تھے۔

"ہونہہ کتنی مشکلوں سے ہم نے یہ پلان بنایا تھا اور بالکل لاسٹ مومنٹ میں فیل ہو گیا ڈیم اٹ کامیابی صرف دو قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔" ایک شخص نے انتہائی کلس کر بولتے ہوئے آخر میں اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر اپنے دوسرے ہاتھ کی

ہتھیلی پر مارا۔
”وہ غلطی اس ویٹر کی ہے اس نے اتنی بھیڑ میں جا کر لڑکی کو گلاس تھمایا تھا جب وہ دونوں لڑکیاں اس سنسان کونے میں دبکی بیٹھی تھیں جب اسے ڈرنک تھمانا چاہیے تھا۔“ دوسرے شخص کے لہجے میں اس وقت بے پناہ تلملاہٹ اور اشتعال تھا۔
”پلان تو میرا یہ تھا کہ جیسے ہی زرتاشہ کی طبیعت بگڑے گی میں قریب جا کر اسے بہلا پھسلا کر وہاں سے نکال لاؤں گا آخر اس سے پہلے بھی تو کئی بار ہم لڑکیاں اسی طرح سے لائے ہیں مگر برا ہوا کہ اسی وقت وہاں دلہا والوں کا گروپ آ دھمکا اور میں زرتاشہ کے قریب نہ جا سکا جب وہ اسٹوپڈ وہاں سے کھسکے تو زرتاشہ گیٹ کی جانب چلی گئی تھی۔ میں بڑی تیزی سے اس کے تعاقب میں بھاگا تھا مگر وہ ایڈیٹ ہال سے باہر نکل چکی تھی پھر مجھے وہاں باسل کو دیکھ کر الٹے پاؤں واپس آنا پڑا۔“ وہی شخص تیزی سے بولتا رہا۔
”ہوں اگر ہم وہاں کونے میں اسے ڈرنک بھجواتے تو زرینہ زرتاشہ کے ہمراہ ہوتی اس کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا۔“
”تو اس سالی کو بھی ڈرنک پلا دیتے ناں۔“
”اچھا تو پھر دو لڑکیوں کو کیسے سنبھالتے۔“ پہلا شخص حیرت سے بولا۔
”ابے ہٹا تیرے یار کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“ دوسرے شخص نے مشروب کی بوتل میں سے محلول گلاس میں انڈیلتے ہوئے جیسے ناک سے مکھی اڑائی تھی پھر پہلا شخص انتہائی بے مزہ ہو کر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولا۔
”مجھے تو اب خوابوں میں بھی زرتاشہ نظر آنے لگی ہے جتنا وہ دور ہو رہی ہے اس کی چاہت میرے دل میں اور زیادہ بڑھ رہی ہے۔“
”ابھی اپنے آتش عشق پر قابو رکھ میرے یار دوسرا موقع اب اتنی جلدی آنے والا نہیں ہے مری چلی گئی ہے وہ۔“ دوسرا شخص جو گلاس خالی کر چکا تھا ایک بار پھر بوتل میں سے محلول نکالتے ہوئے بولا تو پہلا شخص ہنوز انداز میں آہیں بھرتے ہوئے کہنے لگا۔
”اگر اس رات باسل وہاں نہ ہوتا تو ہمارا کام کتنا آسان ہو جاتا بیک ڈور سے لے جانے کے بجائے ہم وہیں سے گاڑی میں بٹھا کر لے آتے اس کمینے کی وجہ سے ہمارا بنا بنایا کھیل ہی بگڑ گیا۔“ پھر وہ دونوں مدہوش ہو کر نیند کی وادی میں اتر گئے تھے۔

❁.......❁.......❁
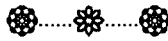
پچھلے دنوں ہونے والی سخت گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا آج سر شام ہی بادل گھر گھر کر آئے تھے اور پھر چہار سو جل تھل ہو گئی تھی۔ موسم یک دم بے حد خوش گوار اور سہانا ہو گیا تھا‘ درخت گھاس پھول پودے سب کے سب بارش کے پانی میں دھل کر نکھر گئے تھے۔ فضا بے حد رومانوی اور دلفریب تھی جب کہ اس پل کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتے ہوئے باسل‘ خاور اور حورین وسیع و عریض لان کے ایک جانب خوب صورت اور جدید انداز میں گلاس کی مدد سے بنی آرٹسٹک سی ہٹ میں بیٹھے چائے کے ساتھ ساتھ چکن رول‘ پکوڑے اور نیگٹس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس وقت بھی بوندا باندی جاری تھی جو ہٹ کی دیوار سے گرتی بے پناہ دلفریب لگ رہی تھی اس مہکتی دلفریب فضا میں وہ تینوں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔
”باسل بیٹا آپ نے اس بار اپنی برتھ ڈے اتنی سمپل انداز میں سلیبریٹ کی میں تو ایک گرینڈ فنکشن ارینج کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے تو صاف انکار کر دیا۔“ خاور حیات چائے کا ایک سپ لینے کے بعد باسل کو دیکھتے ہوئے بولا۔
”بس ڈیڈ اس بار میرا بالکل بھی موڈ نہیں تھا اور پھر اس دن احمر کی بہن کی شادی بھی تھی۔“ باسل حیات سہولت سے بولا

تو حورین نے اپنے جواں خوب صورت بیٹے کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ہم آپ کی برتھ ڈے کا فنکشن پھر کسی دن بھی رکھ سکتے تھے مگر آپ تو بالکل تیار نہیں ہوئے۔" حورین کی بات پر باسل نے ماں کو دیکھا پھر قدرے بےزاری سے بولا۔

"مما اگر آپ سچ پوچھیے تو مجھے یہ برتھ ڈیز وغیرہ سلیبریٹ کرنا بہت اکورڈ لگتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کوئی پانچ چھ سال کا چھوٹا سا بچہ ہوں جس کی برتھ ڈے بہت دھوم دھام سے سلیبریٹ کی جارہی ہے۔" یہ سن کر حورین اور خاور دونوں کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

"اچھا تو بیٹا جی آپ کو برتھ ڈیز سلیبریٹ کرنا بچپنا لگتا ہے تو آپ ہماری اینی ورسری کیوں اتنی دھوم دھام سے ارینج کرتے ہیں۔" بلیک جینز پر ڈارک براؤن ہاف سلیف کی ٹی شرٹ میں ملبوس باسل حیات کو خاور نے شرارت سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو باسل فوراً سے پیشتر گویا ہوا۔

"ڈیڈ وہ شادی کی سالگرہ ہوتی ہے اور آئی تھنک میرج اینی ورسری سلیبریٹ کرنا بچپنا ہرگز نہیں لگتا۔"

"اوہ تو یہ بات ہے باسل بیٹا تو اس کا مطلب ہے کہ اب ہم آپ کی بھی شادی کر دیتے ہیں تاکہ آپ بھی اینی ورسری دھوم دھام سے منائیں۔" حورین اسے دیکھتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں بولی تو باسل بےساختہ اچھل پڑا۔

"او ناٹ آٹ آل مما...... میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا۔" باسل گھبرائے ہوئے انداز میں بولا تو خاور حیات اس کی حالت سے محظوظ ہو کر بےساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا جب کہ حورین نے بھی اس ہنسی میں خاور کا ساتھ دیا۔

"چلو آپ کا مطلب یہ نہیں تھا مگر حورین نے آئیڈیا تو اچھا دیا ہے آپ بتائیے ہم آپ کے لیے لڑکیاں سرچ کرنا شروع کر دیں کیا۔" خاور حیات باسل کو زچ کرنے پر تلا۔

"او نو ڈیڈ ابھی تو میری اسٹڈیز بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی اور ویسے بھی میں اتنی جلدی شادی کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔" باسل سہولت سے بولا۔

"چلو ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ آپ جلدی شادی کے موڈ میں نہیں ہیں مگر کوئی نہ کوئی لڑکی تو نظر میں رکھنی ہی چاہیے کیوں حورین۔" بولتے ہوئے خاور حیات نے حورین سے بھی اپنی بات کی تائید چاہی تو وہ مسکرا کر سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"بالکل جناب آپ ایک دم ٹھیک کہہ رہے ہیں کیوں باسل بیٹا آپ ہمیں اجازت دے رہے ہیں کہ ہم کوئی لڑکی آپ کے لیے پسند کریں۔"

"او ڈیڈ مام بات میری برتھ ڈے سے اسٹارٹ ہو کر نجانے کہاں سے کہاں نکل گئی ابھی آپ لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں ہے میرے لیے کوئی لڑکی دیکھ کر رکھنے کی اوکے۔" آخر میں وہ قطعیت بھرے انداز میں بولا تو اس سے پہلے خاور حیات کچھ کہتا مین گیٹ کے باہر کسی کے ہارن بجانے پر چوکیدار چند ہی لمحوں میں باہر نکل کر گیٹ کا دروازہ وا کرنے لگا پھر دوسرے ہی لمحے وائٹ کرولا تیزی سے اندر داخل ہوئی چوکیدار نے گیٹ سے ملحق چھوٹے سے بنے کمرے کی کھڑکی سے غالباً باہر جھانک کر آنے والے کو شناخت کر لیا تھا تب ہی اہل خانہ سے پوچھے بناء اس نے پورے اعتماد سے دروازہ کھول دیا تھا باسل حورین اور خاور تینوں نو وارد کی جانب متوجہ ہوئے تھے جب ہی گاڑی کے ونڈ اسکرین سے آنے والے کو دیکھ کر حورین کے لبوں پر خوش گوار سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ عنایہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر برستی پھوار سے بچنے کے انداز میں تقریباً دوڑ کر ہٹ کی جانب آئی تھی۔

"او واٹ اے پلیزنٹ سرپرائز عنایہ...... ! آپ اس وقت یہاں؟" حورین بےساختہ بولی اپنے شانوں سے پانی کو

جھاڑتی عنایہ گویا ہوئی۔

''ہیلو آنٹی انکل ہائے باسل۔'' باسل نے ایک گہری سانس کھینچ کر عنایہ دانش ابراہیم کو دیکھا تھا پھر عنایہ بھی ان تینوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوگئی تھی۔

بارش اب تھم چکی تھی خاور حیات کو کچھ فائلز چیک کرنی تھی لہٰذا وہ ان سب سے معذرت کر کے اسٹڈی روم میں چلا گیا تھا جب کہ حورین بھی کچھ دیر بیٹھنے کے بعد رات کے ڈنر کے لیے خانساماں کو ہدایت دینے کی غرض سے اندر چلی گئی اب صرف باسل اور عنایہ وہاں بیٹھے رہ گئے تھے۔

''اور تمہارے فرینڈ کی سسٹر کی شادی کیسی رہی۔'' عنایہ نے یونہی استفسار کیا تو باسل کے تصور کے پردے میں زرتاشہ کا سراپا لہرایا اور پھر اگلے ہی پل اس کا بے ہوشی کی حالت میں اس کے سینے سے ٹکرانا یکبارگی باسل کا ذہن بوجھل سا ہوا مگر دوسرے ہی لمحے وہ سر جھٹک کر عنایہ کی جانب متوجہ ہوکر نارمل انداز میں بولا۔

''ٹھیک رہی تم بتاؤ آج کل کیا ہورہا ہے؟'' پھر وہ دونوں کافی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔

❁......✿......❁

ماریہ نے فراز شاہ کو عجیب سی کشمکش میں ڈال دیا تھا وہ سوچ سوچ کر تھک چکا تھا مگر کسی منطقی نتیجے پر اب تک نہیں پہنچ پایا تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کرے تو کیا کرے کس طرح سے ماریہ کی مدد کرے اگر وہ یوں مام اور ڈیڈی کو بنا بتائے پیپر میرج کرے گا تو یقیناً وہ اس پر بہت زیادہ برہم ہوں گے اور ڈیڈ ان کا تو مان ہی ٹوٹ جائے گا۔ وہ بہت زیادہ ہرٹ ہوں گے مگر اس کا دل یہ بھی گوارا نہیں کررہا تھا کہ وہ ایک بے بس لڑکی کو یوں حالات کے بھنور میں ڈوبنے کے لیے چھوڑ دے۔

''او...... میرے اللہ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں؟ اس مجبور لڑکی کی کس طرح مدد کروں اس کی جان اور ایمان خطرے میں ہے میں کس طرح اس کی حفاظت کروں میرے اللہ۔'' فراز اپنے ہاتھ سے اپنے گھنے بالوں کو نوچتا بڑی لاچاری سے خود کلامی کے انداز میں بولا۔

''اگر میں نے اس کی مدد نہیں کی تو وہ یقیناً میک کے ہاتھوں ماری جائے گی یا پھر اسے نن بنا کر چرچ کی خدمات میں مامور کردیا جائے گا حالانکہ وہ کامل مسلمان، نہیں نہیں یہ تو اس کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگی ظلم ہوگا اس کے ساتھ۔'' کافی دیر سوچنے کے بعد جب پھر بھی کوئی رزلٹ نہیں آیا تو معاً اسے لالہ رخ کا خیال آیا۔

''او مائی گاڈ مجھے پہلے ہی لالہ رخ سے بات کر کے اس سے مشورہ لینا چاہیے تھا پتا نہیں پہلے اس کا خیال کیوں نہیں آیا۔'' وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے خود سے بولا پھر تیزی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھے اپنے سیل فون کو اٹھا کر جلدی سے لالہ رخ سے رابطہ کرنے لگا تھوڑی ہی دیر میں لالہ رخ لائن پر تھی دعا سلام کے بعد فراز کچھ عجلت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

''لالہ رخ تم اس وقت بزی تو نہیں ہو مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' فراز کی بات پر لالہ رخ تیزی سے بولی۔

''نہیں میں بزی نہیں ہوں آپ اپنی بات کیجیے۔''

''دراصل لالہ رخ مجھے یہاں ایک لڑکی ملی ہے آئی مین میری لندن میں ایک لڑکی سے ملاقات ہوئی ہے ماریہ نام ہے اس کا۔'' فراز ٹھہر ٹھہر کر بولا تو یک دم لالہ رخ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اچھا اس کا نام ماریہ ہے۔'' فراز جو ابھی مزید کچھ کہنے جارہا تھا لالہ رخ کے لہجے میں کچھ محسوس کر کے چڑ گیا۔

''جی نہیں لالہ رخ آپ جیسا کچھ سمجھ رہی ہیں ویسی کوئی بات نہیں۔''

''اوکے...... اوکے میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔'' فراز یک دم خاموش ہوا پھر ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوا۔ ''بات یہ ہے

لالہ رخ کہ......" پھر وہ لالہ رخ کو سب کچھ بتاتا چلا گیا اس نے ماریہ کی بتائی ہوئی کہانی بھی اس کے سامنے رکھ دی۔ لالہ رخ بے حد توجہ سے سب کچھ سنتی رہی اپنی بات مکمل کرنے کے بعد فراز شاہ تھکے ہوئے انداز میں بولا۔

"اب بتاؤ لالہ رخ مجھے کیا کرنا چاہیے کیا مجھے اسے بچانے کے لیے اس کے ساتھ پیپر میرج کر لینا چاہیے جسے میں بالکل بھی نہیں جانتا' اسے اپنے ہمراہ پاکستان لا کر تحفظ دینا چاہیے یا نہیں۔"

"وہ لڑکی اپنی زندگی سے زیادہ اپنا ایمان سلامت رکھنے کی خاطر آپ کی جانب بڑھی ہے فراز جس طرح وہ آپ کے لیے بالکل اجنبی ہے اسی طرح آپ بھی اس کے لیے یکسر انجان ہیں مگر وہ صرف آپ کے مسلمان ہونے اور آپ پر یقین کر کے اپنا اتنا حساس راز آپ کے سامنے فاش کر گئی ہے کیونکہ اسے ایک مسلمان پر بھروسہ ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ ایک کامل مسلمان ہونے کے ناطے آپ ایک مجبور و کمزور مسلمان اور چونکہ وہ ایک عورت بھی ہے اس کی مدد ضرور کریں گے اس نے آپ سے آپ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا کہ آپ کون ہیں کس فیملی سے تعلق رکھتے ہیں' میرڈ ہیں یا نہیں کیوں کہ وہ صرف اور صرف اپنے ایمان کو بچانے کی فکر میں ہلکان ہو رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں لالہ رخ مگر میں اس طرح کسی لڑکی سے بناء ڈیڈ سے پوچھے پیپر میرج ہی سہی کیسے کر سکتا ہوں۔" فراز شاہ پوری توجہ سے لالہ رخ کی بات سنتا بے ساختہ بول پڑا تو لالہ رخ نے ایک گہرا سانس بھرا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"فراز آپ یہ بھی تو سوچیے کہ دوسری صورت میں اس لڑکی کا کیا ہوگا؟ اس کو عبرت کا نشان بنا دیا جائے گا پھر آپ کا ضمیر آپ کی روح کبھی مطمئن یا پُرسکون ہو پائے گی؟ ہمیشہ آپ کا ضمیر آپ کو اسی بات پر کچوکے لگاتا رہے گا کہ ایک بے بس مسلمان عورت نے اپنا ایمان بچانے کے لیے آپ سے مدد مانگی تھی اور آپ بااختیار ہوتے ہوئے بھی اس کی مدد کرنے سے قاصر رہے۔" فراز شاہ کچھ پل خاموش رہا پھر گمبھیر لہجے میں ہنکارا بھر کر بولا۔

"مجھے تمہاری بات سے کوئی اختلاف نہیں ہے لالہ...... تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو مگر......"

"اگر مگر کچھ نہیں فراز...... آپ بس اس سے پیپر میرج کر کے فی الفور اسے پاکستان لے آیئے اور اسے پورا پورا تحفظ دیجیے۔" لالہ رخ فراز کی بات درمیان میں سے قطع کر کے تیزی سے بولی تو فراز کچھ پُرسکون سا ہوا پھر دھیرے سے بولا۔

"اور ڈیڈ؟"

"نہیں فی الحال ابھی کچھ مت بتایئے بعد میں موقع مناسب دیکھ کر آپ ساری بات ان کے گوش گزار کر دیجیے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے خفا نہیں ہوں گے کیونکہ آپ ایک نیک کام کر رہے ہیں اور ہاں اگر آپ کو میری کسی بھی طرح کی ہیلپ کی ضرورت ہو تو میں یہاں موجود ہوں۔" فراز اس کی مدد کی آفر سن کر مسکرا دیا پھر ایک گہری سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے لالہ رخ' میں ماریہ کو اوکے کا سگنل دے دوں گا۔" جواباً لالہ رخ صدق دل سے دعائیہ انداز میں گویا ہوئی۔

"اللہ آپ کو اس مقصد میں کامیاب کرے' آمین۔"

"آمین۔" وہ بھی زیر لب بڑبڑایا۔

❀......❀......❀
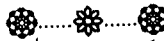
اپنے وجود میں عجیب سی تھکن محسوس کر کے وہ ابھی اپنے بستر پر لیٹی ہی تھی کہ دروازہ ہلکے سے ناک کر کے جیسکا اندر چلی آئی' ماریہ اسے اندر آتا دیکھ کرنا چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہیلو ماریہ...... آئی ہوپ میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا ناں اور تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔" جیسکا اپنے

خوب صورت ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی تو ماریہ سرنفی میں ہلا کر دھیرے سے گویا ہوئی۔
"نہیں بلکہ اچھا ہوا تم اس وقت آ گئی میں کافی اکیلا پن فیل کر رہی تھی۔" ماریہ کی بات پر جیسکا نے چند پل ماریہ کے ستے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنے لہجے کو سرسری بنا کر بولی۔
"تم ہر وقت کمرے میں جو بند رہتی ہو آخر اس قدم کے لیے تمہیں کتنی قربانیاں دینی پڑ رہی ہیں ناں۔" ماریہ نے جیسکا کی بات کو شاید سنتے ہوئے بھی نہیں سنا تھا جب ہی بستر سے اٹھتے ہوئے بولی۔
"تم پلیز تھوڑی دیر میرا ویٹ کرو میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں۔" جواباً جیسکا نے سر اثبات میں ہلایا تو ماریہ پیروں میں سلیپر ڈال کر واش روم کی جانب بڑھ گئی اس کے باتھ روم میں جاتے ہی جیسکا تیر کی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور سرعت سے اس کی رائٹنگ ٹیبل کی دراز بڑی احتیاط سے کھول کر دیکھنے لگی پھر وہاں سے فارغ ہو کر وہ اس کے کمرے کے ایک جانب رکھی چیسٹر (منی الماری) کی طرف بڑھی اور بنا کوئی آواز نکالے اس نے پہلی دراز کھولی جس میں اسے ماریہ کے اسکارف وغیرہ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ قدرے مایوس ہوئی پھر مزید وقت ضائع کیے بناء اس نے دوسری دراز پر ابھی ہاتھ رکھا ہی تھا کہ یک دم کھٹ کی آواز پر وہ جلدی سے دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر براجمان ہو گئی۔ ماریہ اپنی جون میں واپس کمرے میں آئی اور پھر جیسکا کو خوش گواری سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
"آؤ جیسکا کچن میں چلتے ہیں کافی پینے کا بہت موڈ ہو رہا ہے اور یقیناً تمہارا بھی دل چاہ رہا ہوگا کیونکہ کافی پینے کے لیے تم ہمیشہ ریڈی رہتی ہو ناں۔" ماریہ کی بات پر جیسکا کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیلی پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھیں کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگیں جب ہی جیسکا نے بڑی سہولت سے اس سے استفسار کیا۔
"تو ماریہ اب تم نے کیا سوچا ہے؟ کیا تم واقعی جیکولین آنٹی کی بات مان کر فادر جوزف کے چرچ چلی جاؤ گی یا پھر میک سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاؤ گی؟" اس پل وہ دونوں لاؤنج میں تھیں۔ جیکولین اس وقت اپنی اسٹڈی روم میں ہوتی تھی جب کہ ابراہم آفس میں بزی ہوتا تھا جیسکا کے سوال پر ماریہ نے پل کے پل اس کی طرف دیکھا بلو جینز پر ڈیپ سلولیس ٹی شرٹ میں نفیس سا میک اپ کیے وہ اس وقت بہت دلکش لگ رہی تھی۔ ماریہ نے ایک گہری سانس بھری پھر خالی مگ سینٹرل ٹیبل پر رکھتے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولی۔
"جیسکا تمہارا سوال بہت مشکل ہے۔" ماریہ کے جملے پر جیسکا اندر ہی اندر کافی بدمزہ سی ہوئی۔
"او ڈیم اٹ، یہ ماریہ بے حد پکی چیز ہے اتنی آسانی سے اپنی زبان نہیں کھولے گی۔" جیسکا دل ہی دل میں خود سے بولی پھر ماریہ کی طرف دیکھ کر اپنے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے ایک بار پھر استفسار کرتے ہوئے گویا ہوئی۔
"پھر بھی ماریہ کچھ تو بتاؤ میں تمہاری دوست ہوں یار میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم مجھ سے اپنا راز شیئر کر سکتی ہو اور میں نے تم سے پرامس بھی کیا تھا کہ میں تمہارے راز کی حفاظت کروں گی اور یہی بات میں آج بھی کہتی ہوں ماریہ پلیز ٹرسٹ می۔ تم مجھ پر بلا جھجک بھروسہ کر سکتی ہو اور میں تمہیں اس بات کا بھی یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرنے کی کوشش کروں گی ریئلی۔" جیسکا اس وقت اس سے صرف راز اگلوانا چاہتی تھی۔
"تم.....تم پلیز مجھے تو بتاؤ کہ آگے اب تم کیا کرنے والی ہو کیا سوچ رکھا ہے تم نے؟ کون سا راستہ اپنانے والی ہو ماریہ.....پلیز ٹیل می۔"
"جیسکا میرے پاس وقت بہت کم ہے۔" ماریہ بے پناہ اضطراری انداز میں اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنے سر کو گراتے ہوئے بولی تو جیسکا کی تمام حسیات چوکنا ہو گئیں اندر ہی اندر وہ بے حد ایکسائٹڈ ہو گئی اسے لگا کہ اب ماریہ کچھ بتانے ہی

والی ہے۔

"کیا مطلب ماریہ......؟ میں سمجھی نہیں۔" جیسکا اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ ماریہ کے کندھے پر رکھ کر نرمی سے بولی تو ماریہ روہانسی سی ہوگئی۔

"جیسکا ماما...... "وہ قدرے ٹھہری جب کہ اس وقت جیسکا نے بڑی بے چین نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ماما مجھے کبھی بھی انڈرسٹینڈ نہیں کریں گی وہ کبھی بھی مجھے ایکسپٹ نہیں کریں گی اور بروہ میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکیں گے۔" جیسکا اس کے کندھے تھپکتے ہوئے بے پناہ محبت سے بولی۔

"تم پلیز اتنا اسٹریس مت لو جیکولین آنٹی کو اگر یہ بات معلوم بھی ہوجائے کہ تم نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے تو تم جس طرح میک اور سرپال کے سامنے مکر رہی تھی اسی طرح ان کے آگے بھی انکاری ہوجانا ہاں مگر تمہارے روم میں ایسا کوئی پروف تو نہیں ہے ناں کہ جس سے تم مسلمان ثابت ہوجاؤ آئی مین......" جیسکا بڑے شاطرانہ انداز میں اپنے موضوع کی جانب آتے ہوئے بولی ماریہ کے کمرے میں اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت مل جانے کی صورت میں سرپال اور میک کی تنظیم اسے اپنے ہمراہ لے جانے پر قادر تھی جب ہی میک کے کہنے پر وہ بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے ماریہ سے یہ بات اگلوانے کی کوشش میں محو تھی۔ میک اور اس کی تنظیم کا آج رات کو ہی ماریہ کو اپنی حراست میں لینے کا منصوبہ تھا مگر ان لوگوں کے پاس اس کے مسلم ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا جب کہ ماریہ بھی اپنی زبان سے مسلسل انکاری تھی کہ اس نے ابھی تک دین اسلام کو اختیار کیا ہوا ہے اب وہ ماریہ ایڈم کو مزید کوئی بھی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے۔

"تم ابھی بھی مسلمان ہو اس کا پروف بھی یقیناً تمہارے پاس ہوگا جیسے مسلمانوں کی مقدس کتاب آئی ڈونٹ نو اسے کیا کہتے ہیں وہ تو سو فیصد تمہارے پاس ہوگی اور......اور ان کی عبادت کرنے والی چیز میں اسے کیا کہتے ہیں جو موتیوں کی طرح ہوتی ہے جسے ہاتھ میں لے کر وہ نجانے کیا پڑھتے ہیں اس طرح کی چیزیں تو تمہارے پاس ہوں گی ناں۔" جیسکا کی بات پر ماریہ نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

❁......❁......❁
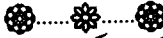
بنفشی سورج کی شعاعیں آسمان پر اپنے انوکھے رنگ بکھیر کر آسمان کو بے حد دلفریب بنارہی تھیں سورج ڈوبنے کی تیاریوں میں محو تھا فرنچ بیچ کے پرسکون ماحول میں سونیا اپنی سہیلی رامیہ کے ہمراہ ساحل کے کنارے چہل قدمی کررہی تھی وہ جب بھی شہر کے ہنگاموں اور شور سے اکتا جاتی تو اپنے باپ کی پرائیوٹ ہٹ جو ہر طرح کی سہولیات سے آراستہ تھی اپنی سہیلیوں کے ہمراہ ایک دو دن کے لیے آجاتی اس وقت دونوں سہیلیاں اپنی کسی فرینڈ کی شادی کا ذکر کررہی تھیں جس کی ابھی کچھ دنوں پہلے شادی ہوئی تھی۔

"مشال کا شوہر کتنا برا تھا ناں مشال کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھا وہ بالکل بھی سوٹ نہیں کررہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے مشال ایڈم اپنے شوہر کے ساتھ نہیں بلکہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھی ہے۔" بولتے ہوئے آخر میں سونیا نے خود ہی اپنی بات پر قہقہہ لگایا تو اس کے ہمراہ چلتی اس کی سہیلی رامیہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو یار اس کے شوہر کے سر کے بال بھی بہت کم ہیں۔" جب کہ سونیا نے مزید ٹکڑا لگایا۔

"اور سونے پر سہاگہ اس کا کلر کمپلیکشن کتنا ڈراک تھا۔" چہل قدمی کرتے ہوئے وہ اسنیکس سے بھی انصاف کررہی تھیں۔

"ہوں مگر مشال تو خوشی سے بے حال ہوئے جارہی تھی اس کے چہرے پر سے مسکراہٹ تو ہٹ ہی نہیں رہی تھی چلو اور اس کے شوہر کی پرسنلٹی تو زیرو ہے مگر پروفیشن لائف میں تو موصوف ہیرو ہیں۔" رامیہ کی بات پر چلتے ہوئے سونیا نے

یک دم رک کر اسے خاصی بےزاری سے دیکھا پھر کافی ناگواری سے کہنے لگی۔

"اگر وہ پرائیوٹ ایئرلائن میں پائلٹ ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے بندے کی کچھ تو پرسنلٹی ہونی چاہیے ایسا بھی نہ ہو کہ اس کے ساتھ کہیں باہر نکلو تو حیرت سے لوگ کپل کو دیکھ کر بولیں حور کے پہلو میں لنگور۔"

"ہاہاہا...... یہ تو تم نے بالکل ٹھیک کہا ویسے یار یہ بہت مشکل ہے کہ بندہ ہینڈسم بھی ہو اور اس کا کریکٹر بھی شاندار ہو دونوں چیزیں اکٹھی ملنا بےحد مشکل ہے اب مشال نے اپنے شوہر کی پرسنلٹی پر کمپرومائز کرلیا کیوں کہ اس کا کیریئر تو بہت ڈیشنگ ہے ناں۔" رامیہ کی بات پر سونیا اعظم شیرازی نے برا سا منہ بنایا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"بندے کی پرسنلٹی بھی بہت میٹر کرتی ہے رامیہ۔" سونیا کی بات پر رامیہ نے اسے لحظہ بھر دیکھا وہ اس کی سب سے قریبی دوست اور راز دار تھی وہ سونیا کی فراز سے انوالومنٹ اور پھر انتقاماً کامیش سے شادی ہر بات سے واقف تھی اس پل سونیا لہروں کے کھیل کو دیکھ رہی تھی جو تیزی سے ساحل کی طرف بڑھتیں پھر نامراد و ناکام سی ہو کر بےحد کمزور اور ناتواں حالت میں واپس سمندر کی جانب لوٹ جاتیں۔

"سونیا وہ لڑکیاں بہت لکی ہوتی ہیں جنہیں محبت ہونے کے ساتھ ساتھ ہائی پروفائل والا شوہر ملتا ہے یار یہ ایک فیکٹ ہے کہ ہم چاہیں کتنے بھی ماڈرن اور ایجوکیٹڈ کیوں نہ ہو جائیں مگر ہمارے مائنڈ میں یہ بات ہمیشہ رہتی ہے کہ ایک میرڈ لڑکی کی عزت اس کے شوہر اور اس کے گھر سے ہی ہوتی ہے شوہر کے بنا رہے والی عورت کو ہماری سوسائٹی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔"

"سو واٹ سوسائٹی کی پروا کسے ہے۔" سونیا بےپروائی سے کندھے اچکا کر نخوت بھرے لہجے میں بولی تو رامیہ فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔

"پروا کرنی پڑتی ہے ڈیئر...... کیوں کہ ہم سوسائٹی سے الگ تھلگ ہو کر نہیں رہ سکتے ہمارا جینا مرنا اسی سوسائٹی میں ہے ہمیں اس کی پروا کرنی ہے سونیا اس دن تم نے مشال کے چہرے پر جو فخر و انبساط کے رنگوں کو دیکھا تھا ناں وہ کسی مرد کی نگاہوں میں سرخرو اور محترم ہونے کا تھا اپنی زندگی کے شریک سفر کے مل جانے کا تھا جو ساری سوسائٹی کے سامنے اسے بےحد مان اور احترام سے اپنے سنگ لے جا کر اسے معتبر کرنے کا تھا۔" رامیہ کے جملوں نے اس پل بڑی تیزی سے اس کے اندر سناٹے اتار دیئے چند ثانیے وہ دم سادھے یونہی ساکت سی کھڑی خالی خالی نگاہوں سے بیکراں سمندر کو دیکھتی رہی جب ہی رامیہ نے بڑی نرمی سے اس کے کندھے کو اپنے ہاتھ سے ہولے سے دبا کر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"کامیش بھائی ایک مکمل انسان ہیں جن کی پرسنلٹی اور کیریئر دونوں ہی شاندار ہیں سونیا...... ایک مخلص دوست ہونے کے ناطے میں تم سے اتنا ضرور کہوں گی کہ ایک شادی شدہ عورت بنا شوہر کے بالکل ان لہروں کی طرح ہی ہوتی ہے جسے نہ سمندر میں پناہ ملتی ہے اور نہ ساحل میں۔ فراز شاہ کی نفرت میں اپنی زندگی سے کھلواڑ کرنا بہت گھاٹے کا سودا ہے سونیا اور یہ بات میں نے تمہیں اس دن بھی سمجھائی تھی جب تم نے فراز سے بدلہ لینے کے لیے کامیش بھائی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔" رامیہ اپنی بات مکمل کر کے جب خاموش ہوئی تو سونیا نے رخ پھیر کر اسے دیکھتے ہوئے سپاٹ انداز میں کہا۔

"آؤ ہٹ میں چلتے ہیں۔" سونیا آگے بڑھ گئی جب کہ رامیہ وہیں کھڑی اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁
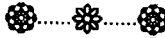
مومن جان کی مہربانیوں اور نوازشوں میں اب جھنجھلاہٹ اور بےزاری بھی جھلک رہی تھی مہر داس بات کو بغور نوٹ کر گئی تھی کہ مومن جان بڑی مشکلوں سے خود پر محبت و نرمی کا کوٹ چڑھا کر اس سے مخاطب ہوتا تھا جب کہ مہر و یہ سب محسوس کر کے اندر ہی اندر بےپناہ دکھی ہو جاتی تھی۔ وہ خاموش سی صحن میں بچھے تخت پر نیم دراز تھی جب ہی اماں وہاں

آ گئیں، مہرو کو یوں چپ چاپ بیٹھا دیکھ کر وہ بھی اس کے پاس جا کر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''موسم اگلے ماہ سے پھر تبدیل ہو جائے گا مہرو تُو ایسا کر کل لالہ رخ کے ساتھ جا کر نیچے بازار سے کچھ گرم جوڑے لے آ' نجانے اب جسم کو کیا ہوتا جا رہا ہے مجھ سے تو سردی برداشت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔'' اماں اسے مخاطب کر کر بولیں تو مہرو نے صرف ''ہوں'' کہنے پر اکتفا کیا جب ہی اماں اسے بغور دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

''کیا بات ہے مہرو...... میں کچھ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ تُو کافی چپ چپ ہے' کوئی بات ہے کیا؟'' ماں کی بات پر مہرو بے اختیار اپنے دھیان سے چونکی پھر ایک گہری سانس فضا کے حوالے کرتے ہوئے نڈھال انداز میں بولی۔

''بات کیا ہو گی اماں...... بس ایسے ہی کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا۔''

''لو بھلا یہ کیا بات ہوئی کیوں دل نہیں چاہ رہا۔'' اماں کے جملے پر وہ خوامخواہ میں چڑ گئی۔

''افوہ اماں تم تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہو جب دل نہیں چاہ رہا تو نہیں چاہ رہا بس۔''

''ارے کون میری مہرو بیٹی کے پیچھے پڑ گیا ہے ذرا مجھے بھی تو پتا چلے۔'' اسی پل وہاں مومن جان آ دھمکا مہرو جو پہلے ہی بے زار بیٹھی تھی' مومن جان کو وہاں دیکھ کر اس کا موڈ اور زیادہ خراب ہو گیا۔

''کوئی پیچھے نہیں پڑا میرے شاید میں خود ہی اپنے پیچھے پڑ گئی ہوں۔'' وہ بے تحاشا تپ کر بولی تو مومن جان ہنسنے لگا' مہرینہ نے انتہائی ناپسندیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا جو اس وقت اسے سخت زہر لگ رہا تھا۔

''دیکھو تو مومن یہ کیسی باتیں کر رہی ہے لگتا ہے کہیں سے کڑوے کریلے کھا کر آئی ہے۔'' اماں بھی جیسے غصے میں آ گئیں تب ہی ناگواری سے بولیں۔ مہرو جو انتہائی جوش کے عالم میں کچھ کہنے ہی جا رہی تھی یک دم مومن جان پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بڑی سرعت سے اپنی زبان کو دانتوں تلے دبایا تھا۔

''اچھا اب مجھے بتا کہ میری دھی کو کس بات پر غصہ آ رہا ہے۔'' مومن جان اپنے لب و لہجے میں شہد جیسی مٹھاس بھرتے ہوئے بولا تو اس پل مہرو کو لگا جیسے ضبط اور برداشت کی طنابیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جائیں گی بے ساختہ اس کا دل چاہا کہ وہ اسی پل اپنے باپ کا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر اس سے پوچھے کہ آخر کون سا خطرناک کھیل وہ اپنی بیٹی کے ساتھ کھیل رہا ہے آخر وہ اس سے چاہتا کیا ہے۔ کون سی ایسی مجبوری ہے جس نے بچپن سے لے کر اب تک اس کے ساتھ روا رکھی ناگواری اور بے زاری کو پلک جھپکتے میں ہی محبت و نرمی اور لگاؤ میں تبدیل کر دیا ہے۔

''ارے یہ تو جھلی ہو گئی ہے' یونہی غصے ہو رہی ہے۔'' اماں کی آواز مہرو کی سماعتوں سے ٹکرائی تو جیسے وہ اپنے حواسوں میں واپس آئی۔

''اچھا تو اب میری دھی کو ستانا چھوڑ ویسے ہی اس کا مزاج اچھا نہیں ہے۔'' مومن جان اماں سے مخاطب ہو کر بولا تو اماں تو جیسے مومن جان کا مہرو کے لیے ایسا انداز دیکھ کر نہال ہو گئیں جب کہ مومن جان مہرو کی جانب دیکھتے ہوئے ہنوز محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''مہرو تیرا جی اچھا نہیں تُو چل میرے ساتھ دیسی کھانوں کی دکان پر چل' آج میں تجھے مزے دار مچھلی کھلاتا ہوں۔'' مومن جان کی بات پر یک دم مہرو کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئیں۔

''نہیں ابا میرا مچھلی کھانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔''

''ارے تو پھر دیسی ککڑ مکھن والا کھا لینا کوئی مچھلی ہی کھانا شرط تھوڑی ہے۔'' وہ خوامخواہ میں ہنستے ہوئے بولا تو مہرو کے سر پر جیسے ہتھوڑے برسنے لگے۔

''یا اللہ میں کہاں پھنس گئی ہوں اتنا تو میں جان گئی ہوں کہ ابا کے ارادے ٹھیک نہیں ہیں آخر میں کروں بھی تو کیا کس

طرح اس عفریت سے اپنی جان چھڑاؤں۔" وہ بے اختیار خود سے بولی۔
"ارے اب کیا سوچنے لگی۔" مومن جان کی آواز ابھری تو اس نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا پھر تیزی سے بولی۔
"نہیں ابا میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہے۔" اگلے ہی لمحے وہ جھپاک سے اپنے کمرے میں چلی گئی مومن جان مہرو کہ اس طرز عمل پر اندر ہی اندر بے تحاشا کلس کر رہ گیا البتہ اماں اپنی جگہ بری طرح الجھ گئیں۔

❀......❀......❀
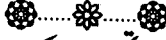
جیسکا اس وقت بہت الجھن اور اضطراب کا شکار تھی وہ اپنے کمرے میں چک پھیریاں لگاتے ہوئے مسلسل ماریہ میک اور ابرام کے بارے میں سوچ رہی تھی جب ہی کچھ لمحوں بعد اس کے سیل فون پر میک کا فون آ گیا اس نے لمحہ بھر کو اپنے فون کی اسکرین کی جانب دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر لیس پر انگلی پھیر کر فون اپنے کان سے لگا لیا۔
"آئی ہوپ تمہیں اپنے کام میں کامیابی ملی ہوگی۔" فون پک کرتے ہی میک کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی تو جیسکا چند لمحے بالکل خاموش رہی پھر انتہائی بے زاری سے گویا ہوئی۔
"میک وہ مجھے کچھ بتانے ہی والی تھی کہ اسی دم جیکولین آنٹی اپنی اسٹڈی سے باہر نکل آئیں انہیں دیکھ کر ماریہ نے تو ٹاپک ہی چینج کر دیا۔"
"ہوں۔" میک نے جیسکا کی بات پر ہنکارا بھرا پھر اپنے مخصوص انداز میں استفسار کرتے ہوئے گویا ہوا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے جیسکا ماریہ کے پاس وہ پروف ہوں گے؟" جیسکا کچھ لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "میک مجھے اس بات کا آئیڈیا تو نہیں ہے کاش میں یہ بات اس سے پہلے ہی پوچھ لیتی تو آج مجھے اتنی محنت نہ کرنی پڑتی۔" اس پل اس کے لہجے میں پچھتاوے کے رنگ تھے پھر مزید گویا ہوئی۔
"میں یہ بات ابرام سے بھی پوچھ سکتی تھی مگر افسوس ابرام سے میرا سخت جھگڑا ہوا ہے وہ تو میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہے گا۔"
"ہماری تنظیم کے کچھ اصول ہیں جیسکا اگر مجھے یہ شیور ہو جائے کہ ماریہ کے پاس اس کے مسلم ہونے کے پروف موجود ہیں تو ہماری تنظیم اسے اپنی کسٹڈی میں لے لے گی مگر جب ہم وہاں ریٹ کریں اور ادھر وہ پروف نہیں ملے تو یہ ہمارے لیے بہت غلط ہو سکتا ہے۔" میک گمبھیر لہجے میں بولا تو جیسکا جو بڑے دھیان سے میک کی بات سن رہی تھی اس کی بات کے اختتام پر بولی۔
"میک تم مجھے دو دن کا وقت دو میں کچھ نہ کچھ کرتی ہوں۔"
"اب ہم ماریہ کو مزید مہلت نہیں دینا چاہتے جیسکا۔"
"میک صرف دو دن...... بس دو دن اور مجھے دے دو میں ساری انفارمیشن تمہیں لا کر دے دوں گی او کے۔" جیسکا میک کی بات پر قدرے منت بھرے انداز میں بولی تو میک کچھ پل سوچنے کے بعد بولا۔
"او کے جیسکا میں تمہیں دو دن دیتا ہوں تم اپنا کام کر سکتی ہو تو کر لو۔"
"او تھینکس میک......" جیسکا پُر جوش لہجے میں بولی۔

❀......❀......❀

گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے زرمینہ اپنے گھر آئی ہوئی تھی اسے باغبانی سے کافی لگاؤ تھا ابھی بھی وہ اپنے گھر کے باغیچے میں پودوں کی کانٹ چھانٹ کر کے انہیں پانی دے کر اپنے کمرے میں آئی تھی کہ اسی پل اس کا سیل فون بج اٹھا زرمینہ نے بستر پر رکھے اپنے سیل فون کی اسکرین کی جانب دیکھا تو مسٹر احمر کالنگ بلنک ہوتا دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیے

فریز سی ہوگئی۔

''مہوش کے بھائی احمر کا فون کیوں میرے نمبر پر آرہا ہے۔'' وہ کچھ الجھ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے خود سے بولی پھر کچھ سوچ کر اس نے فون اٹھا کر او کے کا بٹن دبایا اور اپنے کان سے لگا کر انتہائی رکھائی سے بولی۔

''جی مسٹر احمر کیوں فون کیا ہے آپ نے؟'' احمر جو دوسری جانب بڑی بے تابی سے زرینہ کی آواز سننے کا متمنی تھا زرینہ کے انتہائی اجنبی انداز کو محسوس کر کے بجھ کر رہ گیا پھر ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوا۔

''مس زرینہ...... مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔'' زرینہ جو عجلت بھرے انداز میں وہاں کھڑی تھی قدرے بے زاری سے بولی۔

''آپ پلیز اپنی بات جلدی کیجیے میں ذرا کچھ مصروف ہوں۔'' زرینہ کو اس وقت احمر کے فون سے بے حد کوفت محسوس ہورہی تھی جب ہی احمر سہولت سے بولا۔

''آپ اپنا کام کرلیجیے میں بعد میں فون کرلوں گا۔''

''نہیں مسٹر احمر آپ ابھی بات کرلیجیے۔'' زرینہ نہیں چاہتی تھی کہ احمر اب دوبارہ اسے فون کرے لہٰذا وہ سنجیدگی سے بول اٹھی تھی احمر کچھ دیر خاموش رہا پھر گمبھیر لہجے میں گویا ہوا۔

''دراصل میں آپ سے اور آپ کی فرینڈ زرتاشہ سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔'' وہ چند پل کے لیے خاموش ہوا زرینہ ہنوز بے زاری سے فون پکڑے کھڑی رہی۔

''مہوش کی مہندی والے دن جو کچھ آپ کی فرینڈ کے ساتھ ہوا اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں مس زرینہ آپ دونوں ہماری گیسٹ تھیں ہمارے گھر کی تقریب میں آئی تھیں اس رات جو کچھ ہوا اس کے لیے میں آپ دونوں سے سخت نادم ہوں۔ میں ریکوئسٹ کرتا ہوں کہ پلیز آپ لوگ مجھے معاف کردیجیے۔'' اس وقت احمر کے لب و لہجے میں بے پناہ ندامت تھی جب زرینہ اپنے اشتعال پر بمشکل قابو پا کر گویا ہوئی۔

''مسٹر احمر آپ کو اس بات کا ذرا بھی اندازہ ہے کہ اگر خدانخواستہ تاشو اس رات کسی غلط انسان کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی تو کیا ہوسکتا تھا۔'' احمر نے بے ساختہ سر جھکایا جب کہ اس رات کا ہولناک منظر ایک بار پھر زرینہ کی نگاہوں میں گھوم گیا اور ہر بار کی طرح اس پل بھی اس کا جسم خوف کے مارے کپکپا کر رہ گیا تھا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ زرینہ نے اپنی ناہموار ہوتی سانسوں کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو شاید اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ میں نے زرتاشہ کو کتنی مشکلوں سے مطمئن کیا تھا اب معلوم نہیں وہ مطمئن ہوئی بھی ہے یا نہیں احمر صاحب، ہم جس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکی کی عزت اس کا پندار پانی کے بلبلے سے بھی زیادہ نازک ہوتا ہے جہاں لڑکی کی حرمت پر ذرا سی بھی آنچ آجائے تو اسے زندہ درگور کردیا جاتا ہے مجھے اس بات کا بالکل بھی آئیڈیا نہیں تھا کہ مہوش کے گھرانے میں ہمارے ساتھ ایسا بھی کچھ ہوسکتا ہے ورنہ میں تاشو کی بات مان کر ہرگز ہرگز وہاں قدم بھی نہ رکھتی۔'' احمر زرینہ کے جملوں سے ندامت و شرمندگی کے پاتال میں اترتا چلا گیا وہ کچھ غلط بھی تو نہیں کہہ رہی تھی اتنی رذیل اور نازیبا حرکت اس کے گھر کی تقریب میں ہوئی تھی اس پل احمر کا شدت سے دل چاہا کہ وہ شخص اس کے سامنے آجائے جس نے اتنی گھٹیا حرکت کر کے اسے زرینہ کی نگاہوں سے گرا دیا تھا تو وہ اس کا منہ نوچ ڈالے جب ہی زرینہ کی آواز دوبارہ ابھری۔

''غلطی تو ہماری تھی مسٹر احمر، ہم ہی آپ کی فیملی پر بھروسہ کر کے آپ کی خوشیوں میں شریک ہونے آگئے تھے۔'' کتنی تلخی و نفرت تھی زرینہ کے لہجے میں احمر کا دل دکھ و مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔

"میں ایک بار پھر آپ سے معافی مانگتا ہوں زرمینہ اور ہاں اگر وہ شخص مجھے مل گیا جس نے زرتاشہ کے ساتھ اتنی گھٹیا حرکت کرنے کی جرأت کی تو میں یقین سے کہوں گا کہ میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے گا۔" آخر میں اس کے لہجے میں بے پناہ اشتعال کے رنگ تھے زرمینہ نے خاموشی سے سنا پھر دوسرے ہی لمحے "اللہ حافظ" کہہ کر بنا اس کا جواب سنے فون بند کر گئی جب کہ احمر اپنا فون کان سے ہٹا کر محض اسے گھورتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

بٹو اپنے چچا کے پاس سے آج ہی وادی میں لوٹا تھا اس کا چچا پچھلے کچھ دنوں سے کافی بیمار تھا جس کے سبب بٹو کے باپ نے اسے چچا کے پاس بھیج دیا تھا جیسے ہی وہ بہتر ہوا بٹو نے وادی کی جانب دوڑ لگائی تھی اتنے دنوں سے وہ مہرو اور لالہ رخ سے ملا جو نہیں تھا مگر ان دونوں سے مل کر بٹو کے حساس دل نے فوراً یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کی دونوں باجیاں اندر ہی اندر کافی پریشان ہیں۔ شام کو جب تینوں اپنی مخصوص جگہ پر پہنچے تو مہرو لالہ رخ کو دیکھ کر جیسے پھٹ پڑی۔

"لالہ تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ میں کس تکلیف اور اذیت سے گزر رہی ہوں اور ایسا لگ رہا ہے جیسے میں برزخ میں پڑی ہوں۔ رات دن ایک ان دیکھی آگ مجھے جھلساتی رہتی ہے۔ میرے اندر زہریلے نوکیلے کانٹوں کا صحرا اُگ آیا ہے لالہ ہر پل ہر لمحہ میں فقط یہی سوچتی رہتی ہوں کہ بھلا کوئی باپ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ایسی سازش کر سکتا ہے اسے فریب دے سکتا ہے بتاؤ لالہ..... میں کیا کروں۔" بولتے ہوئے آخر میں مہرو نے لالہ رخ کے دونوں بازوؤں کو بری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا جب کہ بک دک سا بیٹھا بٹو انتہائی ناسمجھی کے عالم میں اپنا منہ پھاڑے ٹکر ٹکر ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اس وقت مہرو جیسے خود پر سے اپنا کنٹرول کھو چکی تھی۔ لالہ رخ نے اسے یوں بکھرا ہوا دیکھا تو جیسے تڑپ اٹھی۔

"مہرو میری جان پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔" جواباً مہرو لالہ رخ کے ہاتھ جو اس نے نرمی سے اس کے شانوں پر رکھے تھے زور سے جھٹکتے ہوئے بولی۔

"کیسے سنبھالوں لالہ میں خود کو تم..... تم مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو کہ آخر ابا کے اس بدلے رویے کی وجہ کیا ہے؟" بٹو انتہائی اچنبھے سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا بلآخر وہ بھی بول پڑا۔

"باجی لالہ..... یہ سب کیا چکر ہے باجی مہرو کس بات کو لے کر اتنی پریشان ہے اور..... اور کون سی بات آپ ان کو بتا نہیں رہیں۔ رب کا واسطہ باجی مجھے بھی تو کچھ بتاؤ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔" بٹو کی مداخلت پر دونوں نے ہی چونک کر اسے دیکھا پھر مہرو ایک ہی سانس میں بٹو کو سب کچھ بتاتی چلی گئی جب کہ انگشت بدنداں بٹو بے حد حیرت سے سب کچھ سنے گیا۔

"بٹو تم ہی لالہ سے پوچھو کہ آخر وہ ابا کے متعلق کیا جانتی ہے اور..... اور ابا کے ارادے کیا ہیں یہ مجھے کچھ بھی نہیں بتاتی۔" آخر جملہ مہرو انتہائی لاچاری سے بولی تو بٹو حیران پریشان سا اس کے قریب آکر بولا۔

"باجی آپ مہرو باجی کو سب کچھ بتا دو مجھے معلوم ہے وہ بہت بہادر ہیں بہت جرأت ہے ان میں میں جانتا ہوں باجی آپ صرف اس لیے نہیں بتا رہی ہو کہ مہرو باجی کو دکھ ہوگا مگر ہم دونوں ہیں نا مہرو باجی کے ساتھ آپ بتا دو ساری حقیقت۔" بٹو کی بات پر لالہ رخ کی آنکھوں میں آنسو آگئے کتنا درست کہا تھا بٹو نے بلکہ بالواسطہ وہ مہرو کو سچائی سننے اور قبول کرنے کی ہمت بھی دلا گیا تھا۔

"ہاں لالہ..... میں سچ سننے کی طاقت رکھتی ہوں تم پلیز مجھے اصل حقیقت بتاؤ۔" مہرو مضبوط لہجے میں بولی تو لالہ رخ نے بے بسی سے ایک نگاہ بٹو کو دیکھا پھر مہرو کو کچھ توقف کے بعد اس رات والا سارا واقعہ ان دونوں کے گوش گزار کر دیا جس رات گیسٹ ہاؤس سے واپس آتے ہوئے اس نے مومن جان کو کسی کے ساتھ باتیں کرتے سن لیا تھا لالہ رخ

تھک کر خاموش ہوئی...... جب کہ بڈو دم سادھے انکشاف کی زد میں بیٹھا تھا اور مہرو...... اسے تو اس پل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کے سر سے آسمان کھینچ کر اسے خلا میں معلق کر دیا ہو بہت دیر وہ تینوں بے پناہ خاموشی سے یونہی بیٹھے رہے تھے۔

❁......❁......❁
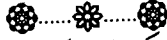
ماریہ نے انتہائی مشکل سے گھر کے قریب بنی بیکری سے جا کر فراز شاہ کو فون کیا اور اس کے منہ سے ہاں سن کر وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی مگر اب اسے جلد ہی آگے کا لائحہ عمل طے کرنا تھا اس نے مختصراً فراز سے کہا تھا کہ وہ جلد ہی اس سے دوبارہ رابطہ کرے گی جس پر اس نے محض "اوکے" کہا تھا۔ اب اس کا دماغ مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کس طرح جا کر فراز سے ملاقات کرے اور کیسے پیپر میرج کے لیے اس کے ہمراہ جائے کیونکہ اسے یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ میک اور سرپال نے یقیناً اسے اپنی نگاہوں میں رکھا ہوگا اس دن بھی وہ بڑی مشکلوں سے فراز شاہ سے ملنے گئی تھی اور کہیں میک سے چوک ہوگئی تھی اپنے تئیں جیسکا کو ماریہ کے پیچھے لگا کر وہ کسی دوسرے کام میں الجھ گیا تھا ورنہ وہ ماریہ کی جاسوسی خود ہی کر رہا تھا اس دن ماریہ کی فراز شاہ سے ملنے کی بات اس کے علم میں نہیں آسکی تھی جب کہ اس کے مال جانے کی بابت وہ جانتا تھا وہ خود نامحسوس طریقے سے اس کے پیچھے گیا تھا مگر پھر اسے مال میں داخل ہو کر ایک بک شاپ میں جاتا دیکھ کر وہ مطمئن ہو کر اپنے کسی دوسرے کام سے نکل گیا تھا دونوں مرتبہ ہی خوش قسمتی نے ماریہ کا ساتھ دیا تھا میک کو یہ معلوم تھا کہ آج ماریہ اپنے گھر کی قریبی بنی بیکری میں گئی ہے واپسی میں اسے ایک شاپر میں کچھ سامان بھی لاتے دیکھا تھا اور پل پل کی خبر میک کو اس طرح معلوم ہو رہی تھی کہ میک نے ماریہ کے اپارٹمنٹ کے بالکل سامنے والا اپارٹمنٹ کچھ ٹائم کے لیے رینٹ پر لے لیا تھا۔

"او میرے اللہ میں کیا کروں کس طرح سے فراز شاہ سے ملاقات کروں۔ اپنا پاسپورٹ اس کے حوالے کروں کس سے مدد مانگوں میں۔" سوچتے سوچتے جب اس کا ذہن بالکل تھک گیا تو وہ انتہائی بے بسی سے خود سے بولی پھر ذہن میں ایک اسپارک ہوا تو مارے خوشی کے وہ اچھل پڑی۔

"جیسکا ہاں...... جیسکا ہی میری ہیلپ کر سکتی ہے میں اسے سب بتا کر پاسپورٹ اس کے حوالے کر دیتی ہوں تاکہ وہ فراز شاہ کو دے سکے۔" ماریہ خود سے بولی۔

❁......❁......❁
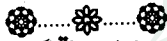
جیسکا اس دن کی لڑائی کے بعد سے مستقل اسے فون کر رہی تھی مگر ابرام اس کی کسی بھی کال اور میسج کا جواب نہیں دے رہا تھا ایک بار پھر لڑائی کرنے کے بعد جیسکا نے ناکام ہو کر اپنا فون تقریباً پٹخ دیا تھا۔

"ہونہہ ابرام آخر تمہیں خود پر کس بات کا غرور ہے تم مجھ جیسی لڑکی کو اگنور کر رہے ہو جس کی قربت کی چاہت نجانے کتنے ہی لڑکوں کے دل میں ہے مگر تم......" وہ خود سے بولتے ہوئے یک لخت سختی سے اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر رہ گئی پھر سر جھٹک کر دوبارہ ابرام کا نمبر ملانے لگی اس دفعہ نجانے کیسے وہ فون پک کر گیا تھا۔

"ہیلو ابرام جیسکا ہیئر......" جیسکا بے حد ایکسائٹڈ ہو کر بولی جب کہ دوسری جانب ابرام نے بے حد سپاٹ انداز میں کہا۔

"جانتا ہوں بولو مجھے فون کیوں کر رہی ہو۔" اس پل اسے ابرام کے طرز تخاطب پر بے پناہ طیش آیا تھا مگر پھر وہ خود پر قابو پا گئی ویسے ہی اس کی جذباتیت اور غصے کی وجہ سے بات اتنی زیادہ بگڑ گئی تھی۔

"وہ...... وہ دراصل ابرام میں تم سے معافی مانگنا چاہ رہی تھی اس دن جو کچھ ہوا وہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نجانے مجھے

کیا ہوگیا تھا تم سے اس طرح بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی تو ابرام ہنوز انداز میں گویا ہوا۔
"او کے میں نے تمہیں معاف کیا اور کچھ کہنا ہے تمہیں۔" ابرام کے جواب پر جیسکا اپنا سامنہ لے کر رہ گئی پھر کچھ دیر بعد روٹھے انداز میں بولی۔
"میں جانتی ہوں ابرام تم مجھ سے ابھی بھی ناراض ہو۔"
"میں واقعی تم سے ناراض نہیں ہوں جیسکا۔" ابرام اس پل قدرے بے نیازی سے بولا تو جیسکا فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔
"تو اس کا مطلب ہے کہ ہماری دوستی پھر سے ہوگئی اب تو تم میرا فون ریسیو کرو گے ناں؟" جیسکا کی بات پر ابرام نے ایک ہنکارا بھرا پھر بے حد سنجیدگی سے کہنے لگا۔
"نہیں جیسکا' اب ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ پھر سے قائم نہیں ہوسکے گا بہتر یہی ہے کہ تم مجھے بھول کر آگے بڑھ جاؤ۔" اس وقت جیسکا کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بڑی بے دردی سے مسل ڈالا ہو' بے اختیار ایک کراہ اس کے لبوں سے برآمد ہوئی۔
"ابرام کیا واقعی تمہیں میری ذرا سی بھی پروا نہیں ہے آئی لو یو الاٹ ابرام...... اور تم اتنی آسانی سے مجھ سے کہہ رہے ہو کہ تمہیں بھول جاؤں آخر تم اتنے کٹھور کیوں ہو' کیوں میری فیلنگز کو نہیں سمجھتے۔" وہ چیخ کر بولی تو چند ثانیے کے لیے ابرام خاموش رہا پھر ہنوز سنجیدگی سے بولا۔
"تم مجھ جیسے پتھر سے سر پھوڑ کر خود کو ہی اذیت دے رہی ہو اب بھی وقت ہے ہوش میں آجاؤ جیسکا۔" پھر دوسرے ہی لمحے وہ رابطہ منقطع کرگیا جب کہ جیسکا فون تھامے سن سی بیٹھی رہ گئی۔

❁......❁......❁

کامیش عموماً آفس کے لیے جلدی نکل جاتا تھا مگر آج اسے کسی کام کے حوالے سے کہیں جانا تھا لہٰذا وہ صبح دس بجے تک تیار ہوکر ناشتے کی میز پر آیا تو سمیر شاہ کو وہاں موجود پایا۔
"گڈ مارننگ ڈیڈ......" وہ خوش گواری سے بولا تو اخبار بینی کرتے سمیر شاہ نے بھی جواباً "گڈ مارننگ" کہا پھر اسے نارمل ڈریسنگ میں دیکھ کر استفسار کرتے ہوئے گویا ہوئے۔
"کیوں بیٹا آج آپ ڈیوٹی پر نہیں جارہے کیا؟" کامیش جو کرسی کھسکا کر بیٹھ چکا تھا' ٹی پاٹ سے چائے اپنے کپ میں انڈیلتے ہوئے گویا ہوا۔
"ویل ڈیڈ آفس کے کام سے ہی کہیں جارہا ہوں۔" سمیر شاہ نے کامیش کو مسکراتی نگاہ سے دیکھا پھر سہولت سے گویا ہوئے۔
"چلیے آج آپ سے ناشتے کی ٹیبل پر ملاقات تو ہوگئی۔" یہ سن کر کامیش یک دم شرمندہ ہوگیا۔ وہ دن اور رات اپنے کام میں اتنا مصروف رہتا تھا کہ اپنے باپ کے پاس بیٹھ کر فرصت سے بات چیت کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا تھا۔
"آئی ایم سو سوری ڈیڈ' میں آپ اور مام کو بالکل ٹائم نہیں دیتا۔" سمیر شاہ اس کے لہجے میں ندامت و شرمندگی محسوس کرتے دھیرے سے ہنس دیئے پھر نرمی سے گویا ہوئے۔
"بیٹا آپ ہم دونوں کو ٹائم نہیں دے پارہے اس کی شکایت ہمیں نہیں ہے مگر آپ خود کو تو کچھ ٹائم دیجیے۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اپنے کام سے عشق ہے مگر ہر وقت کام کرنا بھی مناسب تو نہیں۔" سمیر شاہ کی بات پر کامیش نے سر جھکالیا' واقعی وہ اپنی ذات کے لیے کہاں وقت نکالتا تھا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈیڈ' ان فیکٹ مجھے اپنے پرانے دوستوں سے ملے ہوئے بھی کافی عرصہ ہوگیا۔'' کامیش کو اس وقت اچانک اپنے دیرینہ دوست یاد آ گئے جن سے وہ چاہ کر بھی اپنی مصروفیات کی وجہ سے رابطہ نہیں کر پایا تھا۔

''کامیش بیٹا ہر انسان کے لیے تھوڑی بہت سوشل لائف بھی ضروری ہوتی ہے۔'' سمیر شاہ بولے پھر ادھر اُدھر کی کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد اصل موضوع کی جانب آتے ہوئے گویا ہوئے۔

''کامیش مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' کامیش جو ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا اور اب ریلیکس انداز میں سمیر شاہ سے گفتگو میں محو تھا انہیں دیکھ کر سعادت مندی سے بولا۔

''کیا بات کرنی تھی ڈیڈ؟'' ساحرہ آج جلدی آفس چلی گئی تھی کیوں کہ ان کی این جی او کا ناشتا آج کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا' باہر سے آئے وفد کو وہ لوگ یونہی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہی لنچ اور ڈنر کرواتے تھے لہٰذا آج سمیر شاہ کو اپنی بات کامیش سے کہنے کا موقع مل گیا تھا۔

''بیٹا آپ نے سونیا کے متعلق کیا سوچا؟'' سمیر شاہ گلا کھنکھارتے ہوئے گویا ہوئے تو یک دم کامیش کا چہرہ بالکل سنجیدہ ہوگیا جسے سمیر شاہ نے بغور دیکھا تھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ یہ موضوع آپ کو کچھ خاص پسند نہیں ہے مگر بیٹا میں چاہتا ہوں کہ اب جب کہ آپ نے سونیا کے ساتھ نہ رہنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو آپ اسے طلاق دے دیجیے۔'' کامیش خاموشی سے سنتا رہا' سمیر شاہ دوبارہ گویا ہوئے۔

''سونیا نے نہ آپ کو خوش رکھا اور نہ ہی وہ آپ کے ساتھ اس گھر میں خوش رہی اور جبکہ یہ گھر بھی وہ خود ہی چھوڑ کر گئی ہے تو پھر آپ اسے پوری طرح آزاد کیوں نہیں کر دیتے۔'' سمیر شاہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کامیش سونیا کو طلاق دے دے انہیں ہر لمحہ اس بات کا خدشہ لگا رہتا تھا کہ سونیا کہیں دوبارہ ان کے بیٹوں کی زندگیوں کو جہنم بنانے کے لیے چلی نہ آئے۔ کامیش جو کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا کچھ دیر بعد گویا ہوا۔

''اوکے ڈیڈ..... آج کل میرا سارا دھیان ایک کیس کی جانب ہے یہ جیسے ہی ختم ہوتا ہے میں پھر یہ کام کرتا ہوں۔'' سمیر شاہ نے کامیش کی بات پر مطمئن ہو کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁.......❁.......❁

لالہ رخ نے بے حد پریشان ہو کر فراز شاہ کو فون کر ڈالا تھا اور ساری سچوئشن اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ فراز تمام بات سن کر کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا فراز کہ میں کیا کروں۔ مہرو کو میں تمام حقیقت بتا چکی ہوں مجھے معلوم ہے کہ وہ بظاہر تو مضبوط بنی ہوئی ہے مگر اس انکشاف نے اسے اندر سے بری طرح توڑ دیا ہے۔ مومن پھوپا اس کے باپ ہیں اور کوئی بھی اولاد یہ ہرگز نہیں سوچ سکتی کہ اس کا باپ دولت کے لالچ میں اس حد تک گر جائے گا۔'' لالہ رخ دکھ واذیت کی کیفیت میں گھری بولتی چلی گئی جبکہ فراز خاموشی سے سنتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ بولی۔

''اگر میں یہ بات اماں اور مامی کے علم میں لاتی ہوں تو وہ دونوں سوائے پریشان ہونے اور کر بھی کیا سکتی ہیں ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ مامی یہ سب کچھ جان کر غصے اور اشتعال میں مومن پھوپا پر ٹوٹ پڑیں اور پھوپا فی الفور کوئی اور خطرناک قدم ہی نہ اٹھالیں۔'' لالہ رخ جب خاموش ہوئی تو فراز ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا پھر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''یہ سچوئشن تو واقعی بہت گمبھیر ہے میرے خیال میں لالہ رخ تمہیں مامی کو سب کچھ بتا دینا چاہیے تم انہیں سمجھانا کہ وہ دل سے نہیں بلکہ ہوش سے کام لیں' ہوسکتا ہے کہ وہ مہرو کو کہیں بھیج دیں تا کہ وہاں اس کی حرمت اور جان محفوظ رہے۔''

انتہائی سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں یہی حل آیا تھا۔

"مگر فراز ماما کے تو سب رشتہ دار یہیں مری میں ہیں وہ بھلا کس کے پاس مہرو کو بھیجیں گی۔"

"ہوسکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ان کی جان پہچان کا ہو اگر میں پاکستان میں ہوتا تو خود ہی کچھ کرتا مگر یہاں بیٹھ کر میں کچھ بھی کرنے سے قاصر ہوں کیوں کہ مجھے کسی پر بھروسہ نہیں ہے اور پھر میں کسی اور کو انوالو بھی نہیں کرنا چاہتا کیوں کہ یہ معاملہ ایک جوان لڑکی کا ہے۔" فراز شاہ اپنی مجبوری بتاتے ہوئے بولا تو لالہ رخ سہولت سے گویا ہوئی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں فراز۔" پھر وہ بات کو سمیٹتے ہوئے ہنسنے لگی۔

"ٹھیک ہے فراز میں آج ہی ماما کو سب کچھ بتا دیتی ہوں دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

"تم پریشان مت ہو لالہ رخ ان شاء اللہ اس مسئلے سے بھی نکل جاؤ گی میں دعا گو ہوں اوکے۔" فراز کی بات پر لالہ رخ دھیرے سے مسکرا دی۔

❁.......❁.......❁

سونیا اعظم خان جب سے پکنک سے لوٹی تھی تب سے رامیہ کی باتیں اس کے دل و دماغ میں گردش کر رہی تھیں وہ اس پل بہت الجھن کا شکار تھی اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔

"کیا رامیہ ٹھیک کہہ رہی تھی کامیش ایک مکمل مرد تو ہے مگر......" چلتے چلتے وہ اچانک اپنے کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر خود سے باآواز بلند ہو کر بولی۔

"مگر وہ تو آئرن مین ہے، مشین ہے اس کی اندر جذبات و احساسات نام کی کوئی چیز نہیں۔"

"سونیا تم نے بھی تو کبھی کوشش نہیں کی کامیش شاہ کے دل میں اپنی محبت جگانے کی بلکہ الٹا تم تو اسے ہر وقت زچ کرنے کی کوشش کرتی تھی عورت تو اس جادو کا نام ہے جو چٹانوں میں بھی جذبات و احساسات بھر دے اور کامیش تو بے چارہ ایک گوشت پوست کا انسان ہے اگر تم کوشش کرتی تو بھلا وہ تمہاری اداؤں اور حسن سے نظریں چرا سکتا تھا تم تھوڑا سا بھی اس کی جانب پیش قدمی کرتیں تو وہ موم کی طرح پگھل کر تمہارے قدموں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈھیر ہو جاتا۔" کوئی اس کے اندر سے بولتا چلا گیا جب کہ سونیا کے اندر اضطراب و بے قراری بڑھتی چلی گئی وہ اپنے ہاتھوں کی دونوں انگلیوں کو آپس میں پھنساتے ہوئے بولی۔

"تمہیں معلوم نہیں ہے کامیش بے انتہا بورنگ اور ان رومینٹک انسان ہے۔"

"ہوں چلو تمہاری یہ بات بھی مان لیتے ہیں کہ کامیش ایک بور اور ان رومینٹک انسان ہے مگر تم، کیا تمہیں خود پر بھروسہ نہیں تھا؟ اپنے حسن اور اداؤں کو بھلا کس دن کام میں لاؤ گی سونیا...... تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ کامیش لاکھ بے حس سہی مگر ہے تو ایک مرد ناں۔ ارے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط اور اٹل ارادے رکھنے والے مردوں کو ہم نے عورت کی زلفوں کا اسیر ہوتے دیکھا ہے پھر یہ کامیش شاہ کس کھیت کی مولی ہے اور مقابل اگر سونیا خان جیسی بھرپور عورت ہو تو اس سے دامن چھڑانا ناممکن ہے۔" اس کے اندر کی آواز ایک بار پھر ابھری تھی، سونیا تھک کر اپنے بستر پر ڈھے گئی اور پھر زیر لب بڑبڑا کر بولی۔

"اور فراز۔"

"ارے دفع کرو فراز شاہ کو کامیش سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے جب وہ تمہارا نہیں ہے تو وہ کچھ بھی نہیں ہے اور جو تمہارا ہے وہی سب سے قیمتی ہے۔" اس وقت اپنے اندر کی آوازوں سے وہ لاجواب ہو گئی تھی۔
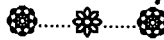
ماریہ فراز سے رابطہ کرنے کے بے حد جتن کررہی تھی مگر اب تک اسے موقع نہیں ملا تھا۔

"اف میرے اللہ میں کیا کروں فراز شاہ میرے فون کا انتظار کررہے ہوں گے۔ کہیں وہ مجھ سے بدگمان ہوکر کہیں غائب نہ ہوجائیں کیا کروں میں کس طرح فون کروں۔" بولتے ہوئے وہ اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج کی کھڑکی میں آ کر بیکری کو دیکھنے لگی جو دو دن سے بند تھی۔

"نجانے یہ بیکری کیوں بند ہے اس کو بھی ابھی ہی بند ہونا تھا۔" وہ خود سے بے پناہ جھنجھلا کر بولی وہ اپنے آپ میں الجھی ہوئی تھی کہ اسی پل اس کے گھر کا فون بج اٹھا ماریہ نے بڑی بے زاری سے ٹیلی فون سیٹ کی جانب دیکھا پھر اسے نظرانداز کرکے ایک بار پھر باہر دیکھنے لگی مگر تواتر سے ہوتی بیل پر وہ بے حد چڑ کر فون سیٹ کی طرف آئی اور ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔

"لگتا ہے میری فیانسی کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" فون اٹھاتے ہی میک کی مکروہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی ماریہ کا دماغ چکرا سا گیا۔

"اب اس کی کمی رہ گئی تھی۔" ماریہ دل ہی دل میں کلس کر بولی پھر اس کی جانب متوجہ ہوکر بولی۔

"میک مجھے کچھ کام ہے تم ذرا جلدی بتادو کہ فون کیوں کیا ہے۔"

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا بس اتنا بتانا ہے کہ آج شام کو سرپال جیکولین آنٹی سے بات کرنے والے ہیں۔" وہ پراسرار لہجے میں بولا تو ماریہ ایک پل کو الجھ کر رہ گئی۔

"کون سی بات کرنے والے ہیں میک؟"

"یہی کہ ان کی پیاری سی فرماں بردار اور سعادت مند بیٹی ماریہ ایڈم نے پورے ہوش وحواس میں مذہب اسلام قبول کرلیا ہے۔"

"کیا....." ماریہ دہشت کے مارے اچھل ہی پڑی۔ "کک..... کیا مطلب میک تم مجھ سے مذاق کررہے ہوناں۔"

وہ تقریباً ہکلا کر بولی۔

"میں بھلا تم سے مذاق کیوں کرنے لگا' میرے خیال میں اب جیکولین آنٹی کو بھی پتا چل جانا چاہیے کہ ان کی بیٹی کتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہی ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ بے پناہ سخت ہوگیا' ماریہ کا تو جیسے خون ہی خشک ہوگیا تھا۔

"میک پلیز میں ریکوئسٹ کرتی ہوں کہ تم لوگ مام کو کچھ مت بتاؤ جو غلطی میں نے نادانی میں کی تھی اسے تو میں کب کا سدھار چکی ہوں' چھوڑ چکی ہوں وہ مذہب...... اپنے مذہب میں واپس آچکی ہوں میں۔" ماریہ اپنے لہجے میں بے چارگی اور بے بسی بھرتے ہوئے بولی وگرنہ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ میک کا گلا دبا دے' اس کا منہ نوچ لے۔

"اگر تم وہ مذہب چھوڑ چکی ہو تو پھر مجھ سے شادی کرنے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟" میک اپنے مخصوص انداز میں بولا تو ماریہ چند ثانیے کے لیے خاموش رہی پھر نرمی سے بولی۔

"میک میں فی الحال کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی میں پڑھنا چاہتی ہوں' اپنا کیریئر بنانا چاہتی ہوں۔ میں شادی کے جھنجٹ میں خود کو پھنسا کر اپنے خوابوں کو توڑنا نہیں چاہتی۔"

"تم شادی کے بعد بھی پڑھ لکھ کر اپنا کیریئر بنا سکتی ہو ماریہ۔" میک بڑے سکون سے بولا جب کہ ماریہ نے بڑی مشکلوں سے اپنے اندر سے مڈتی اشتعال کی لہر کو بمشکل دبایا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے میک میں......"

"اوکے ہنی' جیسے تمہاری مرضی۔" میک تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولا اور دوسرے ہی لمحے لائن بھی منقطع کردی جب کہ ماریہ یونہی ریسیور تھامے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

❁......❁......❁
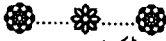
"ہوں ابرام' تم خود کو سمجھتے کیا ہو یوں بار بار مجھے ٹھکرا کر تم میری ذات کی توہین کر رہے ہو اتنی آسانی سے تو میں ہار ماننے والی ہرگز نہیں ہوں' میں بھی دیکھتی ہوں کہ کس طرح تم مجھ سے اپنی جان چھڑاتے ہو تم نے جیسکا کی انا اور نسوانیت کو اپنے پیروں تلے روندا ہے...... میں تمہیں اب انتقاماً ہی سہی مگر حاصل کر کے رہوں گی۔ میں بھی دیکھتی ہوں کہ اب تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔" وہ بے تحاشا تلملا کر خود سے بولتی چلی گئی ابھی وہ اس بارے میں مزید کچھ سوچتی کہ اسی دم اس کا سیل فون بج اٹھا جیسکا نے انتہائی بے زاری سے اپنے سیل فون کی اسکرین پر نگاہ ڈالی تو ماریہ ہوم جگمگاتا دیکھ کر اس کی تمام حسیات یک دم الرٹ ہوگئیں اس نے ایک بھی لمحہ ضائع کیے بنا فون پک کیا۔

"ہیلو ماریہ......" جیسکا تیزی سے بولی جب کہ دوسری جانب ماریہ مسکراتی آواز میں بولی۔

"ہیلو جیسکا...... کیسی ہو تم۔" جیسکا خود پر کنٹرول کر کے خوش اخلاقی سے بولی۔

"آئی ایم فائن ڈیئر۔" ماریہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اپنے لہجے کو سرسری بنا کر بولی۔

"جیسکا کیا تم اس وقت میرے گھر آسکتی ہو' مجھے تم سے کچھ ضروری کام ہے وہ کچھ نوٹس میرے پاس مسنگ ہیں تم پلیز شیکسپیئر کے ڈراموں کے حوالے سے جو لیکچرز ہیں وہ لے آؤ۔" جیسکا اس وقت ماریہ کی بات کو بخوبی سمجھ گئی تھی جیسکا اور ماریہ دونوں کے علم میں یہ بات تھی کہ ماریہ کے گھر کا فون انڈر آبزرویشن ہے لہٰذا ماریہ نے بہانے سے ایسی بات کی ہے وگرنہ شیکسپیئر کے ڈراموں کے حوالے سے جو لیکچرز ہوئے تھے اسے ماریہ نے بہت اچھی طرح نوٹ کیا تھا اور یہ بات جیسکا اچھی طرح جانتی تھی۔

"اوہ تو اس کا مطلب ہے میرا کام بس ہونے ہی والا ہے۔" جیسکا دل ہی دل میں انتہائی مسرت آمیز لہجے میں بولی

پھر فوراً سے پیشتر گویا ہوئی۔

"اوکے ماریہ میں نوٹس لے کرابھی آتی ہوں۔" پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ماریہ کے روبرو تھی۔

"او تھینک گاڈ جیسکا تم آ گئیں، میں اس وقت بہت پریشان تھی۔" ماریہ حقیقی معنوں میں اس وقت بے حد ڈسٹرب نظر آ رہی تھی جیسکا نے انتہائی محبت بھرے انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر استفسار کیا۔

"سب خیریت تو ہے ناں ماریہ؟"

"نہیں جیسکا بالکل بھی خیریت نہیں ہے وہ...... وہ میک کا فون آیا تھا وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ سر پال مام کو سب کچھ بتا دیں گے۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنے سر کو گراتے ہوئے لاچاری سے بولی تو جیسکا شاندار ایکٹنگ کرتے ہوئے بے حد متفکرانہ انداز میں بولی۔

"رئیلی اوہ ماریہ...... اب کیا ہوگا اگر جیکولین آنٹی کو یہ معلوم ہوگیا کہ اب تم مسلم ہو تو نجانے وہ کس طرح ری ایکٹ کریں گی۔"

"تم ان باتوں کو چھوڑو جیسکا فی الحال مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ عجلت بھرے لہجے میں بولی تو جیسکا نے اسے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"کون سی ضروری بات کرنی ہے ماریہ بولو میں سن رہی ہوں۔" اس پل نجانے کیوں جیسکا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جیسکا...... تم وعدہ کرو میری مدد کرو گی ناں۔" وہ لجاجت بھرے لہجے میں بولی تو جیسکا پُرجوش انداز میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"آف کورس ماریہ میں بھلا کیوں نہیں تمہاری مدد کروں گی تم بتاؤ تو سہی بات کیا ہے۔" جیسکا کی بات پر ماریہ قدرے مطمئن سی ہوئی پھر یک دم اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں لاؤنج میں نہیں تم میرے کمرے میں چلو پھر میں تمہیں بتاتی ہوں۔" پھر وہ دونوں کمرے میں آ گئیں ماریہ اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مضمحل سی ہو کر بولی۔

"جیسکا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی کے راستے میرے لیے یوں پُرخار اور کٹھن ہو جائیں گے۔" جیسکا اپنے چہرے پر افسردگی طاری کر کے اسے بڑے ہمدردی سے دیکھنے لگی جب کہ اندر سے کوئی اس کے اندر قہقہے لگا رہا تھا۔

"اب میں دیکھتی ہوں مسٹر ابرام...... آپ مجھ سے کیسے بچ سکتے ہیں تمہیں میرے آگے خود کو سرنگوں کرنا ہی ہوگا اب میں تمہیں حاصل کرلوں گی ابرام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" وہ بے پناہ شاطرانہ انداز میں اندر ہی اندر مسکراتی خود سے بولتی چلی گئی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

عید کا لطف مزید دوبالا ہونے والا تھا کیونکہ اس عید پر کرن آپی کی آمد متوقع تھی۔ سب بیاہی بہنیں پُرجوش سی تھیں۔ پانچ بہنوں کا جھرمٹ اور اکلوتا بھائی جو دور پردیس والدین سمیت آباد تھا۔ کرن آپی سب سے بڑی تھیں' وہ امریکہ بیاہ کر کیا گئیں سالوں بعد لوٹ رہی تھیں۔ اس کے بعد ارم آپی تھیں۔ پھر عائزہ' فائزہ اور آسیہ تھیں۔

ارم سے چھوٹے بھائی ہادی باہر مقیم تھے' کرن آپی تنہائی کا دکھ سالوں سے دور پردیس میں کاٹ رہی تھیں۔ اتنے سالوں بعد اپنوں سے ملنے کی خوشی ان کو کافی دن پہلے ہی بے تاب کیے ہوئے تھی۔ سب کے لیے شاپنگ اور تحائف خرید کر ہی مسرور ہو رہی تھیں۔ کرن تو صاحب حیثیت تھی ہی اس کے بعد ارم بھی خوب صورت بنگلے میں مقیم زندگی کی تمام آسائشوں سے مستفید تھی۔ لاہور کے پوش علاقے میں ان کی رہائش تھی۔ پھر عائزہ تھی۔ جو دوسرے شہر بیاہی تھی اور پھر فائزہ جو اپنے گھریلو تنازعات اور الجھنوں کے علاوہ مالی طور پر بھی پریشان حال رہا کرتی تھی۔ اس کی معاشی پریشانی عروج پر تھی۔ وہ بے حد فکر مند تھی کہ بہن سے ملنے خالی ہاتھ کیونکر جائے۔ جب دولت کا انبار ہو تو پھر اس کی قدر و قیمت نہیں رہا کرتی اور اگر انسان تہی داماں ہو تو پھر اس کے لیے ایک ایک روپیہ کی بھی بہت اہمیت ہوا کرتی ہے۔ فائزہ کی غربت کا تو یہ عالم تھا کہ وہ آنے جانے کے کرائے میں ہی اپنا ہاتھ تنگ پاتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ فائزہ نے خوش حالی دیکھی ہی نہ تھی' اس کا بھی تعلق ایک پوش خاندان سے تھا۔ اعلیٰ حسب نسب اور کماؤ پوت بھائی کی بدولت اس کے گھرانے میں دولت کی فراوانی تھی مگر ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے بعد بھی بیاہ کر ہر بہن کی تقدیر بدل جایا کرتی ہے جیسا کہ اس کی قسمت نے بھی پلٹا کھایا تھا اور وہ بہ ظاہر ایک متوسط گھرانے میں بیاہ کر چلی گئی تھی مگر اس کا دکھ یہ تھا کہ وہ گھریلو الجھنوں کا بھی شکار رہا کرتی تھی۔ احسن غصے کے تیز مزاج تھے اور فوراً ہی غصے میں خرافات بکنے لگتے تھے اور جو منہ میں آتا کہہ ڈالتے تھے۔ اگرچہ بعد میں جب ان کا غصہ کافور ہو جایا کرتا تھا تو وہ بالکل نارمل بھی ہو جاتے تھے۔ مگر اس وقت تک فائزہ اپنے دل کی کرچیاں ہی سمیٹتی رہ جاتی تھی۔ کہتے ہیں دل ٹوٹ جائے تو پھر اس کا جڑنا مشکل ہوتا ہے' ایسا ہی فائزہ کے ساتھ بھی معاملہ تھا' وہ بھی دل برداشتہ ہو جاتی تھی۔ سب سے چھوٹی آسیہ زبان کی تیز تھی۔ پھر تقدیر اسے ایک ایسے گھرانے میں لے گئی جو بہ ظاہر متوسط ہی تھا مگر اصل بات یہ نہ تھی' دولت کی ریل پیل تو تھی مگر اس دولت کو استعمال کرنے کا قرینہ نہ تھا۔

اس لیے ظاہری طور پر سب بہنوں میں برے حالوں میں فائزہ ہی جی رہی تھی۔ ان کی والدہ فہمیدہ بیگم اور افضل صاحب پریشان رہا کرتے تھے وہ اپنی بیٹی کی اس آزمائش زدہ زندگی سے پریشان ہو کر ہر لحظہ اس کے لیے دعا کیا کرتے تھے مگر دعا بھی تو وقت مقررہ پر ہی قبول ہوا کرتی ہے۔ فائزہ کے معاشی حالات کی بدولت اب اس کی قدر اپنی بہنوں میں بھی وہ نہ رہی تھی' ارم کے گھر ہر ہفتے ویک اینڈ پر آسیہ کا چکر لگا کرتا اور ارم پورے ذوق و شوق سے آسیہ کا انتظار کیا کرتی تھی اور اس کے لیے خوب اہتمام کیا کرتی تھی اور آسیہ بھی تو خالی ہاتھ نہ آیا کرتی تھی' مختلف تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ کبھی آسیہ بچوں کے لیے سوئیٹ لاتی تھی' کبھی آسیہ ارم کے بچوں کے لیے نت نئے ملبوسات لایا کرتی تھی۔ یوں آسیہ کو تو میکے کی صورت میں ارم آپی کا ایک ٹھکانہ میسر تھا مگر اصل درد تو فائزہ کی روح میں سرائیت کر گیا تھا۔ اس کا کوئی میکہ نہ رہا تھا۔ فہمیدہ بیگم اور افضل صاحب اکثر فائزہ کو کہا کرتے تھے۔

''بیٹی تم جایا کرو اپنی آپی کے گھر اور یوں دل بھی لگا رہے گا کوئی پریشانی یا کوئی ضرورت ہو تو بلا جھجک ارم سے کہہ دیا کرو' ہم بھی اس کے ذریعے تمہاری ہر قسم کی مدد کردیں گے۔'' وہ والدین تھے ان کا دل اپنی بیٹی کی تنہائی

اور دکھ پر کڑھتا تھا مگر وہ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتے تھے۔
فائزہ ایک خوددار لڑکی تھی اور پھر وہ جانتی تھی کہ دنیا کا دستور ہے کہ ایک ہاتھ دو اور ایک ہاتھ لو مگر وہ کسی کو کیا دے سکتی تھی' سوائے دعاؤں کے..... اس کے لبوں سے ہر لحظہ اپنوں کی سلامتی وعافیت کے لیے دعائیں ہی نکلا کرتی تھیں۔
فائزہ احسن کے سرد رویے کو بھی دل پر سہہ لیا کرتی تھی۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں۔ جبکہ اللہ رب العزت نے بہ ظاہر اس معاملے میں بھی اس کی کوئی آزمائش ہی رکھی تھی۔ کرن کے دو بیٹے تھے' ارم کے بھی دو بیٹے تھے پھر عائزہ کے ماشاء اللہ چار بیٹے تھے اور پھر آسیہ کا ایک بیٹا تھا مگر فائزہ تین بیٹیوں کی ماں تھی اور اس کا طعنہ غیر تو کیا ہی دیتے اس کی اپنی بہنیں ہر لحہ دیا کرتی تھیں کہ تم نے بیٹیاں پیدا کر کے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایک تو غربت اس پر بیٹیوں کی بہتات' وہ اٹھتے بیٹھتے بہنوں کا یہ طعنہ فون کالز پر سنا کرتی تھی' جب بھی خیریت دریافت کرنے کے لیے فون آتا یہی پہلا جملہ ہوتا۔
''اگر تمہارے بیٹے ہوتے تو تم کہیں جاتی بھی' چھوٹے بچے اور وہ بھی بیٹیاں' چہ چہ.....'' تاسف کا اظہار کیا جاتا تھا۔
وہ اپنی بہنوں کے طعنوں کو بخوبی سمجھتی تھی اور برداشت کرتی تھی۔ کبھی کبھی وہ بہت اداس ہو جایا کرتی تھی۔ سب لوگ باہر سیر وتفریح' شاپنگ یا یوں ہی اپنے عزیزوں سے ملنے یا میکے کا چکر لگاتے تھے اس کو یہ سب سرے سے میسر ہی نہ تھا۔ سیر وتفریح اور شاپنگ کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ عزیز دوسرے شہر میں تھے اور جو خونی رشتے اس شہر میں تھے وہ ملنے نہیں آتے تھے۔ اب کی مرتبہ جب اس نے بہت چاؤ سے اپنی آپی ارم سے کہا کہ اس کا دل بے حد اداس ہے اور وہ اپنوں سے ملنے کی خواہاں ہے تو اس کی آپی نے کہا تھا۔
''تمہارے گھر تو آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اتنا گندا بوسیدہ سا گھر ہے' بساندسی آتی ہے اور پھر میرے بچے کہاں اس ماحول کے عادی ہیں۔ میرا تو اپنا دم گھٹنے لگتا ہے اور پھر تمہارا گھر دور بھی تو بہت ہے' اتنی دور کیسے آیا جائے بھلا۔ کہیں قریب گھر ہوتا تو میں آتے جاتے ہی تمہاری مدد کر دیتی۔'' ارم نے دوٹوک انداز میں بنا لگی لپٹی رکھے صاف انکار کر دیا تھا۔ اس کے انکار سے وہ لحہ بھر کے لیے بالکل خاموش ہوگئی تھی۔
فائزہ کا دل چاہتا تھا وہ پوچھے کہ کیا عائزہ اور ارم کا گھر بالکل پاس پاس ہے' جبکہ عائزہ کا گھر بھی اتنا ہی دور تھا جتنا کہ فائزہ کا تھا مگر یہ اصل مسئلہ نہ تھا' مسئلہ تو دلوں کی دوری کا تھا۔ جب دلوں میں ہی اتنی دوری تھی' فاصلے تھے تو یہ بہ ظاہر فاصلے کیا معنی رکھتے تھے۔ عائزہ کا گھر بھی دور اور آسیہ کا گھر بھی دور تھا مگر ارم دوسرے شہر کا چکر لگا آیا کرتی تھی' اپنی گاڑی پر یوں بھی عائزہ اس کی سب سے چہیتی بہن تھی پھر عائزہ کے بیٹوں سے ارم کے بچوں کی خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ مگر فائزہ کی تو بیٹیاں تھیں جن سے کسی کو کوئی محبت اور انسیت نہ تھی اور پھر ایک ہی شہر میں ہو کر بھی ارم کا سالوں فائزہ کی طرف چکر نہ لگتا تھا' جبکہ آسیہ بھی

بھاگ بھاگ کر ارم کی طرف جایا کرتی تھی اور خود آسیہ کی جانب ارم بھی گاڑی میں جب دل چاہتا چکر لگا آیا کرتی تھی' ان دونوں کو فائزہ کی نہ تو طلب تھی نہ ہی ضرورت۔ فائزہ کے پاس تھا ہی کیا ان دونوں کو دینے کے لیے' دعاؤں کی تو ان کو ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اللہ کا دیا سب کچھ تو تھا ان سب کے پاس' کچھ عرصہ ہوا کرن آپی نے فائزہ سے علیک سلیک بڑھالی تھی۔ بہ ظاہر ایسا لگتا تھا کہ کرن کو اللہ کے خوف نے اس تعلق پر آمادہ کیا ہے مگر دلوں کے حال تو فقط اللہ ہی جانتا تھا مگر اصل کہانی یہ نہ تھی' ارم ایک سوشل لائف گزار رہی تھی' اس کی مصروفیت بے انتہا تھی' اس کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ گھنٹوں کرن کی تنہائی کی داستان سنے اور یہی عالم آسیہ کا بھی تھا' آسیہ تو اپنے شوہر کے ساتھ سامان کی پیکنگ کا بھی کام کروایا کرتی تھی' اس کے پاس بھی اتنی فراغت نہ تھی کہ کرن سے بات چیت کر کے اس کا دل بہلایا کرے۔ فائزہ کے حالات ایسے نہ تھے کہ وہ مہنگا فون استعمال کرسکتی مگر یہ اس کے بھائی کی ہی عنایت تھی جب وہ چند سال پہلے پاکستان آیا تو اس کو ایک مہنگا فون خرید کر تحفتاً دے گیا تھا تاکہ وہ جب چاہے بیرون ملک مقیم اپنوں سے بات کرلیا کرے اور وہ گھر گرہستی کے سارے کام انجام دیتی تھی اور کرن آپی جو اپنی تنہائی کو دور کرنے کی خواہاں تھی۔ چند دنوں سے فائزہ سے بھی بات کرنے لگی تھیں۔ فائزہ اصل حقیقت سے بے خبر خوش تھی کہ اس کی آپی کو اس کی ذات سے اس قدر دلچسپی ہے پھر وہ جب بھی فون کیا کرتی تھی فائزہ گھر کے سارے کام ساتھ کے ساتھ نمٹاتی جاتی تھی' جھاڑو دے رہی ہے اور بہن سے فون پر بات کرتی رہتی' برتنوں کا ڈھیر دھل رہا ہے فون کان کے ساتھ لگا ہے اور دوسری جانب کی ساری روداد سن رہی ہے اور تو اور اگر سبزی کاٹی جارہی ہے تو بھی کان سے فون لگا ہوا ہوتا' اتنے سارے دن بات کے بعد اس کے دل میں کرن آپی سے خاص انسیت ہو چلی تھی۔ جبکہ یہ بھی ایک سچ تھا کہ اس کی اور کرن آپی کی عمروں میں واضح تفاوت تھا' کرن آپی کی جلد ہی شادی ہوگئی تھی اور وہ ابھی چھوٹی ہی تھی زیر تعلیم تھی' اس لیے وہ اپنی آپی سے دلی طور پر اتنا زیادہ قریب نہ ہوسکی تھی۔

کچھ فائزہ کی عادت بھی تھی اپنے ہی خیالات میں کھوئی رہتی تھی۔ مست ملنگ سی تھی مگر وقت انسان کا سب سے بڑا استاد ہوتا ہے' شادی کے بعد فائزہ نے اتنے دکھ اٹھائے تھے کہ وہ چہروں کو بھی پڑھنے لگی تھی۔

کسی کے لبوں تک آنے والی داستان وہ آنکھوں میں رقم ہوتے ہی پڑھ لیا کرتی تھی۔ اس نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا' اب آپی سے بات چیت ہوئی تو اس نے بھی اپنی روزمرہ کی فکروں کو آپی سے بانٹنا شروع کردیا تھا' اس کا دل بھی ہلکا ہو جاتا تھا۔ احسن نے آج ذلت آمیز رویہ اپنایا' آج احسن نے یہ کہا' آج احسن نے اس طرح کا سلوک روا رکھا' الغرض اس نے ایک گھر کی چھت کے نیچے احسن کو ہی دیکھنا ہوتا تھا' تو اس کی ہر بات کا ذکر احسن کے نام سے شروع اور احسن کے نام پر ہی ختم ہو جایا کرتا تھا مگر کرن شاید دلوں کی بات کو کسی کا راز جان کر امانت سمجھنے والی نہ تھی اور فائزہ کے گھر کی ہر بات اب گھومنے لگی تھی۔ بہنوں میں گردش کرتے کرتے بات اس کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ فائزہ محتاط ہو چکی تھی اور کچھ دنوں سے وہ کرن آپی کے فون کو نظرانداز کرنے لگی تھی مگر وہ جھوٹ بھی تو روانی سے نہیں بول سکتی تھی وہ صاف دل کی تھی اور اس سے دل کی بات دل میں رکھی ہی نہ جاسکتی تھی۔ وہ من وعن دل کی ہر بات بلاجھجک کہہ جاتی تھی اور ایسا کرنے کا اس نے بہت نقصان بھی اٹھایا تھا' مگر وہ کیا کرتی کہ اس کی یہ عادت راسخ ہو چکی تھی۔ اب جب سے اس نے سنا تھا کہ کرن آپی آرہی ہیں وہ بہت خوش تھی اور ارم نے اسے صاف کہہ دیا تھا۔

''اب تمہارے گندے گھر میں آکر کرن تو رہنے سے رہی' اس لیے وہ میری طرف رہے گی' باقی آسیہ کی طرف بھی چند دنوں کے لیے رہنے جائے گی اور عائزہ کی طرف تو ہم سب گاڑی میں جائیں گے۔ تم خود ہی ملنے آجانا پیر والے دن کیونکہ ہفتے کو تم سے دو دن پہلے ہی عائزہ آرہی

ہے تمہاری ملاقات عائزہ سے بھی ہوجائے گی۔'' ارم نے خود ہی سارا پروگرام ترتیب دے ڈالا تھا یہ پوچھنے کی تو زحمت ہی نہ کی تھی کہ فائزہ کی ان دنوں میں کوئی اپنی مصروفیت تو نہیں ہے مگر فائزہ کی بھلا کیا مصروفیت ہوسکتی تھی۔ ایک دو کمروں کے ڈربے نما گھر میں رہنے والی فائزہ پر تو یہی احسان عظیم تھا کہ وہ اسے اپنے بنگلے میں بلا رہی تھی اور اس پر احسان عظیم کررہی تھی' فائزہ نے ڈرتے ہوئے بڑی متانت سے احسن سے اجازت چاہی تھی' کوئی اچھا وقت ہی تھا کہ احسن نے بخوشی اس کو جانے کی اجازت دے دی تھی نہ صرف یہ بلکہ اس نے بچوں کو دو دو جوڑے بھی بنوا دیے تھے اور ساتھ میں آنے جانے کا کرایہ رکھتے ہوئے کچھ اضافی رقم بھی اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

''تم ہفتہ بھر تو رہو گی ہی اتنے سالوں بعد جارہی ہو' آرام سے رہنا بچے بھی کتنے خوش ہیں۔'' فائزہ نے نم نگاہوں سے احسن کو دیکھا۔ احسن غصے کے تیز تھے مگر ان کی سب سے بڑی خوبی وہ محبت تھی جو دل کے نہاں خانوں میں کہیں نہ کہیں فائزہ کے لیے دبی ہوئی تھی۔ وقت کی دھول میں گم ہوئی محبت کبھی نہ کبھی اپنا آپ آشکار کر ہی دیا کرتی تھی پھر احسن نے کبھی بیٹی ہونے کا سوگ نہ منایا تھا' اسے کبھی کوئی طعنہ نہ دیا تھا' غربت کے باوجود بھی اسے بیٹی کے ہونے کی بہت خوشی ہوا کرتی تھی۔ وہ چاہت سے بیٹیوں کو گود میں کھلایا کرتا اور احسن کی انہی خوبیوں کی بدولت فائزہ تنگی وترشی کے باوجود اس کے ساتھ صبر سے گزارا کررہی تھی۔ عید میں دس دن باقی تھے اور اس کا ارادہ تھا کہ وہ عید سے پہلے ہی گھر لوٹ آئے گی۔

صبح اس نے جانا تھا اور وہ ساری رات اتنی خوش تھی کہ سو ہی نہ سکی پھر صبح سویرے اس نے بچیوں کو نئے کپڑے پہنائے اور ان کو چاہت سے تیار کیا تھا۔ ان کو تیار کرنے کے بعد وہ کتنی دیر اپنی شہزادیوں کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتی رہی تھی۔ جس وقت وہ ارم آپی کے وسیع وعریض بنگلے میں پہنچی تب اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب تھی۔ اپنوں سے ملنے کی ترنگ تھی' بچیاں اتنی وسیع وعریض کوٹھی دیکھ کر حیران تھیں۔ دبکی ہوئی تھیں' ارم نے سلام کے جواب کے بعد ہی بنا پانی کا پوچھے بولنا شروع کردیا تھا۔

''یہ سب نہیں چلے گا' دو سال پہلے بھی یہ حفصہ یونہی دبکی بیٹھی رہی تھی یہ گھلتی ملتی ہی نہیں ہے' یوں کونے میں دبک کر بیٹھ جاتی ہے' بولتی ہی نہیں' کتنے سہمے ہوئے اعتماد سے عاری بچے ہیں۔ یہ سب تمہارا قصور ہے فائزہ تم گھر سے نکلا کرو' گھوما پھرا کرو' پارک لے جایا کرو' میری طرف آیا کرو' آسیہ کے گھر جایا کرو' تمہارے بچے تو منہ بند کیے چپ کا روزہ رکھے بیٹھے ہیں۔'' ارم نے بے نقط سنائی تھیں۔ حفصہ دس سال کی تھی اتنی بھی بچی نہ تھی کہ یہ سارے فرمودات سمجھ ہی نہ پاتی۔ وہ اپنی خالہ کی غصیلی نگاہوں کو دیکھ کر مزید سہم سی گئی تھی' اچانک ارم نے حفصہ کا بازو زور سے کھینچا۔

''بولو گی کہ نہیں...... اگر نہ بولی تو میں تمہیں گھر واپس بھیج دوں گی ابھی۔'' ارم کی بات پر حفصہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھرگئی تھیں۔ دکھ تو خود فائزہ کے دل کو بھی کچوکے لگا رہا تھا مگر وہ لبوں پر قفل لگائے ہوئے تھی۔ تبھی کرن آپی نے درمیان میں ٹوکا۔

''رہنے دو ارم خود ہی ٹھیک ہوجائے گی بار بار اسے نہ کہو۔'' کرن جو بغور فائزہ اور حفصہ بھانجی کے تاثرات ملاحظہ کررہی تھی درمیان میں بول اٹھی۔ اتنی دیر میں شوخ وشنگ طبیعت کی حامل عائزہ آگئی۔

''ارے بھئی بچے آئے ہیں واہ بھئی۔'' بچے عائزہ کو دیکھ کر قدرے پرسکون ہوگئے تھے۔

کیونکہ بچے جانتے نہ تھے کہ ہر میٹھی زبان کے پیچھے چاشنی نہیں ہوا کرتی' کچھ زبانیں زہر اگلتی ہیں اور دل بھی ان کے زہر آلود ہوا کرتے ہیں۔ مگر کچھ زبانیں مٹھاس سے لبریز ہونے کے باوجود بھی دلوں میں بغض وحسد' کینہ کے انبار لیے ہوتے ہیں۔ ایسا ہی فرق ارم اور عائزہ میں بھی تھا۔ عائزہ کو سیاست کرنی آتی تھی جبکہ ارم کو بظاہر مصلحت کی چادر اوڑھنے اور خوش اخلاقی جھاڑنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ خیر باتوں کا رخ اب فائزہ کی جانب مڑگیا

تھا۔

"کیسا رنگ خراب ہورہا ہے کوئی پروڈکٹ کیوں استعمال نہیں کرتی؟" یہ کرن آپی تھیں۔ جو اس کے تمام حالات سے بخوبی واقف تھیں اور جن کو معلوم تھا کہ بسا اوقات اس کے گھر صرف سبزی کے لیے ہی رقم ہوا کرتی ہے۔ وہ محض بظاہر خوش دلی سے مسکراتی سنتی رہی۔ ہر بات لائق جواب نہیں ہوا کرتی' بعض باتوں کو درگزر کرکے آگے قدم بڑھانے پڑتے ہیں۔

"آؤ میں کھانے سے قبل تمہیں تحائف دکھادوں جو میں تمہارے لیے لائی ہوں۔" کرن نے احسان عظیم کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اٹیچی میں سے میک اپ کا سامان نکالنے لگی۔ فائزہ نے لپ اسٹک کھول کر دیکھی استعمال شدہ تھی' صرف لپ اسٹک ہی نہیں میک اپ کٹ اتنی بوسیدہ ہورہی تھی۔ شاید ایکسپائر ہوچکی تھی۔ فائزہ کا قصور صرف اتنا سا تھا کہ وہ غریب تھی اس لیے اس نے ان استعمال شدہ چیزوں کو بھی ہنس کر قبول کرلیا تھا۔ اسے نفرتوں کو بھی وصولنا پڑا اور احسان کو بھی گلے کا طوق بنانا پڑا تھا پھر کرن نے اسے کھسے (جوتے) دکھائے جو استعمال شدہ ہی تھے اور پھر ہینڈ بیگ جو زیر استعمال رہ چکا تھا مگر آفرین تھی فائزہ پر جو ضبط کے مراحل طے کرتی چلی رہی تھی۔

"ارے چھوڑو باقی سامان بعد میں دکھادینا کھانا پک گیا ہے آجاؤ سب۔" ارم نے خانساماں کی اطلاع پر سب کو کھانے کے لیے مدعو کیا ابھی کرن نے اسے نجانے کیا کچھ دکھانا تھا مگر ارم کے کہنے پر جھٹ ساری چیزیں واپس رکھنے لگی تھی۔

"میری سینڈل تھیں اتنی ساری' کہاں تک استعمال کروں تم رکھ لینا میں تو جاکر اور بھی خرید سکتی ہوں۔" کرن نے اٹیچی بند کرتے ہوئے کہا۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا پھر سب بہنیں ارم کے بیڈروم میں جمع ہوگئی تھیں۔ اے سی کی خنکی نے ماحول کو خوشگوار تاثر دے رکھا تھا ورنہ آج شدید گرمی تھی۔

"یہ دیکھو یہ سب مجھے کرن نے دیا ہے۔" ارم نے نیو برانڈ چیزیں نکال کر ترتیب سے سامنے رکھنا شروع کردی تھیں۔ ایک لپ اسٹک جو بالکل نیو تھی اس کا شیڈ فائزہ نے دلچسپی سے دیکھا۔

"ارے...... ارے چھونا مت شاید میں آگے کسی اور کو تحفتاً دے دوں۔" ارم نے فوراً مداخلت کی اور فائزہ جو اس کو ذرا سا ٹچ کرکے چیک کرنے کی تمنائی تھی' دل مسوس کر رہ گئی۔ اسے اچانک دل پر گہرا بوجھ محسوس ہوا۔ اسے تمام پرانی اور استعمال شدہ اشیاء محض غریب ہونے کی بنا پر دی گئی تھیں' مگر ارم کا تو ایک اسٹیٹس تھا اور اس کو بالکل نئی نکور چیزیں دی گئی تھیں۔

"ویسے تم کو اس قصے کا معلوم ہے۔" کرن نے اچانک ہی ارم اور عائزہ سے سوال کیا تو سب ہمہ تن گوش ہوگئیں۔

"کون سے قصے کی بات کررہی ہو؟" ساری بہنیں آپس میں بے تکلف تھیں اور اس وقت تو بہت ہی فرینک ہوکر بیٹھی تھیں۔

ماضی کے بچپن کے قصے دوبارہ دہرائے جانے لگے تھے۔ وہ بھی بیٹھی تھی اس کی گڑیا ریں ریں کررہی تھی' شاید اب اس کو بھوک ستارہی تھی اس نے اٹھ کر سریلیک بنا کردیا۔ اریہ مست ہوکر کھانے لگی تھی۔ اریہ سب سے چھوٹی اور گول مٹول سی بچی تھی۔ جو ابھی محض آٹھ ماہ کی تھی اور خاصی خوب صورت تھی۔

"ارے کتنا اور کھلاؤ گی بچی کو۔ پہلے ہی اتنی موٹی ہو رہی ہے۔" ارم نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"دیکھو تو کیسے ٹوٹ گئی ہے کھانے پرندیدوں کی طرح' میرے بچے تو اتنے سلجھے ہوئے طریقے سے کھاتے ہیں۔" ارم نے مزید گل فشانی کی۔

"ہاں اور پھر بچی کو اتنا کھلانے کی ضرورت ہی کیا ہے بیٹا ہوتا تو اس کو کھلاتی پلاتی کوئی فائدہ بھی حاصل ہوتا۔" کرن نے بیٹی ذات کو ترحم کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

فائزہ دل میں اپنی بہنوں کی چھوٹی سوچ پر گہرا ملال لیے مہر بہ لب رہی۔ اس نے کوئی بحث نہ کی۔

”کیا ملا تم کو تین تین بچیاں پیدا کر کے ہر مرتبہ بیٹے کی آس رکھے کر بیٹی ہی گود میں آئی۔ اب مزید گل نہ کھلا دینا۔ ویسے تو تم لوگوں کا کھانا بمشکل پورا ہوتا ہے اور اولاد کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور پھر چلو بیٹا ہوتو کوئی بات بھی۔ یکے بعد دیگرے بیٹیوں نے تو تمہاری رہی سہی عزت بھی خاک میں ملا دی۔ اس لیے تو احسن ہر وقت غصے میں رہتا ہے تمہاری عزت نہیں کرتا۔ تمہیں ذلیل کرتا ہے۔ یہ سوغات تم نے احسن کو دی ہے، ہمیں دیکھو مال ودولت ہے، سکون ہے اور پھر اولاد نرینہ بھی اور کیا چاہیے؟“ کرن نے آرام سے کہا جبکہ ارم بھی بڑی بہن کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔

”ویسے برا مت منانا لگتا ہے تمہارے گناہ بہت ہیں جو تم آج تک ان حالوں میں ہو کوئی نیکی کی ہوتی تو ہماری طرح پرآسائش زندگی بسر کر رہی ہوتی۔“ ارم نے بھی اس کا سراسر مذاق اڑایا۔ فائزہ کا اس محفل میں دم گھٹنے لگا تھا۔ کیا یہ اس کی سگی بہنیں تھیں ان کا اپنا خون؟ اس نے تاسف سے سوچا۔ دل کڑھ رہا تھا۔ وہ چھوٹی اریبہ کو سلانے کا بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ یہاں بھی اس کے ساتھ ڈنڈی ماری گئی تھی۔

اسے گھر کا سب سے معمولی سا کمرہ دیا گیا تھا۔ جہاں نہ تو اے سی کی خنکی تھی اور نہ ہی بہت سی مراعات تھیں۔ محض پنکھا تھا جو اس کے اپنے گھر میں بھی تو تھا۔ اس نے اپنے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو بہنے دیا۔ ان آنسوؤں کو جوں ہی رستہ ملا وہ ایک تواتر سے بہنے لگے تھے۔ اس نے دل گیر ہو کر سوچا کہ یہ بھید بھاؤ اس سے نہیں اس کی غربت سے روا رکھا جا رہا تھا۔ دوسرے کمرے میں بہنوں کے قہقہے گونج رہے تھے اور وہ اداس تھی۔

☆......☆......☆

”یہ میری ایک قمیص ہے اس پر داغ لگ گیا ہے اب داغ دار کپڑے تو میں پہننے سے رہی تم ایسا کرو یہ تم رکھ لو۔“

کرن نے فائزہ کو صبح سویرے ایک پرعلاؤ پھولوں والا سوٹ دیتے ہوئے کہا۔
"واہ آپی آپ کتنی نیک اور دین دار ہو۔ صلہ رحمی کرتی ہو۔" ارم نے توصیفی انداز میں کہا تو کرن نے اپنی گردن مزید اکڑا لی تھی۔
"بس یہ توفیق الٰہی ہوا کرتی ہے ناں۔" کرن نے دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اس وقت ارم بھی پرانی بیڈ شیٹ اٹھا لائی تھی۔
"لو فائزہ جاتے وقت تم یہ ساری بیڈ شیٹ لے جانا یوں بھی میں نے کل ارشد کے ساتھ جانا ہے عید کی شاپنگ کے لیے۔ میں اب ان ایک جیسے رنگوں والی بیڈ شیٹ سے اکتا سی گئی ہوں۔ یکسانیت ہو جاتی ہے ایک ہی شے دیکھ کر۔ میں اب نئی بیڈ شیٹ لوں گی۔" ارم نے تین مختلف بیڈ شیٹ اسے تھما دیں۔
"آپی میں بھی آپ سے بیڈ شیٹ لے کر جاؤں گی۔" عائزہ نے منہ پھلایا۔
"ارے پگلی تجھے یہ پرانی بوسیدہ بیڈ شیٹ تھوڑی دوں گی' تم میرے ساتھ کل بازار چلنا' نئی نکور لے کر دوں گی۔" ارم نے لجاجت سے کہا لگاوٹ سے عائزہ کو اپنے گلے لگا لیا اور ان سب میں فائزہ محض پس منظر کا ایک حصہ بن کر رہ گئی تھی۔
کیا یہ ہے صلہ رحمی؟ اور پھر کہاں کہا گیا کہ پرانی اشیا دو' جبکہ حکم تو یہ ہے کہ وہ شے دو جو تمہیں خود اپنے لیے پسند ہو۔ اس نے محض سوچا اور کہا پھر بھی کچھ نہ تھا۔

☆......☆......☆

"آپی میں اس دفعہ دو بکرے قربان کروں گی۔" ارم نے خوش دلی سے اطلاع دی۔
"ارے واہ ماشاء اللہ۔" کرن اور ارم اس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ عائزہ رات کو نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے سو رہی تھی۔ جبکہ فائزہ اریبہ کو تھپک کر سلا رہی تھی۔ اریبہ سو گئی تھی تو وہ اسے لٹا کر باہر نکلی اور ارم کے منہ سے اپنا نام سن کر ٹھٹک کر رک گئی۔
"تم اس مرتبہ کوئی صدقہ دو گی ہر مرتبہ کی طرح؟" کرن نے استفہامیہ انداز میں کریدا۔
"جی نیت تو ہے۔" ارم نے جواب دیا۔
"اچھی بات ہے۔" کرن نے کہا۔
"کرن آپی آپ اپنے صدقات فائزہ کو دے دو۔ نیکی کی نیکی ہو جائے گی اور صلہ رحمی بھی اور پھر سب کی نگاہوں میں آپ کا مرتبہ مزید بلند ہو جائے گا۔" ارم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
"ارے یہ تو بڑا اچھا خیال ہے' سچ اپنے سفر کو بخیریت گزارنے کی نیت سے میں نے رقم سوچی تھی کہ مستحقین میں دوں گی اور پھر یہ اپنی فائزہ سے بڑھ کر مستحق کون ہوگا؟" کرن نے بھی اس کے خیال کو سراہا اور فائزہ کو لگ رہا تھا کہ اس کا قطرہ قطرہ لہو خشک ہو رہا ہے اگر وہ دیوار کو تھام نہ لیتی تو یقیناً زمین بوس ہو جاتی۔
"تو بہنوں کے دل میں یہ اس کا مقام ہے۔"
"اچھا سنو میری نند نے آنا ہے کل' اب اس فائزہ کو تو رخصت کرو' آ کر ٹک ہی گئی ہے یہاں۔" کرن نے نخوت سے کہا۔ اس کی نند کا ایک اعلیٰ اسٹیٹس تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ فائزہ پر کسی کی نگاہ پڑے اور ان کی وقعت کم ہو جائے۔
"فکر ناٹ دیکھتی جائیں میں تو بلاتی بھی ہوں تو دو دن سے زیادہ نہیں رکھتی اسے اور پھر ضرورت ہی کیا ہے گندے بوسیدہ کپڑے پہنے' ارے میرے بچوں کے کپڑے دیکھے ہیں' اعلیٰ بوتیک سے جا کر تو لیتی ہوں۔ میں تو سوتے وقت بھی ہزاروں کے ملبوسات پہنتی ہوں اور اس کے اتنے گھٹیا اور سستے سے کپڑے دیکھ کر گھن آتی ہے اور کیسے بے شرموں کی طرح اترا کر بتا رہی تھی کہ احسن نے بچوں کو نئے کپڑے بنوا کر دیئے ہیں۔ لو بھلا یہ کپڑے تو میری کام والی ماسی بھی نہ لے۔" ارم نے ہنستے ہوئے سراسر اس کا مذاق اڑایا تھا' فائزہ کا دل کرچی کرچی ہو گیا تھا۔ اس نے خاموشی سے واپس پلٹ کر سارے کپڑے بیگ میں سمیٹے

اور وہ بیگ سمیٹ کر باہر لاؤنج میں آ گئی۔
"سنو میں نے تمہیں عیدی دینی ہے۔" کرن نے بات کا آغاز کیا اور کن انکھیوں سے ارم کو دیکھا۔
"جی مگر مجھے اس سب کی اب ضرورت نہیں ہے اور ارم آپی مجھے رکشہ کروادیں، میں نے آج ابھی واپس گھر جانا ہے احسن کا فون آیا ہے۔" اس نے سیدھے سبھاؤ اپنا مدعا بیان کیا۔
"ارے ایسے اچانک؟" ارم حیران رہ گئی ابھی تو اس نے الفاظ کا چناؤ دل میں کیا ہی تھا کہ کیسے اسے بہانہ بنا کر بھیجے مگر وہ تو خود ہی جانے کو تیار تھی۔
"ہاں بس یونہی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ پھر وہ واقعی رکی نہیں گھر آ کر ہی دم لیا۔
غم اور خوشی ایک تسلسل کے ساتھ زندگی میں آتے ہیں یکے بعد دیگرے..... جیسے اس کی زندگی نے ایک دم سے پلٹا کھایا تھا۔ وہ غموں کی رہ گزر پر چلتی گھر آ کر بے تحاشا روئی تھی۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ حفصہ اس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے بھیا کو فون ملایا اور ساری صورت حال بتائی۔ وہ تسلی سے اس کی ساری بات سن کر بولے۔
"فائزہ جو جس ظرف کا مالک ہوتا ہے وہ ویسا ہی سلوک کرتا ہے اور تم بار بار کس غربت کی بات کرتی ہو، تم غریب نہیں ہو تم تو تین تین بچوں کی ماں ہو، تم تو دنیا کی امیر ترین عورت ہو، غربت کیا ہوتی ہے یہ میرے دل سے پوچھو جب میں کسی پارٹی میں جاتا ہوں، مسجد جاتا ہوں، دوستوں کے کھلکھلاتے بچے دیکھتا ہوں ضدیں کرتے ریں ریں کرتے پیارے بچے میرا دل کڑھتا ہے غریب تو میں ہوں میرے دل سے اس غربت کا دکھ پوچھو اور ہاں احسن نے کب سے ویزا کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا، تمہارا اور اس کا ویزا لگ گیا ہے، عید کے فوراً بعد یہاں آ جاؤ ہم مل کر دوبارہ عید منائیں گے اور آج کے بعد میں تمہاری آنکھ میں آنسو نہ دیکھوں۔" بھائی کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھی، اس کے آنسو تھم گئے تھے مگر چند آنسوؤں کی لڑیاں ابھی بھی بہہ رہی تھیں۔ اس عید پر اسے کتنی بڑی خوشی کی خبر ملی تھی۔ شام کو احسن مسکراتے ہوئے لوٹے۔
"جانتی ہو فائزہ میری کمیٹی نکل آئی ہے جو برسوں سے ڈالی تھی۔ اس بقرعید پر ہم بھی قربانی کریں گے۔" احسن نے جوش سے کہا اور اس کی آنکھیں خوشی سے بھرا گئی تھیں۔
"سچ پاپا۔" حفصہ خوش ہوئی۔ "وہاں ارم خالہ کہہ رہی تھیں کہ ہم تو غریب لوگ ہیں ہماری اوقات نہیں قربانی کی۔" حفصہ کی بات پر فائزہ کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔
"آپ جاؤ جا کر کھیلو۔" فائزہ نے حفصہ کو اس منظر سے ہٹایا۔
"میں نے طے کر لیا ہے کہ آج کے بعد سب میرے لیے مر گئے اور میں سب کے لیے۔" فائزہ نے پختہ لہجے میں کہا تو احسن دھیما سا مسکرا دیئے۔
"ایسا نہیں کہتے، اللہ پاک نے ہمیں صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، اگر وہ اپنے سلوک سے خود کو ارزاں کر رہے ہیں تو تم تو نہ کرو اور تم بدلہ نہ لو..... اللہ کے حوالے کر دو سارے حساب..... اور ہم سب کو تو اللہ کا حکم ماننا ہے۔ اس رب نے ہمیں ہر حال میں صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، اس عید پر سب بہنوں کو گھر مدعو کرو اور شکر ادا کرو کہ اللہ نے ہمیں قربانی کی توفیق دی۔ تکبر کے بول رب کو پسند نہیں ہیں۔" احسن کے کہنے پر اس کا دل لرز اٹھا تھا، واقعی یہ تو اس کی دعاؤں کے طفیل ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ابھی تو بہت ساری خوشیاں آنی تھیں اور شاید دولت کے آ جانے سے کچھ عزیزوں کے رویے بھی لچکدار ہو جانے تھے، مگر اسے اپنا سلوک متوازن ہی رکھنا تھا، ہمیشہ کی طرح کیونکہ یہی تو حکم خداوندی ہے۔

❀

چلو کچھ دیر ہنستے ہیں

حنا اشرف

"کہاں سے آرہے ہو اس وقت؟" وہ جو چوری چھپے بچ نکلنے کی کوشش میں آہستگی سے قدم رکھتے غائب ہونے ہی والے تھے کہ اباجی کی عقابی نظروں کی گرفت میں آگئے جو آج خاص صرف انہی کی درگت بنانے وہاں تشریف فرما تھے‘ اباجی کی آواز سن کران کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"آج تو بس مارے گئے۔" حازم کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر باقی دونوں تک پہنچ چکی تھی۔ اباجی نے تینوں کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

وہ سنگل صوفہ پرٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھے ہوئے تھے تینوں آکران کے سامنے کھڑے ہوگئے گردنیں نیچے جھکائے ادب سے ایسے کھڑے تھے جیسے ان سا تمیزدار کوئی نہ ہو۔

اباجی نے ہاتھ میں پکڑی عینک سامنے ٹیبل پر رکھی اور ناقدرانہ نگاہوں سے باری باری تینوں کو بغور دیکھا۔

"یہ شریف لوگوں کا وطیرہ نہیں کہ دس بجے کے بعد گھر تشریف لائیں۔"

"اباجی آج پہلی بار لیٹ ہوئے ہیں پلیز آج معاف کردیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" بہت کچھ کہنے کی کوشش میں ناکامی کے بعد زیاد نے صرف یہی کہا۔ نظر ذرا سی اٹھائی اور اباجی کو دیکھا جو قہرآلود نگاہوں سے انہی کو گھور رہے تھے ان کے اس طرح دیکھنے پراس کی رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی تبھی وہ دوبارہ نظریں جھکا گیا مزید کسی تکرار کے لیے کوئی گل افشانی نہ کی۔

"برخوردار یہ آج سے نہیں بلکہ پچھلے ایک ہفتے سے تم لوگوں نے معمول بنایا ہوا ہے لازمی دس بجے کے بعد ہی گھر آنا ہے۔"

"اباجی یہ آگ دشمن نے لگائی ہے آپ تو نو بجے ہی سو جاتے ہیں۔" اب کی بار حازم تیزی سے بولا مگر پھر اس وقت کی پوزیشن کا احساس ہونے پر فوراً ہونٹوں پر انگلی رکھ لی‘ جبکہ زمیل ابھی تک چپ کا روزہ رکھے ہوئے تھا۔

"تمہاری عمر کے لڑکے دو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں اور تم لوگوں کا ابھی بچپنا ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔" وہ گرجے۔ یہ طعنہ تو زیاد کا دل ہی جلا گیا تھا۔

"زمیل سچ بتاؤ کہاں گئے تھے تم لوگ؟" ان کا رخ خاموش کھڑے زمیل کی طرف تھا دونوں نے جھٹ سے زمیل کو تنبیہی انداز میں گھورا۔

وہ دادی ماں کا لاڈلہ نواسا تھا تبھی اباجی اس سے اکثر نرمی برت جاتے تھے اور دوسرا زمیل ان دونوں کی نسبت کم جھوٹ بولتا تھا بقول حازم وہ کند ذہن تھا تبھی موقع محل کی مناسبت سے بات بنانا بھی نہ آتا تھا اسے۔

"و..... و..... وہ..... ابا..... جی..... ہم....." مرتا کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے بات شروع کرنے کی کوشش کی اس سے پہلے کہ وہ سچ اگل کر معافی طلب کرتا حازم فوراً بول اٹھا۔

"اباجی ہم فرینڈز کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کرنے گئے تھے۔" اسے بروقت بہانہ سوجھا تھا زیاد نے دل میں اسے خوب داد سے نوازا اور زمیل نے گہری سانس لی یہ بہانہ قدرے معقول تھا۔

"برخوردار میں نے تم سے نہیں زمیل سے پوچھا ہے۔" انہوں نے تیز آواز میں کہا تو اس بے رخی پر حازم کا دل جلا‘ منہ بناتے اس نے سر جھکا لیا۔

"حازم سچ کہہ رہا ہے ہم عمار کے ہاں اسٹڈی کرنے گئے تھے نوٹس بناتے‘ سوال حل کرتے وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا اور دس بج گئے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ابھی اس سے آپ کی بات کرادیتا ہوں۔"

"پلیز اباجی آج معاف کردیں آئندہ احتیاط کریں گے۔" وہ معصومیت سے دیکھتے ہوئے معافی طلب کرنے لگا۔

"خیر..... یقین تو مجھے اب بھی نہیں آرہا مگر صرف

آخری بار رعایت دے رہا ہوں آئندہ اگر ایسا ہوا تو گھر سے نکال دوں گا۔" اچھا خاصا لیکچر دینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تو شکر کے کلمات ادا کرتے وہ دھپ سے وہیں صوفے پر ڈھے گئے۔

"شکر آج بچت ہوگئی ورنہ اباجی تو الٹا لٹکانے سے بھی گریز نہ کرتے۔"

"یہ سب تمہاری کارستانی ہے زیادہ نہ تم اور عمار اتنی دیر سے موی دیکھنے کا پروگرام بناتے نہ ہی اباجی کی ڈانٹ کھانی پڑتی۔" زمیل خفا سا بولا تو زیاد ڈھیٹ پن سے ہنس دیا۔

"سب چھوڑو مجھے تو اباجی کی شادی والی بات سیدھا دل پر لگی ہے کس قدر طنز سے انہوں نے کہا ہماری عمر کے لڑکے دو دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں میرا دل تو کہہ رہا تھا کہہ ہی دوں ان سے ایک چھوڑ میں تو دو شادیاں کرنے کو بھی تیار ہوں، مگر یہ کمبخت پڑھائی مجھ سے نہیں ہوتی۔"

حازم نے کشن منہ پر رکھتے دہائی دی زمیل نے ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے کاندھے پر دے مارا۔

○❖......❖○

اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے وہ صبح دیر تک سوتے رہے طلعت پھوپو نے زبردستی ان تینوں کو جگایا۔

"اب اگر یہ نالائق کچن میں تشریف نہ لائے تو ناشتے کے ساتھ ساتھ دوپہر کے کھانے سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔" یہ اباجی کی آخری وارننگ تھی جو انہیں کسی صورت منظور نہ تھی بھی مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق نیند سے بوجھل آنکھیں لیے وہ کچن میں آ کر اپنی چیئرز سنبھال کر بیٹھ گئے۔

"پھوپو پلیز آپ سے کتنی بار کہا ہے یہ کچن کے کام نہ کیا کریں ایک تو آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی دوسرا سارا دن کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی ہیں آپ...... کچھ کام نکمے لوگوں کے ذمہ بھی لگا دیں جنہیں مفت کی روٹیاں توڑنے

کے علاوہ اور کوئی کام نہیں...... نہ کام کے نہ کاج کے بس دشمن اناج کے۔'' حازم نے طلعت پھوپی کو مخاطب کیا جو گرما گرم خستہ آملیٹ اب پلیٹ میں رکھ رہی تھیں کچن میں پھیلی خوش بو انتہائی دلفریب تھی تینوں کی نیند پل میں اُڑن چھو ہوئی اور بھوک چمکنے لگی تھی۔

تمنا جو ابھی کچن میں داخل ہوئی تھی حازم کی آخری بات سن کر سلگ کر رہ گئی دل میں خوب کوسنے لگی البتہ زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا کہ طلعت پھوپی کو لڑکیوں کا خوامخواہ میں بولنا' بحث کرنا اور لڑنا جھگڑنا سخت ناپسند تھا۔

''پھوپو آپ کو دادا ابا بلا رہے ہیں۔ یہ چھوڑیں میں تیار کر دیتی ہوں۔'' ناشتہ تیار کرنے کے بعد وہ چائے پکانے ہی لگی تھیں کہ تمنا نے ابا جی کا پیغام سنایا۔

''جان تمنا اپنے پیارے پیارے ہاتھوں سے مزے دار کڑک سی چائے پکا کر پلا دو۔'' حازم نے پراٹھے کا بڑا سا نوالہ توڑ کر منہ میں رکھ کر کن اکھیوں سے تمنا کو دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے حکم جاری کیا۔

''سنو میں تمہاری نوکرانی نہیں ہوں لہٰذا یہ حکم نامے مجھے نہ ہی دیا کرو تو بہتر ہے دوسرا کتنی بار بکواس کر چکی ہوں میرا نام تمنا ہے جان تمنا نہیں اب اگر تم نے ایسی ویسی کوئی بات کی تو منہ توڑ دوں گی تمہارا سمجھے۔'' کمر پر ہاتھ ٹکا کر وہ گرجی طلعت پھوپی کی غیر موجودگی کا خوب فائدہ اٹھایا گیا تھا۔

''الٰہی خیر...... صبح صبح جل ککڑی کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں آج تو یقیناً کسی کی خیر نہیں۔'' حازم کے ساتھ ہی باقی دونوں کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

تمنا کا تپا ہوا چہرہ دیکھ کر حازم کو دلی سکون محسوس ہوا' وہ ہمیشہ ایسا کرتا تھا اسے مل کر بے تحاشا تنگ کیا جاتا اسے رلا کر زیاد اور حازم اس کا خوب ریکارڈ لگاتے زمیل ان کے سامنے تو کوئی غداری نہ کر سکتا تھا البتہ کبھی کبھار ان کی غیر موجودگی میں تمنا سے سوری کر لیتا۔ ناشتے کے بعد اب وہ تمنا کے ہاتھ کی پکی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''سب چھوڑو' تم چائے بہت مزے کی پکاتی ہو چچی تمہارے سسرال والے بلکہ مراد گنجو تو ہر وقت چائے کی فرمائش کرے گا۔'' حازم کی طرف ایک آنکھ دبا کر دیکھتے زیاد کی شرارت کی رگ پھر پھڑک اٹھی۔

''میں دادا ابا سے تمہاری شکایت لگاؤں گی تم بہت بدتمیز ہوتے جا رہے ہو۔'' پیر پٹختی وہ کچن سے باہر نکل گئی' ان کے قہقہے کی گونج نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

○❖......❖○

حازم میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی آئی ہیٹ یو' تم لوگ ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے ہو اور اس مراد کے بچے کو تو زندہ نہیں چھوڑوں گی' وہ ہوتا کون ہے' میرے رشتے کے لیے چاچا منشی کو بھیجنے والا...... کچا چبا جاؤں گی سب کو۔''

''کیا ہوا ہے ابھی تو اچھی بھلی باہر گئی تھی۔'' بمشکل خود کو رونے سے روکتی وہ بستر پر بیٹھ گئی تو کمرے کی صفائی میں مصروف شہرینہ فوراً اس کے قریب آئی۔

''وہ تمہارا غنڈہ بھائی اور سڑیل زیاد کسی ہٹلر سے کم نہیں ہیں ان کے ہوتے ہوئے مجھے کبھی چین نہیں آ سکتا۔'' شہرینہ کو دیکھ کر اس کے آنسو چھلک پڑے۔

''پگلی وہ تو تم سے مذاق کرتے ہیں تم جو بات بات پر رونے لگتی ہو اور تمہارے چڑ جانے پر وہ شیر ہو جاتے ہیں دو بدو جواب دو بہادر بنو پھر دیکھنا۔''

''میں دادا ابا کے پاس جا رہی ہوں آج تو ان سب کی خیر نہیں۔'' وہ پھر سسکی۔

''کیا ہوگا پھر' تمہاری اس شکایت پر ابا جی ان کو دو چار باتیں سنائیں گے اور بدلے کے طور پر وہ لوگ پھر سے تمہیں تنگ کریں گے اس سے بہتر تو یہ کہ تم کوئی ایسا حربہ آزماؤ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' آنکھوں میں چمک لیے ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے زینی چہکی۔

''وہ کیسے......؟'' تمنا اس کے قریب ہوئی۔

''آؤ میں بتاتی ہوں تمہیں۔'' اور پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر زور سے ہنس دیں۔

آنکھوں میں نمی' چہرے پر مسکراہٹ وہ حسین سے

حسین تر لگ رہی تھی۔ شہزینہ نے بے ساختہ نظریں چرائیں مبادہ کہیں تمنا کو اس کی نظر ہی نہ لگ جائے اور پھر تینوں کی عدالت اباجی کے سامنے لگ گئی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہ سر جھکائے کھڑے تھے۔

یہ عزت افزائی پہلی بار تو نہیں ہو رہی تھی مگر جو بات انہیں پیچ وتاب کھانے پر مجبور کر رہی تھی وہ تمنا اور شہزینہ کی وہاں موجودگی تھی۔ حازم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنی بہن کم دشمن زیادہ شہزینہ اور اس ڈرامے باز تمنا کو کچا چبا ڈالے۔

''اس زینی کی بچی کو تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا جھوٹی' مکار' غدار' یہ صلہ دیا میری حق حلال کی کمائی کا جو اس پر خرچ کرتا رہا اور یہ تمنا اسے تو میں سگی بہن سمجھتا تھا مگر اس نے بھی لحاظ نہ کیا۔'' زمیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کا گلا دبا ڈالے اور یہی زیاد اور حازم کی دلی مراد بھی تھی زمیل کی بڑبڑاہٹ انہیں صاف سنائی دے رہی تھی۔

''یہ منہ ہی منہ میں کیا بکے جا رہے ہو زور سے بولو تاکہ تمہارے ارشادات ہم بھی تو سنیں۔'' اباجی نے اپنی وفادار چھڑی زور سے زمین پر ماری زیاد کی تو اوپر دیکھ کر آنکھیں ہی ابل پڑیں ایک لمحے کو تو اسے یہی لگا تھا کہ چھڑی ان تینوں میں سے کسی ایک کا درشن کرنے والی ہے مگر سکون کی سانس تب خارج ہوئی جب وہ زمین سے ٹکرائی بے ساختہ شکر کے کلمات اس کے منہ سے ادا ہوئے۔

''اباجی...... پلیز معاف کر دیں سچ میں یہ ہمارے کارنامے نہیں......'' نظر بچا کر اس نے ایک زہریلی نگاہ ان دونوں پر ڈالی' چہرے پر چھائی مسکینیت تو ٹپکنے ہی والی تھی۔

دوسری طرف ان دونوں کا بس نہ چل رہا تھا زور زور سے قہقہے لگائیں' ہنسی کے فوارے کو ضبط کر کے جس طرح بیٹھی تھیں یہ تو بس وہی جانتی تھیں تمنا کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا مگر ضبط کا دامن اس نے بھول کر بھی نہ چھوڑا دل میں تو جیسے ٹھنڈک سی پڑ گئی تھی۔

''ریئلی اباجی ہمیں بالکل بھی معلوم نہیں یہ موویز آخر

یہاں آ کیسے گئیں۔"

"آپ ہمیں جانتے ہیں ناں ہم ایسی بے ہودہ فلمیں اور ڈرامے بالکل نہیں دیکھتے۔"

"ہاں برخوردار ہم ہی تو آپ کے بارے میں اچھی طرح سے جانتے ہیں ہمارے ہی ہاتھوں پل بڑھ کر جوان ہوئے ہو تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ کون کس طرح سے اور کس راہ پر چل رہا ہے تم لوگوں کی ہر کارکردگی سے بخوبی واقف ہوں اور اب میں ان تمام بدتمیزیوں کو برداشت نہیں کرسکتا سو تم لوگوں کی اگلے ایک ہفتے کی پاکٹ منی بند کرنے کے ساتھ ساتھ میرا یہ حکم ہے تم لوگ میرے سامنے آ کر مجھ سے ہمکلام ہونے کی کوشش نہیں کرو گے اور نہ ہی اسٹڈی روم میں تشریف لے جاؤ گے۔" اباجی کے حکم نامے کو سن کر صحیح معنوں میں ان کے ہوش اڑ گئے تھے۔ سب سے پہلے حازم ہوش میں آیا۔

"اباجی پلیز ہم معصوموں پر کچھ رحم کریں اور اپنے اس حکم میں کچھ ترمیم کریں۔" وہ حواس باختہ سا ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔

"جی بالکل ہم معصوم آپ کے بغیر رہ سکتے ہیں مگر ہماری پاکٹ منی......" یہ زیاد تھا زبان تھی کہ اچانک پھسلی اپنے الفاظ کا ادراک تو اس کو تب ہوا جب زمیل نے بڑے زور سے کہنی اس کی پسلیوں میں ماری' اباجی سخت نظروں سے گھور کر وہاں سے تشریف لے گئے تھے۔ حازم نے سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر اباجی کی نشست سنبھال لی۔

"پڑ گئی دل میں ٹھنڈک' مل گیا سکون' دیکھنا اب کیسے تم دونوں کے کام کرتا ہوں اور یہ ہماری والدہ محترمہ کہاں ہیں' مجال ہے جو ذرا بھی ترس آتا ہو انہیں' لوگ یہاں جوان بیٹے کی بے عزتی کیے جاتے اور وہ چپ سادھے خاموشی سے سب دیکھتی رہتی ہیں میں نے تو سنا تھا اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے مگر یہاں تو لوگ دشمنوں کے ساتھ بھی وہ سلوک نہیں کرتے جو ہمارے ساتھ ہو رہا۔" زمیل تو جیسے رو دینے کو تھا۔

"مجھے بھی نہیں رہنا یہاں۔"

"ہماری ایک منٹ کی انجوائے منٹ بھی برداشت نہیں ہوتی لوگوں سے نہ ٹی وی' نہ کیبل' ایک لیپ ٹاپ رکھا بھی تو ہمارے کس کام کا وہ اس پر بھی اباجی اور ان کی چہیتوں کا قبضہ' ہم رات گئے تک باہر گھوم پھر نہیں سکتے اور سب سے اہم لانگ ڈرائیو کے مزے لوٹنے سے بھی رہے' گاڑی تو دور کی بات بائیک تک نہیں دی گئی' اس عمر میں لڑکوں کی کئی کئی گرل فرینڈز ہوتی ہیں اور ہم اس ڈر سے راہ چلتی لڑکی تک کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ کہیں اباجی کو خبر نہ ہو جائے۔" زمیل کے بعد اب زیاد بھی نان اسٹاپ اپنے دکھڑے سنانا شروع ہو چکا تھا۔

"میں آزادی کی زندگی جینا چاہتا ہوں نفرت ہے مجھے ایسی پابندیوں سے اور ایسے لوگوں سے بھی جو ہماری آزادی کے سامنے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں محترمہ شہرینہ اور عزت مآب تمنا صاحبہ تم دونوں کی جرأت کیسے ہوئی اباجی کو ہمارے کارنامے سنانے کی۔" اب حازم کی باری تھی خشمگیں نگاہوں سے گھورتا وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے آ ٹھہرا۔

"حازم بھیا سچ میں ہم نے اباجی کو نہیں بتایا۔" بڑے بھائی کی سنجیدگی دیکھ کر شہرینہ روہانسی ہوئی۔

"ہم تو یہاں اسٹڈی کے لیے آئے تھے دادا ابا آل ریڈی یہاں موجود تھے۔"

"میں تمہاری چال بازی سے واقف ہوں تمنا بی بی۔"

"اچھا فی الوقت سب چھوڑ و یہ بتاؤ موی کون سی تھی۔" تھوڑا سا آگے ہو کر حازم کی طرف جھک کر وہ راز داری سے بولی چہرے پہ چھائی سنجیدگی کے باوجود حازم کی ہنسی چھوٹ گئی شہرینہ نے اطمینان بھرا سانس لیا اور دھپ سے پیچھے بڑے صوفے پر ڈھے گئی۔

"کیسا رہا پلان ایسے لیتے ہیں بدلہ۔" ان کے جانے کے بعد جب تمنا اس کے ساتھ بیٹھی تو چمکتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ کر کہا اور پھر دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

لیپ ٹاپ میں مووینز کی فائل جو حازم لوگوں نے چھپا کر سیو کر رکھی تھی وہ فولڈر بائے چانس کل شہرینہ نے دیکھ

لیا تھا سو اس باران کی بازی انہی پر پلٹتے ہوئے اس نے بڑی دیدہ دلیری اور خاموشی سے وہ فائل ابا جی کے سامنے کردی تھی اور پھر اس بار انہوں نے اگلی پچھلی تمام کسر پوری کردی تھی۔

○❖......❖○

ابا جی کا تعلق زمیندار گھرانے سے تھا اور وہ اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ حب الوطنی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی' تبھی ان کی خواہش پر ان کے دو بیٹوں نے پاک فوج میں جانے کا فیصلہ کیا تھا گاؤں کے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے اور اپنے فیصلے انہی سے کراتے ہر چھوٹی بڑی بات میں ان کا مشورہ ضرور لیا جاتا۔ وہ انتہائی محنتی اور بلا کے ذہین شخص تھے ان کے والد صاحب نے انہیں شہر جاکر کاروبار کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر وہ اپنے گاؤں میں رہتے ہوئے وہاں کے رہنے والے لوگوں کی زندگی سنوارنا چاہتے تھے' وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے اس طور سے جیوں گا کہ لوگ مرنے کے بعد بھی مدتوں مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ گاؤں میں اس وقت کوئی اسکول نہ تھا تب انہوں نے ایک چھوٹے سے اسکول کی بنیاد رکھی تھی تب وہ خود بھی پڑھنے کے لیے شہر جاتے تھے بعدازاں ان کی محنت سے گاؤں میں پہلے پرائمری اور پھر ہائی اسکول کی ابتدا ہوگئی تھی۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ گاؤں کا بچہ بچہ پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے وہ اصول پرست ہونے کے ساتھ تھوڑے سخت مزاج بھی تھے' ان کی محنت' لگن اور جذبہ رنگ لایا تھا اور آج ان کا شمار کامیاب ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ گاؤں کے بہت سے جواں پاک آرمی جوائن کرچکے تھے ابا جی اب ریٹائر ہوچکے تھے۔

حازم کے والد محترم بوائز کالج کے پرنسپل تھے ان میں بھی وہی جوش وجذبہ تھا جو کہ ابا جی میں تھا۔ ابا جی کی دلی خواہش تھی کہ ان کے بچوں کی تمام اولاد بھی پڑھ لکھ کر اونچے عہدوں پر پہنچ جائے مگر ہوا اس کے برعکس۔ لڑکیاں تو سب ذہین تھیں لڑکوں میں صرف زیاد' زمیل اور حازم ہی تھے جو کبھی سنجیدہ نہ ہوئے انہیں لائف انجوائے کرنے کا شوق تھا جوانی کا دور تھا تبھی بڑوں کی سخت کسیلی باتیں انہیں ناگوار گزرتیں جن کا وہ برملا اظہار بھی کرتے۔

گاؤں میں ان کے بہت سارے دوست تھے تبھی پڑھائی کے علاوہ وہ دوسری ایکٹیویٹیز میں زیادہ مصروف رہتے سختی کے باوجود وہ چپکے سے گھر سے نکل جاتے ان پر پابندیوں کا بھی خاطر خواہ اثر نہ ہوتا تھا تبھی ابا جی نے فیصلہ کیا وہ اس وقت تک شہر والے گھر میں شفٹ ہوجائیں گے جب تک ان کی تعلیم مکمل نہیں ہوجاتی۔ بس جی پھر ہوا یہ کہ ابا جی اپنے ساتھ ان تین عدد معصوم بچوں کا سامان تیار کروا کر ان کی آہ وزاریاں خاطر میں نہ لاکر شہر والے گھر میں شفٹ ہوگئے۔

بعدازاں وہ شہرینہ اور تمنا کو بھی ساتھ لے آئے زمیل کے والد کا انتقال اس کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا تب ابا جی اپنی اکلوتی بیٹی طلعت کو اپنے گھر لے آئے تھے طلعت پھوپی سب بچوں کی فیورٹ تھیں سو شہر والے گھر میں جاتے ہوئے جب خاتون خانہ کو لے جانے کا مسئلہ درپیش آیا تو بچوں نے خود طلعت پھوپی کا نام لیا وہ تو سمجھے تھے ان کی نرم مزاج اور رحم دل پھوپی ان پر کبھی سخت وقت نہیں آنے دیں گی مگر اس بات کا اندازہ انہیں پہلے ہی ہفتے ہوگیا طلعت پھوپی نے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں' مجال ہے جو کبھی ابا جی کی ڈانٹ سے بچایا ہو یا ان کی ڈانٹ کے بعد کوئی مرہم یا پیار و تسلی بھرے دو لفظ کہے ہوں۔

زیاد اور زمیل بدظن ہوئے سو ہوئے مگر حازم نے دکھڑے سنا سنا کر انہیں بھی اپنے بس میں کرلیا' اب وہ بھی بغیر سوچے سمجھے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے' بے شک وہ پڑھائی میں ذہین نہ تھا مگر اس کا مقابلہ کرنا بھی کسی کے بس کا روگ نہ تھا جب وہ بولنے پر آتا تو بڑے بڑوں کو چپ کرا دیتا مگر ابا جی کے سامنے اس کی اپنی بولتی بند ہوجاتی اور اس کی واحد کمزوری کا فائدہ کوئی اٹھائے یا نہ اٹھائے مگر تمنا بھرپور فائدہ اٹھاتی۔ حازم کو جتنی چڑ تمنا سے تھی اتنی تو ابا جی سے بھی نہ تھی۔

کہنے کو تو تمنا اباجی کی اصلی والی پوتی تھی مگر وہ اباجی کے چھوٹے بھائی صاحب کے چھوٹے بیٹے کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھی اور یہی بات سب سے زیادہ اسے احساس دلاتی کہ وہ ابھی تک بالکل چھوٹی سی بچی ہے۔ اباجی اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری کرتے تھے تمنا کے والد کی وفات کے بعد تو اباجی اس پر اور زیادہ پیار نچھاور کرنے لگے تھے۔ حازم کا کہنا تھا کہ اباجی مستقبل قریب میں اس تمنا کو ضرور اپنے پوتے یا نواسے کے ساتھ بیاہیں گے۔

''تاریخ گواہ ہے سیانے کہتے ہیں خاندان میں جس کزن کے ساتھ زیادہ لڑائی جھگڑا یا ان بن ہو تو قسمت اسی کے ساتھ پھوٹتی ہے۔'' زیاد اسے یہ کہہ کر دوبدو جواب دیتا تو حازم بلبلا کر رہ جاتا یہ بات تو سب کے سامنے تھی۔

تمنا اور حازم کی بچپن سے آج تک کبھی نہ بنی تھی وہ مل کر اس کے سامنے ہی اسے سنائے جاتے کہ ان کا ہر راز وہ بڑوں کے سامنے افشاں کر دیتی۔

''پکی میسنی ہے یہ تمنا میرا بس چلے تو اسے کراچی کے سمندر میں پھینک آؤں پھر کبھی نہ ملے۔'' یہ زیاد تھا جسے انگلش کم ہی آتی تھی اسی چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اباجی کے سامنے زیاد سے انگلش میں بات کرتی شام میں اباجی جب انہیں اپنی نگرانی میں پڑھانے کے لیے بٹھاتے تو ہر دو منٹ بعد وہ بڑی چالاکی سے حازم کو مخاطب کر کے کہتی۔

''حازم پلیز ذرا یہ پیراگراف تو سمجھا دو بالکل سمجھ نہیں آ رہا۔'' اور اباجی کے سامنے وہ محض اسے آنکھیں دکھا سکتا تھا یا پھر دانت کچکچا کر رہ جاتا ان کے برعکس زمیل کو کافی حد تک چھوٹ دی جاتی تھی۔

○❖......❖○

''کیا ہوا ایسے کیوں مسکرائے جا رہے ہو۔'' وہ ڈرائنگ روم میں کارپٹ پر آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا آنکھیں بند اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ زیاد فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا جبکہ زمیل نے محض ایک نظر اسے دیکھ کر گود میں رکھی کتاب پر نظریں جمالیں کہ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ٹاپک رٹنے کی کوششوں میں تھا مگر ایک لفظ بھی پلے نہ پڑ رہا تھا۔ رات میں نے ایک حسین خواب دیکھا۔ خواب کا ذکر سن کر زمیل بھی کتاب بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھا۔

''کیسا خواب؟'' زیاد چونکا۔

''اللہ خیر کرے کس حسینہ مہہ جبینہ کو دیکھ لیا۔'' تمنا کو اباجی نے ان کی نگرانی کے لیے وہاں بھیجا تھا تاکہ وہ دیکھ آئے کہ وہ نالائق پڑھ بھی رہے ہیں یا باتوں میں مصروف ہیں اور پچھلے ایک گھنٹے میں یہ اس کا پانچواں چکر تھا۔

شہرینہ آج طلعت پھوپی کے ساتھ کچن میں مصروف تھی۔ انواع واقسام کے کھانے پکائے جا رہے تھیں گاؤں سے اباجی کے دیرینہ جگری دوست تشریف لا رہے تھے۔

''میں نے خواب میں دادی اماں کو دیکھا اور پتا ہے انہوں نے کیا کہا؟''

''کیا......؟'' وہ چپ ہوا تو تجسس کے مارے زیاد اور زمیل کے ساتھ تمنا کے منہ سے بھی بے ساختہ کیا نکلا۔

''انہوں نے اباجی سے فرمائش کی ہے کہ جان تمنا کو میرے پاس بھیج دیں میں یہاں اکیلی ہوں اپنی پیاری پوتی کو اپنے پاس دیکھ کر کچھ سکون مل جائے گا۔'' وہ کچھ اور کہنے والا تھا تمنا کے چہرے پر پھیلے تجسس کو دیکھ کر اس کے منہ سے کچھ اور نکل گیا۔

مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے وہ اٹھ کر تمنا کے عین سامنے آ ٹھہرا اس کی پھیکی پڑتی رنگت دیکھ کر اسے مزید شرارت سوجھی۔

''جان تمنا دادی ماں بہت اکیلی ہیں پلیز تم جاؤ ناں ان کے پاس۔'' اس قدر پیار سے کی گئی درخواست نے تمنا کی سانس تک روک دی۔

''میں نے نہیں جانا...... ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے؟'' پھر جب وہ بولی تو کانپتی آواز نے اس کا ساتھ دینے سے بھی جیسے انکار کر دیا۔

''ہاں نہیں تو اور کیا؟ ابھی تو اپنی تمنا کی شادی بھی نہیں ہوئی اور تم جانتے نہیں ہوا اباجی نے اس کا رشتہ اس گنجو مراد سے کرنے کا سوچ رکھا ہے وہ بے چارہ ابھی تو آدھا گنجا

ہے اور تمنا ابھی سے اسے چھوڑ کر چلی گئی تو وہ پورا گنجا ہوجائے گا سو ہم دادی ماں سے معذرت کرلیں گے تمنا کی بجائے زینی کو بلائیں۔" زیاد جو اپنی ہانکے جارہا تھا آخر میں وہاں آتی شہزینہ پر چوٹ کرگیا شہزینہ نے خشمگیں نگاہوں سے پہلے زیاد اور پھر حازم کی طرف دیکھا زمیل نے اس بات کا بخوبی فائدہ اٹھاتے ہوئے جلدی سے کتاب اٹھا کر چہرے کے سامنے کرلی کہیں وہ جا کر اباجی سے اس کی بھی شکایت نہ کردے۔

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہر وقت شرارت سوجھی رہتی ہے۔"

"او...... بڑی بی...... جاؤ اپنا کام کرو زیادہ فلاسفر بننے کی ضرورت نہیں۔" شہزینہ جو انہیں اچھا خاصا سنانے کی خواہش مند تھی زیاد نے اس کی بات درمیان میں اچک لی تھی۔

"تم...... تم...... انتہائی......"

"ہاں تو کیا...... میں......؟ اچھی طرح جانتا ہوں انتہائی خوب صورت ہوں کالونی کی آدھی سے زیادہ لڑکیاں مرتی ہیں مجھ پر بس گھر والوں کو ہی قدر نہیں۔" زیاد کا لہجہ ترشی اور طنز سے بھرپور تھا۔

"میں جا کر دادا ابا سے کہتی ہوں تم نکمے لوگ محض بکواس میں وقت گزاری کررہے ہو۔" اس سے پہلے کہ تمنا دھمکی دے کر مڑ کر واپس جاتی حازم نے آگے بڑھ کر سختی سے اس کا بازو دبوچا۔

"تم...... کھنی...... میسنی...... پھاپھے کٹنی...... لگائی بھائی کے علاوہ بھی کوئی کام ہے تمہیں۔" حازم دانت پیستے ایسے بولا جیسے ابھی تمنا کو کچا چبا ڈالے گا۔

"سنو لڑکی ہم نے کبھی ایسے تمہارے گھر آ کر تمہاری شکایتیں لگائیں؟ ہمارے اباجی کو ہمارے خلاف کردیا تم نے ہم کبھی معاف نہیں کریں گے تمہیں۔" زمیل روہانسے انداز میں بولا۔

"زمیل بھائی آپ کو تو میں اچھا بھلا آدمی سمجھتی تھی مگر اب مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑرہا ہے ان کے ساتھ رہتے ہوئے آپ بھی انہی کے جیسے ہوگئے ہیں۔" تمنا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بے چارگی سے کہا۔ شہزینہ ماتھے پہ بل دیے زمیل اور زیاد کو گھور رہی تھی حازم صاحب تو کسی صورت اس کے ہاتھ میں آنے والوں میں سے نہ تھے دوسرا وہ بڑا بھائی ہونے کا رعب بھی خوب جماتا۔

"دیکھو لڑکی میں آخری وارننگ دے رہا ہوں اب اگر ہمارے گھر کے مسائل میں ٹانگ اڑانے کی کوشش بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اور اب اگر اباجی کو کوئی بات بڑھا چڑھا کر بھی بتائی تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا تم سے اچھی طرح جانتا ہوں میں تم دونوں کو ہمارا دیر سے گھر آنا' دوستوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اور اسٹڈی روم میں چھپ کر موویز دیکھنا یہ سب تم اباجی کو بتاتی ہو۔"

"ہاں تو تم لوگوں کو کس نے کہا چوروں کی طرح کھڑکی کے ذریعے اپنے روم سے نکل کر اسٹڈی روم میں چھپ کر موویز دیکھو۔"

"کیا مطلب...... تمہیں کس نے کہا کہ ہم کھڑکی سے نکل کر اسٹڈی روم میں جاتے ہیں۔ زمیل...... کیا...... تم نے؟" شہزینہ کو غصے سے دیکھنے کے بعد اس نے اپنا رخ فوراً زمیل کی طرف کرکے گرج کر پوچھا۔ زمیل حواس باختہ ہوا۔

"قسم سے یار میں کیوں بتاؤں گا؟"

"میں نے بتایا ہے زینی کو میں نے اپنی آنکھوں سے تم تینوں کو کئی بار نکلتے دیکھا ہے یہ عقدہ تو کافی تگ ودو کے بعد کھلا کہ وہاں چھپ چھپ کر موویز دیکھی جاتی ہیں۔ ویسے ایک بات کی مجھے ابھی تک سمجھ نہیں آئی تم لوگ ایسا کرتے کیوں ہو یہ کام اپنے روم میں بھی تو آسانی سے کیا جاسکتا ہے؟" اپنا بازو نرمی سے حازم کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"تمنا...... کتنی بھولی ہو تم؟ ہمیں پاگل سمجھا ہے کیا' ہم پکے کھلاڑی ہیں بچو...... پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے' بالفرض ہم لیپ ٹاپ روم میں لے آئیں جو اگر اباجی نے اچانک چھاپا مار لیا تو؟ سو مائی ڈیئر لعل سسٹر ہم روم اندر سے

لاک کر کے ونڈو سے باہر چلے جاتے ہیں لائٹ بھی آف کردی جاتی ہے جو اگر اباجی بھولے سے بھی ادھر آ نکلیں تو ہمیں سوتا سمجھ کر واپسی کی راہ لیں اب رات کے کسی پہر وہ اسٹڈی روم میں تو جانے سے رہے۔" جواب حازم کی بجائے زیاد نے دیا تھا۔

حازم نے زور سے ہاتھ کا مکا بنا کر زیاد کے کاندھے پر دے مارا اور زمیل نے ساتھ پڑا کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

"بدتمیز انسان اپنے راز دشمنوں کو بتا رہا ہے تجھے تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے تمنا نے جان چھوٹنے پر شکر ادا کیا اور شہرینہ کو وہاں سے نکلنے کا اشارہ کرتی اس کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔

اباجی اپنے دوست کو لینے کے لیے روانہ ہو چکے تھے تبھی اب انہیں کھل کر شور کرنے کا موقع مل گیا تھا ایسے نادر مواقع بہت کم انہیں دستیاب ہوتے تھے کچن سے فری ہو کر طلعت نے انہیں ان کے حال پر چھوڑا اور اپنے روم میں چلی گئیں۔

○❖......❖○

تینوں بھوک ہڑتال کیے منہ سر لپیٹے روم میں پڑے تھے اباجی سخت خفا تھے۔ کسی صورت معافی بھی نہیں مل رہی تھی۔ اس بار وجہ بہت اہم تھی اباجی نے ان کے ارمانوں کا خون ہی تو کر دیا تھا ان کے سب یار دوست اور کلاس فیلوز کالج ٹرپ پر گلگت جا رہے تھے جہاں جانا ان کا وہ خواب تھا جو ابھی تک پورا نہ ہو سکا تھا اس بار ہاتھ آیا موقع وہ کسی صورت نہیں گنوانا چاہتے تھے۔ زمیل نے مشورہ دیا کہ چپکے سے نکل چلتے ہیں بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔

"اباجی بعد میں گھر میں گھسنے بھی نہیں دیں گے بعد میں بتانے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔" زیاد کو زمیل کا مشورہ قابل قبول نہ لگا۔

حازم کا خیال بھی یہی تھا اجازت لے کر چلتے ہیں نہیں تو خرچہ پانی کے لیے کیا کریں گے کوئی بھی دوست اتنی بڑی رقم ان تینوں کو ادھار دینے پر تیار نہ تھا۔ اپنی ساری پاکٹ منی وہ ایک ہفتہ خرچ نہ ملنے پر استعمال کر چکے تھے نجانے کیوں حازم کا دل کہہ رہا تھا اس بار اباجی لازمی اجازت دے دیں گے وہ کوئی لڑکیاں تھوڑی نہ تھے جنہیں گھر سے زیادہ دور جانے کی اجازت نہ ملتی، تمنا کی خوب منت سماجت کر کے ڈھیر سارے تحائف اس کی پسند سے لانے کا لالچ دے کر انہوں نے اپنا پیغام اباجی تک اس کے ذریعے پہنچایا۔ انہیں قوی یقین تھا اب تو اجازت مل کر رہے گی۔ اگلے پانچ منٹ میں ہی ان کی حاضری اباجی کے سامنے لگ چکی تھی۔

تمنا کا ہنستا مسکراتا پر جوش چہرہ دیکھ کر انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا اور تیزی سے وہاں پہنچ گئے جو کچھ ابھی ہونے والا تھا ایسا تو انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ زیاد شدت جذبات سے مغلوب ہو کر اباجی کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا۔

"اباجی آئی نو آپ ہم سے بہت محبت کرتے ہیں ہم بہت اسٹوپڈ ہیں جو آپ کو اتنا تنگ کرتے نجانے کیا کچھ سوچتے ہیں آپ کے بارے میں پر آپ نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہم آپ کو بہت عزیز ہیں۔ یو آر گریٹ اباجی آئی لو یو سو مچ۔" نم آنکھوں سے اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر لبوں سے لگانے کے بعد آنکھوں سے لگائے حازم اور زمیل تو عش عش کر اٹھے اس سے پہلے کہ وہ بھی زیاد کی طرح عقیدت کا مظاہرہ کرنے کے لیے آگے بڑھتے کہ اباجی غضب ناک آواز سماعت سے ٹکرائی۔

"دفع ہو جاؤ گستاخ، ابھی اور اسی وقت نکل جاؤ میرے گھر سے۔" اباجی کی گرجتی آواز نے ان دونوں کے بڑھتے قدم روک دیے تھے۔ طلعت پھوپی ہانپتی کانپتی گرج دار آواز سن کر وہاں آئیں وہاں کی صورت حال دیکھ کر گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

"اباجی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" لڑکھڑاتی زبان سے کہتا وہ فوراً پیچھے کی طرف ہوا کہیں اباجی اس کی گردن ہی نہ مروڑ دیں ان کا پُر جلال انداز دیکھ کر حازم کی آنکھیں گویا ساکت ہو گئیں، وہ ایسے ٹھہرے جیسے چابی سے چلتے

...نے کو اچانک بند کر دیا گیا ہو۔
"تم جیسے نکمے کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کر سکتے کبھی ...ں کی خوشی کا خیال نہیں آتا میں نے ہمیشہ تم لوگوں سے ...امید رکھی مگر مجھے ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی۔" اباجی کے غصے ...ے انداز پر وہ ہکا بکا رہ گئے۔
"اگر اجازت نہیں دینی تو نہ دیتے مگر اس طرح چیخنے ...انے کی کیا ضرورت۔" حازم محض سوچ کر رہ گیا۔ زیاد ...ے بے چارگی سے پھوپی کی طرف دیکھا وہ ابھی تک ...ہٹ پر دوزانوں بیٹھا تھا۔
"اباجی اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم نہیں جائیں گے ...پلیز غصہ ختم کریں آپ کا یہ انداز میرے لیے سخت ...کا باعث بن رہا۔" حازم نے نظریں جھکا کر ...ھی سے کہا۔
"تکلیف...... کیسی تکلیف حازم صاحب اصل ...تو مجھے محسوس ہو رہی ہے اتنی کہ میرا دل چاہ رہا ہے ...تم لوگوں کو ماردوں یا پھر خود کو ختم کرلوں۔" وہ بھیگی آواز ...ں بولے تو تینوں نے چونک کر انہیں دیکھا شہرینہ نے ...ل سے بھرا گلاس اباجی کو تھمایا جو انہوں نے ایک ہی سانس ...ں ختم کر دیا۔
"اباجی......ک......ک...... کیا ہوا ہے؟" زمیل کی ...ی ہوئی آواز نکلی تو انہوں نے خاموشی سے سائیڈ ٹیبل ...ے کاغذ اٹھا کر زیاد کی گود میں پھینکے۔
یہ کالج سے آئے ہوئے رزلٹ کارڈ ہیں جس قدر ...انداز محنت کی ہے پھل بھی خوب ملا ہے زیاد نے کانپتے ...ھوں سے لفافے لیے اس کا سانس رک سا گیا زمیل اور ...ازم میں ابھی بھی ہمت نہ ہوئی کہ آگے بڑھ کر ایک نظر ...ٹ ہی دیکھ سکیں۔ حازم دو جبکہ وہ خود ایک سبجیکٹ میں ...ل تھا زمیل کے پاسنگ مارکس بھی نہ ہونے کے برابر ...اس کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ حازم اور زمیل کو لے کر ...ں زمین میں جا سمائے اس قدر شرمندگی کا تو وہ سوچ بھی ...یں سکتا تھا۔
"بہت افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا اسی لیے ہم گاؤں واپس چلے جائیں گے پڑھائی ختم اب وہیں کوئی کام دھندا کر لینا ذرا سی شرم یا لحاظ باقی ہے تو ماں باپ کا دل خوش کرنے کی کوشش کرو میری تو تمام تر امیدیں ختم ہو چکی ہیں، تم لوگوں نے میرے خواب چکنا چور کر دیئے تم سب نے۔" وہ تھکن زدہ لہجے میں کہہ کر اپنے روم میں چلے گئے ان کے جانے کے بعد تمنا اور شہرینہ بھی وہاں نہ ٹھہریں۔
"امی قسم سے ہم نے بہت محنت کی تھی مگر......" زمیل کا لہجہ لڑکھڑایا اور وہ بات بھی مکمل نہ کر سکا۔
"زمیل مجھے افسوس اس بات کا نہیں کہ تم لوگ امتحان میں ناکام ہوئے اصل دکھ تو اس بات پر ہے کہ تم لوگوں نے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا...... جو لوگ اپنے بڑوں کی خوشیوں کو نظر انداز کر کے اپنی من مانیاں شروع کر دیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اباجی نے ہمیشہ تم لوگوں کا بھلا چاہا کیا کچھ نہیں کیا تم لوگوں کے لیے اپنوں سے دور یہاں صرف تم لوگوں کی خاطر رہ رہے ہیں مگر کیا صلہ دیا انہیں۔" طلعت پھوپی بھی انہیں اکیلا چھوڑ کر جا چکی تھیں شرمندگی سے دوچار وہ ایک دوسرے سے بھی نظریں چرانے پر مجبور ہو گئے تھے۔
"یار اتنے برے پیپر بھی نہیں دیئے تھے تو پھر ایسا رزلٹ کیوں؟" زیاد نے شرمندگی سے کہا تو حازم نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔
"زیاد کبھی کبھی قسمت بھی ساتھ چھوڑ جاتی ہے تب ہمیں خود کو سدھارنے کا ایک بہترین موقع مل جاتا ہے گویا اب ہمیں ایک چانس ملا ہے اپنی محنت اور لگن سے کچھ کر دکھانے کا اور میں یہاں بیٹھ کر ابھی تم دونوں سے عہد کرتا ہوں میں اباجی کا ہر وہ خواب پورا کروں گا جو انہوں نے ہمارے حوالے سے دیکھا ہے۔"
"میں بھی اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کروں گا۔" حازم کے بعد زیاد بولا تو بے ساختہ ہلکی سی مسکراہٹ نے زمیل کے لبوں کا احاطہ کر لیا۔
"اور میں ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ ہوں۔"

بعض اوقات انسان کے سدھرنے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے ذرا سی پشیمانی ہمارے تمام پست حوصلوں کو بلند کردیتی ہے۔

○❖......❖○

حیرت انگیز طور پر اگلے دن انہیں معافی نامہ مل گیا تھا اس وعدے کے ساتھ کہ اب وہ اپنی پڑھائی کے معاملے میں سنجیدہ رہیں گے رات جس طرح انہوں نے جا کر طلعت پھوپی کی منتیں کیں یہ بس وہی جانتے تھے پہلے تو وہ کسی صورت ان کی کوئی بات سننے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ پھر ان کی بھوک ہڑتال گھر چھوڑ جانے کی دھمکی نے ان کا دل نرم کردیا وہی معافی نامہ لے کر اباجی کے پاس گئیں کس طرح اباجی رام ہوئے یہ تو انہوں نے نہیں بتایا مگر یہ خوش خبری ضرور سنادی کہ انہیں آخری موقع مل گیا ہے۔

''اس پرنسپل کی تو میں وہ ٹھکائی کروں گا کہ ہمیشہ یاد رکھے گا کمبخت نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔''

''بکواس بند کرو اب اگر سدھرنے کا ایک موقع مل ہی چکا ہے تو کیوں اسے ضائع کررہے ہو ہمیں یہ آخری موقع ہرگز نہیں گنوانا' امی نے بتایا ہے اباجی پرنسپل صاحب کو کسی طرح راضی کردیں گے کہ وہ ہمیں فائنل ایگزامز دینے دیں جو ہوا سو ہوا مگر اب مزید کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔'' زمیل نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے پہلے زیاد کو گھر کا پھر نرمی سے گویا ہوا۔

آنے والے دنوں میں ان کی شوخیاں اور شرارتیں نہ ہونے کے برابر رہ گئیں تھیں کالج سے آنے کے بعد وہ آرام کے بعد باقی کا وقت کتابوں میں سر دیے بیٹھے رہتے اباجی نے انہیں پڑھانے سے صاف انکار کردیا تھا' ان کی کلاس کا اب بھی وہی وقت تھا مگر اب ان کے ساتھ صرف شہرینہ اور تمنا ہوتی تھیں دونوں بے حد ذہین اور محنتی تھیں تبھی ہمیشہ پہلی پوزیشن لیتیں۔ ان تینوں کا ٹھکانہ اب ڈرائنگ روم میں تھا۔

''کہاں تشریف فرما ہیں تمہارے لاڈلے نالائق؟'' ان کے پوچھنے پر تمنا کے کان فوراً کھڑے ہوئے۔ اباجی کو چائے کا کپ تھمانے کے بعد اب طلعت پھوپی پاس پڑی چیئر پر بیٹھ گئیں۔

''ڈرائنگ روم میں بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''طلعت کافی دنوں سے گھر میں بہت خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ان نالائقوں سے کہو تھوڑا ہلا گلہ بھی کرا کریں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولے۔

''ہمارے بڑے ہم سے کسی حال میں خوش نہیں رہتے۔'' تمنا شہرینہ کے کان کے قریب بولی تو شہرینہ نے مسکراہٹ روکنے کے لیے کتاب چہرے کے سامنے کرلی۔ طلعت پھوپی نے اثبات میں سر ہلایا اور اباجی سے گاؤں والوں کی باتیں کرنے لگیں۔

○❖......❖○

بالآخر ان کی محنت رنگ لائی تھی دن رات کی محنت سے ان کے امتحان توقع سے بڑھ کر اچھے ہوئے تھے اس بار تو مخالف پارٹی نے بھی خوب حوصلہ افزائی کی تھی جب رات گئے تک پڑھتے تو شہرینہ کھانے کی چیزیں پکا دے جاتی اور تمنا ان کے کہے بغیر مزیدار سی چائے پکا کر پیش کرتی۔

''جان تمنا مجھے ادراک ہوا ہے تم ایک اچھی لڑکی ہو'' وہ کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔

''اوہ شکر تمہیں احساس تو ہوا۔'' تمنا بریانی کو دم پر رکھ کر سلاد تیار کرنے لگی۔

''زینی کہاں ہے' آج تمہارا رخ روشن جو یہاں نظر آرہا۔''

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اباجی نے اسے زمیل کے ساتھ اسپتال بھیجا ہے۔'' وہ تیزی سے سلاد سجاوٹ کررہی تھی حازم اس کے چلتے ہاتھوں کی نفاست کو دیکھتا رہا۔

''جلدی کرو بہت بھوک لگی ہے۔''

''بس پانچ منٹ انتظار کرلو ابھی کھانا لگاتی ہوں۔''

''اوکے' تب تک میں زمیل سے زینی کی طبیعت

ہو لوں۔" ہاتھ میں سیل لیے وہ پلٹ گیا۔
ابھی بمشکل دو منٹ ہی گزرے ہوں گے جب باہر سے شہرینہ صاحبہ کے اونچا اونچا رونے کی آواز سنائی دی۔
"ہائیں اسے کیا ہوا۔" تمنا زینی کی آواز سن کر بھاگی۔ زیل بے چارہ حواس باختہ سا اسے چپ کرانے کی کوششوں میں تھا حازم بھی جلدی سے ادھر ہی آ گیا۔
"اس سے پوچھو کیا نہیں ہوا؟ اس بدتمیز ڈاکٹر نے مجھے اس کے سامنے انجیکشن لگایا اور اس سے یہ تک نہ ہوا کہ اس الو کو تھوڑا سا ڈانٹ دے۔" بات مکمل کرنے کے بعد ایک بار پھر وہ رو دی، تمنا نے بمشکل ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے بازو سے تھاما اور اندر لے آئی۔
"اگلی بار جب جانا ہو تو میں چلوں گی ساتھ اس ڈاکٹر کا منہ توڑ دوں گی۔" اس کی اتنی جرأت آخر ہوئی کیسے جو ہماری زینی کو انجیکشن لگانے کی عظیم گستاخی کی، کوئی شرم ہوتی ہے کوئی حیا ہوتی ہے۔" وہ پھر سے اپنی عظیم داستان غم سنا رہی تھی، سب کے چہروں پہ دبی دبی مسکان تھی۔

○❖......❖○

مہر ہاؤس کی رونقیں آج عروج پر تھیں۔ گھر کے تمام افراد ہال کمرے میں موجود تھے رنگ برنگے کھانوں کی مہک ہر سو پھیلی ہوئی تھی...... آخر کیوں نہ ہوتا آج یہ برسوں کا سماں "مہر ہاؤس" کے مکین کافی عرصے بعد پھر سے ایک ساتھ تھے ہنستے مسکراتے، خوش باش سے ابا جی بھی اپنے جاننے والوں سے مل کر واپس آئے تھے اپنوں سے ملنے کی خوشی اباجی کے چہرے پر صاف دکھائی دے رہی تھی اور سب سے اہم بات پچھلے کئی سالوں سے زیر تعمیر گرلز کالج بالآخر مکمل ہو چکا تھا آتے وقت وہ بچوں سمیت وہاں سے ہو کر آئے تھے کالج کی عظیم الشان عمارت دیکھ کر خوشی سے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں، ایک اور خواب کی تعبیر سامنے کھڑی دکھائی دے رہی تھی علم کی روشنی پھیلانے کی تگ و دو میں ان کے اپنے اور جاننے والوں نے بھرپور ساتھ دیا انہوں نے اپنی بہت سی زمین فلاحی کاموں کے لیے وقف کر دی تھی اور گرلز کالج کی یہ زمین بھی انہی کی ملکیت تھی حازم جب سے آیا تھا ماں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔
"حازم اب بس بھی کرو امی پر کچھ میرا بھی حق ہے۔" شہرینہ خفگی سے بولی تو حازم نے اسے چڑانے کی غرض سے انگوٹھا دکھایا۔
"امی مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے میں تپتی دھوپ سے اچانک چھاؤں میں آ گیا ہوں، وہ کہتے ہیں ناں جو سکھ اپنے چوبارے نہ بلخ نہ بخارے، تو سیم یہی میرا حال ہے۔" حازم آنکھ دباتے ہوئے بولا اور شرارت سے اباجی کی طرف دیکھا جو اس کے الفاظ سن چکے تھے مگر نظر انداز کر گئے تھے، وہ گاؤں آ کر بہت نرم دل ہو جاتے اور اکثر ان سب کی گستاخیوں کو نظر انداز کر دیتے۔ اباجی کی سب سے بڑی خوبی حازم کو یہی لگتی تھی۔

○❖......❖○

"یہ زیاد اور زمیل کہاں ہیں؟ یاروں نے آتے ہی غداری شروع کر دی ان کی تو خیر نہیں۔" بالوں میں انگلیاں پھیرتا وہ اٹھ بیٹھا۔
"چچی جان مجھے لگتا ہے آپ کے صاحبزادے شریف نے آتے ہوئے اعلان کروا دیا تھا کہ وہ تشریف لا چکے ہیں تبھی تو گاؤں کے سارے نکمے اور ویلے لڑکوں کا ٹولہ ملنے کے لیے آ گیا ہے دونوں صاحب بہادر بھی وہاں راجا اندر بنے بیٹھے ہیں اور ادھر شہنشاہ صاحب تشریف فرما ہیں۔" تمنا ہوا کے جھونکے کی طرح آئی اور آتے ہی نان اسٹاپ شروع ہو گئی۔
"کاش میں اس کی زبان کاٹ سکتا۔" حازم محض سوچ کر رہ گیا۔
"سنو زینی، تمہاری اس چڑیل سہیلی کی ساری بدتمیزیاں ڈائری میں نوٹ کر لوں گا ہمیشہ کی طرح واپس جا کر پھر اگلے پچھلے تمام حساب برابر کروں گا۔" منہ پر ہاتھ پھیر کر اس نے شہرینہ کو مخاطب کیا جو ہونہہ کہہ کر رخ پھیر گئی تھی۔
"اپنے گھر چین نہیں جو ہر وقت منہ اٹھا کر آ جاتی ہو۔"

اس کے قریب سے گزر کر باہر جاتے ہوئے وہ کہنا نہ بھولا اور چھپاک سے باہر نکل گیا وہ بھی تمنا تھی کیوں خاموش رہتی بھلا تبھی الٹے قدموں باہر کو لپکی حازم ابھی گیٹ کے پاس ہی پہنچ پایا تھا۔

''سنو جل ککڑے چاہے تم کچھ بھی کرلو میں یہاں آنا نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ میرے دادا ابا کا گھر ہے تم جل جل کر کوئلہ بن جاؤ گے پھر بھی آؤں گی۔'' فراٹے سے کہہ کر اندر بھاگ گئی حازم سر جھٹک کر گیٹ پار کر گیا۔

○❖......❖○

شام تک موسم کافی خوشگوار ہو چکا تھا بارش کے بعد اب ہلکی ٹھنڈی ہوا بہت بھلی محسوس ہو رہی تھی ابا جی بڑے چچا کے ساتھ کالج کے کسی کام کے سلسلے میں شہر گئے ہوئے تھے، موسم کے مزے سے لطف اندوز ہونے کے لیے وہ صحن میں چارپائی بچھائے بیٹھے تھے۔ خواتین اندر کاموں میں مصروف تھیں زیاد اور زمیل وقار بھائی کو چٹکلے سنا کر ہنسائے جا رہے تھے، حازم بائیں طرف موجود چارپائی پر لیٹا کینڈی کرش کھیل رہا تھا۔

''زیاد میں نے تمہاری فرمائش پر پکوڑے تیار کردیے ہیں اب تمہیں اپنے وعدے کے مطابق ہمیں زینت خالہ کے گھر لے کر جانا ہے نہیں تو اگلی بار مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا۔'' پکوڑوں سے بھری پلیٹ اس کو تھمائی وہ شہرینہ کے ساتھ بیٹھ گئی جو اس کی بنائی گئی پینٹنگ میں رنگ بھر رہی تھی۔

''مہرہاؤس زندگی دھوپ تم گھنا سایہ۔'' وہ جب بھی یہاں آتی ہمیشہ خوب صورت سے انداز میں بورڈ پر لکھ کر ساتھ میں ڈیزائننگ کر کے گیٹ کے دائیں جانب لگا دیتی۔

''بے صبرے مت بنو کوئی نہیں چھینے گا تم سے۔'' زیاد کی تیز رفتاری پر تمنا نے اسے ٹوکا۔

''جان تمنا یہ محبت کے پکوڑے ہیں اور ان کا ذائقہ اف کتنا شاندار ہے میں بتا نہیں سکتا۔'' پکوڑوں سے بھرپور انصاف کرتے چٹخارہ لے کر اس نے تمنا کو مخاطب کیا۔

''محبت کے پکوڑے کھا رہا ہوں
ذرا چاہت کی چٹنی ڈال دینا
گرم چائے پکا کر بھی لے آؤ
کوئی آئے تو اس کو ٹال دینا''

آنکھیں بند کیے وہ جھوم اٹھا تمنا منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس دی۔

''میں ہمیشہ ہی چلا آؤں گا جلدی
اگر شامی کباب تلو تو مس کال دینا''

زمیل کو شامی کباب زیادہ پسند تھے تبھی حازم کی دیکھا دیکھی اس نے بھی فرمائش چھیڑ دی۔

''نہیں سوکھی ہوئی روٹی کھلا دو
مری جان بس مجھے تر مال دینا
میں کتنی دیر سے بھوکی بیٹھی ہوں
اگر کچھ بھی نہیں تو دال دینا
تیرے پکوان کیسے بھول جاؤں
مجھے پھر سے وہی کھانے کمال دینا''

شہرینہ پیچھے رہ جائے یہ کیسے ہو سکتا تھا بھلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف ان کے قہقہے گونج اٹھے۔

○❖......❖○

''زمیل میرے یار مبارک ہو تجھے۔'' حازم بار بار اسے گلے سے لگا کر مبارک دے رہا تھا۔

''آخر ہوا کیا ہے؟'' وہ حیران ہوا زیاد نے جلدی سے برفی کا بڑا سا ٹکڑا اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور بھنگڑا ڈالنے لگا۔ زمیل حیران پریشان سا انہیں تکے گیا جواب ندارد رہے تھے۔

''اب بکو بھی کیا سسپنس پھیلا رکھا ہے یہ مبارک یہ مٹھائی الٰہی خیر آخر ماجرا کیا ہے؟'' زمیل کی حیرانگی سے سوا تھی۔

''وہ اپنے امام صاحب ہیں ناں ابا جی کے جگری یار ان کی اکلوتی صاحبزادی سے تیری نسبت طے ہوگئی ہے بقر عید پر تیرا نکاح ہے میرے یار۔'' بالآخر حازم کو اس پر ترس آ گیا اور چہکتے ہوئے بتا کر ایک بار پھر سے اسے گلے لگا لیا زمیل ساکت سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

''ت......ت......تم مذاق کر رہے ہوناں؟'' دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھامے وہ لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ بولا تو حازم نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

''ناچیں گے، گائیں گے، جھومیں گے اپنے تو یار کی شادی ہے جشن منائیں گے۔'' زیاد چہکا۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے بھلا میری رضامندی کے بغیر ایسا ناممکن ہے میں تو ابھی تک امام صاحب سے بچپن میں کھائی مار نہیں بھلا سکا' وہ جس راستے سے گزرتے ہیں میں تو وہاں کا رخ بھی نہیں کرتا تو ان کا داماد کیسے بن سکتا ہوں۔ یہ مجھ پر ظلم ہے۔'' زمیل روہانسا ہوا وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''میں خودکشی کرلوں گا۔'' وہ چیخا۔

''بھری جوانی میں ہمیں روگ دے جائے گا ایسا تو میں نہیں ہونے دوں گا۔'' حازم پیار سے پچکارا۔

''میں انکار کردوں گا۔'' وہ فوراً چٹکی بجا کر بولا۔

''اباجی تمہارے انکار کو کسی کھاتے میں نہیں ڈالنے والے اب تو یہ شادی ہو کر رہے گی۔'' زیاد شوخی سے گویا ہوا۔

''ٹھیک ہے پھر میں گھر سے بھاگ جاؤں گا'' اس کے منمنا کر کہنے پر ان کا چھت پھاڑ قہقہہ بلند ہوا۔

''ویسے یار آپس کی بات ہے امام صاحب جس قدر ہماری پٹائی لگاتے تھے اب اس کا بدلہ سود سمیت چکائیں گے اور پھر تمہارے پاس تو بڑا زبردست موقع ہاتھ لگا ہے۔'' حازم دھیرے سے بولا مبادا کوئی سن ہی نہ لے۔

''زمیل بھائی ایم سوری آپ نے حریم باجی کے لیے ہاں کہہ کر دادا ابا کا سر فخر سے بلند کردیا۔'' تمنا کی چہکتی آواز سن کر وہ سناٹے کی زد میں آ گیا۔

''میں نے کب ہاں کی۔'' نخوت اس کے لہجے میں نمایاں تھی۔

''ہر حال میں آپ کی پسند کو مدنظر رکھا جائے گا دادا ابا نے واضح کہہ دیا تھا حازم ہی تو آپ سے رضامندی لے کر گیا تھا اپنا ہر فیصلہ آپ نے دادا ابا پر چھوڑ دیا اور اب کہہ رہے ہیں کہ میں نے کب ہاں کی۔'' تمنا خفگی سے بولی۔

''حازم کے بچے میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا آج تو میرے ہاتھ ضائع ہوجائے گا۔'' اس سے پہلے کہ زمیل اسے پکڑ کر اس کی گردن مروڑتا وہ وہاں سے بھاگ گیا' اب حال یہ تھا حازم آگے اور زمیل اس کے پیچھے۔

''انہیں کیا ہوا؟'' تمنا حیران سی زیاد کو دیکھنے لگی جو ہنس ہنس کر دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

''تمہیں اب بھی سمجھ نہیں آئی۔'' وہ رک کر بولا تو تمنا نے نفی میں سر ہلایا۔

''رات اباجی نے ہمیں اپنے کمرے میں بلایا اور کہا کہ ہم جا کر زمیل سے رضامندی لے کر آئیں یہ ان کی خواہش تھی کہ زمیل کی شادی امام صاحب کی بیٹی حریم سے ہو اب اگر ہم اس سے پوچھتے تو وہ فوراً انکار کرتا وہ ابھی تک امام صاحب کی مار نہیں بھلا پایا تو حریم کے لیے کیسے راضی ہوجاتا۔ زمیل کی طرف سے ہاں کہہ دیتے ہیں۔ یہ آئیڈیا سو فیصد حازم کا تھا۔''

''اف میرے اللہ اب یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو جاؤ انہیں دیکھو کہیں سچ میں لڑائی نہ ہوجائے۔'' وہ ترشی سے بول کر شہزینہ کو دیکھنے چل دی جو چھت پر پرندوں کے پنجرے صاف کرنے میں مصروف تھی۔

○❖......❖○

''میں اپنے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہونے دوں گا۔ میں کوئی لڑکی نہیں ہوں جو چپ چاپ ماں باپ کی پسند پر سر جھکا کر ہاں کہہ دوں مجھے تمام اختیار حاصل ہیں اور اب میں انہی اختیارات کو استعمال میں لاؤں گا۔ میں یعنی حازم طلال تمنا سے شادی کرلوں...... وہ تمنا جسے ڈھنگ سے بات تک کرنے کی تمیز نہیں جو ابھی تک بچوں کی طرح ری ایکٹ کرتی ہر بات پر ٹسوے بہانے بیٹھ جاتی ہے۔'' استہزائیہ انداز میں ہنس کر وہ طنزیہ لہجے میں گویا ہوا دروازے سے باہر کھڑی تمنا کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''تبھی تو میں اس جوائنٹ فیملی سسٹم سے بے زار رہتا

ہوں بندے کی کوئی پرائیویسی ہی نہیں رہتی گھر کے بزرگ صاحبان قربانی کا بکرا بناتے ہوئے اپنی نخریلی لڑکیاں زبردستی ہم جیسے خوب صورت معصوم اور شریف لڑکوں کے سرتھوپ دیتے ہیں آخر ہماری بھی کوئی پسند ہوتی ہے؟ ہمیں ہمارا حق دیا جائے میں اپنا حق لینے کے لیے کسی بھی حد سے گزر جاؤں گا۔'' زیاد کی بھی زہر خندآواز گونجی۔ مگر تمنا تو ابھی تک حازم کے زہریلے نشتر کے زیراثر کھڑی تھی۔

''پس ثابت ہوا اس بار عید پر جانوروں کے ساتھ ساتھ ہم معصوم انسانوں کی بھی قربانی ہوگی۔'' زمیل دانت نکالتے بولا۔

جب وہ وہاں سے گئی تو اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی جیسے کل متاع لٹا کر جارہی ہو یہ نہیں تھا کہ اسے حازم سے محبت تھی بچپن سے لے کر اب تک ان کی کبھی نہ بنی تھی ہمیشہ لڑائی جھگڑے ہوتے پر جب دادا ابا نے امی سے کہا کہ وہ تمنا کی نسبت حازم سے طے کررہے ہیں تو اسے معلوم ہوا وہ تو کبھی حازم کو ناپسند نہیں کرتی تھی، وہ لڑائی جھگڑے طعنے بازی، نام لکھنا سب کچھ تو بس وہ شرارتیں تھیں جن سے ان کی زندگی کی اصل رونقیں تھیں۔ اس نے تو ابھی اس سنگ دل کے خواب دیکھنے تھے مگر انہیں تو ابھی سے نوچ دیا گیا تھا۔ شہزینہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو آواز دی مگر وہ ان سنی کر کے گیٹ پار کرگئی چاہے کچھ بھی ہوتا وہ اپنی جان سے پیاری دوست کو دکھی نہیں کرسکتی تھی۔

○❖......❖○

وہ جو ''مہرہاؤس'' کے چکر نہ لگاتی تو اسے چین نہ آتا تھا اب پچھلے تین دنوں سے طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر بستر سے جدا ہونے کا نام نہ لے رہی تھی، شہزینہ اس کی تیمارداری کے لیے ہر وقت موجود رہتی، حازم بھی تین چار مرتبہ آیا مگر وہ آنکھیں موند کر سوتی بن جاتی البتہ زمیل اور زیاد کے ساتھ کچھ دیر تک باتیں کرتی رہی تھی۔

''تمنا کی بچی نکلو یہاں سے غضب خدا کا خوامخواہ میں بستر پکڑ کر بیٹھ گئی ہو بدتمیز لڑکی اوپر سے چچی جان کو بھی پریشان کررکھا ہے۔ یار یہاں تو بہت بور روٹین ہوگئی ہے میں تو دعائیں مانگ رہی ہوں کب چھٹیاں ختم ہوں اور ہم واپس چلیں۔'' تمنا نے بولتی شہزینہ کو دیکھا اور دکھتی آنکھیں انگلی سے دبائیں۔

سوچ سوچ کر اس کا ذہن منتشر ہوگیا تھا پریشانی کے سبب بخار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اگرچہ بخار تو دوسرے دن ہی اتر گیا مگر وہ منہ سر لپیٹے جان بوجھ کر پڑی رہی دل کا درد کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ سب سے گہرا دکھ تو یہی تھا کہ وہ اتنی بے مایا تھی کہ محض ایک لمحے کے لیے بھی اس کے بارے میں نہ سوچا جاسکتا تھا ریجیکٹ ہونا بہت اذیت دیتا ہے اور ان دنوں وہ اسی اذیت سے دوچار تھی۔ زمیل اور زیاد قربانی کے لیے بکرے لے آئے تھے اور اب اباجی کا سخت آرڈر تھا کہ ان کی خدمت میں دن رات ایک کردیے جائیں۔

شہزینہ زبردستی اسے اپنے ساتھ لے آئی اب وہ دعا کرنے لگی کہ اس ستم گر سے سامنا بالکل نہ ہو مگر اس کی دعا قبول نہ ہوئی تھی تبھی تو وہ جیسے ہی گیٹ سے اندر داخل ہوئیں بائیں جانب جامن کے درخت کے نیچے باندھے گئے بکروں کو وہ نہلا رہا تھا اس کا سفید رنگ کا لباس مٹی اور پانی کے نشانوں سے اپنی اصلی حالت کھوچکا تھا۔

''وہ آئے ہمارے گھر خدا کی قدرت
کبھی ہم ان کو اور کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں''

حازم کی نظر اچانک ان پر پڑی تبھی خالی بالٹی ایک طرف رکھ کر وہ ہاتھ صاف کرتا ان کے سامنے آٹھہرا جو اسے دیکھ کر رک گئیں۔

''میں جب تمہاری عیادت اور تیمارداری کرنے آیا تو تم سو رہی تھیں۔ چلو اب بتاؤ کیسی طبیعت ہے ہمارے لائق کوئی خدمت، ویسے مجھے تو ابھی بھلی چنگی لگ رہی ہو ہاں رنگت کچھ کملاسی گئی ہے آنکھیں بھی ویران ہیں۔ مجھے تو یہ دل کا معاملہ لگتا ہے سنو جان تمنا کہیں کوئی روگ تو نہیں پال لیا......؟'' وہ اس قدر آہستگی سے بولا کہ صرف تمنا سن سکی شکر تھا کہ زینی ان کی بجائے بکروں کی سمت متوجہ تھی۔

''اف کس قدر چالاک ہے یہ شخص' کتنے رنگ ہیں اس کے۔ منہ پر اس قدر جان لیوا انداز اور غیر موجودگی میں ظالم صیاد' کاش اس دن میں نے وہ باتیں نہ سنی ہوتیں۔''
آنسوؤں کا گولہ اس کے گلے میں پھنسا مگر وہ ایک لفظ تک نہ بولی۔ ''میں اگر اب اس کے سامنے بولی تو پھر بھی اس کا سامنا نہ کرسکوں گی اپنی انا مجھے ہر حال میں پیاری ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔
''حازم سدھر جاؤ اب تو اسے تنگ کرنا چھوڑ دو جنگلی انسان۔'' شہرینہ نے قریب آ کر بڑے زور کی چٹکی اس کے بازو پر کاٹی اور تمنا کا ہاتھ تھام کر اسے لیے اندر بڑھ گئی۔
''ڈرامے باز لڑکی تمہاری ایکٹنگ سے میں اچھی طرح آگاہ ہوچکا ہوں۔ آئندہ اگر نیند کا بہانہ کرنا ہو تو آنکھوں پر بازو لازمی رکھ لینا تمہاری لرزتی پلکیں تمہارے جاگنے کا ثبوت دے گئی تھیں۔'' اس نے مسکرانے کی بھی ناکام کوشش کی ساتھ ہی آنکھیں بھی چرائیں۔ وہ پیچھے سے چیخا مگر وہ پھر بھی نہ رکی۔

○❖......❖○

''تمنا کیا ہوا' اتنی اداس کیوں ہو؟'' شہرینہ نے کبوتروں کو دانہ ڈالتی تمنا کو بغور دیکھا جو بہت ڈسٹرب دکھائی دے رہی تھی اس کے اس طرح دیکھنے پر وہ ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر ہولے سے مسکرادی۔
''ایم فائن یار' تم کیوں پریشان ہوتی ہو' بس ذرا سی سستی چھائی ہے۔'' تمنا کے لہجے میں پہلے والی کھنک ندادر تھی۔
''تمنا میری طرف دیکھ کر بتاؤ مجھے تو کہیں سے بھی ٹھیک نہیں لگ رہیں تم۔'' اس کے نظریں چرانے پر شہرینہ تپی۔
''کیا بدتمیزی ہے زینی' ہم جو کام کرنے آئے ہیں پہلے وہ کرو میری فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں' کچھ دن ریسٹ کروں گی تو ٹھیک ہوجاؤں گی۔''
''چلو مان لیا اب خوش۔'' شہرینہ نے بالآخر ہار مانی۔
''اچھا سنو وہ...... وہ اسٹوپڈ زیاد ہے ناں' جہاں سے بھی گزرنے لگوں تو مجھے دیکھ کر خوامخواہ میں کھانسنے کی ایکٹنگ کرنے لگتا ہے کس قدر بدتمیز ہے میں ہمیشہ سے اس کے ساتھ رہی ہوں پر جب سے دادا جی نے بابا سے رشتے والی بات کی تب سے وہ تو جیسے رنگ ہی بدل گیا ہے اب تو لڑائی بھی نہیں کرتا بات کرنے کے بہانے تلاشتا رہتا ہے قسم سے یار مجھے تو اس قدر عجیب لگ رہا ہے میں بتا نہیں سکتی۔'' پنجروں میں رکھے برتنوں میں پانی ڈالتی وہ حال دل بتانے لگی۔
تمنا کی طرف اس کی پیٹھ تھی وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی یعنی زیاد کو اس رشتے سے کوئی پرابلم نہ تھی تو کیا صرف حازم' درد کی ایک تیز لہر سی اٹھی تھی اس نے کانپتے ہاتھوں کو باہم جکڑا۔
''ت...... ت...... تم راضی ہو زیاد کے لیے؟''
''پتا نہیں یار مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا ویسے بھی ابا جی فیصلہ کرچکے تو یقیناً یہی بہتر ہوگا۔'' وہ شرماتے ہوئے بولی' حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔
اور وہ تمنا سے نظر ملا کر بھی بات نہ کررہی تھی' تمنا کو اس کے انداز پر ذہنی ٹینشن کے باوجود ہنسی آگئی جو اگلے ہی لمحے غائب بھی ہوگئی تھی۔
''اس حازم بدتمیز کا بتاؤں کیا کہا ہے اس نے بقول جناب کے کہ ابا جی میری شادی تمنا کے ساتھ کرنے کا سوچ رہے ہیں تو اس صورت میں ہاں کروں گا جو اگر میری شرط مانی گئی تو......'' شہرینہ اب چہرے پر ہاتھ رکھے ہنس رہی تھی تمنا سانس روکے اسے سننے لگی۔
''وہ کہتا ہے ہم ہنی مون کے لیے گلگت جائیں گے اور بھی نجانے کیا کچھ کہہ رہا تھا بے شرمی کی حد ہی پار کیے جارہا تھا وہ تو امی کی چپل نے جب اسے نشانہ بنایا تو محترم کی پٹر پٹر چلتی زبان بند ہوئی ہمارا تو ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا تھا۔''
''زینی...... زینی...... جلدی آؤ۔'' زمیل اونچی آواز میں چیخا زمیل کی آواز پر شہرینہ نیچے بھاگ گئی۔
شکر زینی نے اس کی سنجیدگی نوٹ نہ کی زمیل کی پکار کی

وجہ سے اس کی بچت ہوگئی تھی کچھ دیر وہیں بیٹھنے کے بعد وہ نیچے چلی آئی جہاں شہرینہ اور زمیل دھواں دھار تکرار شروع کرچکے تھے۔ زمیل کے کچھ دوست آئے ہوئے تھے وہ ان کے لیے شہرینہ سے کھانے پر اہتمام کرانا چاہتا تھا مگر وہ بضد تھی اب وہ خدمتیں کر کے تھک چکی تھی سو گھر میں جس کے بھی مہمان آئیں گے وہ اپنا بندوبست خود کریں گے بڑی تائی‘ طلعت پھوپی کے ساتھ ہمسایوں کے گھر خالہ بی کی عیادت کو گئی ہوئی تھیں‘ ان دونوں کو بحث میں چھوڑ کر تمنا نے کچن کی راہ لی‘ ایک چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور دوسرے پر کباب فرائی کرنے لگی اس کام سے فارغ ہونے کے بعد پلیٹ میں بسکٹ سجا کر زمیل کو آواز دی جو ابھی تک شہرینہ پر خفا ہو رہا تھا زمیل اس کی پہلی پکار پر وہاں آ گیا‘ سامنے رکھے لوازمات دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

’’جیو میری بہنا‘ جیو ہزاروں سال بس اب میں اباجی سے بات کرتا ہوں اب جلدی سے تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں لے آئیں تاکہ ہماری مشکلات ختم ہوں۔‘‘ دانت نکالے وہ شرارت سے گویا ہوا تو تمنا نے اسے سخت نظروں سے گھورا مگر اسے پروا کب تھی وہ آگے بڑھ کر تمام چیزوں کا جائزہ لینے لگا اب زمیل کو چھوڑ کر شہرینہ اس پر خفا ہو رہی تھی۔

○❖......❖○

عید میں تین دن باقی تھے زمیل کے نکاح کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں‘ تمنا فی الحال سب بھلائے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی طلعت پھوپی نے ان دونوں کے لیے بھی خوب صورت سے ڈریس بنوائے عید کے چوتھے روز نکاح کی تقریب ہونا قرار پائی سب رشتہ داروں کو بھی دعوت نامے بھجوائے گئے تھے۔ زمیل جو پہلے نکاح نہ کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہا تھا اب تو اس کے دانت اندر جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ حازم تو اس سے سخت خفا تھا کہ اس کا نکاح اور ہماری خالی منگنی اور ابھی تک شادی کا دور دور تک امکان تک نظر نہ آ رہا تھا۔ دھوکے باز‘ غدار اور نجانے کیا کیا القابات زمیل کو دیے جاتے وہ تو ان دنوں جیسے ہواؤں میں اڑتا پھر رہا تھا ان کی کسی بات کا برا نہ مانتا‘ اس کی منطق نرالی تھی بقول اس کے جب اس کا نکاح ہو جائے گا تو وہ معزز ہستی بن جائے گا اباجی اس کی جان بخشی اس صورت میں کر دیا کریں گے کہ اب تو وہ نکاح شدہ ہے اس کی انسلٹ ہرگز نہیں ہونی چاہیے بس پھر کیا تھا حازم کو تو جیسے آگ لگ گئی تھی اب وہ طلعت پھوپی کا گھٹنا پکڑے بیٹھا رہتا کہ زمیل کے ساتھ ساتھ ہم کنواروں بیچاروں کا بھی کچھ خیال کیا جائے مگر اس کی بات پر کسی نے کان نہ دھرے۔

○❖......❖○

عید کے دن اباجی نے گائے اور بکرے ذبح کرا کر سارا گوشت ان سے بنوایا اور گاؤں میں بانٹنے کے لیے بھی وہی تینوں گئے یہ وہ واحد کام تھا جو وہ ہنسی خوشی کرتے تھے جب سب کچھ سمیٹ کر وہ اندر آئے تو سامنے شہرینہ اور تمنا مزے سے بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔

’’لو کر لو گل‘ میرا بھوک سے برا حال ہے اور یہاں مزے سے کھانا کھایا جا رہا ہے۔ بندہ دوسروں کا انتظار ہی کر لیتا ہے۔‘‘ کینہ توز نظروں سے گھورتا زیاد ان کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

’’بھوکے ندیدے تمہارے لیے بھی بچا کر رکھا ہے‘ ہم نے کچن میں جا کر کھا لو۔‘‘ شہرینہ نے پٹ سے جواب دے کر نوالہ منہ میں رکھا۔

’’دیکھ لو زیاد‘ ہم منگنی شدہ ہونے والے لوگ ہیں پھر بھی ہماری عزت نہیں کرتے اور ادھر وہ زمیل صاحب ہیں ابھی تک نکاح ہوا نہیں دعوتیں پہلے ملنا شروع ہوگئی۔‘‘ حازم مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ تمنا نظریں جھکائے بیٹھی تھی کھانے سے بھی ہاتھ روک لیا تھا۔

’’کس نے کی زمیل کی دعوت وہ بھی ہمارے بغیر یہ گستاخی ہرگز معافی کے قابل نہیں۔‘‘ زینی کا انداز شاہانہ تھا۔

’’جناب کی ساس محترمہ نے دعوت نامہ بھیجا ہے کہ اباجی اور زمیل سے کہا جائے کہ آج شام کا کھانا وہ ان کی

طرف تناول فرمائیں۔"

"جان تمنا اور کچھ نہ سہی اپنے پیارے ہاتھوں سے چائے پکا کر پلا دو سچ میں بہت تھک گیا ہوں۔" تمنا سے کہہ کر وہ دھپ سے کارپیٹ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

"پہلے نہا کر کپڑے تو تبدیل کرلو دیکھو تو سہی کتنا عجیب حلیہ بنا رکھا ہے۔" تمنا خاموشی سے اٹھ گئی تو شہرینہ نے ایک نظر بھائی کو دیکھنے کے بعد برتن اٹھائے اس کی توجہ اس کے حلیہ کی جانب دلائی۔

○❖......❖○

آج زمیل کے نکاح کی تقریب تھی وہ لوگ صبح سے تیاریوں میں مصروف تھے طلعت پھوپی کے حکم پر تمنا اور زینی نے مہندی بھی لگوائی' اباجی نے ان کی منگنی کی رسم کینسل کردی تھی حازم کا موڈ بری طرح سے آف تھا زیاد کے ذمہ کھانے کا انتظام لگا دیا گیا تھا یعنی فی الحال اس کے پاس کچھ بھی سوچنے کی فرصت نہیں تھی۔ انہوں نے سفید رنگ کے ایک جیسے سوٹ زیب تن کر رکھے تھے وہ تینوں ہی تیار ہو کر شہزادے لگ رہے تھے۔ اباجی نے بے ساختہ اٹھ کر باری باری انہیں گلے سے لگا کر دعا دی۔

"ایک جیسے ڈریس بنوانے کی کیا تک تھی بھلا' مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بھی اس تقریب کا دلہا ہوں۔" حازم کا منہ ابھی بھی پھولا ہوا اور انداز خفا سا تھا' اس کے برعکس وہ دونوں چہک رہے تھے۔ تینوں کو لا کر اسٹیج پر بٹھایا گیا تو یہ بات حازم کو کچھ ہضم نہ ہوئی۔

"نکاح تو زمیل کا ہے یہ ہمیں کس خوشی میں وی آئی پی پروٹوکول مل رہا ہے؟" زیاد چونکہ درمیان میں بیٹھا تھا بھی حازم اس کے کان میں دھیرے سے بولا۔

"تم خاموشی سے شریفوں کی طرح منہ بند کر کے بیٹھے رہو۔" زیاد نے دانت پیس کر جواب دیا تو حازم نے ہونہہ کہہ کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اب یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا...... وہ وہاں سے اٹھ کر جانے والا تھا تب ہی زیاد نے زبردستی اس کا بازو تھام کر بٹھایا۔

"ابے گھامڑ چپ کر کے بیٹھ جا اور منہ کے زاویے سیدھے کرلے' ورنہ سب لوگ سمجھیں گے تیرا نکاح زبردستی ہو رہا ہے۔" زیاد نے آنکھ دبا کر وضاحت دی تو وہ چونکا۔

"یعنی کہ آج ہمارا بھی نکاح ہے......؟"

غزل

کل تک تھا جو ادھ کھلا خوش نما سا گل
یہ ہوا کیا کہ یوں اچانک بکھر گیا
جو روح میں ہے شامل جو سانس میں ہے بستا
وہ مجھ کو ملتے ملتے اچانک بچھڑ گیا
خود کو تو کرلیا آزاد سب غموں سے
ننھی سی جان میری رنج ور میں دھر گیا
جب ملنا نہیں تھا پھر کیوں آ کے زندگی میں
ناشاد دل کو اور بھی ناشاد کر گیا
آفتاب بن کہ آیا تھا کرنے اجالا ماہی
ڈوبا تو جیسے مجھ کو ایک شام کر گیا

ماریہ ماہی عباس...... خانیوال

غزل

تھا نہ بستی میں آدمی کوئی
پھر بھی آتی صدا رہی کوئی
پوری خواہش نہ ہو سکی کوئی
ہے بھلا یہ زندگی کوئی
سایہ مجھ سے ہے آگے آگے اب
میرے پیچھے ہے روشنی کوئی
اپنے بچوں میں شام کو آ کر
بانٹ دیتا ہے ہر خوشی کوئی
کانچ اس نے بچھا دیئے عاطر
یوں بھی کرتا ہے دشمنی کوئی

رانا حنیف عاطر

''ہاں جی دلہے میاں آپ کا بھی نکاح ہورہا۔'' زمیل نے پُر زور انداز میں اثبات میں سر ہلایا' تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

دوسری طرف طلعت پھوپی نے انہیں چادریں اوڑھا کر بٹھایا تو انہیں حیرت کا جھٹکا لگا ان کی منگنی تو کینسل ہوگئی تھی تو پھر اب یہ کیا تھا؟

تمنا تو ایک دم سناٹے کی زد میں آئی' وہ تو اس لیے خاموش ہوگئی تھی کہ منگنی تو ٹوٹ بھی سکتی ہے وہ ان چاہی بن کر کبھی زندگی نہیں گزارے گی ابھی تو وہ ماں کے مجبور کرنے پر راضی ہوگئی تھی' وہ تو دادا ابا تک انکار پہنچانے کے بیٹھی تھی مگر ہوا اس کے برعکس۔ نکاح خواں کے ساتھ دادا ابا خود آئے تھے' انہوں نے جب اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے ہونے کا یقین دلایا تو بے ساختہ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے' کاش ابو آج آپ زندہ ہوتے اس لمحے باپ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تو وہ سسک پڑی۔

''ایک ملاقات ضروری ہے صنم۔'' وہ کافی دیر سے زیاد کے کان کھائے جارہا تھا مگر وہ بھی ڈھیٹ بنا بیٹھا تھا۔

''یار پلیز میری بات بھی سنو' میں نے سنا ہے زوجہ محترمہ بے حد اداس ہیں کیونکہ وہ اس نکاح کے لیے راضی نہ تھیں۔''

''بقول ان محترمہ کے کہ یہ نکاح تو سراسر اباجی کی خواہش پر ہوا ہے اور دوسرا میں تو راضی ہی نہیں تھا۔''

''کس نے کہا یہ سب؟'' زیاد چونکا۔

''وہ زینی کو اپنا حال دل سنا چکی ہے ویسے اس کا حق تو بنتا تھا اپنے دل کی ہر بات مجھے بتاتی۔'' وہ مصنوعی افسردگی سے بولا۔

''سچ میں بہت بے چینی ہورہی ہے میں اسے بتانا چاہتا ہوں یہ نکاح خالصتاً میری خواہش پر ہوا ہے صرف پانچ منٹ لوں گا۔'' وہ منت پر اتر آیا۔

''تمہارا یہ کام تو میں آسانی سے کرسکتا ہوں ابھی جاکر تمنا کو تمہارا پیغام دے دیتا ہوں۔'' زیاد نے چٹکی بجائی۔

''ہرگز نہیں میرے قاصد کا رول پلے کرنے کی بالکل ضرورت نہیں میں تو اب ڈنکے کی چوٹ پر اس سے ملوں گا آفٹر آل میرا حق ہے اس پر۔'' زیاد کو جتانے کے بعد بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کرتا وہ روم سے باہر چلا گیا۔ وہ ہاتھ آیا موقع ہرگز گنوانا نہ چاہتا تھا۔

شہرینہ کو منت سماجت سے اس نے منالیا جو تمنا کو زبردستی اپنے کمرے میں چھوڑ گئی تھی جہاں حازم پہلے سے موجود تھا۔ روئی روئی سی وہ سیدھی حازم کے دل میں اتری جارہی تھی اب تو رشتہ بھی بدل چکا تھا حازم کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ در آئی۔

آنکھوں میں خوشیوں کا جہاں آباد کیے وہ بغور اسے تکنے لگا جو وہاں ایسے موجود تھی کہ جیسے ابھی بھاگ جائے گی دو قدم آگے بڑھ کر اس نے تمنا کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود گھٹنوں کے بل نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''جان تمنا کیسے بتاؤں کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو' میں لفظوں کے ہیر پھیر سے آگاہ نہیں ہوں بس بھی صرف اتنا کہوں گا اگر تم میری زندگی میں نہ آتی تو میں کبھی خوش نہ رہ سکتا۔'' وہ گمبھیر آواز میں بولا۔

''جھوٹ مت بولو سب جانتی ہوں کتنی اہم ہوں۔ تم تینوں میں ہونے والی گفتگو میں نے سن لی تھی میں تو اسٹوپڈ ہوں ناں مجھے تو بات تک کرنے کی تمیز نہیں۔'' آنسو پھر بہہ نکلے حازم بے چین ہوا۔

''وہ سب مذاق تھا مقصد صرف تمہیں تنگ کرنا تھا ہم وہاں تمہاری موجودگی سے باخبر تھے۔''

''میں تم پر یقین نہیں کرسکتی۔'' اب کے وہ خفگی و نرمی سے بولی۔ حازم کی پسندیدگی کے متعلق شہرینہ اسے سب کچھ بتا چکی تھی اب وہ محض حازم کو تنگ کررہی تھی۔

''دیکھو تمنا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ملے گی بس ایک بار میرا یقین کرلو۔'' وہ خاموش ہوکر اسے تکنے لگا اور پھر دھیمے پُر اثر لہجے میں گویا ہوا۔

تمہاری آنکھیں شرارتی ہیں
تم اپنے پیچھے چھپے ہوئے ہو

بغور دیکھوں تمہیں تو مجھ کو
شرارتوں پر ابھارتی ہیں
تمہاری آنکھیں شرارتی ہیں
لہو کو شعلہ بدست کردیں
یہ پتھروں کو بھی مست کردیں
حیات کی سوکھتی رتوں میں
بہار کا بندوبست کردیں
کبھی گلابی کبھی سنہری
سمندروں سے زیادہ گہری
تہوں میں اپنی اتارتی ہیں
تمہاری آنکھیں شرارتی ہیں
حیا بھی ہے ان میں شوخیاں بھی
یہ راز بھی اپنی ترجمان بھی
ریاست حسن وعشق کی ہیں
رعایا بھی اور حکمران بھی
وہ کھو گیا یہ ملی ہیں جس کو
یہ جیتنا چاہتی ہیں جس کو
اسی سے دراصل ہارتی ہیں
تمہاری آنکھیں شرارتی ہیں
کشش کا وہ دائرہ بنائیں
حواس جس سے نکل نہ پائیں
میں اپنے اندر بکھر سا جاؤں
سمیٹنے بھی نہ مجھ کو آئیں
عجب ہے انجان پن بھی ان کا
میں ان کا اور میرا فن بھی ان کا
خاموش رہ کر پکارتی ہیں
تمہاری آنکھیں شرارتی ہیں

اس قدر الفت اس قدر محبت اس کی آنکھیں نم نے لگیں۔

"ارے...... ارے اب مت رونا پلیز۔"

"نہیں ابھی مجھے جی بھر کر رونے دو۔" وہ بسورتی ی بولی۔

غزل

سنگ موسموں کے بدلنے لگے ہیں لوگ
ڈھلتے سایوں میں ڈھلنے لگے ہیں لوگ
دے کر پیام بہار وہ ہم کو صنم
خزاں میں بدلنے لگے ہیں لوگ
بھلا کر اپنی سب تشنگیاں دل کی
عکس آئینہ بننے لگے ہیں لوگ
ہوں گی خوابوں سے ویران آنکھیں بہت
پھر سے جو سنورنے لگے ہیں لوگ
یہ سلسلہ اچھا نہیں کاروانِ محبت میں مدیحہ
جو تیرے شہر میں آ کر ٹھہرنے لگے ہیں لوگ

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

"ارے روئیں تمہارے دشمن۔"

"ہائے سچ کیا تم روؤ گے؟" وہ بھولپن سے بولی۔

"کیا مطلب؟" اس کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"مطلب تم میرے دشمن تھے ناں تو......" معصومیت کی انتہا ہی تو ہوگئی تھی۔

"ہاں...... میں...... اب تو ساری زندگی رونا پڑے گا۔" وہ ہارنے والے انداز میں بولا۔

"وہ کیسے؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم جو آ گئی ہو اب میری زندگی میں۔" وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولا۔ تمنا نے کشن اٹھا کر زور سے اس کے سر پر دے مارا۔

"دیکھا میں نے کہا تھا ناں اب تو رونا ہی پڑے گا۔"

"یہ رونا دھونا چھوڑو چلو کچھ دیر ہنستے ہیں۔" وہ شرماتے ہوئے بولی تو حازم نے شکر کا سانس لیا۔

بدگمانی کے تمام بادل چھٹ چکے تھے اب ہر طرف خوشیوں کا راج تھا۔

قسط نمبر 23

دل کے دریچے

صدف آصف

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سفینہ شاہ ہاؤس میں مطمئن اور خوش حال زندگی بسر کررہی ہوتی ہے آفاق شاہ کی محبت اسے آگے بڑھنے پر مجبور کردیتی ہے ساتھ ہی روشنی کی ذات میں بھی وہ مثبت تبدیلی پیدا کرنے میں کامیاب رہتی ہے روشنی نئی بھابی کے حوالے سے جن خدشات کا شکار تھی سفینہ اپنے نرم رویے اور محبت کی بدولت ان سب کو دور کردیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ڈریسنگ اور انداز میں بھی سب کو ایک نیا پن نظر آتا ہے ایسے میں عائشہ بیگم اپنے روشنی کے کان بھرنا نہیں چھوڑتیں لیکن روشنی اب ان کی تمام باتوں کو نظر انداز کردیتی ہے آفاق شاہ اور اسریٰ بیگم روشنی کے بدلتے رنگ و روپ پر سفینہ کی محنت کو خوب سراہتے ہیں دوسری طرف روشنی خود میں یہ بدلاؤ رومیو کی ذات سے منسوب کرتی ہے وہ اس سے یک طرفہ محبت کرنے لگتی ہے۔ سائرہ بیگم گھریلو امور کو لے کر مضطرب رہتی ہیں ایسے میں دلشاد بیگم سے بھی ان کی تلخ کلامی ہوجاتی ہے اور وہ انہیں اپنے بہو بیٹے کے ساتھ جا کر رہنے کا کہتی ہے تو دلشاد بیگم بیٹی کے منہ سے یہ سن کر شاکڈ رہ جاتی ہیں۔ فائز کے لیے سفینہ کی یادوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن وہ اس کے خوش حال مستقبل کے پیش نظر آئندہ اس سے کبھی نہ ملنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ شرمیلا کی زندگی میں آنے والے مصائب اسے مضطرب کیے رکھتے ہیں جب ہی بتول اس کے رشتے کے لیے متفکر نظر آتی ہے لیکن شرمیلا آنے والے کسی بھی رشتے پر رضامند نہیں ہوتی اور اپنی دوست صائمہ کے ساتھ مل کر ایک نیا راستہ چن لیتی ہے جہاں آزر نامی آدمی اولاد کے حصول کے لیے اس سے دوسری شادی کرنے پر رضامند ہوتا ہے مہرین اس کی پہلی بیوی شرمیلا کو اس مقصد کے لیے پسند کرلیتی ہے اور تمام شرائط پر دونوں کے درمیان یہ رشتہ طے پاجاتا ہے بتول صائمہ کی زبانی یہ سب جان کر شاکڈ رہ جاتی ہے لیکن بیٹی کی ضد کے آگے ان کی ایک نہیں چلتی اور شرمیلا اچھے دنوں کے خواب سجائے آزر کے سنگ رخصت ہوجاتی ہے شادی کی اولین رات ہی اسے آزر کی سرد مہری کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ اسے یکسر فراموش کیے اپنی پہلی بیوی مہرین کے پاس چلا جاتا ہے ایسے میں شرمیلا کے تمام خواب چکنا چور ہوجاتے ہیں لیکن وہ بھی آزر کی زندگی سے مہرین کو نکالنے کا تہیہ کرلیتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❁.......❁.......❁.......❁

''السلام علیکم!'' فائز نے سریلی سی آواز پہ کمپیوٹر اسکرین سے نگاہ ہٹائی اور بہت مصروف انداز میں اسے دیکھا۔

''وعلیکم السلام..... فرمایئے۔'' جواب دیتے ہی اس کی انگلیاں دوبارہ کی بورڈ پر تھرکنے لگیں اور ذہن کام میں مشغول ہوگیا۔

''میرا نام روشنی ہے۔'' اس نے نام پر زور دیا۔

''میں نے کب کہا کہ آپ اندھیرا ہیں۔'' اس کی حس ظرافت بڑی زور سے پھڑکی' کرسی کی بیک سے ٹیک لگا کر دائیں بائیں جھولتے ہوئے دلکشی سے مسکرایا۔

"واٹ؟" وہ ایک دم کنفیوز ہوکر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ فائز کو اپنے آس پاس پھیلتی خوشبو جانی پہچانی سی محسوس ہوئی۔

"مس...... میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" بال پین میز پر مارتے ہوئے خالصتاً دفتری زبان استعمال کی۔

"مجھے بھائی میرا مطلب ہے آفاق سر نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" اس نے فائز کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا' وہ بلیک ڈریس پینٹ اور اسکائی بلیو شرٹ میں ہلکی بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ بہت جچ رہا تھا۔

"فائز...... تم تو گئے کام سے یہ تو باس کی بہن نکلی۔" اس کا پین والا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا' ایک دم یاد آیا کہ آفاق نے چند دن پہلے اپنی بہن کی جوائن کرنے کے بارے میں اسے بتایا تھا۔

"اوہ...... مس روشنی...... کیسی ہیں آپ؟" وہ یک دم کھڑا ہوا اور خوش اخلاقی سے اسے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینکس میں ٹھیک ہوں سر۔" اس نے مسکرا کر نشست سنبھالی تو فائز نے پہلی بار اس کا بغور جائزہ لیا' گلابی چھوٹے پھولوں والے کرتی پر سیاہ پائجامہ کے ساتھ لمبا سا سیاہ دوپٹہ اوڑھے' سیدھے بالوں کو پشت پر بکھیرے کسی کی یاد دلا گئی۔ اسے جانے کیوں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے سامنے سفینہ بیٹھی ہو' حالانکہ دونوں کا ناک نقشہ بالکل الگ تھا مگر پھر بھی شخصیت کی مماثلت حیران کن تھی۔

"وہ...... بھائی نے آپ سے ٹریننگ لینے کا کہا تو......" اس کو خاموشی سے تکتا دیکھ کر روشنی کے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

"آں...... ہاں' بالکل۔" فائز جیسے چونکا اور کاندھے اچکائے' اس کے دیکھنے کے انداز پر وہ کافی نروس ہوگئی تھی۔

"یہ...... میرے ڈاکومنٹس ہیں۔" اس نے کاغذات اس کی جانب بڑھائے۔

"اوکے۔" اس نے روشنی کے بڑھائے جانے والے ڈاکومنٹس بغیر پڑھے سائیڈ پر رکھ دیے تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"مجھے تو کسی قسم کی جاب کا کوئی تجربہ نہیں ہے' سمجھیں آپ کے سامنے ایک کورا کاغذ ہوں۔" روشنی نے جیسے ہی اپنی خامیاں بتلانا شروع کیں' فائز کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔

"ڈونٹ وری...... آفاق سر نے مجھے پہلے ہی سب کچھ بتا دیا ہے۔" اس نے اطمینان سے سر ہلایا۔

"دیکھیے مس اس کورے کاغذ پر تجربے کی سیاہی اس وقت ابھر سکتی ہے' جس وقت آپ دل میں ٹھان لیں کہ میرے بتائے ہوئے مشوروں پر سنجیدگی سے غور کریں گی۔" وہ پرفیشنل ہونے لگا۔

"مشورے......! کیسے مشورے؟" اس کو اچنبھا ہوا۔

"سوال صرف میں کروں گا۔" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

"اوکے...... سر۔" وہ فرماں برداری سے سر ہلانے لگی۔ فائز کی نظریں مستقل اس کے چہرے پر تھیں۔ جبھی وہ بری طرح پزل ہونے لگی۔

"آپ آج سے جوائن کررہی ہیں' ہمیں؟" فائز کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے ہنوز بہت اطمینان بھری کیفیت میں جھولنے لگا۔

"اوکے...... سر۔" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے سر ہلایا۔

"یہ نوٹ کرلیں۔ ہر کام کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ سمجھ لیں اس جاب کی پہلی اور بے حد اہم شرط فرماں برداری ہے۔ اوکے۔" فائز نے انگلی اٹھا کر باور کرایا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کس طرح کی فرماں برداری۔

''ایک بات یاد رکھیے گا۔ میرے ساتھ کام کرنے کے لیے آپ کو بہت کچھ بھولنا پڑے گا۔'' اس کا انداز تھوڑا سخت ہوا۔
''میں سمجھی نہیں؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔
''آپ کو یہ بات اچھی طرح سے پتا ہے کہ اس پوزیشن کی آفر آپ کو آپ کی قابلیت کی بیس پر تو ہوئی نہیں......'' اس نے طنز کیا' وہ روشنی کے برداشت کا امتحان لیے رہا تھا۔
''ہونہہ......'' وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بول سکی۔
''معذرت میں تھوڑا اصاف گو ہوں اس لیے کہنا پڑ رہا ہے کہ یہاں بھائی کی سفارش کام آئی ہے۔'' فائز نے سیدھا تے ہوئے روشنی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جتایا۔
''جی۔'' روشنی کا حلق خشک ہونے لگا' بڑی مشکل سے آواز نکلی۔
''تو پھر ٹریننگ کے پہلے دن میری چند باتوں کو نوٹ کرلیں۔'' وہ اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہوا اور دبنگ لہجے میں بولا۔
''میں لکھ لوں گی۔'' روشنی اس کے انداز سے متاثر ہوئی۔
''یہ پیڈ پڑا ہے اور یہ پکڑیں پین' ابھی سے لکھنا شروع کریں۔'' اس نے جھنجھلا کر اس کے سامنے پیڈ پھینکا اور پین ہاتھ میں تھمایا۔
''سوری سر۔'' وہ شرمندہ ہوئی اور سر جھکا کر لکھنا شروع کردیا۔
''میرے ساتھ کام کرتے ہوئے آپ کو بھولنا پڑے گا کہ یہ آپ کا فیملی بزنس ہے' بھولنا ہوگا کہ اس کمپنی کا چیئر مین آپ کا بھائی ہے اور آخری بات یہ بھی بھولنی ہوگی کہ آپ روشنی شاہ ہیں۔ اس کمپنی میں کام کرنے والے برابر ہیں۔ خود کو ان سے الگ کبھی مت سمجھیے گا ورنہ آپ کچھ نہیں سیکھ پائیں گی۔'' وہ بے حد گمبھیر آواز میں اس قدر معنی خیزی سے بولتا گیا اور روشنی کا رہا سہا اعتماد بھی زائل ہوگیا۔ اس کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرایا مگر خود پر قابو پا کر کورے کاغذ کو لکھ لکھ کر سیاہ کرتی رہی۔

❁......❁......❁......❁
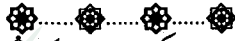
آہستہ آہستہ اترتے اندھیرے' کھڑکی سے باہر جھانکتی دھندلی چاند کی روشنی نے دلوں پر اداسیوں کی مہر لگادی تھی۔ چاند کو تکتے ہوئے وہ اپنی قسمت پر ماتم کرنے لگی' کیسا پیاسا نصیب لے کر وہ دنیا میں آئی تھی' جو اسے سچے پیار کی ایک بوند بھی میسر نہ تھی۔
''شرمیل...... آزر۔'' زیرلب اپنا نام دہراتے ہوئے وہ خود اپنی حیثیت بدلنے پر طنزاً مسکرا اٹھی۔
''کتنی معتبر ہوگئی ہوں میں مگر پھر بھی خوش نہیں۔'' آزر نے اسے اپنا نام تو دے دیا تھا مگر اپنے ہونے کا یقین نہیں دیا تھا۔
''ابھی تو ابتداء ہے شرمیلا' پیر جلنے لگے ہیں' چھالے پھوٹ پڑے تو کیا ہوگا۔'' روتی پرچھائیاں اس کے اردگرد رقص کرنے لگیں۔ وہ کیسی قیدی تھی جس نے خود کے پر اپنے ہی ہاتھوں سے گرتے اور سنہری پنجرے کا دروازہ کھول کر اس میں بند ہوگئی تھی۔
اسے بتول کی رخصتی کے وقت کہی ہوئی بات اب جا کر سمجھ میں آئی تھی' ماں نے بیٹی کے کان کے قریب منہ لا کر سرگوشی کی تھی۔
''کاغذ کے نوٹوں سے بننے والے رشتے کی حیثیت بھی اکثر کاغذی رہ جاتی ہے۔'' اس نے سرد آہ بھر کر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''جانے کیوں میں ایسے رشتے سے امید لگائے بیٹھی ہوں' جسے ایک نے بیچا اور دوسرے نے خرید لیا۔'' شرمیلا نے دکھ سے سوچا۔

ماضی کے مقابلے میں آج وہ کتنی مال دار تھی' اس کے نام پر ایک بڑا سا مکان خریدا جا چکا تھا' جس کی آرائش کے بعد اس کی ماں بہنوں کو وہاں شفٹ کر دیا گیا' منہ مانگا پیسہ اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو چکا تھا' ایک نئی گاڑی اس کے تصرف کے لیے بمعہ ڈرائیور تیار کھڑی رہتی' تعیشات سے سجا یہ وسیع و عریض کمرہ جہاں ایک آواز پر ملازمین کی لائن لگ جاتی' خوش رہنے کے لیے اور کیا چاہیے تھا مگر پھر بھی کبھی سوتے میں اس کی آنکھ کھلتی تو دم گھٹنے لگتا۔ کمرے میں پھیلی تنہائی اسے اذیت دیتی' تنہائی کے احساس سے لپٹی' خیالوں میں گم صم سی شرمیلا نے مڑ کر ماضی میں جھانکا' تنہائی کے صحرا میں کوئی ساتھی کوئی ہم دم اور ہمراز نظر نہ آیا۔ اب تو زندگی اسے جس موڑ پر لے آئی تھی' دل میں خواہشات مچلنے لگی تھیں' کاش کوئی اس کے لیے بھی بے چین و بے قرار ہوتا۔ کوئی اُسے دل و جان سے چاہتا۔ پل صراط جیسی آزمائش والی زندگی گزارنا آسان نہ تھا مگر وہ گزار رہی تھی۔

❁.......❁.......❁.......❁

فائز نے انٹر کام کا رسیور اٹھا کر کان سے لگایا پھر ذرا تھم کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا لیں گی آپ چائے یا کافی؟'' روشنی کے سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

''سر...... نو تھینکس۔'' خود کو سنبھال کر اس نے رواداری سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ نو تو بالکل نہیں چلے گا مس ابھی میں نے آپ سے کہا تھا۔ کچھ رولز میرے حساب سے ہوں گے۔'' وہ یکایک پھر سے روکھا اور سرد نظر آنے لگا۔ روشنی خائف ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔

''چائے یا کافی......؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''چائے۔'' اس نے بمشکل کانپتی آواز میں کہا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

فائز مسکرایا۔ اس نے انٹر کام پر دو کپ چائے کا آرڈر دیا' وہ اپنی فتح یابی پر من ہی من میں خوش ہونے لگا' اسے روشنی کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ کام کرنے کے دوران اسے کتنی بار اپنی انا کو مارنا ہوگا' من مار کر سامنے والے کی بات رکھنی ہوگی اور سب سے بڑھ کر سیلف کنٹرول کیسے قائم رکھا جائے اس نے بڑی خوش اسلوبی سے پہلا سبق پڑھا دیا تھا۔ کیوں کہ اس کے سامنے کوئی عام ایمپلائی نہیں تھی' روشنی شاہ تھی' جو اپنے بھائی کی کمپنی میں جاب کرنے آئی تھی تو اس کے دماغ سے برتری کا کیڑا اجھاڑنا ضروری تھا۔

❁.......❁.......❁.......❁

کلائنٹس کے کیبن سے نکلتے ہی آفاق شاہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ بکھری' اس نے من چاہی شرائط پر ڈیل کنفرم کر دی تھی' جس کا کریڈٹ رومیو اور روشنی کو دینا زیادتی ہوتی۔ ان دونوں نے مل کر اتنی زبردست پریزنٹیشن تیار کر کے دی کہ کلائنٹ متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گیا تھا' ورنہ پچھلے سال سے وہ اس کمپنی کے ساتھ بزنس اسٹارٹ کرنا چاہ رہا تھا اور کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا کہ بات بن نہ پاتی۔ ایک تھکا دینے والی میٹنگ سے فراغت کے بعد شاہ نے زوردار انگڑائی لی اور روشنی کو اپنے کمرے میں بلانا چاہا' انٹر کام کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نگاہ شیشے کی شفاف دیوار کے پار کوریڈور میں رکھے صوفوں پر بیٹھی روشنی پر ٹک گئی۔ جس کے سامنے گلاس ٹاپ آفس ٹیبل پر کوئی فائل کھلی ہوئی تھی' برابر والے صوفے پر بیٹھا رومیو بڑی سنجیدگی کے ساتھ اسے کچھ سمجھانے میں مصروف تھا۔

''دونوں ایک ساتھ کتنا جچ رہے ہیں۔'' ایک بھولا بھٹکا خیال ذہن میں منڈلایا۔

''اوگاڈ......! میں تو بالکل لڑکی کا باپ بن کر سوچ رہا ہوں۔'' آفاق کے لبوں پر مسکراہٹ چھائی' خود کی سرزنش کرتے ہوئے کاندھے اچکائے۔

عاصم کے کہنے پر اس نے رومیو کی ذمہ داری لگائی تھی کہ وہ روشنی کی ٹریننگ کرے اور اس نے اپنا کام جس مستعدی اور ایمان داری سے انجام دیا تھا' اس کے نتیجہ میں روشنی بہت جلدی یہاں ایڈجسٹ ہوگئی تھی۔ شاہ نے مسکرا کر بہن کو فوکس پر رکھا' معصوم بے ریا سا کھلتا ہوا چہرہ جس پر اعتماد کی بحالی کے آثار بڑے بھلے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کتنی بدل گئی تھی۔ روشنی جس جانفشانی اور محنت کے ساتھ یہاں اپنے فرائض انجام دے رہی تھی' کبھی کبھی تو آفاق کو بھی یقین نہیں آتا کہ وہ اتنی میچور ہوگئی ہے۔ سب سے بڑا جھٹکا تو شاہ کو اس وقت لگا جب اسے اندازہ ہوا کہ آفس اسٹاف کو یہ بات پتا ہی نہیں ہے کہ روشنی اس کمپنی کے مالک کی بہن ہے۔ روشنی نے اپنے رویے سے کبھی برتری ظاہر ہونے نہیں دی۔ وہ بڑے سادہ انداز میں اسٹاف میں گھل مل کر رہتی اور صرف وقت ضرورت ہی شاہ کے کیبن میں جاتی یا اسے مخاطب کرتی وہ بھی پورے پروٹوکول کے ساتھ' اسے اپنی بہن روشنی پر فخر محسوس ہوا' جس نے اپنے نام کی عزت رکھ لی اور اب وہ اندھیرے سے روشنی بن کر ابھری تھی مگر خود شناسی کے اس عمل میں پس پشت سفینہ کی کارفرمائیاں تھیں۔

روشنی کے بارے میں سوچتے سوچتے شاہ کے خیالوں کی رو سفینہ کی طرف مڑ گئی' وہ جب بھی بیوی کو سوچتا خود کو خوش قسمت تصور کرتا' جب سے یہ لڑکی زندگی میں شامل ہوئی تھی' مشکلیں آسانیوں میں ڈھل گئیں تھیں' روشنی کے یہاں جاب کے پیچھے بھی سفینہ کی کوشش پنہاں تھی۔ وہ تو یہ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا کہ لاابالی سی روشنی اتنے اہم فرائض اتنی سنجیدگی سے ادا کر بھی پائے گی۔ بس سفینہ کو اس پر مکمل اعتماد تھا اور اس نے نند کے لیے راہیں ہموار کیں۔

آفاق شاہ نے ریوالونگ چیئر سے پشت ٹکائی اور آنکھیں بند کرلیں' ذہن کے پردے پر وہ رات چھا گئی جب سفینہ نے روشنی کی جاب کے حوالے سے پہلی بار اس سے بات شروع کی اور بڑی بحث و مباحثہ کے بعد اپنی بات کو منوا کر دم لیا۔ آج آفاق کہہ سکتا تھا یہ بالکل ٹھیک فیصلہ تھا۔ اپنی محبت کے بارے میں سوچتے ہوئے ہونٹوں کے کناروں سے ایک مسکراہٹ جھانکی۔

✿......✿......✿......✿

عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر نبیل اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے آیا تو مومل بیڈ پر خاموش بیٹھی تھی اسے دیکھتے ہی اٹھ کر جانے لگی۔ نبیل نے کلائی تھام کر اس کی کوشش کو ناکام بنادیا۔

''کیا بات ہے کیوں روکا؟'' ناراض لہجہ' آنکھوں سے چھلکتی شکایت اور چہرے پر چھایا حزن و ملال اسے شرمندہ کر گیا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے مومل اور تمہیں اُس میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔'' وہ ملتجی ہوا۔

''کیسا فیصلہ......؟'' مومل نے بے ساختہ سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''یہی کہ تم اِس بار میرے ساتھ شہر چلوگی۔'' مومل شاک سی ہوئی' نگاہیں اٹھا کر اسے غور سے دیکھا' یہ وہ ہی شخص ہے جو کبھی اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہ تھا' بہانے بہانے سے گاؤں میں چھوڑ جاتا مگر قدرت کی طرف سے پڑنے والی بے آواز لاٹھی نے اس کے ہوش ٹھکانے لگادیئے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو' میں نے نئی رہائش کا سارا انتظام کرلیا ہے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے مومل کا ہاتھ تھام کر بتایا۔

''آپ کا گھر تو پہلے سے ہی وہاں موجود ہے۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''ہاں مگر میں ہر پرانی یاد کو اپنی زندگی سے نکالنا چاہتا ہوں اور تمہارے ساتھ نئی شروعات چاہتا ہوں' اسی لیے تمہارے نام سے نئی کوٹھی خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''اتنی بڑی تبدیلی......!'' مومل نے گنگ ہوکر سوچا۔

''کیا ہوا...... تمہیں خوشی نہیں ہوئی یہ سب سُن کر......؟'' نبیل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا...... جو ایک دم سے بدل گئے تھے۔

❁......❁......❁......❁

آفاق گاڑی چلاتے ہوئے پرانی بات یاد کرنے لگا' جب سفینہ نے اس کے سامنے روشنی کا مقدمہ کسی ماہر وکیل کی طرح لڑا اور جیت بھی گئی تھی۔ آفاق شاہ کو پلٹ کر اندر جاتا دیکھ کر بھی سفینہ اسی سوچ میں گم ساکت کھڑی رہی۔

''اور اگر شاہ کے دفتر میں جو خالی پوسٹ ہے اس پر روشنی کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تو......'' سفینہ اس سے زیادہ کچھ سوچ نہ سکی۔ اس خیال کے ساتھ ہی دور کا منظر واضح ہوکر سامنے آگیا۔ شاہ بیوی کو اپنے پیچھے نہ پاکر پلٹا۔

''یہ پرنسز کہاں رہ گئیں؟'' قریب آکر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''میری ایک بات مانیں گے۔'' سفینہ نے لب کھولے۔

''آپ کی کون سی بات ٹالی ہے جو یوں تمہید باندھنے کی نوبت آگئی؟'' وہ محبت سے گویا ہوا۔ سفینہ کچھ دیر تک شوہر کی آنکھوں میں جھانکتی رہی پھر گلابی لب کھولے۔

''آپ اپنے ساتھ روشنی کو کیوں نہیں آفس لے جاتے ہیں؟''

''آر یو سیریس......!'' وہ جتنی سنجیدہ تھی اسی شدت سے شاہ نے قہقہہ لگا کر مذاق اُڑایا تھا۔

''یس آئی ایم'' وہ ایک دم برا مان گئی اور خفگی سے شوہر کو دیکھا۔

''رئیلی؟'' اس کو شرارت سوجھی تو چڑانے لگا۔

''میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔'' شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اُسے دیکھتے ہوئے خفگی سے جواب دیا۔

''سوری پرنسز لیکن روشنی میں ابھی کافی بچپنا ہے اور آفس میں ڈسپلن کا کتنا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ تو آپ کو ہوگا'' شاہ نے بجائے برا ماننے کے مسکرا کر اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

''جی اچھی طرح سے اندازہ ہے۔ یہ بتائیں' آپ کو اس کے آفس جاب کرنے پر کوئی اعتراض تو نہیں؟'' اُس کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا مگر ایک بار روشنی سے ضرور پوچھ لینا چاہیے۔'' شاہ پہلی بار کچھ چونکا اور اس کی بات کو سنجیدگی سے لیا۔

''وہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' سفینہ کے چہرے کے تاثرات میں سکون اتر آیا تھا۔

''ایک بات پوچھوں' کوئی خاص وجہ ہے جو آپ اتنا اصرار کر رہی ہیں۔'' شاہ کا پُرتجسس انداز سفینہ کو مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

''شاہ اگر سچی بات پوچھتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک نہیں کئی وجوہات ہیں' پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح سے روشنی کا کانفیڈنس بڑھے گا' وہ مزید ایکٹو ہوجائے گی اور......'' سفینہ نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی مگر جھجک گئی۔

''اور......؟'' شاہ بڑی دلکشی سے آنکھیں میچ کر مسکرایا۔

''اور عائشہ بیگم......'' وہ بولتے بولتے ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی مگر آفاق کا حوصلہ دیتا انداز اُسے بولتے رہنے پر مجبور کر

گیا۔

"میں چاہتی ہوں کہ روشنی ان کے مصنوعی محبت کے جال کو توڑ کر باہر نکل آئے تاکہ وہ اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہو سکے۔" اس کی بات پر شاہ کو ایک جھٹکا لگا۔ وہ اُسے گھورتا چلا گیا۔

"کچھ غلط کہا کیا؟" سفینہ گھبرائی۔

"کسی خام خیالی میں مت رہنا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" شاہ کے چہرے کے تاثرات بدلتے چلے گئے۔

"کیسا؟" سفینہ حیران و پریشان ہوگئی۔ "کیا آپ میری بات سے اتفاق نہیں کرتے؟" اس نے سوالیہ انداز میں شوہر کی طرف بڑی توجہ سے دیکھا۔

"میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ ہماری پرنسز کچھ کہیں اور ہم نہ مانیں۔" اس کے شاہانہ انداز پر سفینہ کی جان میں جان آئی۔

"اوہ..... تھینک یو شاہ۔" وہ کھل اٹھی۔

"شکریہ تو ہمیں آپ کا ادا کرنا ہے پرنسز۔" اس نے بڑھ کر بیوی کا ایک ہاتھ تھام کر نرمی سے دبایا پھر دوسرے ہاتھ پر بھی قبضہ جمالیا۔

"ویسے ہمارے دل پر تو آپ شادی سے قبل ہی شب خون مار چکی ہیں' اب تو یہ سانسیں بھی آپ کے پاس گروی ہیں۔" آفاق شاہ اتنی وارفتگی سے دھیرے دھیرے کانوں میں رس گھولتا گیا کہ سفینہ کے کان کی لوئیں سرخ ہوگئیں اور نگاہیں جھکنے پر مجبور۔

❁.......❁.......❁.......❁

روشنی کو وہاں کام کرتے ہوئے بڑا مزہ آرہا تھا' خاص طور پر جب سکھانے والا رومیو جیسا ڈیشنگ بندہ ہو۔ رومیو سے اس کا سامنا اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ وہ اس کے حواسوں پر چھایا رہتا۔ ویسے بھی یہ ٹائم اس نے کام کرنے کے بجائے سیکھنے پر صرف کیا تھا' اس لیے خاصی ریلکس ہو کر اس کا جائزہ بھی لیتی رہتی۔ وہ اس کورے کاغذ پر بہت کچھ لکھتا چلا گیا۔ پروفیشنلزم کس چڑیا کا نام تھا' رومیو نے اس بارے میں اسے مکمل طور پر گائیڈ کیا' آفیشل زبان کیسے استعمال کی جاتی ہے اسے آہستہ آہستہ اس بات پر بھی عبور ہونے لگا تھا۔ روشنی کو کمپیوٹر آپریٹ کرنا سکھایا' کسی بھی پروڈکٹ کی پریزنٹیشن کیسے بنائی جاتی ہے' وہ اس نے رومیو سے سیکھی' سب سے بڑھ کر اپنی صلاحیتوں پر اعتبار کرتے ہوئے کمپنی کے مفاد میں کیسے کام کیا جاتا ہے یہ گر بھی اسے رومیو نے بتایا مگر اس کے دل میں جگہ بنانے کا فن روشنی کو ابھی سیکھنا تھا کیونکہ وہ کام کے علاوہ فالتو بات نہ کرتا نہ اسے کرنے دیتا۔

روشنی شروع میں اتنا کام دیکھ کر الجھ گئی تھی' گزرتے وقت کے ساتھ سب کچھ سلجھتا چلا گیا۔ کبھی کبھار جب وہ کسی کام میں پھنس جاتی تو بے دھڑک رومیو کے کمرے میں پہنچ جاتی اور وہ بڑی نرمی سے معاملہ حل کر دیتا' کبھی روشنی کا دل چاہتا کہ وہ دل کا معاملہ بھی اس کے سامنے اٹھائے مگر جیسے ہی وہ سامنے آتا اس کی بولتی بند ہو جاتی۔ رومیو کے لیے محبت کے ساتھ ساتھ عزت و توقیر میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا گیا تھا کیوں کہ آج کے اس مفاد پرست دور میں کوئی بھی کسی کے لیے اتنا بے لوث ہو کر کچھ نہیں کرتا جتنا کہ اس نے فائز کو کرتے دیکھا۔

وہ بھی تو ایک مرد تھا مگر بغیر غرض' بغیر مفاد کے بڑے خلوص سے اس پتھر کو تراشتا' کبھی بری نگاہ نہ ڈالی۔ وہ جتنا اس بارے میں سوچتی اس کا دل اسی قدر شدتوں سے رومیو کی محبت میں گرفتار ہوتا جاتا۔ روشنی بے خیالی میں کی بورڈ پر کھٹ کھٹ کرتے ہوئے یہ ساری باتیں سوچتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

''یہ بیٹھے بیٹھے کس بات پر مسکرایا جارہا ہے' کام پر دھیان دیں۔'' اچانک رومیو نے اس کے سامنے پین سے ٹیبل بجائی۔

''جی...... سر؟'' وہ چونکی۔

''یہ فائل مکمل کر کے دس منٹ میں لے کر آئیں۔'' اس نے اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں کہا اور فائل اس کے سامنے پٹخ کر الٹے قدموں کیبن سے باہر نکل گیا۔ روشنی کے لبوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ پھیل گئی' اس نے دل میں پکا ارادہ کیا کہ وہ جلد ہی بھابی سے اپنے دل کی بات ضرور کہے گی۔ ویسے بھی گھر جا کر اس کی ہر بات میں کہیں نہ کہیں سے رومیو سر کا ذکر نکل آتا تھا اور سفینہ مسکرا مسکرا کر سنتی رہتی۔

❋......❋......❋......❋
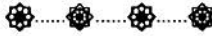
''میں بہت خوش ہوں نبیل...... آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بغیر میں یہاں کیسے دن گن گن کر کاٹتی تھی مگر ہمارے بیچ میں جو کچھ ہوا کیا اس کے بعد ہم نارمل میاں بیوی جیسی لائف گزار سکیں گے؟'' مومل نے اپنا سر اس کے شانے سے ٹکایا اور روتے ہوئے پوچھا۔

''اگر تم شرمیلا والے واقعے کی بات کر رہی ہو تو اس بات کے لیے میں خود کو کبھی بھی معاف کر پاؤں گا اور نہ ہی تمہیں معاف کرنے کے لیے کہوں گا' جانے اس وقت مجھ پر کیسا جنون سوار ہو گیا تھا پھر بھی زندگی کو آگے بڑھنا ہی ہے......'' اس نے دھیرے دھیرے اعتراف جرم کیا۔

''شاید اسی لیے ہمیں قدرت کی طرف سے سبق ملا۔'' مومل کا ٹھہرتا لہجہ' نبیل کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ اسی لیے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں تمہاری طاقت مجھے بھٹکنے سے روک لے گی۔'' نبیل نے مومل کے سرد ہاتھوں پر اپنے بھاری ہاتھ رکھ کر درخواست کی۔

''تنہائی کی اذیت بہت سہہ لی میں نے مگر اب اور نہیں سہا جاتا ان دوریوں کا عذاب کم کرنے کے لیے مجھے آپ کے ساتھ شہر جا کر رہنا منظور ہے۔'' مومل نے اثبات میں سر ہلا کر جذبات کا اظہار کیا۔

''تھینک یو جان۔'' وہ اُس کے ریشمی بالوں میں محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ میرے ساتھ خوش رہ سکیں گے۔'' مومل نے اس کے شانے سے سر اٹھا کر پوچھا۔

''ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار زندگی گزاریں گے۔'' نبیل نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

''سوچ لیں اب میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کچھ نہیں رہا۔'' اسے اچانک اپنی محرومی کا خیال آیا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے سوچنے لگا کہ اب اس کی زندگی کے جتنے ماہ و سال باقی رہ گئے ہیں وہ مومل کی رفاقت میں ان دنوں کو یادگار بنانے کی کوشش کرے گا تاکہ اس کے دیئے ہوئے غموں کا ازالہ ہو سکے۔

❋......❋......❋......❋

فائز آفس سے ملنے والی نئی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل اُلجھنے لگا' وہ ابھی ایک آفیشل ڈنر میں شرکت کے بعد گھر واپس لوٹ رہا تھا۔ اسے کبھی کبھی روشنی کے دیکھنے کے انداز سے الجھن ہوتی' وہ جتنا اس سے دور بھاگتا' اتنا ہی وہ قریب آنے کی کوشش کرتی' ڈنر میں بھی اس کی توجہ کا مرکز فائز ہی تھا' یہ بات عاصم نے بھی محسوس کی اور اسے کئی بار اس حوالے سے چھیڑا۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتی مگر اس کی آنکھوں میں چاہت کی چاشنی اور اپنا پن...... دکھائی دیتا۔

''یہ میں کیوں اس لڑکی کو اتنا سوچے جا رہا ہوں۔'' وہ اپنے آپ سے سوال جواب میں مصروف ہو گیا۔

''شاید اس لیے کہ روشنی کو دیکھ کر مجھے سفینہ کا خیال آتا ہے۔'' اندر سے جواب آیا۔

شاہ کی مہربانیاں بھی تو دن بہ دن بڑھتی جارہی ہیں، پہلے انکریمنٹ ملا اب نئی گاڑی، اللہ خیر، اتنے دنوں بعد زندگی میں سکون آیا ہے، کہیں پھر سے سب کچھ غلط نہ ہوجائے۔" فائز کا دل نجانے کیوں تشکیک وملال سے بھر گیا۔

❁ ❁ ❁ ❁

کمرے میں جلنے والے تیز بلب کی روشنی بھی من کے اندھیروں کو دور کرنے میں ناکام رہی، بتول کو کسی پل چین نہیں آرہا تھا۔ وہ نئے گھر کے شاندار کمرے کے وسط میں خالی ذہن کے ساتھ ساکت کھڑی دیوار پر پڑنے والی اپنی پرچھائی کو گھورنے لگی انہیں کبھی کبھی یہ سب خواب لگتا۔ وہ سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے آپ سے ہم کلام ہوئیں۔

"زمانے کی بیٹیاں وداع ہوتی ہیں تو ماں باپ کے کاندھے کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے، یہاں شرمیلا کی شادی کے بعد تو فکر دو چند ہوگئی ہے۔ اس لڑکی نے جو قدم اٹھایا تھا رخصتی کے دن سے واپسی کا دن شمار کرنا شروع کردیا ہے۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے بلکنے لگیں۔ انہیں اپنی عیش وعشرت بھری زندگی کے پیچھے شرمیلا کے ارمانوں کا خون چھلکتا دکھائی دیتا اور پھر ہر شے سے جیسے جی اچاٹ ہوجاتا تھا۔

"اماں چل کر سوجائیں کب تک یوں کھڑی رہیں گی۔" چھوٹی نے آکر ماں کا بازو تھاما اور وسیع وعریض بیڈ پر لے جا کر بٹھادیا۔

"چھوٹی، تمہیں یہاں نیند آجاتی ہے؟" بتول نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"ہاں اماں یہاں تو لائٹ بھی نہیں جاتی، اے سی کی کولنگ میں ایسی نیند آتی ہے کہ صبح بھی اٹھنے کا دل نہیں کرتا۔" وہ نئی نئی چیزوں سے بہل کر خوش ہوگئی۔

"اچھا پھر مجھے کیوں یہاں سکون نہیں ملتا؟" وہ بیٹی سے بولی تو اس نے منہ بنا کر ماں کو دیکھا جو اس کے مطابق ناشکرے پن پر اتر آئی تھی۔

"دعا مانگیں۔" اسے ماں کی بے چینی پر تھوڑا افسوس بھی ہوا۔

"ہاں میں اللہ سے صبر مانگتی ہوں اور ہر وقت دعا کرتی ہوں۔" بتول کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی آواز بھرا گئی۔

"چھوٹی کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ شرمیلا کو وہ لوگ طلاق نہ دلوائیں۔" بتول نے چھوٹی بیٹی کا ہاتھ تھاما۔

"ایسا ہوجائے تو کوئی معجزہ ہی ہوگا۔" چھوٹی حالات سے آشنا تھی ایک دم بولی۔

"ایک دن قسمت میری بیٹی کا ساتھ ضرور دے گی کیوں کہ میں ابھی بھی معجزوں پر یقین رکھتی ہوں اور اس کے اچھے نصیبوں کے لیے دن رات دعا کرتی ہوں۔" بتول کی سرگوشی اپنے آپ تک محدود رہی۔

❁ ❁ ❁ ❁
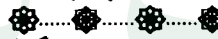
وہ جب فائز کے ساتھ شاہ ہاؤس پہنچی تو مغرب کا ٹائم ہونے والا تھا۔ گھر کی اندرونی عمارت کی لائٹس جل اٹھی تھیں تیز بارش نے بوندا باندی کا رخ اختیار کرلیا تھا۔ بارش سے بچنے کے لیے روشنی کے کہنے پر فائز نے گاڑی کار پورچ میں لے جا کر روک دی تھی۔

"بہت شکریہ۔" روشنی نے اترتے ہوئے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔

"اس میں کوئی بڑی بات نہیں ظاہر ہے جب ہم دونوں ایک ساتھ آفس کے کام سے نکلے ہوئے تھے تو اس بارش میں میرا فرض تھا کہ آپ کو گھر تک پہنچاؤں ویسے بھی آپ کب تک اپنے ڈرائیور کا انتظار کرتیں۔" فائز نے شائستگی سے جواب دیا۔

"یہ شخص کتنا منفرد اور ستھری سوچ رکھتا ہے۔" وہ بے ساختہ اسے تکتی رہی۔
"اب میں چلتا ہوں۔" روشنی کو کھویا کھویا سا دیکھ کر فائز نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا اور گاڑی بیک کرنے لگا۔

"ایک منٹ رومیوسر۔" وہ ایک دم سامنے آ گئی تو فائز نے بریک دبایا۔
"یہ کیا حرکت تھی روشنی؟" اس نے کھڑکی سے منہ نکال کر غصے کا اظہار کیا۔
"سر پلیز چائے پی کر جایئے گا۔" اسے آداب میزبانی نبھانے کا خیال دیر سے آیا۔
وہ کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ سفینہ سے ایک بار فائز کو ملوادے پھر اپنی پسندیدگی کے حوالے سے کوئی بات کرسکے اب جب کہ قدرت نے بہترین موقع فراہم کیا تھا تو وہ کیسے فائدہ نہ اٹھاتی۔
"ابھی تو کافی دیر ہوگئی ہے پھر کبھی سہی۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر انکار میں سر ہلایا۔
"سر پلیز...... اس طرح آپ میری پیاری بھابی سے بھی مل لیجیے گا۔ میں نے ان سے آپ کا بہت ذکر کیا ہے۔" وہ بچوں کی طرح ضد باندھ بیٹھی اور گاڑی کے سامنے سے ہٹنے سے انکار کردیا۔
"اوکے...... چلیں ایک کپ چائے کا پی ہی لیتا ہوں۔" فائز نے مسکراتے ہوئے کار کا دروازہ کھولا اور اس کی ہمراہی میں اندر کی جانب بڑھا جانے کیوں اس کا دل بڑی زور زور سے دھک دھک کرنے لگا تھا۔

❁......❁......❁......❁

نبیل مسلسل تسلی بھرے الفاظ بیوی کے کانوں میں انڈیلتا چلا گیا تاکہ وہ ڈپریشن سے باہر آسکے جو پچھلے کئی ہفتوں سے اس کے وجود پر اپنے پنجے گاڑے ہوا تھا مگر کوئی فرق نہیں پڑا اور نبیل نے جیسے ہی شہر جانے کی خوش خبری سنائی وہ کھل اٹھی اس خیال نے جیسے اس کی ہنسی لوٹا دی تھی۔
"موبل جان اب تم مجھے پہلے سے بھی زیادہ عزیز ہوگئی ہو۔" اس کے بالوں کو بوسہ دیتے ہوئے اظہار کیا۔
"سچ نبیل......!" موبل نے بشاشت سے تصدیق چاہی تو اس نے سر ہلادیا۔
"بس پھر جلدی پیکنگ شروع کرو۔" نبیل نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپتھپایا۔
"آپ کسی بات کی فکر مت کریں۔ اس بار میں نے ساری پیکنگ پہلے سے کرلی ہے۔ کیونکہ میں نے بھی فیصلہ کرلیا تھا اس بار آپ کو اکیلے شہر جانے نہیں دوں گی۔" وہ تھوڑا شوخی سے بولی۔ اس بات پر نبیل نے محبت سے موبل کی طرف دیکھا۔
"اتنی غلطیوں کے باوجود اس کی شریکِ سفر نے اسے مایوس نہیں کیا تھا مشرقی عورت کی یہ ہی خوبی ہر شے پر بھاری ہے۔" نبیل نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا اور اسے اپنی بانہوں کے سہارے کھڑے ہونے میں مدد دینے لگا موت سے جنگ لڑ کر تو وہ زندگی کی طرف لوٹی تھی۔ وہ اب اس کا بہت دھیان رکھنے لگا تھا ایک بھیانک تجربے کے بعد اس نے جانا تھا کہ زندگی بھر ہم دو طاقتوں کے زیر اثر رہتے ہیں ان میں ایک نیکی کی طاقت ہوتی ہے اور دوسری بدی کی اصل انسان وہ ہی ہے جو بدی کو زیر کرکے نیکی کی راہ پر چلے۔
نبیل راہ راست سے بھٹکا ہوا انسان تھا مگر اس بار اس نے کوشش کی کہ بدی کی طاقت کو پیچھے دھکیلتے ہوئے نیکی کے راستے کا انتخاب کرے وہ اپنے اللہ سے معافی کا طلب گار ہونے لگا تھا۔

❁......❁......❁......❁
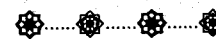
ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی سفینہ نے نہانے کے بعد ڈرائیر سے بال سکھائے اور اپنے بیڈروم کا دریچہ کھول دیا۔ ایک

ٹھنڈی ہوا کا نم جھونکا اسے تروتازہ کر گیا تھا۔ مٹی کی سوندھی مہک نے اس کی طبیعت کا بوجھل پن جیسے سرے سے غائب کر دیا تھا۔ وہ واپس مڑی اور ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں اپنی پسندیدہ لپ اسٹک تلاش کرنے لگی جو مل کر نہیں دے رہی تھی۔

''بھابی.....'' روشنی دور سے چلاتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''تم آگئی جان؟'' وہ خیر مقدمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر مڑی۔

''بس ابھی پہنچی ہوں۔'' روشنی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا بھیا کہاں ہیں تمہارے؟'' سفینہ کی متلاشی نگاہ نے اس کے پیچھے شاہ کو تلاش کیا۔

''وہ تو آج لیٹ آئیں گے۔'' اس نے اطلاع دی اور ہچکچا کر سفینہ کو دیکھنے لگی کہ رومیو کا کیسے بتائے۔

''او کے۔'' سفینہ کو گلابی لپ اسٹک مل گئی تو اس کی توجہ روشنی پر سے ہٹی اور وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے لپ اسٹک لگانے لگی۔

''بھابی.....وہ.....'' روشنی نے ہاتھ ملتے ہوئے اس کے پشت پر کھڑے ہو کر پکارا۔

''کیا ہوا؟'' سفینہ نے سر اٹھایا اور شیشے میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے آپ کو کسی سے ملوانا ہے۔ پلیز ڈرائنگ روم میں چلیں۔'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

''کوئی خاص شخصیت ہے کیا؟'' سفینہ نے مڑ کر اس کی لرزتی پلکوں کو غور سے دیکھ کر سوال کیا۔

''جی.....وہ.....رومیو.....آئے ہیں۔'' اس کے گال بلش ہو گئے۔

''اوہ.....ہو.....تو پاگل لڑکی پہلے کیوں نہیں بتایا۔ تم انہیں اکیلا چھوڑ کر یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ جا کر بیٹھو میں کچھ کھانا پینے کی چیزیں لاتی ہوں۔'' وہ نند کے دل کے معاملات جان گئی تھی' فوراً ہی اسے ہدایت دے کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

❀.....❀.....❀.....❀

مہرین آزر نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ آسمان پر چمکتے تارے اس کی آنکھوں کی نمی میں ٹمٹما سے گئے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اس نے بڑی مشکلوں سے آزر کو منا کر شرمیلا کے کمرے کی طرف بھیجا تھا۔ وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں انہیں باہر کی جانب دھکیلتی گئی جبکہ دل اندر سے بری طرح سے رو رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں اب اندر جائیں۔'' کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر جیسے آزر کے پیروں کو زمین نے جکڑ لیا تھا۔

''بھئی آپ کی نئی نویلی دلہن کتنے دنوں سے آپ کے انتظار میں رات بھر جاگتی رہتی ہے۔'' انہوں نے شکوہ کناں نظروں سے مہرین کو دیکھا تو وہ بولی۔

''میں نے خود اس کے کمرے کی لائٹ پوری رات جلتے دیکھی ہے۔'' اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور انہیں اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

''مہر.....پلیز۔'' آزر نے مڑ کر اپنی چہیتی بیوی کو یوں دیکھا' جیسے وہ بڑی مشکل میں ہوں اس کی ضد آج انہیں ایک عجیب مشکل مقام تک لے آئی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔'' مہرین ان کی نگاہوں کی تاب نہ لا کر فوراً ہی پلٹ گئی۔

''ایسا نہ ہو کہ تمہیں پچھتانا پڑے۔'' آزر کا ضدی لہجہ پیچھے سے کانوں میں گونجا۔

''دل کو سمجھا لو صبر کرو۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''صبر ہی تو نہیں آتا۔'' دل نے دہائی دی۔

سفینہ عائشہ بیگم کے ساتھ لوازمات سے بھری ٹرالی لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو ایک جانی پہچانی سی خوشبو چہار سو پھیلی محسوس ہوئی۔ وہ ایک دم چونک گئی۔

"دلہن...... یہاں تو کوئی مہمان نہیں۔" عائشہ نے کوفت کا اظہار کیا' سفینہ نے کس قدر اہتمام کروایا تھا۔

"آں...... ہاں آپ جائیں۔" وہ سخت لہجے میں بولی تو عائشہ بیگم بڑبڑ کرتی ہوئی واپسی کے لیے مڑ گئی۔

"یہ رومیو صاحب کہاں گئے؟" اس نے چاروں طرف نگاہیں گھما کر سوچا' روشنی کونے والے صوفے پر بیٹھی خیالوں میں گم تھی۔

"ارے کیا ہوا؟" سفینہ نے پاس جا کر پوچھا۔

کیا بھابی؟" وہ غائب دماغی سے بولی۔

"وہ تمہارے رومیو صاحب کہاں ہیں؟" اس نے معنی خیزی سے تمہارے پر زور دیا تھا۔

"ہائے...... کاش وہ ہمیشہ کے لیے میرے ہو جائیں۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"اچھا تو حالات یہاں تک پہنچ گئے ہیں' ہماری بنو کو بھی پیار ہو گیا......" سفینہ نے نند کے چٹکی کاٹی۔

"کیا...... بھابی کہاں کا پیار۔" وہ ایک دم منہ بنا کر بولی۔

"مطلب' ایسے کیوں بول رہی ہو؟" اس نے کریدا۔

"سنا ہے کہ رومیو سر کسی اور لڑکی کو چاہتے تھے' جوان کو نہ مل سکی' بس اسی کے ٹرانس میں رہتے ہیں' میری طرف تو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔" روشنی نے ہونٹ لٹکا کر کہا۔

"تم اگر اس معاملے میں سیریس ہو تو میں تمہارے بھائی سے بات کروں؟" اس نے نند کو بغور دیکھا۔ روشنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیوں کہ وہ تمہاری شادی کے معاملے میں بہت سیریس ہو گئے ہیں۔" سفینہ نے اس کے دل کی بات جاننا چاہی' اس لیے مزید بولی۔

"ایک بات کہوں بھابی' میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شادی کروں گی تو صرف رومیو سے ورنہ تاعمر آپ کے سینے پر مونگ دلوں گی۔" اس نے شرارت بھرے انداز میں صاف طریقے سے دل کی بات کہہ دی۔

"اچھا مگر وہ تمہارے رومیو صاحب اچانک چلے کہاں گئے؟" سفینہ کو اصل بات یاد آئی۔

"ان کے والد کافی بیمار ہیں' اچانک گھر سے فون آیا کہ ان کی طبیعت بگڑ گئی ہے تو رومیو کو ایمرجنسی میں جانا پڑا۔" روشنی نے بتایا۔

"اوہ کیا ہوا انہیں۔" اس نے افسوس سے پوچھا۔

"ان کا ایک ہاتھ اور جسم کا کچھ حصہ پیرالائز ہو گیا ہے۔" روشنی نے فائزہ سے سنی ہوئی معلومات آگے بڑھائی' سفینہ ایک دم چونکی' اسے اپنے تایا کی یاد نے بے چین کر دیا۔

"کیا ہوا بھابی' آپ اس سلسلے میں میری ہیلپ کریں گی ناں؟" روشنی نے اسے کھویا کھویا سا دیکھا تو کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں ضرور' میں تمہارے بھیا سے بات کر کے نہ صرف انہیں مناؤں گی بلکہ......" اس نے تنگ کرنے کے لیے بات نامکمل چھوڑ دی۔

"بلکہ کیا بھابی جلدی بتائیں ناں۔" وہ اتاؤلی ہوئی۔
"میں جلد تمہارے آفس کا چکر بھی لگاؤں گی۔" سفینہ نے اس کا کاندھا تھپتھپا کر تسلی دی۔
"او تسی گریٹ ہو بھابی۔" وہ ایک دم خوشی سے ناچنے لگی۔
"ہم بھی تو دیکھیں تمہارے رومیو کتنے پانی میں ہیں۔ جن کے لیے ہماری نند بھنگڑا ڈالنے لگی۔" سفینہ نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا تو روشنی کو اپنی غیر اختیاری حرکت کا ادراک ہوا اس نے شرما کر ہاتھوں میں منہ چھپالیا۔ سفینہ نے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔

❁.......❁.......❁.......❁

آفاق شاہ کے معمولات اب تو سفینہ کے بغیر ادھورے تھے‘ جب تک وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلتا تب تک وہ اُس کے کپڑوں کا انتخاب کرتی اور ساری چیزیں بمعہ جوتے کے سامنے رکھنے کے بعد ناشتہ تیار کرنے کے لیے کچن کی جانب دوڑ لگاتی۔ پہلے تو روشنی بھابی کی تھوڑی بہت ہیلپ کرادیتی تھی مگر اب اسے خود آفس جانا ہوتا۔ اس لیے وہ بھائی سے بھی پہلے تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھ کر بزنس نیوز پڑھنے لگتی۔ عائشہ بیگم تو موڈی تھیں‘ موڈ ہوتا تو صبح اس کی مدد کو کچن میں آجاتی ورنہ کمرے میں سر یا پیروں کے درد کا بہانہ بنائے لیٹی رہتیں۔ سفینہ گھر کا ماحول خراب نہیں کرنا چاہتی تھی‘ اسی لیے کچھ کہے بنا خوش دلی سے اپنے فرائض انجام دیتی رہتی‘ ویسے بھی یہاں اوپر کے کاموں کے لیے ڈھیروں ملازم موجود تھے‘ بس شاہ کی ضد تھی کہ کھانا سفینہ کے ہاتھ کا کھائے گا پھر وہ شوہر کی خوشی کے لیے یہ کام انجام دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھی۔
"پرنسز...... جلدی کریں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" بلیک پینٹ‘ لائٹ پر پل شرٹ پر کیمل کلر کی ٹائی باندھتے ہوئے وہ اسے کمرے میں کھڑے پکارنے لگا۔
"ناشتہ ریڈی ہے جناب‘ باہر تو نکلیں۔" سفینہ نے کمرے کی طرف رخ کرتے ہوئے زور سے جواب دیا۔ ان دونوں کے مابین محبت کے ایسے مظاہرے پر روشنی کے ہونٹوں کو مسکراہٹ چھوگئی۔
"آگیا جی۔" بیوی کی آواز پر جب شاہ تیز قدموں سے ناشتے کی ٹیبل پر پہنچا تو ایک مست سی ترنگ اتر گئی۔
"واہ...... دل خوش کردیا۔" اس نے سراہتی نگاہوں سے بیوی کو دیکھا۔ سفینہ نے شاہ کی پسند کے پین کیک بنائے تھے جس پر بلیو بیری ساس ڈالا گیا تھا۔
"چلیں بھئی بسم اللہ کرتے ہیں۔" اس نے بیوی کے برابر والی کرسی سنبھالی اور منتظر نگاہوں سے دیکھا۔
"جی۔" سفینہ نے چھری کانٹے کی مدد سے پلیٹ میں گرما گرم پین کیک نکالا اور اُن دونوں نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی پلیٹ میں ناشتا کرنا شروع کردیا۔
"کاش کوئی مجھے بھی ایسے ہی چاہے۔" روشنی نے ان دونوں کو بڑی حسرت سے دیکھتے ہوئے سوچا‘ سفینہ نے نند کو چونک کر دیکھا تو وہ شرمندہ ہو کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔
"روشنی...... تم بھی پین کیک ٹرائی کرو۔" کانٹے میں کیک کا پیس پرو کر منہ تک لے جانے سے پہلے نند کو آفر کی۔
"بھابی مجھے تو معاف رکھیں‘ میرے لیے تو یہ سیریل ہی ٹھیک ہیں۔ مجھے دوبارہ اپنا وزن نہیں بڑھانا۔" روشنی ٹشو سے منہ صاف کرنے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔
"او کے...... بھائی بھابی میں آفس جارہی ہوں۔" روشنی نے بیگ کاندھے پر لٹکاتے ہوئے کہا۔ وہ اپنی گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ آفس جاتی تھی جبکہ آفاق اپنی کار میں جاتا تھا۔

عظمیٰ شفیق

السلام علیکم! نام عظمیٰ شفیق ہے 28 جولائی کو لاہور میں تشریف آوری ہوئی۔ اسٹار سرطان ہے اور کاسٹ مغل۔ ہم تین بہنیں دو بھائی ہیں، بڑی بہن جس کا نام لبنیٰ ہے پھر میں پھر بھائی ایاز وکی ہے پھر علی بھائی آخر میں چھوٹی بہن کرن ہے۔ 12 سال پہلے شادی ہوئی، سسرال جڑانوالہ آ گئی۔ میرے تین بچے ہیں بڑی بیٹی عمائمہ پھر جڑواں بیٹے ہوئے سالک، ضیغم نام ہیں۔ دس سال ہو گئے ڈائجسٹ پڑھتے ہوئے آنچل، شعاع، خواتین کرن فیورٹ ہیں، بہت حساس ہوں کچھ حد تک موڈی بھی۔ رونا بہت جلدی آتا ہے، غصہ سال میں ایک بار شدید قسم کا آتا ہے حقیقت پسند بھی ہوں۔ پسندیدہ کلر بلیک، جامنی، فیروزی ہے۔ فیورٹ سنگرز میں نصرت فتح علی خان، نور جہاں، لتا جی اینڈ کمار سانو ہیں۔ کھانے میں حلیم، نہاری، شوارما، کسٹرڈ بہت پسند ہے۔ فرینڈ کوئی خاص نہیں بچپن کی ایک دوست اسماء رشید بہت یاد آتی ہے۔ فیورٹ ناول پیر کامل، ٹوٹا ہوا تارا ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز میں عمیرہ احمد، ام مریم، سمیرا شریف طور، ثروت نذیر، طلعت نظامی، راشدہ رفعت ہیں، اب اجازت دیں، اللہ حافظ۔

''او کے...... بیٹا میں بھی پندرہ منٹ میں نکلتا ہوں۔'' شاہ کی آنکھوں میں بہن کے لیے ڈھیروں پیار چھلک اٹھا۔

''شیور بھائی۔'' اس نے سر ہلایا اور ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی، شاہ کی نگاہوں نے بہت دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁ .... ❁

''ایسا نہ ہو کہ تمہیں پچھتانا پڑے۔'' اپنے کمرے میں لوٹتے ہی مہرین نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر بازگشت کو روکنا چاہا۔

''کمرے میں ہر طرف آپ کی یادیں بکھری پڑی ہیں۔'' اس نے دیوار پر آویزاں اپنی شادی کی بڑی تصویر کو دیکھتے ہوئے دلہا بن کر مسکراتے ہوئے آزر سے شکوہ کیا۔ آزر علی کے مخصوص پرفیوم کی مہک ابھی تک اس کی سانسوں میں رچی ہوئی تھی جواب شاید کسی اور کے ارد گرد مہکنے والی تھی۔

''اف میں یہ درد کیسے سہہ سکوں گی۔'' اس نے اذیت کی لہروں میں بہتے ہوئے سوچا اور تکیے میں منہ چھپا کر رو دی۔

وہ جانتی تھی کہ سب آسان نہیں اس کا دل کئی بار ٹوٹا' کتنی بار کرچی کرچی ہوا اور کتنی دفعہ اس نے بین ڈالے۔ بہت کچھ پانے کے لیے تھوڑا بہت کھو بھی دیتی تو کیا فرق پڑتا مگر فرق تو پڑتا ہے۔ مہرین کو شادی کے بعد پہلی بار شاہانہ کمرے میں ایک ویرانی کا احساس ہوا' جدائی کی دھندلی سی رات مہرین کے دل پر بھاری پڑنے لگی' جس کام کو وہ آسان سمجھ رہی تھی وہ ہی سب سے مشکل ہو گیا۔ اس نے بہت کہہ سن کر آزر کو شرمیلا کے پاس جانے پر مجبور کر تو دیا تھا مگر دل میں عجیب عجیب سے وسوسے سر اٹھانے لگے تھے۔

''کہیں وہ اس کے حسن کے اسیر نہ ہو جائیں۔'' اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے سوچا۔

آزر تو شرمیلا کو بیوی کا درجہ دینے پر کسی طرح سے راضی نہیں ہو پا رہے تھے۔ اپنی اولاد کی قوی خواہش دل میں موجود ہونے کے باوجود انہوں نے اس انتہا تک جانے کا کبھی سوچا ہی نہ تھا کیوں کہ ان کے لیے کسی دوسری عورت کو لمحہ بھر کو بھی مہرین پر فوقیت دینا محال تھا نہ کہ اس کی زندگی میں سوکن لے آئیں۔ اسی لیے وہ یتیم خانے سے بچہ لینے کے لیے تیار تھے مگر مہرین کو یہ بات منظور نہ تھی' وہ اپنی گود میں آزر کا خون پلتے دیکھنا چاہتی تھی اسی لیے شوہر کی دوسری شادی کا زہر پینے پر تیار ہو گئی اور رو رو کر اپنی محبت کے واسطے دے کر انہیں بڑی مشکل سے منایا۔ اب جبکہ ہاتھی نکل گیا تھا بس دم رہ گئی تھی تو سانس سینے میں اٹکنے لگی تھی' اس کا دل چاہا کہ بھاگ کر شرمیلا کے کمرے میں جائے اور آزر کا ہاتھ تھام کر بڑے استحقاق سے واپس لے آئے مگر شطرنج کی بساط بھی تو اسی کی بچھائی ہوئی تھی اور چالیں بھی اس نے چلی تھیں' اب سب کچھ بگاڑ کر کھیل خراب کیسے کرتی۔

❁.......❁.......❁.......❁.......❁
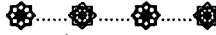
''کیا ہوا جناب' کہاں کھوئے ہوئے ہیں؟'' سفینہ نے اسے ناشتہ کی طرف متوجہ کیا۔
''پرنسز...... آپ نے غور کیا کہ ہماری روشنی کتنی سمجھدار ہوگئی ہے۔'' اس نے مسکرا کر کہا اور کھانا شروع کیا۔
''ماشاءاللہ...... بولیں کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے۔'' سفینہ کے لہجے میں خلوص کی بھرمار تھی۔
''میں سوچ رہا ہوں کہ اب اس کی شادی کردوں۔'' ان کے پُرسوچ لہجے پر پلٹ کر اندر آتی روشنی کے قدم دہلیز پر جم گئے وہ اپنا سیل فون چارجنگ کے لیے لگا کر بھول گئی تھی' وہ ہی واپس لینے آئی تھی۔
''ارادہ تو بڑا نیک ہے۔'' سفینہ نے جگ سے اورنج جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔
''بس تو پھر آپ تیاریاں شروع کردیں میں روشنی کی شادی کو لے کر بہت سیریس ہوگیا ہوں۔'' شاہ کا انداز' لہجہ کافی سنجیدگی لیے ہوا تھا۔
''یہ اچانک بھائی کو کیا ہوگیا؟'' روشنی کے کان ادھر ہی لگے تھے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔
''آپ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے لگے ہیں۔ بغیر لڑکے کے بھی کوئی شادی ہوتی ہے۔'' سفینہ نے گلاس شاہ کے سامنے رکھتے ہوئے شگفتگی سے پوچھا۔
''لڑکا تو میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔'' شاہ نے دھماکا کیا' سفینہ چونکی اور باہر کھڑی روشنی کا دل لرزا۔
''بھائی یہ کیا کہہ رہے ہیں۔'' روشنی نے ہاتھ ملے۔
''کون ہے' کیسا ہے' کیا کرتا ہے؟'' سفینہ نے ایک ساتھ کئی سوالات کرتے ہوئے روشنی کے دل کی ترجمانی کی۔
''میں ذرا اس کے بارے مکمل معلومات حاصل کرلوں پھر آپ کو سب کچھ بتادوں گا۔'' شاہ نے سپنس قائم رکھتے ہوئے جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔
''ویسے روشنی سے ضرور پوچھ لیجیے گا ہوسکتا ہے' اس کی بھی کوئی پسند ہو۔'' روشنی سے کیا ہوا وعدہ کانوں میں گونجا تو اس نے بولنا ضروری سمجھا۔
''مجھے اپنی بہن پر اعتماد ہے۔'' وہ اتنے یقین سے بولا کہ روشنی کی جان پر بن آئی۔
''اس دوران تم یوں کرو کہ اسریٰ خالہ کو ساتھ لے جا کر روشنی کے لیے جیولری کا آرڈر دے دو۔'' شاہ نے اس کی طرف دیکھا اور خاص تاکید کی۔
''جی اور کوئی حکم......'' سفینہ جو اس کی بات پر سوچ میں پڑگئی تھی اپنی پرانی جون میں واپس لوٹتے ہوئے اٹھلا کر پوچھا۔
اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ وہ پہلے رومیو سے ملے گی اگر مطمئن ہوئی تو شوہر کے سامنے روشنی کا مقدمہ موثر انداز میں پیش کرے گی' اس لیے اس وقت خاموشی اختیار کرنے میں ہی بھلائی جانی۔
''ہاں ہے نا شام کو میری فیورٹ ساڑھی پہن کر تیار رہنا' آج ہم باہر ڈنر کریں گے۔'' شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔
''جی ضرور مگر آپ جائیں گے تو واپسی ہوگی۔'' وہ دروازے کی طرف اشارہ کرکے بولی۔
''تم دنیا کی واحد بیوی ہو جو شوہر کو باہر کا راستہ دکھا رہی ہو۔'' شاہ کے دیکھنے کے انداز میں ایک خاص تاثر نمایاں تھا' وہ شرما گئی۔ اُس کے گداز لبوں پر معصوم سی مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔
''یہ کیا بھابی نے تو میرے حق میں کوئی بات نہیں کی؟'' وہ ایک دم ششدر رہ گئی۔

مسکان ایس

السلام علیکم! آنچل کو پڑھتے ہوئے کم سے کم بھی آٹھ' دس سال ہوگئے۔ مسکان (میرا اصل نیم ایس سے بنتا ہے) دنیا میں آنسوؤں کی برسات کرنے 27 فروری کو تشریف لائے۔ بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں' اپنے چھوٹے سے معصوم سے شہر ٹائپ قصبہ کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ جی ہمارے ایریا کا نام کوٹ اسلام ہے جسے ایک چھوٹا سا شہر بھی کہا جا سکتا ہے۔ ہم دو بہنیں دو بھائی ہیں' میرا پہلا نمبر ہے۔ خوبیاں تو پتا نہیں خامیاں کافی ہیں' جو یہ ہیں' کبھی کبھی کافی غصہ آجاتا ہے۔ جذباتی بہت ہوں' ہر کسی پر اعتبار کرلیتی ہوں' ہر کسی سے دوستی کرلیتی ہے' آنسو تو چھوٹی چھوٹی بات پر بہانا شروع کردیتی ہوں۔ کلر زیادہ لڑکیوں کی طرح وائٹ پنک پسند ہے۔ کھانے میں کسٹرڈ اور نمکین ڈش بریانی پسند ہے' پودے ہر طرح کے پسند ہیں۔ چاندنی راتوں کی دیوانی ہوں' دوستوں اور کزنوں کے ساتھ خوش رہتی ہوں ورنہ کمرے میں بند تنہائی پسند ہوں' آنچل اور شعاع حد سے زیادہ پسند ہیں۔ جھوٹے' مطلبی' مفلس لوگ حد سے زیادہ برے لگتے ہیں۔ مخلص' وفادار لوگوں سے دوستی کرنا پسند کرتی ہوں اور جی مجھے سمپل رہنا پسند ہے لیکن مہندی لگانے کا بے حد شوق ہے۔ کافی فضول خرچ ہوں' کنجوس لوگ پسند نہیں' فرینڈز کو گفٹ دینا اچھا لگتا ہے۔ جیولری میں بڑے بڑے ائیر رنگز پسند ہیں جو صرف فنکشنز پر ہی پہنتی ہوں ہنگر رنگ پسند ہے' اپنے آپ میں آنکھیں اور اپنے بال پسند ہیں۔

اے چمن والو! خطائیں معاف کردینا
خوشی کے موقع پر ہمیں بھی یاد کرلینا

''کیا اب مجھے خود ہی کچھ کرنا ہوگا۔'' روشنی نے منفی انداز میں سوچتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔

❁ ❁ ❁ ❁

چھوٹے سے محلے میں رہنے والی شرمیلا کو تقدیر نے پیسوں میں تول دیا تھا' اب ہر آسائش اس کی دسترس میں ہونے کے باوجود اسے صرف شوہر کا نام حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اعتماد' پیار سے خالی ایک رشتہ ملا تھا' اس نے اپنی بربادی کا سودا تو خود کیا تھا پھر شکوہ کیسا' ملال کیسا۔

''سب کچھ میری خواہش کے مطابق ہوا' پھر بھی دل کا ایک کونا خالی خالی سا رہتا ہے۔'' اس نے ستاروں کو دیکھ کر سوچا۔

جس راجا کے توسط سے وہ رانیوں جیسی زندگی گزار رہی تھی' اس نے سب کچھ دیا' سوائے اپنے ہونے کے احساس کے۔ شادی سے قبل ساری شرائط ماننے کے باوجود شرمیلا کو خود پر یقین تھا کہ وہ آزر کو اپنے حسن سے زیر کرلے گی مگر انہوں نے تو شادی کے بعد سے شرمیلا کے وجود کو جیسے یکسر نظر انداز کردیا تھا' اس کی امیدیں دم توڑنے لگیں۔ وہ تو آتے جاتے رسمی طور پر بھی اس کا حال احوال نہ پوچھتے تھے۔ یہ بات شرمیلا کے دل پر گھاؤ لگارہی تھی۔ سامنے ہوتے ہوئے بھی اگنور ہونا' بڑا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ آہٹ پر وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹی اور آزر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے پاس آئے' شرمیلا اپنے آپ میں سمٹ کر ایک طرف ہوگئی۔ اس کا ارادہ آزر کو بالکل بھی لفٹ کرانے کا نہ تھا۔ جب وہ اُسے درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے تھے پھر وہ کیوں ان کے آنے پر خوشی سے سرشار ہوتی۔ اس لیے یوں ہی ٹس کھڑی رہی اور ایسا ظاہر کیا جیسے اُن کے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سبز لباس میں سوجی سوجی آنکھوں کے ساتھ ہلکے پھلکے زیور میں شرمیلا انہیں بہت بجھی بجھی سی لگی۔ وہ ایک دم شرمندہ ہوگئے۔

"آخر اس معاملے میں اس بے چاری کا کیا قصور......" انہیں ضمیر کی ملامت نے گھیرا۔

"اس نے تو وہ ہی کیا جیسا ہم نے چاہا تھا" وہ ایک رخ پر کھڑی شرمیلا کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگے۔

"یہ میری قانونی اور جائز بیوی ہے پھر میں کیوں اسے نظر انداز کررہا ہوں۔" آزر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور حسن سوگوار سے مرعوب ہوئے کچھ دل نے بھی ملامت کی۔ اس کی ناراضگی دور کرنے کے لیے خود سے پیش قدمی کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی' جو شرمیلا نے ناکام بنادی اور ان کا بڑھا ہوا ہاتھ بے دردی سے جھٹک دیا۔ ایک مسکراہٹ آزر کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"آئی ایم سوری شرمیلا میں بہت شرمندہ ہوں۔" ان کے لہجے سے لجاجت ٹپک رہی تھی۔

"ہونہہ۔" شرمیلا پر کوئی فرق نہ پڑا وہ انہیں اگنور کرتی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یار...... یہ تو مہرین سے بھی زیادہ نخریلی ہے۔" اس کے نخروں پر آزر کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی' وہ بیوی بن کر ناراضگی کا اظہار کررہی تھی۔

"پلیز میرا یقین کریں مجھے سوچ کر ہی بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ میری وجہ سے آپ کی زندگی برباد ہونے جارہی ہے۔" آزر نے ایک بار پھر اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا اور جاکر صوفے پر اس سے جڑ کر بیٹھ گئے لیکن وہ غصے سے منہ دوسری طرف پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"میری بات سکون سے سنیں۔" آزر نے اس کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا اور بیڈ پر بٹھا دیا۔ خود اس کے گرد بانہوں کا گھیرا ڈال کر جانے کے سارے راستے مسدود کردیئے۔

"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی اور......" وہ مزید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر آزر نے اس کی بات مکمل ہونے نہ دی اور نرم لبوں پر اپنی انگلی رکھ دی۔

"بس اب اور غصہ نہیں۔" آزر کی نگاہوں کی تپش چہرے پر محسوس کرتے ہوئے شرمیلا کا غصہ شرم میں ڈھلنے لگا۔ قربت کی مدھم مدھم آنچ اسے پگھلانے لگی اور پھر اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ آزر کے مضبوط شانوں پر اپنا سر ٹکا دیا۔ کچھ دیر پہلے کا غصہ اور اذیت محبت میں تحلیل ہوگئی تھی۔

❀❀❀❀

فائز بے توجہی سے گاڑی چلا رہا تھا' ریڈ لائٹ ہونے پر گاڑی سگنل پر روک دی۔ بے خیالی میں اردگرد دیکھا۔ برابر والی گاڑی پر نگاہ گئی اور ہٹنا بھول گئی' بیک سیٹ پر سفینہ بڑے انداز سے بیٹھی دکھائی دی' وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر فون پر کسی سے باتوں میں محو تھی۔ فائز کی نگاہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا طواف کیا وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین لگی' شاید دوسری طرف سے کوئی شوخی بھرا جملہ کانوں میں پڑا تھا' وہ بالوں کو ایک سائیڈ پر گرا کر بے تحاشا ہنستی چلی گئی' دھلے دھلائے چہرے پر چھایا سکون اسے بہت دلکش بنا رہا تھا۔ گلابی لبوں سے موتیوں کی طرح جھانکتے سفید دانت' وہ واقعی بہت ہی پیاری ہوگئی تھی یا اسے لگ رہی تھی' فائز کے اندر سے ہوک سی اٹھی۔

"فائز غلط بات اب یہ کسی اور کی امانت ہے۔" اپنے آپ کو جھڑکنے کے بعد نگاہیں ہٹالیں اور کڑے ضبط سے گزرنے لگا۔ شاید قدرت کو اس پر رحم آگیا اور گرین لائٹ جل اٹھی۔ سفینہ کا ڈرائیور اس کے برابر سے زن سے گاڑی نکالتا چلا گیا' سفینہ اسی طرح باتوں میں مصروف تھی اس نے نگاہ اٹھا کر بھی فائز کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

عالم وحشت میں ایک دم گم صم بیٹھا وہ سب کچھ بھول گیا' ہارن کے شور پر اسے خیال آیا کہ وہ مین روڈ پر کھڑا ہے اور اس کے پیچھے گاڑیوں کی قطار لگی ہے۔ سر جھٹک کر جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کی اچانک اس کا دل ہر شے سے اوب گیا' اسے ساری دنیا بے رنگ اور پھیکی لگنے لگی' اس کے انداز میں واضح اکتاہٹ تھی' اس نے ایک ہاتھ سے بالوں کو جکڑا اور کچھ دور جا کر سائیڈ پر گاڑی روک دی' اسٹیئرنگ پر جھلا کر ہاتھ مارنا شروع کردیا۔

''قسمت کا یہ کون سا امتحان ہے۔'' فائز کے چہرے پر چھائی سنجیدگی گہری ہوتی چلی گئی۔

❁......❁......❁......❁

شرمیلا کی آنکھ کھلی تو آزر کمرے میں موجود نہیں تھے' وہ اپنے آپ میں نکھری سی ہوگئی تھی' ان کی قبولیت محبت کا دیا ہوا مان اسے جینے کی طرف مائل کرنے لگا' وہ اٹھی اور گلاس ونڈو کی جانب بڑھی' دونوں ہاتھوں سے پردے سمیٹ کر پٹ وا کردیئے' سرد ہوا کے جھونکے نے اس کے بکھرے بالوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔

''تمہارے بال بہت حسین ہیں۔'' آزر کی سرگوشی شرمیلا کے کان میں گونجی۔

''کہاں گئے کیا پتا لان میں واک کررہے ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نیچے جھانکا' آنکھیں بس ان ہی کی متلاشی تھیں' اس کی بے قراری پر لہلہاتا سبزہ مسکرایا۔ گالوں پر سورج کی سنہری کرنوں کا عکس پڑا' من میں عجیب سی سرشاری جاگی۔

''کہاں چلے گئے جناب۔'' وہ مہرین کا وجود فراموش کیے بس آزر کو ہی سوچ رہی تھی۔ کیاریوں میں موجود خوش رنگ پھول لان میں جھومتے اونچے اونچے درخت اور سفید تیرتے بادلوں کے پیچھے سے جھانکتا نیلا آسمان۔ پر پھیلائے پرندے مڑ کر اس کی حرکتوں کو پیار سے دیکھنے لگے۔

''گڈ مارننگ.....'' آزر کا فریش لہجہ کانوں میں گونجا اور شرمیلا نے بے ساختہ مڑ کر دیکھا۔

''کچھ غصہ ٹھنڈا ہوا؟'' آزر ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے اور شرارتی انداز میں پوچھا۔

''جی۔'' کسی خمار آگئیں لمحے کے خیال سے اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں تو دھیمی سی مسکراہٹ آزر کے بھرے بھرے ہونٹوں کو چھوگئی۔

''مجھے بھی کافی پینی ہے۔'' وہ بڑے استحقاق سے آگے بڑھی اور ان کا کپ چھین کر ہونٹوں سے لگالیا' وہ بھونچکا رہ گئے پھر کپ اس سے واپس لے کر خود بھی ہونٹوں سے لگالیا۔

❁......❁......❁......❁

''آج سنڈے ہے تو کیا خیال ہے شاپنگ پر چلیں۔'' سفینہ نے ناشتے کے بعد روشنی سے پوچھا۔

''ہاں اچھا ہے جاؤ اسی بہانے آؤٹنگ بھی ہوجائے گی۔'' شاہ نے مسکرا کر بیوی کی تائید کی۔

''جی ہاں ویسے بھی آج کل بڑی زبردست ورائٹی آئی ہوئی ہے' کیا خیال ہے روشنی؟'' سفینہ نے اس کی بے توجہی محسوس کر کے ڈائریکٹ پوچھا۔

''اب آفس جوائن کرلیا ہے۔ اسے کپڑوں کی بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہوگی۔'' شاہ نے بہن کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' روشنی نے صرف نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا اور منہ موڑ کر دیوار کو تکنے لگی۔

''کیوں جان؟'' سفینہ نے دوبارہ پوچھا' وہ روشنی کی مسلسل خاموشی سے خوف زدہ ہوگئی تھی جو پچھلے کئی دنوں سے جاری تھی۔

''بس بھابی! انسان کی اپنی بھی کوئی مرضی ہوتی ہے یا نہیں۔'' وہ ایک دم جھلائی۔
''روشنی......اپنی بھابی سے کس انداز میں بات کررہی ہو۔'' شاہ کو بہن کا گستاخانہ انداز برا لگا۔
''بھائی میں کوئی ربورٹ نہیں کہ اشاروں پر ناچنا شروع کردوں۔ انسان ہوں جس کی اپنی پسند ناپسند ہوتی ہے اور......'' روشنی کے منہ میں جو کچھ آیا بولتی چلی گئی' اس کے اندر کی گھٹن نکلتی چلی گئی اور وہ دونوں میاں بیوی منہ کھولے حیرت سے اس کا بدلا ہوا روپ دیکھتے رہ گئے۔

❁......❁......❁......❁
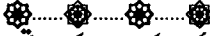
مہرین بڑی دیر سے برآمدے میں بیٹھی ہوئی لان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایک وقت تھا کہ وہ دونوں میاں بیوی یہاں صبح صبح چہل قدمی کیا کرتے تھے مگر اب تو آزر کا زیادہ وقت شرمیلا کی سنگت میں گزرنے لگا تھا۔ وہ بھی مصلحتاً خاموش تھی ورنہ جن ہاتھوں سے اندر لائی تھی' ان ہی سے پکڑ کر اسے باہر کردیتی۔ خزاں کا موسم شروع ہوچکا تھا مگر اس کے اپنے وجود پر بھی خزاں چھا گئی تھی۔ بظاہر مہرین کا رویہ نارمل رہتا مگر وہ ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگی تھی' وہ سب سے چھپ کر چھپکے چھپکے روتی رہتی مگر اپنی کمزوری کسی پر ظاہر ہونے نہ دیتی یہاں تک کہ آزر پر بھی۔ ہری بھری بیلیں' خشک پتوں سے ڈھکنے لگی تھیں۔ سارا دن خشک' سرد ہوائیں چلتیں۔ وہ اپنے کمرے میں پڑے پڑے غمگین غزلیں سننے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتی' جو اس کے دل کی ویرانی میں اضافہ کرنے کا سبب بن رہی تھیں۔ جانے کیوں اسے لگنے لگا تھا کہ اب آزر بھی شرمیلا کے پاس جانے کے لیے بہانے تراشتے ہیں۔ پہلے وہ کہتی تو جاتے تھے' اب وہ منع کرتی تب بھی کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے شرمیلا کو باہر گھمانے لے جاتے یا اس کے میکے جانے کا پروگرام بنالیتے' مہرین دانت کچکچاتی رہ جاتی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ خود کو برف کی طرح سرد کرکے جذبات واحساسات سے عاری ہوجائے لیکن باوجود کوشش کے وہ ایسا نہ کرسکی۔ ایک ماہ بعد جب اسے شرمیلا کے ماں بننے کی خوش خبری ملی تو آزر کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ مہرین چاہ کر بھی خوشی کا اظہار نہ کرسکی۔ یہ ہی تو اس کی پلاننگ تھی مگر پھر بھی خوشی کی کرن من میں نہ جاگی۔ بلکہ اندر خزاں اتر آئی' دل پر گہری اداسی کا راج ہوگیا۔ اسے ایک انجانا سا خوف جینے نہیں دے رہا تھا۔ ایک غم تھا جو اس پر آہستہ آہستہ اثر کرنے لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اولاد ہوجانے کے بعد آزر شرمیلا کو طلاق دینے سے انکار کردیں' حالانکہ ان کے مابین تو یہ ہی ڈیل ہوئی تھی کہ شرمیلا اپنی اولاد نہیں دینے کے بعد ہمیشہ کے لیے ان دونوں کی زندگی سے نکل جائے گی۔
(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

مقابل عید

ریحانہ آفتاب

سجیلا غصے سے رمیص کی طرف دیکھ رہی تھی اب تو لڑلڑ کے اس کی ہمت بھی جواب دے گئی تھی مگر مسئلے کا کوئی حل نہ نکلا تھا الٹا اس کا سر ہی مارے درد کے پھٹنے لگا تھا۔ کبھی کبھی اسے رمیص پہ شدید غصہ آتا تھا اور کبھی بے حد ترس لیکن وہ کیا کرتی کہ سب جاننے کے باوجود اسے کوئی راہ ہی نظر نہیں آتی تھی، ہر صبح آس کے ساتھ طلوع ہوتی اور جب رات کے اندھیروں کے ساتھ ٹوٹنے لگتی تو اس کے غصے کا گراف بھی بلند ہونے لگتا کہ خوب چیختی چلاتی اور رمیص کو دنیا جہاں کی باتیں سناتی، کبھی تو وہ چپ کر کے سن لیتا اور کبھی باہر سے سن کر آتا تو وہ بھی اپنی کھولن اس پہ نکال دیتا جیسے آج بھی دونوں کی تو تو میں میں ہوگئی اور رمیص نے گھر سے باہر نکل جانا ہی بہتر خیال کیا وہ تو چلا گیا لیکن پیچھے سجیلا جلتی کڑھتی، بڑبڑاتی رہی اور جب یہ سب کر کے بھی غصہ نا اترا تو رونے بیٹھ گئی۔

''مما کیوں رو رہی ہیں؟'' چھ اور تین سالہ بیٹا اور بیٹی ٹوٹے پھوٹے کھلونوں سے کھیل رہے تھے ماں کو روتا دیکھ کر کھیل بھول کر اس تک آئے بچوں کی شکلیں دیکھ کر سجیلا کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔

''کچھ نہیں تم لوگ کھیلو۔'' آنسوؤں پہ ضبط کرتی وہ بمشکل بول پائی بچے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

''مما بتائیں ناں کیوں رو رہی ہیں؟'' تین سالہ انشراح نے معصومیت سے استفسار کیا اس کے ننھے ہاتھ سجیلا کے چہرے پہ آرکے تھے وہ مزید شدت سے رونے لگی۔

''بابا میرے اسکول کی فیس نہیں بھر پا رہے میں دو ماہ سے اسکول نہیں جا رہا کہ اسکول والوں نے کہا ہے جلدی فیس بھریں ورنہ نام کاٹ دیں گے پھر تمہارا بھی ایڈمیشن پیسوں کی وجہ سے نہیں ہو پا رہا اسی لیے روز مما پاپا کی لڑائی ہو رہی ہے مما اسی لیے رو رہی ہیں۔'' چھ سالہ صائم بردباری سے چھوٹی بہن کو سمجھا رہا تھا سجیلا سے سانس لینا دوبھر ہوگیا چھوٹا سا بچہ ہر تلخ حقیقت سے آگاہ ہوگیا تھا اور ہوتا بھی کیوں نا گھر ہی تو پہلی تجربہ گاہ ہوتا ہے بچے جو دیکھتے' سنتے' سمجھتے ہیں اس بنیاد پر ان کی شخصیت پروان چڑھتی ہے ان باتوں کا احساس سجیلا کو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس نے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اس کے والدین کے مابین بھی معمول کے جھگڑے ہوتے تھے مگر اسے کبھی بھوک، غربت اور چیزوں کے لیے ترسنا نہیں پڑا تھا ماں باپ نے واجبی تعلیم دلا کر شادی کردی اور حقیقتاً شادی کے بعد سجیلا کو سمجھ آئی کہ دنیا اصل میں نام کس بلا کا ہے' ایک ایسی بلا جس میں رہنے کے لیے اپنی چھت نہ ہو کھانے کے لیے آٹا چاول جیسی نعمت نہ ہو ضروریات پوری کرنے کے لیے جیب میں روپے نا ہوں تو یہ بلا کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے۔ ماں باپ نے رمیص سے شادی کرتے وقت صرف شرافت دیکھی تھی اور یہ شرافت کا طوق اب سجیلا کے گلے کا پھندا بننے لگا تھا رمیص کی پندرہ ہزار کی تنخواہ میں کبھی ٹائم پر گھر کا کرایہ ادا ہوتا تو گیس بجلی کا بل رہ جاتا کبھی دونوں چیزیں مالک مکان کے گھر خالی کرنے کی دھمکی پر ادا ہوتی تو بچوں کے اسکول ٹیوشن کی فیس رک جاتی کبھی روکھا سوکھا پکتا تو کبھی پاؤ بھر چکن ڈال کر بریانی کی عیاشی بھی ہو ہی جاتی تھی۔

سجیلا نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی جس کے باعث اسے نہ کہیں اچھی جاب مل سکتی تھی نہ اسکول میں

چنگ ایسے میں رمیس اکیلا ہی گھر کی گاڑی چلا رہا تھا جیلا کے والدین کو بیٹی کا نوکری کرنا کبھی پسند نہیں تھا تب ہی تو انہوں نے زیادہ تعلیم نہ دلوائی کہ ہماری بیٹی نے کون سا نوکری کرنی ہے لیکن انہیں شاید آنے والے حالات کا اندازہ نہیں تھا بھلے اندازہ نہ ہو مگر ان کی آنکھیں تو ابھی بھی بند تھیں جو انہیں نظر نہیں آتا تھا کہ وہ لوگ کن حالوں میں جی رہے ہیں۔ اپنی ذات پر ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کرتی تھی لیکن جب بچے ملکس، پزا اور کھلونوں کے لیے ضد کرتے تو وہ اپنی بے بسی پر کڑھتی رہتی کہ وہ اپنی اولاد کو من چاہا کھلا بھی نہیں سکتی تھی اور یہ بے بسی ایک ماں کے دل پر کتنا گہرا گھاؤ چھوڑ دیتی ہے یہ بجیلا کا ممتا بھرا دل ہی جانتا تھا۔

اپنے گھر سے بھوکی پیاسی جب بچوں کو لے کر والدین کے گھر جاتی تو وہاں ایک وقت میں چار چار ڈشز اور لوازمات دیکھ کر بچوں کو تنبیہی نگاہوں سے تکتی رہتی تاکہ جو گھر سے سکھا کر لائی ہے کہ ہم نے کھانا کھا لیا ہے بچے سچ نہ بول دیں۔ ایک دو بار اس نے باپ بھائی سے اپنی مالی مشکلات کا ذکر بھی کیا تھا۔

''عورت کی قسمت میں پیسہ ہوتا ہے ہو جائیں گے حالات بہتر۔'' اس کی ماں نے سمجھا کر اسے چپ کرا دیا تھا مگر اس کے اندر شور ہونے لگا۔

''کیا رمیس کی کم آمدنی میں اس کی بدقسمتی کا ہاتھ ہے؟'' صائم کی چھ ماہ سے فیس نہیں گئی تھی اسکول والوں نے بچے کو گھر واپس بھیج دیا تھا کہ جب پیسے ہوں تب اسکول بھیجے گا رمیس سرخ چہرہ لیے صائم کو اسکول سے لے کر لوٹا تھا اسکول والوں نے اتنی ہی مہربانی بہت کی کہ انہوں نے چار ماہ تک بغیر فیس کے پڑھنے دیا تھا بجیلا بھی صائم سے نظریں چرانے لگی تھی۔

''پاپا ابھی تو میں اسکول گیا تھا مجھے اندر کلاس میں کیوں نہیں جانے دیا گیا؟'' صائم حیرت سے پوچھ رہا تھا بچے نے نیند چھوڑ کر اسکول جانے کی تیاری کی تھی اور اسکول کے گیٹ سے ہی لوٹا دیا گیا تھا اس دن سے آج تک روز صبح سے بجیلا آس لگاتی کہ آج آتے ہوئے رمیس فیس کے پیسوں کا بندوبست کرلے گا مگر روز رمیس کا انکار اسے کبھی تو چپ کرا جاتا کبھی آگ بگولہ۔

صائم روز پوچھتا تھا وہ اسکول کیوں نہیں جارہا اس کے دوسرے دوست تو جارہے ہیں اس کی جگہ اس کے دوست فرسٹ آجائیں گے۔

اور اس سے جواب نا بن پاتا ایک دن صائم کو بھی سمجھ آگئی تو یہ سوال کرنا ہی چھوڑ دیا آج بھی رمیس نے کہا تھا کہ اس نے کسی دوست سے ادھار مانگا ہے اور اس نے آج دینے کا وعدہ کیا ہے صبح سے بجیلا کو امید ہو چلی تھی کہ کل سے صائم اسکول جانے لگے گا مگر

گلناز ریاست

السلام علیکم! امید ہے آپ سب ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ پہلے اپنے بارے میں بتادوں' ہاں تو ہمارا نام گلناز ریاست اور ہم 20 جون کی تپتی دوپہر میں اس دنیا میں تشریف لائے' شاید اس لیے ہمیں گرمیاں پسند ہیں' سردی ہمیں بہت لگتی ہے' ہم کافی عرصے سے آنچل پڑھ رہے ہیں' آنچل سے بہت ساری سمجھداری کی باتیں سیکھیں وہ بھی چھپ چھپا کے کیونکہ ہمارے ابو کو رسالے پسند نہیں۔ ہاں تو اب چلتے ہیں پسند و ناپسند کی طرف تو ہمیں پرپل اور پنک کلر پسند ہے' لباس میں شلوار قمیص پسند ہے۔ خوشبو گلاب کی اچھی لگتی ہے' کھانے کا کچھ خاص شوق نہیں جو پکا ہو کھانا پڑتا ہے' پسندیدہ دوست آنچل' کرن' خواتین' پاکیزہ اور شعاع ہیں۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے' اللہ کا شکر ہے روز صبح پڑھتی ہوں۔ پسندیدہ اداکار جاوید جمال' راحت کاظمی اور اکشے کمار ہیں۔ پسندیدہ سنگر شہزاد رائے ہیں۔ لمبے گھنے بال بہت اچھے لگتے ہیں چاہے مردوں کے ہو یا خواتین کے یا بچوں کے۔ میرے بچوں اور میاں صاحب کے بال بہت اچھے ہیں خاص کر میرے چھوٹے بیٹے کے' میرے اپنے کچھ خاص نہیں کیونکہ بال اور بچے پالنا بہت مشکل ہے اسی لیے بالوں کو چھوڑ کر صرف بچوں کو پال رہے ہیں کیونکہ بچوں کو صرف پالنا ہی نہیں ہوتا اور بھی بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔ اس لیے اجازت چاہتی ہوں خود بھی خوش رہیے دوسروں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کریں اپنے بگڑے حال کو سدھاریں دوسروں کے حال کو مت بگاڑیں' اللہ حافظ۔

رمیص کے گھر آنے کے بعد اسے پانی کا گلاس دیتے اس نے سوال کیا تو رمیص ایک پل کو چپ سا ہوگیا۔

''جس دوست نے پیسے کا کہا تھا اس کا نمبر صبح سے بند جا رہا ہے اس نے میرا نمبر بلاک کردیا ہے سمجھ نہیں آرہی اب کیا کروں۔'' اور ذلت کے احساس نے سجیلا کے منہ سے بہت سخت لفظ نکلوادیے کہ اس کی قسمت پھوٹ گئی ہے رمیص جیسے بھکاری سے شادی کرکے جواباً رمیص نے بھی اس کے گھر والوں کی شان میں بہت کچھ کہا اور باہر نکل گیا پیچھے سجیلا نے رورو کے حشر کرلیا تھا اسے کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی کہ وہ کیسے اور کہاں سے پیسے لے کر اسکول کی فیس جمع کرائے۔

اچانک اس کا سیل فون بجنے لگا تھا اس نے سیل فون پر نظر ڈالی، پرانا سستا سا فون دو سال سے اس کے پاس تھا جس پر ربر بینڈ چڑھا کر اس کے بیک کور کو جوڑا تھا اس کا سیل فون ایک بار خراب ہوا تو دوسری بار

لینے کی اوقات ہی نہ ہو سکی گھر میں بھائی کا برسوں پر سیل پڑا ملا تو ماں نے احسان کرتے ہوئے دے د کہ خیریت پوچھنے کے لیے کہاں رابطہ کریں۔

''ایسی خیریت پوچھنے کا کیا فائدہ جس سے ا اپنی خیریت کے متعلق جھوٹ بول کر اپنا بھرم رکھے۔ وہ تلخی سے سوچ کر رہ گئی تھی۔

حالات اور دکھ انہیں بتائے جاتے ہیں جو انجا ہوں جو آشنا ہو کر بھی انجان بنے رہیں ایسوں کو دکھ کر بھی انسان اپنی تذلیل کیوں کرے۔ اسکرین اس کے بھائی کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

''کیسی ہو؟'' بھائی احوال پوچھ رہا تھا۔

''الحمدللہ آپ سنائیں گھر میں سب خیریت ہے؟'' اس نے آواز کی نمی چھپا کر کہا۔

''ہاں، سب بے حد خوش ہیں تین دن بعد بقرہ ع ہے ناں پتہ ہے اس بار تمہارے میکے میں دو بیل ا

عارفہ ھادی

مجھے عارفہ ہادی کہتے ہیں' 7 جولائی 1999ء کو اس خوب صورت سی دنیا میں آئی' چار بہن بھائی ہیں جس میں میرا نمبر دوسرا ہے۔ اپنی ماں سے بہت ہی زیادہ پیار ہے' ابھی پڑھ رہی ہوں' ڈاکٹر بننے کا شوق ہے۔ اپنی فیملی سے بہت زیادہ پیار ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اتنی خوب صورت فیملی دی ہے۔ اب بات ہوجائے پسند وناپسند کی تو سب سے پہلے فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رنگوں میں پنک زیادہ پسند ہے' کھانے میں بریانی پسند ہے' کرکٹ جنون کی حد تک پسند ہے فیورٹ کھلاڑی احمد شہزاد اور بابر اعظم ہے۔ خوشبو گیلی مٹی کی پسند ہے۔ شہروں میں اسلام آباد اور لاہور موسٹ فیورٹ ہیں۔ فلمیں بہت شوق سے دیکھتی ہوں' میوزک بھی سنتی ہوں' عاطف اسلم فیورٹ سنگر ہے۔ موسم میں بہار اور سردی پسند ہے' جیولری میں صرف ٹاپس اور چوڑیاں پسند ہیں۔ مہندی لگانی بھی آتی ہے۔ بارش میں بھیگنا بہت زیادہ پسند ہے۔ اسلام کی باتیں زیادہ اٹریکٹ کرتی ہیں' خامیاں تو بہت زیادہ ہیں' غصہ بہت زیادہ ہی کرتی ہوں۔ فیورٹ لباس فراک اور لانگ شرٹ ہیں' اپنی دل کی بات کبھی بھی کسی کو نہیں بتاتی۔ شاعری سے بھی بہت لگاؤ ہے۔ فیورٹ رائٹرز نازیہ کنول نازی' اقراء صغیر' ام ایمان قاضی اور ام مریم ہے آنچل میں کوثر خالد اور دلکش مریم بہت ہی زیادہ اچھی لگتی ہیں' اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ سب کو خوش رکھے آمین' فی امان اللہ۔

ایک اونٹ قربان ہورہا ہے۔'' بھائی خوشی سے بتارہا تھا اور سجیلا کے لب سل گئے تھے۔

شادی کو دس سال ہونے کو آئے تھے مگر آج تک اتنے پیسے نہیں ہوپائے کہ وہ کہیں قربانی کا ایک حصہ ہی ڈال لیتی۔ ہر سال سوچتی تھی مگر قلیل آمدنی کی وجہ سے سو روپے بھی بچاتی تو کسی نا کسی بہانے نکل جاتے تھے عید قرباں آ گئی تھی اور اپنے مسئلے میں اسے اس کی آمد کا بھی احساس نہیں ہوا تھا بچوں کے کپڑوں کی تسلی تھی کہ عید الفطر پہ سیل سے چند جوڑے مل گئے تھے جن میں سے اس نے ایک بچا کر رکھ لیا تھا اور اب وہی جوڑے بچوں کے کام آنے تھے۔

''پھر آرہی ہوناں، چاند رات کو بھی کلیجی تو تم ہی پکاؤ گی اور کسی کے ہاتھ کی اچھی نہیں لگتی، تم چٹ پٹی پکاتی ہو۔'' بھائی فرمائش کے ساتھ تعریف بھی کررہا تھا۔ سجیلا چپ ہی رہ گئی تھی۔

دنیا کے ڈھنگ نرالے تھے کہیں دو بیل اور ایک اونٹ دکھا کر لوگوں سے تعریفیں وصول ہورہی تھی اور کہیں دو بچے اسکول جانے سے محروم تھے پیسے والے گائے بیل اونٹ قربان کرتے ہیں اور مفلس لوگ اپنی آرزوئیں اور خواہشات...... جانے کون سی قربانی اللہ رب العزت کی نظر میں معتبر تھی۔

ایبٹ آباد کی شفاف اور وسیع سڑکوں پر نئی و پرانی نسل کے جانور دندناتے پھر رہے تھے۔ نمکین سی شام کا حسن کروفر سے قربانی کے جانور کی رسیاں تھامے وہ بچے تھے جو بمشکل اپنے جانوروں کو فخریہ انداز میں سنبھالے دائیں بائیں ڈولتے انہیں تازہ ہوا کھلا رہے تھے۔ ذرا سا سلائیڈر کھسکائے وہ ہمہ تن گوش ہوکر جانوروں کی ''میں میں، آں آں'' سن رہی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کی شہد رنگ آنکھوں نے کچھ کھوجنا شروع کردیا، دائیں جانب لگے سفیدے کے درخت پر آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہوگئیں۔ آج اسکول سے واپسی پر اس نے درخت کی چھال پر دو انگریزی حروف بھی دیکھے تھے جو تازہ کندہ ہوئے تھے، من چلے عاشقوں کی بوسیدہ داستانوں کے مرکزی کرداروں کے نام کا پہلا حروف اکثر دیواروں اور درختوں کی شان بڑھانے کی ناکام سعی کررہا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں استہزائیہ مسکرائیں، لبوں نے قطعی ساتھ دینے کی زحمت نہیں کی۔ وہ جتنا مرضی سامنے کے منظر میں دلچسپی لینے کی کوشش کرتی مگر ذہن وقلب پر جو افسردگی طمطراق سے براجمان تھی اس نے اس کی ہر شعوری کوشش کو بےکار کردیا تھا۔

''میں ایسی نافرمان اولاد سے کلام کرنا پسند نہیں کرتی، امید ہے تم مجھے دوبارہ اپنا چہرہ نہیں دکھاؤ گی۔'' بے لچک لہجہ نہیں بلکہ کوئی تیز دھار آلہ تھا جو پوری قوت سے پہلو میں دھرے گوشت کے ٹکڑے کو چیرتا ہوا اپنی طاقت دکھاتا نکل گیا تھا۔

سالوں بھی گزر جاتے تو درد جوں کا توں رہتا اور ابھی تو محض تیس دن ہوئے تھے۔ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اس نے آہستہ سے اپنی گرم پیشانی سلائیڈر کے شیشہ پر ٹکائی جو شام کی فضا کے زیراثر سرد ہورہا تھا۔ ہلکا سا سہارا درکار تھا جو مل گیا تھا، دھڑادھڑ آنسو مثل آبشار سفید عارضوں کے راستے گریبان میں ضم ہونے لگے چند نمکین بوندوں کا ذائقہ فرش نے بھی چکھا تھا جو براہ راست نیچے جاگری تھیں۔

جانے اور کتنی دیر وہ سسکتی، نم ماحول کا سکوت مغرب کی اذانوں نے توڑا تھا۔ یونہی تو دل اضطراب کی زد میں نہ تھا، ماں کی ناراضی پر وہ سراپا سمندر بنی ہوئی تھی اور رب کی ناراضگی کو محو کیے ہوئے تھی۔ درد میں گویا سوئیاں چبھ گئی تھیں، یہ سر کئی بار خم ہوا تھا مگر سجدے کے لیے نہیں، یک دم سیدھا ہوکر اس نے پوری توجہ سے اذان سنی تھی۔ انسان کے لیے اس سے بڑی شکست اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ اس کی زبان سے اپنا ذکر چھین لے اور اس کا دل اپنی یاد سے غافل کردے۔ غفلت کی بند پٹاری سے ادراک کے سانپ نے سر باہر نکالا تھا، اگلے پندرہ منٹ بعد وہ اتنی پُرسکون تھی کہ جیسے آنکھوں میں کبھی پانی آیا ہی نہ تھا۔

جائے نماز کو تہہ لگائے وہ اسے گود میں لیے ہی بیٹھ گئی تھی، ایک فیصلہ کیا تھا خلاف مزاج، خلاف ذہن، خلاف دل اور اب وہ فیصلہ ہزاروں میل دور بیٹھی ایک ہستی بلکہ معتبر ہستی کے گوش گزار کرنا تھا۔ موبائل گرفت میں لے کر اس نے لاک کھولا اور کسی کا دل بصد خوشی بھرنے کے لیے نمبر ملایا تھا۔

❁ ❁ ❁

''بھائی صاحب شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔'' چائے کے کپ میں چینی ملاتے ہوئے اس کے سفید ہاتھ رکے، چائے کی سطح پر بنتے گول دائروں کی طرح یہ ایک جملہ اس کے ذہن میں گھومنے لگا، جونہی دائرے ساکت ہوئے بازگشت بھی ٹھہر گئی۔

''آپ منع کردیں میرا کوئی ارادہ نہیں شادی کا۔'' خوش رنگ گرم سیال چائے کی گھونٹ بھرتے ہوئے اس کے لب پھڑپھڑائے۔ حمیرا کی سیاہ گھور آنکھوں میں ناراضی کے ساتھ ساتھ تحیر کا رنگ بھی ابھرا تھا۔ وہ اس کی

تابع فرمان بچی، کس شان سے اس کا حکم پس پشت ڈال کر اپنا فیصلہ صادر کررہی تھی۔

"میرا فیصلہ ہوتا تو میں تمہارے جواب پر نظرثانی بھی کرتی مگر یہ فیصلہ تمہارے مرحوم باپ کا ہے اور ان کے فیصلہ میں تمہارے ارادہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔" فادیہ رومان نے آنکھیں سکیڑ کر ماں کے چہرے کو تکا جہاں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

"مرنے والے اتنے اہم ہیں کہ ان کے فیصلوں کے آگے زندہ لوگوں کے احساسات صفر ہوجائیں۔" کپ کو پرچ میں رکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"یہ فیصلہ محض مرنے والے کا نہیں بلکہ جینے والوں کو بھی ہے۔" ان کا اشارہ اپنے جیٹھ کی طرف تھا۔

"آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ تائی امی بھی مرحوم ہیں اور انہوں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کیا جائے۔" اس نے منطقی نکتہ اٹھایا۔

"فضول اور بے بنیاد باتوں کی بجائے صرف اس بات پر دھیان دو کہ یہ میرا، تمہارے باپ کا اور تمہارے تایا کا مشترکہ فیصلہ ہے اگر تمہاری تائی زندہ بھی ہوتیں تو تب بھی یہی ہوتا جواب ہونے جارہا ہے۔" حمیرا نے بے نیازی سے کیتلی اٹھا کر نصف کپ بھرا۔ وہ گرما گرم چائے کی طرح کھول کے رہ گئی تھی۔

"کیا میری عملی زندگی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی جو میرے وجود اور میری رائے کو میری ہی حیات سے بے دخل کیا جارہا ہے۔" اسے خود کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال دینے کا شدید قلق ہوا۔ کاش تائی امی زندہ ہوتیں، زبردستی اپنی بھانجی کو اپنے مسخرے بیٹے کے ساتھ باندھ دیتیں، کم ازکم میری تو یوں تذلیل نہ ہوتی۔ ایک حسرت اس کے ذہن میں چکرائی تھی۔

"تمہیں ابھی پتا ہی کیا ہے کہ عملی زندگی ہوتی کیا ہے، اچھے برے کی شناخت تو ہوتی نہیں تم سے، یہ بانس جیسے قد کاٹھ ہونے اور تین چار کتابیں چاٹ لینے سے بچے اتنے بڑے نہیں ہوجاتے کہ والدین کے معاملات میں ٹانگ اڑائیں۔" طمانچہ جیسا طنز تھا، مارے تلملاہٹ کے اس کا رنگ لال ہوگیا تھا۔

"آخر آپ کو دکھتا کیا ہے، اس چوبیس گھنٹے کھڑ کھڑ کرنے والے غیر سنجیدہ بھتیجے میں، جس کی شخصیت میں مسخرے پن کے لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں۔" شدید ناگواری سے اس نے جبڑے بھینچے۔

اسے ایسے غیر متوازن شخصیت والے لوگ بہت کھلتے تھے پھر شروع سے اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بطور شریک حیات اس کا وجود اسے ہضم نہیں ہورہا تھا۔ اس پر مستزاد وہ اس کا ہم عمر تھا اور ہم سفر کے حوالے سے اس کا ماننا تھا کہ کم ازکم تین چار سال بڑا ہو، متین و بردبار بھی ہو کہ زندگی متوازن گزرے، یہ محض اس کا اپنا ذاتی نظریہ تھا جو کہ ضروری نہیں کہ پرفیکٹ بھی ہو۔

"خبردار...... جو دوبارہ تم نے یہ لفظ احتشام کے لیے

استعمال کیا ورنہ تمہیں الٹے ہاتھ کا تھپڑ لگانے میں دیر نہیں لگاؤں گی میں۔'' حمیرا لفظ مسخرے پر سیخ پا ہوئیں۔

''اس بڑی عید پر تم دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہو بس' مزید کوئی بے کار کی بات میں نہیں سنوں گی۔ تمہیں چھبیس سال اس لیے نہیں بٹھا کر رکھا کہ کسی غیر کے حوالے کردیں۔ اکلوتی اولاد ہو میری' تم کیا جانو اولاد خصوصاً بیٹیوں کے معاملات میں والدین کے کیا کیا خدشات ہوتے ہیں پھر ایسے حالات جس میں کہ شریک سفر بھی داغ مفارقت دے گیا ہو' ایک عورت تنہا معاشرے میں پھر بھی کسی قدر لڑ سکتی ہے مگر بیٹیوں کے بخت سے نہیں لڑ سکتی۔'' سخت انداز میں اسے سمجھانے کی سعی کی کیونکہ اپنی رائے کی ناقدری پر وہ اینٹھ گئی تھی۔

''ماشاء اللہ کیسا ہنسوڑ بچہ ہے' خوش مزاجی بالکل اپنے چچا جیسی پائی ہے۔ تمہارا باپ بھی ایسا ہی تھا' جوانی میں ہنستے کھیلتے اچھا وقت گزر جاتا ہے' منہ بنا کر رکھنے والے زندگی کے رنگین پہلو کو سمجھ ہی نہیں سکتے پھر الحمدللہ اچھی جاب ہے' ستھری شکل ہے' اپنا خون ہے' تم سے تو دس گنا بہتر ہے۔'' صاف صاف اس کی سنجیدگی پر برچھیاں چلائی تھیں' اپنے ایسے پوسٹ مارٹم پر وہ صدمے سے قریب المرگ تھی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے نوکری کو' اچھا کماتا ہے ہونہہ وہ اندر ہی اندر بھڑکی۔ پاس ہی جامن کے درخت پر بیٹھا کوا کائیں کائیں کرنے لگا جیسے اس کی بے عزتی پر جھوم رہا ہو اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ کائیں کائیں کرنے میں ہی مشغول رہا۔

''آپ اس کے دفاع میں ہزار تاویلیں بھی دیں مگر میں اس سے شادی ہرگز نہیں کروں گی۔'' ایسا منہ پھٹ اور قطعی انداز حمیرا کو سلگا گیا۔

''تو پھر ٹھیک ہے تم اپنی من مانی کرو' میں ایسی نافرمان اولاد سے کلام کرنا پسند نہیں کرتی۔ امید کرتی ہوں تم مجھے دوبارہ اپنا چہرہ نہیں دکھاؤ گی۔'' حتمی انداز میں بات ختم کر کے وہ اسے ششدر چھوڑ گئیں' ایک لمحے کے لیے اسے لگا وہ اس کی سانسیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ کر لے جا رہی ہوں' اس کے ہاتھ میں موجود کپ لڑکھڑایا اور لان کی ہری گھاس میں چائے جذب ہونے لگی۔ بنا کسی آواز کے کپ بھی سینۂ فرش پر محو استراحت ہوگیا' یہ اس کی ماں نہیں تھی' کوئی سحر تو نہیں کروا دیا ان پر' ایک سوچ ابھری مگر پھر ابھر کر ختم ہوگئی۔

کیسے دھڑلے سے قطع تعلقی کا اعلان کر ڈالا' جیسے میں کوئی خیرات میں ملی ہوئی اولاد ہوں' لاحول ولاقوۃ۔ ایک بار پھر سوچ حاوی ہوئی' شفاف کی چچی' احتشام کی ماں' اور میری کیا ہیں وہ؟ تمہاری کچھ بھی نہیں' سوچ نے ٹھینگا دکھایا' کئی جھٹکوں اور صدموں کی زد میں وہ اٹھ کھڑی ہوئی اٹھنے کی شدت ایسی تھی کہ کرسی گھاس پر الٹ گئی۔ پیر پٹختی وہ اندر چلی گئی اور تلپٹ لان کو اکیلا کر گئی جہاں میز پر دھری چائے کی کیتلی اور کپ' گھاس پر اوندھے منہ گرا کپ اور زمین بوس کرسی اس سرد جنگ سے متاثر نظر آ رہے تھے۔

❁ ❁ ❁

وہ ایک اسکول میں بطور وائس پرنسپل جاب کر رہی تھی' اس نے اپنا ٹرانسفر ایبٹ آباد برانچ میں کروا لیا اور سامان سمیٹ کر ہاسٹل چلی آئی۔ احتشام کی ماں' احتشام کی چچی نے اسے فیصلہ سے انکار کی صورت میں شکل نہ دکھانے کا حکم دیا تھا۔ ہاں وہ اس کی ماں تو تھی نہیں اس کی خواہش کو دھوبی گھاٹ پر ڈال کر ایسا دھویا تھا کہ تار تار کر ڈالا تھا' وہ اکڑ کر آ گئی تھی مگر چند دن بعد ہی ادراک نے منہ کھول لیا تھا اس کی ضد اکارت جاتی تھی کیونکہ اسے ایک بار بھی حمیرا نے کال کرنے کی زحمت نہ کی تھی۔ تایا اور حمدہ نے کئی بار اپنی آواز سنائی تھی' احتشام کی کال بھی آئی تھی مگر اس نے تھر تھر کانپتے فون کو ناگواری سے دیکھ کر کال کاٹ دی تھی۔

اسے آئے ایک ماہ یعنی چار ہفتے دو دن ہوئے تھے اگر وہ ایک سال کے تین سو پینسٹھ دن بھی یہاں گزارتی تب بھی اسے فون آنے کی کوئی آس نہیں تھی۔ وہ ان کی

ضد کی نوعیت جان گئی تھی' اس لیے آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہوئے اس نے واپسی کا فیصلہ کرلیا تھا۔

خطرناک قسم کا سمجھوتہ کرنے کی سوچتے ہوئے اس کے دماغ میں باسی کڑھی کی طرح ابال اٹھ رہے تھے۔ ازل سے روایت ہے' کالے' بھورے' بادامی اور میرون بالوں والا بنت حوا کا سر ہمیشہ جھکتا ہے اور سفید بالوں والا بھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے میں بھی سمجھوتہ کرکے زندگی گزار لوں گی تقریباً ہر دوسری عورت اسی فارمولہ پر عمل پیرا ہے ایک میں بھی سہی۔ کردی میں نے اپنی ضد اور انا قربان' روایت شکن نہیں ہوں میں۔'' اپنے احساسات کی قربانی کا بھل بھل بہتا خون صاف کرتے ہوئے اس نے سوچا مگر وہ بے وقوف یہ بات بھول رہی تھی کہ عورت کے سر کے خم میں رشتوں کی بقا پوشیدہ ہوتی ہے۔

❁......❁......❁

''ہائیں اللہ...... فادیہ بھابی میں نے بڑا مس کیا آپ کو' یہ سفید بکرا تو مجھ سے سنبھلتا ہی نہیں' ایسی پچھاڑیں مارتا ہے توبہ توبہ۔'' وہ بڑی عید سے ایک دن پہلے ہی پہنچ گئی تھی تب سے حمدہ اس کے ساتھ تھی اور فنگر چپس کھاتے ہوئے کوئی دسویں مرتبہ اسے بھابی کہہ چکی تھی۔

''اپنا نکاح کا جوڑا اور باقی کچھ سامان لے آؤ' حمدہ کے ساتھ جاکر۔'' اسے بھاری رقم تھماتے ہوئے حمیرا نے کہا تو وہ ان کا منہ دیکھنے لگی۔

''احتشام کمپنی کی طرف سے ایک سال کے لیے دبئی جارہا ہے عید کے تیسرے دن' اس لیے جانے سے پہلے عید کے روز تم دونوں کا نکاح ہے یعنی کل۔ تمہاری ساری پھوپیاں آج شام تک آجائیں گی' اپنے اوپر بھی ذرا دھیان دو تم۔'' ذرا رک کر اس کا چہرہ پیار سے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے حمیرا نے گہری نگاہ سے اسے دیکھا۔ اس کی پیشانی پر دو بل آئے' خاموشی سے رقم تھام کر پاؤں میں چپل اڑس کر وہ اندر چلی گئی۔ ساٹھ منٹ اور بہتر سیکنڈ کے بعد وہ گھر واپس آ بھی گئی تھی۔ حمدہ مسلسل

خفا ہو رہی تھی اتنی جلدی واپس پلٹنے پر۔

''امی کھانا پلیز۔'' کوفت سے اس نے حمیرا کو ہانک لگائی اور باہر لان میں آ گئی۔ بھورا اور سفید بکرے آپس میں سینگ لڑا رہے تھے اس نے پاس جا کر دھیرے سے سفید بکرے کے سر پر ہاتھ دھرا تو وہ قدم پیچھے کی جانب موڑنے لگا۔ جھک کر گھاس اٹھاتے ہوئے اس نے ٹیڑھی نظر سے گیٹ کو تکا' جہاں تقریباً چھ فٹ کا بندہ کار سمیت اندر آ رہا تھا۔ گھاس بکرے کے آگے ڈالتے ہوئے اس نے بے نیازی سے قدموں کو اندر کی جانب موڑ لیا۔

''اتنی فضول سی شاپنگ کی ہے بھابی نے' اتنے پیارے اور شوخ سے سوٹ ریجیکٹ کر کے سلور کلر لیا ہے۔'' کھانا کھاتے ہوئے حمدہ منہ بنا رہی تھی۔

''میں نے اتنا کہا احتشام بھائی کو سرخ رنگ بہت پسند ہے مگر ایک چیز بھی لال نہیں لی۔'' اس کے پھٹے دیدوں کی مطلق پروا کیے بنا بونگوں کی طرح بولتی اور بھوکوں کی طرح کھاتی وہ بالکل تو نہیں مگر کسی حد تک پاگل لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا لفظ ''بھابی'' کو اغوا کر لے اور کبھی آزاد نہ کرے مگر لفظ بھلا کہاں قید ہوتے ہیں' تایا ابو اور حمیرا مسکرا رہے تھے۔

''مجھے بھڑکتے رنگ نہیں پسند۔'' پانی سے زبان تر کر کے وہ بمشکل بولی۔

''نکاح کے جوڑے بھلا ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' مدبرانہ انداز میں بے شرمی سے کہتی وہ انٹر کی طالبہ ہرگز نہیں لگ رہی تھی' یک دم اس کا دل چاہا یہ چاولوں سے بھری پلیٹ اس کے سر پر توڑ دے۔

احتشام کے برابر اور اپنے سامنے بیٹھی وہ اس کا دل چولہے پر رکھ گئی تھی' کھولتے ہوئے اس نے میز کے نیچے سے اسے ٹانگ دے ماری' مقابل کا منہ تحیر کے مارے ذرا سا کھلا مگر وہ دیکھ ہی اسے رہی تھی جو کھانے میں مست تھی۔ نشانہ خطا ہو چکا تھا اور وہ بے خبر تھی' حمدہ کا اطمینان اسے سلگا گیا' ایک بار پھر اس نے رکھ کر بلکہ جما کر ٹانگ ماری مگر وہ کھائے جا رہی تھی اس کی ڈھٹائی پر تاؤ کھاتے ہوئے اس کی نظریں بلا ارادہ سرکیں تو احتشام کی آنکھوں میں چمکتی شرارتی مسکراہٹ نے اس کی سٹی گم کر دی۔ یہ کیا کر دیا میں نے' سوچ کر ہی خفت اور حیا سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کھانا کھاؤ فادی...... رک کیوں گئی۔'' سنجیدگی سے رکنے پر زور دیتے ہوئے وہ گویا ہوا تو اس کا تو سرا ایسا جھکا کہ دوبارہ اس کے جانے تک نہ اٹھا پایا۔

❁......❁......❁

صبح صبح گھر میں طبل جنگ بج چکا تھا' دونوں پھوپو کل شام ہی پہنچ گئی تھی۔ پھوپا' احتشام اور تایا عید کی نماز کے لیے نکل چکے تھے اور پورے گھر میں تین خواتین ہونقوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔

''باہر نکل آؤ کیا پانی کے ساتھ نکاح پڑھوانا ہے تم نے۔'' دھڑ دھڑ بجتے دروازے کے پیچھے سے حمیرا کی جھلاہٹ بھری آواز آئی' پانچ منٹ بعد وہ فریش ہو کر باہر نکلی تو اس کے دلہن بننے کے سارے لوازمات بیڈ پر دھرے تھے۔ مرد حضرات واپس آ چکے تھے اور سنت ادا کرنے کے لیے لان میں جمع تھے' وہ بھاگ کر کھڑکی کے پاس آئی' قصائی کی چھری سفید بکرے کو لال کر چکی تھی۔

''قربانی......'' وہ زیر لب بڑبڑائی جیسے اس لفظ کے کئی طرح کے مفہوم کو وہ جان گئی ہو اور پیچھے ہٹ کر تیار ہونے لگی۔

ٹھیک ایک گھنٹہ بعد ایک اور سنت ادا ہو رہی تھی جسے فادیہ ''قربانی'' سے مشروط کر چکی تھی۔ مبارک باد کا شور جانے کیوں اسے برا نہ لگا' حمیرا بار بار نم آنکھیں پونچھ رہی تھی۔ تایا ابو کے حصار میں بیٹھی وہ بہت شاد تھی' پھوپو صدقے واری جا رہی تھی' حمدہ سیلفیاں لے رہی تھی' حمیرا کئی بار اس کی پیشانی چوم چکی تھی اور دو آنکھیں اس پر بری طرح نثار ہو رہی تھیں مگر وہ قطعی بے دھیانی میں مسکرائے جا رہی تھی اس کا کمرا امن اور مسرتوں سے

لبریز تھا۔

دوپہر تک باری باری سب چلے گئے' احتشام تو پہلے ہی جا چکا تھا' خواتین چولہا سنبھالنے لگیں' حمدہ اس کے کان کھا اور بھیجا اڑا کر فرار ہوچکی تھی۔

❀......❀......❀

کپڑوں سے جان چھڑا کر وہ ایسی محو استراحت ہوئی کہ چار بجے اٹھی' بے زاری سے وہ باہر لان میں نکل آئی۔ نیلا افق سرمئی بادلوں کی گرفت میں تھا' سبز گھاس پر اپنا گورا پاؤں ٹکاتے ہوئے اسے معطر سی نکہت (مہک) محسوس ہوئی۔ ترچھی نگاہوں سے دیکھا تو احتشام اس کے پہلو میں ایستادہ تھا۔ گرے کرتا شلوار میں بازوؤں کے کف چڑھائے ہلکی بڑھی شیو سے مزین سنجیدہ چہرہ' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر رہ گئی۔

''میں نے چچی کو منع کیا تھا کہ میں زندگی بھر کے رشتوں کے لیے زبردستی کا قائل نہیں مگر نہ ہی پاپا نے سنی اور نہ ہی چچی نے یہ بات مانی۔ محض تمہاری مرضی اور خوشی کے لیے میں اپنے بچپن کی محبت سے بھی دستبردار ہونے کو تیار تھا۔'' کیا سادہ سا اظہار محبت تھا۔ وہ ششدر رہ گئی' خوب صورت ٹھہرا لب و لہجہ' وہ بالکل ویسا تھا جیسا اس نے چاہا تھا۔ ساری کدورت چڑیا کی طرح پھُر کر کے اڑ گئی تھی' ہاتھوں میں انگلیاں پھنسائے وہ ہولے ہولے چل رہی تھی کہ یک دم سِسکی۔

''کیا ہوا فادی؟'' وہ پریشان ہوا اس نے ذرا سا پاؤں اوپر اٹھایا اور خفگی سے کونے میں لگے' بیری کے درخت کی جانب دیکھا جس کا کانٹا اس کے پاؤں میں چبھ گیا تھا۔

''اوہ لاؤ میں نکال دیتا ہوں۔'' اسے شانوں سے تھام کر اس نے پاس رکھی کرسی پر بیٹھایا جہاں کچھ عرصہ پہلے وہ بیٹھی اسی شخص کے خلاف جنگ لڑ رہی تھی۔

ملائمت سے کانٹا نکال کر اس نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ تو اپنی ایڑی کو دیکھ رہی تھی جہاں خون کی ننھی سی بوند ابھر آئی تھی۔

''مجھے اندر جانا ہے۔'' اس کے منہ سے سرسراتے لفظ نکلے۔

''میں چھوڑ آؤں۔'' وارفتگی سے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے اس نے پیشکش کی۔ وہ دھک سے رہ گئی' سٹپٹا کر لڑکھڑاتے ہوئے سرخ عارض لیے وہ اندر کی جانب بھاگی تو احتشام کے لبوں پر جاندار سی مسکراہٹ آ ٹھہری۔

مانا کہ بنت حوا کی قربانیاں ہی معاشرے کو سنوارتی ہیں مگر کہیں نہ کہیں ابن آدم کی قربانی بھی رشتے جوڑ دیتی ہے۔ فادیہ کو لگتا تھا کہ قربانی صرف اسی نے دی اور اس کی قربانی پر ہی یہ رشتہ ممکن ہوا مگر وہ صرف تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی تھی۔ قربانی احتشام نے بھی دی تھی' اپنے مزاج کی قربانی' محبوب کی پسند میں ڈھلنا ہی محبت پر محبت کی مہر ثبت کرتا ہے اس نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ وہ اتنا سنجیدہ کیسے ہوگیا مگر اسے یقین تھا وہ سوچے گی بھی نہ کبھی اس کی اس قربانی کا پہلو سامنے آئے گا۔

سامنے کھڑکی میں فادیہ پردہ تھامے کھڑی تھی' اپنے محرم پر نگاہ ڈالتے ہوئے وہ ذرا سا مسکرائی۔ احتشام نے گھنے بالوں میں اپنا ہاتھ پھنسایا اور بارش کا پہلا قطرہ اس کے ہاتھ پر آ گرا' اس کی گہری نظریں ابھی بھی کھڑکی میں کھڑے مہتاباں پر تھیں۔

''آپ کو کیا لگتا ہے مسٹر احتشام ریحان کہ فادیہ رومان بے خبر ہے' ہرگز نہیں۔ ہاں مگر وہ محبت کی اس ادا پر دل و جان سے فدا ضرور ہے۔ کوئی تبدیلی اس کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتی۔'' اندر ہی اندر بڑبڑاتی وہ مسکراتی ہوئی کھڑکی سے ہٹ گئی۔

پیامِ عید

ماورا طلحہ

"بھابی...... کہاں ہیں آپ؟" وہ کچن میں رات کا کھانا پکانے میں مصروف تھی جب ایمان اسے آوازیں دیتی ہوئی پورے گھر میں تلاش کررہی تھی۔ اس نے کوفت سے گفگیر سائیڈ پہ رکھا اور کچن کے دروازے پہ آکھڑی ہوئی۔

"میں کچن میں ہوں۔" اس نے ایمان کو متوجہ کرنے کے لیے ذرا اونچی آواز میں جواب دیا۔

"اُفف...... بھابی آپ ابھی تک یہاں گھسی ہوئی ہیں۔ بھائی آگئے ہیں آفس سے اور میں بھی بالکل تیار ہوں' بس آپ جلدی سے فارغ ہوکر تشریف لے آئیں۔" نیلی جینز پہ سفید کرتا پہنے' ہونٹوں پہ ہلکے گلابی رنگ کا گلوز لگائے وہ بالکل تیار تھی۔

"بس پانچ منٹ میں آرہی ہوں۔" اس نے دھیمی سی مسکراہٹ سے ایمان کو جواب دیا مگر اندر ہی اندر وہ بل کھا کے رہ گئی تھی۔

"کام دیکھو میاں صاحب کے' آفس سے آکر آرام فرمارہے ہیں۔ یہ تک دیکھنا گوارا نہیں کیا کہ بیگم کن جھمیلوں میں پھنسی ہے۔ شاپنگ کا پروگرام میں نے بنایا اور موصوف نے ساتھ سیکرٹری کو بھی تیار کرلیا۔" جلدی سے ہاتھ چلاتے ہوئے اس نے مطلوبہ کام ختم کیا اور کمرے کا رخ کیا۔ دونوں بہن بھائی سے کوئی بعید نہیں تھا کہ اکیلے ہی نکل جاتے۔ شادی کے بعد پہلی عید تھی۔ اچھی شاپنگ ہوگی تو میکے پہ دھاک بیٹھے گی۔

دو منٹ میں ہاتھ منہ دھوکر کپڑے بدلے اور جلدی سے گیراج میں پہنچ گئی۔ ایمان کے ساتھ عزیر کو کھڑے دیکھ کر سانس میں سانس آیا اور صد شکر کے ایمان گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ وہ سست روی سے فرنٹ ڈور تک آئی اور اندر بیٹھ گئی۔

"کہاں رہ گئی تھیں بیگم صاحبہ...... ہم نے تو آپ کی تلاش کے لیے دشت میں گھوڑے دوڑا دیئے تھے۔" عزیر نے اس کے بیٹھتے ہی مخاطب کیا۔

"ارے...... ارے...... کیا مطلب ہے آپ کا بھائی جان' میں کوئی گھوڑا ہوں؟" ابھی اس کا جواب نوک زباں پر تھا کہ ایمان چیختے ہوئے بولی۔

"توبہ...... یہ گستاخی ہم کیسے کرسکتے ہیں؟" عزیر نے ہنستے ہوئے بہن کو جواب دیا۔ لاریب نے ایک نظر عزیر کو دیکھا اور کوفت سے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا کیونکہ وہ جانتی تھی یہ پیار اور چونچلے اب رکنے والے نہیں تھے۔ چند لمحوں میں اس کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کرسی ڈی پلیئر آن کردیا۔

گانے کے چلتے ہی جیسے گاڑی میں طوفان آگیا ہو' ایمان نے خود بھی گا کر سنگر کا ساتھ دینا شروع کردیا اور لاریب کو یہ ہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ گانا ہے یا گانے کے بے عزتی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر گانا آگے کردیا۔

تو چیز بڑی ہے مست مست

تو چیز بڑی ہے مست

"اوہ واؤ' بھائی آپ نے میری پسند کی سی ڈی لے ہی لی۔ ہر گانا میرا فیورٹ ہے۔" ایمان نے چیختے ہوئے پیچھے سے ہی بھائی کے گلے میں بازو ڈال لیے تھے۔ لاریب کا جی چاہا چلتی گاڑی سے کود جائے یا ٹیپ اٹھا کر سڑک پہ پھینک دے۔ اب وہ گانا بدل کر بھی کیا کرتی سو خاموشی ہی غنیمت لگی۔

اللہ اللہ کرکے شاپنگ مال آیا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ سب سے پہلے وہ ہی گاڑی سے نکلی اور جلدی سے مال میں داخل ہوگئی۔

اب اگلا مرحلہ اور مشکل تھا۔ ایک عزیر تھا اور اس کو کھینچنے والی دو۔ کبھی فٹ بال کی طرح ایک طرف لڑھکتا اور کبھی دوسری طرف' ایسے دو دن بھی لگے رہتے تو

شاپنگ کہاں ہوئی تھی۔ اس نے خاموشی سے پیسے دونوں کے ہاتھوں پہ رکھے اور خود اپنی شاپنگ کے لیے نکل گیا۔ لاریب نے زخمی نگاہوں سے عزیر کی پشت کو دیکھا۔ عزیر کے جانے سے بڑا غم یہ تھا کہ ایمان اس کے ساتھ چمٹ گئی اور اس کا مطلب تھا ایمان سب کچھ وہی لے گی جو لاریب کو پسند آئے گا۔ ایک لمبی سانس لینے کے بعد وہ ایمان کو ساتھ لیے آگے بڑھ گئی تھی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے اور عزیر ابھی تک کمرے میں نہیں آئے تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اس کے اعصاب پہ ہتھوڑے کی مانند لگ رہی تھی۔ یہ روزانہ کا معمول تھا' وہ اپنا کام نبٹا کے کمرے میں آجاتی اور عزیر سب سے سیر حاصل گفتگو کر کے تشریف لاتے تھے۔ آنکھوں کو گھڑی کی سوئیوں سے خاص پیار تھا مگر آج تو انتہا ہوگئی تھی۔ دس سے گیارہ اور گیارہ سے بارہ بج چکے تھے۔ وہ لائٹ آف کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور عزیر صاحب مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

''معذرت یار۔ آج مجھے کچھ زیادہ ہی تاخیر ہوگئی۔'' عزیر نے حفظ ماتقدم کے طور پر کہا۔

''بالکل بھی نہیں' کہاں تاخیر ہوئی؟ آپ تھوڑی دیر اور بیٹھ جاتے' عید کی چھٹیاں شروع ہوگئی ہیں آپ نے کون سا آفس جانا ہے۔'' اس نے جبری مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائی تھی۔ عزیر نے اس کی سمت یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو مگر اس کے لبوں پہ مسکراہٹ دیکھ کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

''یار میں تو تمہارے لیے جلدی آگیا سب ابھی بیٹھے ہوئے تھے۔'' لاریب نے غصے سے دانت پیسے اور ہاتھ کی مٹھیوں کو زور سے بھینچ لیا ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا پاس پڑا برش پکڑ کر تاک کے وہ نشانہ مارے جو کام نہ کرنے پہ کبھی امی مارا کرتی تھی مگر ہائے رے حسرت...... سامنے کوئی بچہ نہیں بلکہ مجازی خدا کھڑا تھا۔

''ایمان تمہاری اتنی تعریفیں کر رہی تھی کہ بھابی نے بالکل اپنے جیسے شاپنگ کروائی۔'' اس کی کیفیت سے بالکل بے نیاز وہ اپنی بولے جا رہا تھا۔ عزیر جس کام کی تعریف کر رہے تھے وہی کام کر کے اس کا موڈ آف تھا اور جہاں تک بات ایمان کی تھی تو اس کی تعریفیں اسے چاپلوسی ہی لگتی تھیں۔ ہر وہ کام کرنا اس کی عادت تھی جو لاریب کو زچ کرتا تھا اور بعد میں تعریفوں کے پل باندھ کے منہ ہی بند کروا دیتی تھی۔

اس کا مزاج اور عادتیں لاریب کو بہت کچھ یاد کروا جاتے تھے۔ ماضی کے کچھ پل ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگتے مگر وہ ہر ممکن کوشش کر کے دھیان بٹا لیتی تھی۔ ابھی بھی اس نے مڑ کے عزیر کی طرف دیکھا تھا اور اسے بے سدھ سویا دیکھ کر دل چاہا تھا سر دیوار میں دے مارے۔ اس نے خاموشی سے ٹیبل لیمپ آف کیا اور آنکھیں موند لی۔

☆......☆......☆

سورج کی شعاعیں دبیز پردوں سے گزر کر کمرے کو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

منور کر رہی تھیں اور یہ روشنی اس کی آنکھوں کو چبھ رہی تھی۔ اس نے آنکھوں پہ اپنا بازو رکھ لیا مگر یہ حربہ بھی بیکار ہی تھا۔ مندی مندی آنکھوں سے گھڑی کی طرف دیکھا اور ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

''اففف...... دس بج گئے اور میری آنکھ ہی نہیں کھلی۔'' اس نے اپنے پہلو میں دیکھا تو عزیر بھی خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ اپنی کم عقلی کو کوستے ہوئے اس نے واش روم کا رخ کیا۔ جلدی میں منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور باہر کا رخ کیا۔ لاونج میں بالکل خاموشی تھی۔ کچن میں جھانکا تو اثرات بتا رہے تھے ناشتہ ہو چکا ہے۔ اس کو ذمہ داری سنبھالے چند دن ہی ہوئے تھے اور ان دنوں میں یہ پہلی سنگین غلطی تھی۔ ڈرتے ڈرتے اس نے ساس کے کمرے کا رخ کیا' دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ایمان کی آواز کانوں میں پڑی۔

''امی...... کافی دیر ہوگئی بھابی نہیں اٹھیں' جا کے دیکھنا چاہیے کہیں طبیعت نہ خراب ہو۔'' ایمان کے لہجے کی تشویش وہ باآسانی محسوس کر سکتی تھی اور یہ ہی تشویش اس کے چہرے کو سیاہ کر رہی تھی۔ دل محبت وخلوص پہ یقین کر رہا تھا اور دماغ مسلسل انکاری تھا۔

''عزیر کمرے میں ہی ہے اگر ایسا کچھ ہوتا تو آ کے بتاتا' شادی کے کچھ دنوں بعد ہی تو آفس جانا شروع کر دیا تھا' کوئی خاص وقت نہیں ملا دونوں کو اب یہ تین چار چھٹیاں ہیں تو تم نہ کباب میں ہڈی بن جانا' کچھ وقت دے دو اب ان دونوں کو۔'' ساس کے جواب نے دل کو مضبوط دلیل دے دی تھی۔

''امی...... بھابی ہیں ہی اتنی اچھی' میرا دل ہی نہیں کرتا ان سے علیحدہ ہونے کو۔'' ایمان نہ جانے کیا کیا بول رہی تھی مگر اس میں کھڑے رہنے کی ہمت ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کا رخ کیا اور آنکھوں پہ بازو رکھ کے لیٹ گئی۔ جانے پہچانے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔

☆......☆......☆

''تم کتنی خوش قسمت ہو یار' تمہیں اتنے اچھے بھائی اور بھابیاں ملی ہیں ورنہ آج کل تو بھابیاں آتی بعد میں ہیں گھر کی مالکن پہلے بن جاتی ہیں۔'' وہ ڈرائنگ روم میں اپنی دوستوں کے جھرمٹ میں بیٹھی تھی اور زور وشور سے گفتگو جاری تھی۔

کالج چھوڑنے کے بعد وہ سب آج اس کے گھر اکھٹی ہوئی تھیں اور کافی وقت سے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ان کی خاطر مدارت کے لیے لاریب کو کوئی خاص انتظام نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ اس کی دونوں بھابیوں نے اس کے کہے بنا ہی سب بندوبست کر دیا تھا۔

لاریب انور' ثاقب انور اور عاقب انور کی اکلوتی بہن تھی۔ شوہروں کی طرف سے بھی اس کا خیال رکھنے کی انہیں خاص تاکید تھی۔ اس کے علاوہ بھی ان کی نند سے کوئی خاص چپقلش نہیں تھی کیونکہ ان کے لیے وہ بے ضرر سی انسان تھی۔

''اس میں میری بھابیوں کا کوئی خاص کمال نہیں بلکہ یہ میرا ہنر ہے۔'' دوستوں کو اس کے ایک جملے نے ہی چپ کروا دیا تھا۔

''کیا مطلب...... تمہارا کیسا ہنر......؟'' اس کے سامنے بیٹھی زرش نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

''بالکل' تمہارا کیسا ہنر ہے؟ میری بھی بھابی ہیں اور میں تو اتنا جانتی ہوں بھابیوں کے سامنے ہر ہنر بیکار ہی ہوتا ہے۔'' ایک اور دوست نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تھے۔

''دیکھو یار...... سیدھی سی بات ہے' میں جس بھابی کے پاس ہوتی ہوں اس کی سگی ہوتی ہوں اور دوسری کے لیے تھوڑی سوتیلی بن جاتی ہوں اور یہ ہی میرا ہنر ہے۔ میں انہیں آپس میں ہی اتنا الجھا دیتی ہوں کہ مجھ بے ضرر سے انہیں کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا۔'' وہ لہجے میں تفاخر سموئے دھیمی آواز میں سب کو اپنا کارنامہ بتا رہی

تھی۔ کچھ کے چہرے پہ داد دینے والے تاثرات تھے اور کچھ نے خفا نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''لاریب یہ تو ریا کاری ہے اور نہایت ہی بری عادت ہے۔'' فاطمہ نے اسے سرزنش کی تھی۔

''یہ کوئی ریا کاری نہیں ہے بلکہ یہ ایک دفاعی حربہ ہے' تاریخ سے دیکھ لو اسی فارمولے نے فقیروں کو شہنشاہ اور شہنشاہ کو فقیر بنا دیا۔'' لاریب اپنے انداز تفکر کو ہر ممکن حد تک درست ثابت کر رہی تھی۔

''اگر تمہاری بھابیوں کو پتا چل گیا تو کتنی سبکی ہوگی تمہاری' ان کی نظروں میں تمہارا کیا مقام رہ جائے گا۔'' زرش نے بھی اسے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''چھوڑو یار' میں نے کون سا ہمیشہ ادھر ہی رہنا ہے۔ چند دنوں بعد میری شادی ہے اور میں ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' اس نے کسی اعتراض کو اہمیت نہیں دیا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ عزیر کا اٹھنا محسوس ہی نہیں کر سکی۔ آنکھوں میں آنسو لیے خود سے بے خبر لاریب عزیر کو مضطرب کر گئی تھی۔ عزیر نے پریشانی سے ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھا۔ اس کے ہاتھ کا لمس پاتے ہی وہ چونکی اور جلدی سے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

''کیا بات ہے لاریب تمہاری آنکھوں میں نمی کیوں ہے؟ رات کی بات سے پریشان ہو یا کسی نے کچھ کہا ہے۔'' عزیر کا لہجہ تفکر سے بھرا ہوا تھا۔

سامنے بیٹھے شخص کی توجہ سے اس کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ روتے ہوئے اس نے عزیر کے کندھے پہ سر رکھ دیا تھا۔ اس کا زار و قطار رونا عزیر کو تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

''لاریب تمہارے رونے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ اللہ کے لیے چپ کر جاؤ' مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے' میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔'' وہ ہاتھ اس کے بالوں پہ پھیرتے ہوئے چپ کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ پل میں اس نے سر اٹھایا اور آنسو پونچھ لیے۔

''عزیر اگر کوئی بہت سنگین غلطی کر رہا ہو اور اسے اس غلطی کا احساس ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لاریب نے سوال کیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ غلطی کی معافی مانگ لینی چاہیے اور دوسری دوبارہ سے وہ غلطی نہیں کرنی چاہیے۔'' عزیر نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا یہ دونوں باتیں ضروری ہیں؟'' لاریب نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل' آپ اپنی غلطی سے دوسرے کا جتنا بھی نقصان کرتے رہے ہیں اس کا بھگتان تھوڑی سی شرمندگی کی صورت میں اٹھانا چاہیے اور ویسے بھی معافی مانگنا تو بڑے پن کی نشانی ہے۔'' عزیر نے اس کے ہاتھ کو تھپکا اور وہ لمس لاریب کو بہت حوصلہ افزا محسوس ہوا تھا۔

''چلو اب اٹھو شاباش' کل عید ہے اور تم منہ بسورے اندر بیٹھی ہو۔ آج میں قربانی کا جانور لاؤں گا' تم ایمان کے ساتھ مل کے اس کے استقبال کی تیاری کرو۔'' عزیر بات کا اختتام کرتا ہوا واش روم میں گھس گیا اور شاید پہلی مرتبہ ایمان کے نام سے اس کا حلق کڑوا نہیں ہوا تھا۔

☆......☆......☆

''صاحب عقل ہیں آپ' میرا ایک مسئلہ حل تو کیجیے
رخ یار نہیں دیکھا' کیا میری عید ہوئی؟''

وہ عید کی نماز پڑھ کے گھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی ایمان کے ساتھ کچن میں ہنڈیا کا مصالحہ بنانے میں مصروف تھی جب عزیر کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا اور بڑے دلربائی انداز میں شعر پڑھا۔ اس کے انداز جہاں لاریب کو نظریں جھکانے پہ مجبور کر گئے تھے وہیں ایمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''اے لڑکی...... کبھی میری زوجہ محترمہ کا پلو چھوڑ بھی دیا کرو' میں تو صبح سے آہیں بھر رہا ہوں وہ بھی گرما گرم۔'' عزیر نے مصنوعی غصے سے ایمان کو جھڑکا۔

''اچھا بھائی میں پلو چھوڑ دیتی ہوں آپ پکڑ لیں۔''

اس نے ہنستے ہوئے باقاعدہ پلو عزیر کے آگے کر دیا۔
''یہ پلو تم ہی رکھو' مجھے میری پوری بیگم چاہیے۔''
عزیر کے انداز آج بالکل ہی نرالے تھے۔ لاریب بھی دل سے دونوں کی نوک جھونک پہ محفوظ ہو رہی تھی۔
''بھائی آج آپ ہمیں کہاں لے کے جائیں گے۔'' ایمان نے مسکراتے ہوئے مطلب کی بات جاننی چاہی۔
''میں تو بس اپنی بیگم کو لے کے جاؤں گا۔ ہاں اگر تمہیں اتنا ہی شوق ہے تو جاتے ہوئے کسی پارک میں چھوڑ جائیں گے۔'' ایمان نے پل بھر خفگی سے اسے دیکھا اور غصے میں واک آوٹ کر گئی۔
''شکر ہے کباب میں سے ہڈی نکلی۔'' عزیر نے ایمان کو سنانے کے لیے کافی اونچی آواز میں کہا تھا۔ لاریب کا ہنس ہنس کے برا حال ہو چکا تھا۔
''زوجہ محترمہ آپ بھی جلدی سے کام ختم کریں' ایک ضروری کام ہے مجھے۔'' عزیر نے کہتے ہوئے پیار سے اس کے گال کو چھوا اور باہر نکل گیا۔ سارے کام ختم کرتے ہوئے بھی شام ہو گئی تھی۔ قربانی' گوشت کی تقسیم اور کھانا پکانا سب کرنے میں وہ تھک چکی تھی۔ ہر کام میں ایمان اور ساس ساتھ تھیں مگر پھر بھی تھکاوٹ کا احساس حاوی ہو رہا تھا۔ ساس کو بتا کر آرام کی غرض سے کمرے میں آ گئی۔ ابھی لیٹی ہی تھی کہ عزیر آ گئے۔
''اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ' مجھے تمہیں کہیں لے جانا ہے۔'' عزیر نے اتنی جلدی مچائی کہ اسے دس منٹ میں تیار ہو کر گاڑی میں آ کر بیٹھنا پڑا۔
''میں بہت تھک چکی تھی عزیر' کل چلے چلتے۔'' اس نے بیچارگی سے کہا مگر عزیر نے بنا اس کی سمت دیکھے گاڑی سٹارٹ کر لی تھی۔ سارے راستے وہ عزیر سے پوچھتی رہی کہ اتنا اچانک کہاں جا رہے ہیں مگر جواب ندارد' تھک کر آنکھیں بند کرتے ہوئے بیک سیٹ سے سر ٹکا لیا۔ کافی دیر بعد اسے گاڑی رکنے کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں کھول کر باہر دیکھا اور ساکت رہ گئی۔

سامنے کالے گیٹ کے دائیں طرف ''انور ہاؤس'' کی تختی جگمگا رہی تھی۔ اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ اس مرتبہ بھائی' بھابی کوئی بھی اسے ملنے نہیں آیا تھا۔ اداسی اس کے چہرے پہ امڈ آئی تھی۔
''ثاقب بھائی کو میں نے خود منع کیا تھا کہ کوئی نہ آئے۔'' اس کے چہرے پہ جو سوال رقم ہوا تھا عزیر نے فوراً اس کا جواب دے دیا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر نیچے اتری' مڑ کر عزیر کو دیکھا جو ڈرائیونگ سیٹ پہ ہی بیٹھا تھا۔
''میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔'' عزیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پل میں ساری کہانی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ عزیر نے ہاتھ سے وکٹری کا نشان بناتے ہوئے اسے حوصلہ دیا تھا اور اسی حوصلے کو تھامے وہ دروازہ پار کر گئی تھی۔ لان اور اس میں جھولتا جھولا اسے بہت کچھ یاد کروا گیا تھا۔ سوچ نکھر چکی تھی تو سارا گھر اجلا اور اپنا اپنا لگ رہا تھا۔ لاونج کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے احساس ہوا تھا کہ میکے سے جتنے بھی متنفر ہو جاؤ مگر میکے کی یاد دل کے کسی کونے میں کوئلے کی طرح دھیمی دھیمی جلتی ہی رہتی ہے۔
اندر کا منظر اسے مسکرانے پہ مجبور کر گیا تھا۔ بچے اور ان کے پیچھے کھانا کھلانے کو بھاگتی ہوئی بھابیاں۔ اس پہ نظر پڑتے ہی بچے اس کی طرف بھاگے اور اس سے لپٹ گئے۔ کئی لمحوں تک اسے بھابیوں سے ملنے کا ہوش بھی نہیں تھا اور وہ خود اس کایا پلٹ پہ حیران تھیں۔
کچھ دیر بعد اس کے سامنے لوازمات سے میز سجی تھی۔ دونوں بھابیاں اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ ان کی آپس کی کیمسٹری اسے خوش کرنے کے ساتھ ساتھ حیرت میں بھی مبتلا کر رہی تھی۔ اس کے ہوتے ایسا کچھ نہیں تھا یا اس نے ہونے نہیں دیا تھا۔ ایک اور بوجھ اس کے سینے پہ منتقل ہوا تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے کچھ کہنے کا حوصلہ کیا۔
''بھابی' مجھے آپ لوگوں سے کچھ کہنا ہے۔'' اس

کے بولتے ہی آپس میں محوگفتگو بھابیاں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بھابی......امی ابو کے جانے کے بعد مجھے یہ ڈر تھا کہ آپ لوگ بھائیوں کو مجھ سے چھین نہ لیں' اسی ڈر کے تحت میں انجانے میں وہ سب کرتی گئی جو مجھے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں آپ لوگوں کے دل میں نفرت اور کدورت کے بیج بوتی رہی' میں اپنی غلطیوں کی معافی مانگتی ہوں' مجھے معاف کردیں تاکہ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوجائے۔'' بولتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ کافی دیر تک جب خاموشی رہی تو اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ دونوں بھابیاں اسے خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے شرمندگی سے پھر سے سر جھکا لیا تھا۔

''تمہاری رخصتی کے بعد ہی ہمیں احساس ہونا شروع ہوگیا تھا کہ ہمارے درمیان کشیدگی کی وجہ کیا تھی اور جب ہم نے آپس میں بات کی تو ساری الجھن سلجھ گئی۔ وقتی طور پہ بہت افسوس ہوا تھا۔'' بڑی بھابی کی بات نے اسے اور شرمندہ کردیا تھا۔

''جب ہم نے سنجیدگی سے سوچا تو ہمیں اس میں تمہاری غلطی نظر نہیں آئی۔ ہم بڑے تھے' تمہاری تربیت ہماری ذمہ داری تھی۔ تمہاری یہ سوچ ہماری تربیت کی کوتاہی تھی۔'' چھوٹی بھابی نے سارا الزام اپنے سر لے کر اسے اپنے احسانوں تلے دبا لیا تھا۔ ان کے احسانوں میں ایک اور اضافہ ہوگیا تھا۔

''جب اپنے سمجھاتے ہیں تو بات اتنی بری نہیں لگتی مگر جب دنیا جتاتی ہے تب بہت سخت ٹھوکر لگتی ہے اور ہم تو یہ ہی دعا کرتی تھیں تمہیں یہ بات کسی ٹھوکر سے نہ سمجھ آئے۔'' بھابی نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی اور ان کا ساتھ لگانا تھا کہ اس کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ آنسو بند توڑ کر بہہ نکلے تھے۔

''پاگل نہ بنو' عید کا دن ہے سب گلے شکوے مٹا کر خوشی سے یہ دن گزارو۔'' بھابی نے اسے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو پونچھے۔

''کتنے دن کے لیے رہنے آئی ہو؟'' بھابی کے پوچھنے پہ اسے یاد آیا عزیر باہر اس کا انتظار کررہا ہے۔

''میں بس ملنے آئی تھی بھابی' عزیر باہر انتظار کررہے ہیں۔'' عجلت میں کہتے ہوئے وہ کھڑی ہوئی۔

''ارے اتنی بھی کیا جلدی ہے' بھائیوں سے تو مل لیتی۔'' بڑی بھابی نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''بھابی میں پھر آؤں گی' ابھی جلدی میں ہوں۔'' سب سے مل کر مسکراتے ہوئے باہر نکل گئی۔

گیٹ کے سامنے گاڑی سے ٹیک لگائے ہوئے وہ انسان کھڑا تھا جس کے ساتھ کے بغیر وہ کبھی اتنی ہمت نہ کرپاتی اور نہ ہی اتنی مطمئن ہوتی۔ وہ جتنے قدم عزیر کی طرف بڑھا رہی تھی وہ اتنے ہی قدم مضبوطی سے اس کے دل کی سرزمین پہ رکھ رہا تھا۔

''اب بتائیے محترمہ آپ کہاں جانا پسند کریں گی؟'' لاریب کے قریب پہنچتے ہی عزیر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''دنیائے محبوب میں۔''

''مطلب......'' عزیر نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ میں اپنے گھر جانا پسند کروں گی' جہاں دنیا جہاں کی خوشیاں میری منتظر ہیں۔'' لاریب نے تشکر سے عزیر کو دیکھا۔

یہ عید اس کی زندگی کی خوب صورت ترین عید تھی کیونکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کا ضمیر بھی مطمئن تھا۔ عید کا پیام پوری صداقت سے اس کے دل پہ اتر گیا تھا۔

❁

قسط نمبر 8

گزشتہ قسط کا خلاصہ

شہراز اور شہزاد دراج کے حوالے سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں ان کی نظر میں وہ شاطر و مکار لڑکی ہے زرکاش کو پھانس کر پیچھے بٹورنا چاہتی ہے شہراز زرکاش کو دراج سے دور رکھنے کی بات شہزا سے کرتا ہے وہ اسے سمجھاتی اور جذبات پر قابو رکھنے کا کہتی ہے۔ دوسری طرف دراج مسلسل زرکاش کو فون کر کے سالگرہ کی مبارک باد دینا چاہتی ہے لیکن اس کا فون مسلسل بزی ہوتا ہے تب امان (رائمہ کا دیور) دراج کو زرکاش کا کال بیک کرنے کا پیغام دیتا اسے حیران کر جاتا ہے۔

عرش زنائشہ سے نکاح کر کے اپنے گھر لے جاتا ہے تب زنائشہ وہاں اس کے سامنے کچھ شرائط رکھتی ہے جس میں سب سے اہم اس کی ماں کی بیماری کے علاج کے ساتھ بھائی رزق کو بھی ذمہ داری کا احساس دلانا ہوتا ہے عرش اس سے وعدہ کر لیتا ہے۔ راسب کے کہنے پر پولیس رزق کو گرفتار کر لیتی ہے اور تب رجاب بھی اسے پہنچان کر اس کے علاج کا کہتی سب کو حیران کر جاتی ہے رجاب پر جو رزق نے احسان کیا ہوتا ہے وہ اس کا بدلا علاج کی صورت لوٹانا چاہتی تھی۔ رزق علاج کروانے سے انکاری ہو جاتا ہے اور پولیس اسٹیشن میں ہی شور مچا دیتا ہے جس پر انسپکٹر زبردستی اسے ہسپتال لے جاتا ہے۔ زرکاش اپنے فلیٹ پر آتا ہے اور دراج کو سویا دیکھ کر اس کے قریب آتا ہے دراج پرسکون نیند سو رہی ہوتی ہے۔ زرکاش اس کے قریب بیٹھ کر اس کے چہرے سے بال ہٹاتا ہے تب دراج کی آنکھ کھل جاتی ہے دراج سختی سے زرکاش کا ہاتھ جھٹک کر کمرے سے نکل جاتی ہے زرکاش حیران ہوتا دراج کے پیچھے آتا اس سے نیند سے جگانے کی معذرت کرتا ہے تب دراج اسے شہراز کے بارے میں بتا کر اسے ششدر کر جاتی ہے۔ راسب رجاب کی طبیعت دیکھتے ہوئے نئے گھر میں شفٹ ہو جاتا ہے راسب کے خیال میں نئی جگہ پر رجاب نئے سرے سے زندگی کی طرف لوٹ کر آ جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوتا ہے۔ رجاب نئے گھر میں بھی نفسیاتی حرکت کرتی راسب کو مزید پریشانی سے دوچار کرتی ہے۔ زرکاش دراج کے کہنے پر شہراز سے باز پرس کرتا ہے تب شہراز غصہ میں آ کر زرکاش کے سر کی جھوٹی قسم کھاتا شہراز کو حیرت زدہ کر جاتا ہے جو شہراز کے جھوٹ و سچ سے واقف ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

''رجاب...... وہ لڑکا پہلے ہی بہت قابل رحم حالت میں ہے اب اسے زبردستی قید میں رکھ کر علاج کروانے کے لیے مجبور کرنا عجیب ہوتا جا رہا ہے ڈاکٹر سے تفصیلی بات ہوئی ہے میری وہ بالکل بھی تعاون نہیں کر رہا آزادی کی رٹ لگائے بیٹھا ہے۔''

''اس کی قابل رحم حالت کو بہتر کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے نشہ کر کے کہیں غلاظت میں ذلت کی موت مر جانے سے بہتر ہے کہ اسے ری ہیب سینٹر میں تب تک قید رکھا جائے جب تک وہ خود ایک صاف ستھری عزت بھری زندگی حاصل کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔'' اس کے قطعی لہجے پر راسب چند لمحوں تک پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ لڑکا ہمارا محسن ہے' اس نے ہم پر احسان کیا ہے' صرف تم ہی نہیں میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ وہ ایک نارمل اور صحت مند زندگی کی طرف آئے لیکن کیا تم یہ نہیں جانتیں کہ میں تمہیں بھی پہلے کی طرح زندگی سے بھرپور دیکھنا چاہتا ہوں' کوئی کس طرح اپنی نظروں کے سامنے اپنی اولاد کو زندگی سے دور ہوتا دیکھ سکتا ہے...... تم سرجری نہیں کروانا چاہتیں کوئی مجبور نہیں کر رہا تمہیں مگر تم اپنے ساتھ یہ سب مت کرو۔" راسب نے اس کے بینڈج والے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کو اگر یہ لگ رہا ہے کہ میں نے جان بوجھ کر خود کو زخمی کیا ہے تو آپ مجھے کسی نفسیاتی ہسپتال بھیج دیں ہمیشہ کے لیے۔"

"رجاب......" راسب دنگ رہ گئے۔

"یہاں ہر وقت میری نگرانی کی جاتی ہے' میری ہر حرکت پر نظر رکھی جاتی ہے میں اگر نارمل نہیں ہوں تو نکال دیں مجھے اپنی زندگی سے......"

"رجاب...... یہ کیا کہہ رہی ہو تم...... اپنے آغا جان کے سامنے اس طرح بات کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے تمہیں۔" ندا کی غصیلی آواز میں رجاب کی آواز دب گئی۔ خاموشی سے راسب اسے دیکھتے رہے جو سپاٹ تاثرات کے ساتھ کرسی سے اٹھتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

"رجاب سے زیادہ ہمیں ضرورت ہے نارمل ہونے کی...... ہمیں اس کے ساتھ اپنے طور طریقے پہلے جیسے کرنے ہوں گے' حاذق سے نکاح کے وقت سے لے کر طلاق تک اور اس کے بعد کی تمام اذیتوں کو اپنی زندگی' اپنے دل و دماغ سے نکالنا ہوگا۔ یہ بات رجاب سے زیادہ آپ کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔" ندا اپنے لفظوں پر زور دیتی بولیں جبکہ راسب بالکل خاموش تھے۔

☾ ...... ☆ ...... ☾

اسٹڈی ٹیبل کے گرد بیٹھی وہ کتابیں پھیلائے انہماک سے نوٹس لکھنے میں مصروف تھی جب رائمہ کی کال آ گئی تھی۔

"دراج...... میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ جو حرکت شیراز نے تمہارے ساتھ کی تھی اسے دوبارہ کبھی زبان پر مت لانا مگر تم نے پھر بھی زرکاش بھائی کے سامنے زبان کھول دی...... بات زیادہ بڑھ گئی تو جانتی ہو کیا ہوگا؟ کم از کم تمہارے لیے تو کچھ اچھا نہیں ہوگا۔" رائمہ شدید غصے میں تھی۔

"یعنی میں نے ان کے بھائی کے بارے میں سچ کہا یا جھوٹ اس کی تصدیق وہ آپ سے کر چکے ہیں۔" ماتھے پر بل ڈالے وہ بولی۔

"ظاہر ہے تمہاری بات سن کر وہ چپ تو نہیں بیٹھ سکتے تھے' شیراز بھائی ہے ان کا' کسی نہ کسی سے تصدیق تو کرنی ہی تھی۔ آنکھیں بند کر کے تمہاری بات پر یقین وہ نہیں کر سکتے تھے۔ اب وہ شیراز سے بھی بات کریں گے' بات تائی امی تک پہنچے گی پھر ہمارا تماشہ بنے گا' ہم ہی جھوٹے قرار دیئے جائیں گے' شیراز پر پہلے کوئی آنچ آئی تھی جو اب اس کا کچھ بگڑے گا؟ تمہیں آخر ضرورت ہی کیا تھی زرکاش بھائی کے سامنے گڑے مردے اکھاڑنے کی......؟"

"پہلی بات یہ کہ جو ذلالت شیراز نے دکھائی تھی اس پر میں نے وقتی طور پر احتجاج بند کیا تھا' آپ کی اور امی کی وجہ سے گونگا بننا پڑا تھا مجھے لیکن اسی وقت میں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ مجھے جب موقع ملا میں آواز اٹھا کر شیراز کو منہ کے بل گراؤں گی' میرے ساتھ زیادتی کرنی چاہی تھی اس نے' میں گڑے مردے ہی نہیں اکھاڑوں گی بلکہ اس کی نسلیں تک نگل جاؤں گی اسے مجرم ثابت کرنے کے لیے...... میں اس کے باپ کی یتیم بھتیجی تھی' اس کے باپ کا مال نہیں' جس

ذلت سے اس نے مجھے دوچار کرنا چاہا اس سے دگنی ذلت کی کالک اس کے منہ پر مل دوں گی اپنے گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالتے ہوئے اس کو شرم آئی تھی جواب میں منہ بند رکھ کر اسے اس کے بھائی کی نظروں میں پاک اور پوتر رہنے دوں؟ مجھ پر غلیظ نگاہ ڈالنے کی سزا تو اسے بھگتنی ہی ہوگی مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا بھائی ہر کسی سے تصدیق مانگتا پھرے گا اپنے بھائی کی بے گناہی کی۔ اب جب تک میں خود کو سچا ثابت نہ کرلوں چین سے نہیں بیٹھوں گی شیراز اپنا جرم قبول کرے یا نہ کرے اس کا بیڑہ غرق تو مجھے کرنا ہی ہے۔" شدید برہمی سے وہ بولتی رہی تھی۔

"دوسری بات یہ کہ دراج ان لوگوں میں سے نہیں جو خود پر ہونے والے ظلم کے خلاف زبان بند رکھ کر مزید خود پر ظلم کرتے ہیں مجھے اپنے لیے آواز اٹھانے کا پورا حق ہے راجہ مہاراجہ ہوں گے یہ دونوں بھائی اپنے گھر کے ان سب کی اصلیت تو میں ہی جانتی ہوں بڑا پوری دنیا میں اپنا منہ کالا کرتا پھر رہا تھا اور چھوٹا گھر کے ہی کونے کھدروں میں......"

"دراج...... اپنے حواسوں میں رہا کرو تم ایک تم ہی ہو جو سب کی اصلیت جانتی ہو تمہاری ہی ہر بات ٹھیک ہے اپنے آگے کسی کی تو سن لیا کرو۔" رائمہ درمیان میں اس پر برسی۔

"ناجائز بات تو میں آپ کی بھی نہیں سنوں گی معاملہ میری عزت کا تھا اور اب میری زبان کا بھی ہے میں جھوٹے کو گھر تک چھوڑ کر آؤں گی آپ فکر مت کریں میری وجہ سے آپ کی زندگی ڈسٹرب نہیں ہوگی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"دراج...... تم میری زندگی ہو بہن ہو میری رحم کرو اپنی چھوٹی سی جان پر کس کس سے لڑو گی اپنے لیے کیوں خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو......" رائمہ عاجز آجانے والے انداز میں بولی۔

"بجیا...... جو کچھ میری مٹھی میں قید ہے اس نے میری چھوٹی سی جان کو بہت جاندار بنا دیا ہے مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں جو ہوگا خود بخود ہوتا رہے گا۔" وہ تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"دراج...... زرکاش بھائی کے خلوص اور مہربانیوں کو کسی امتحان میں مت ڈالنا جو بھی ہے شیراز ان کا بھائی ہے شیراز کو پہلے کسی نے غلط مانا تھا جو اب اس کے مجرم ہونے کا سب یقین کریں گے......؟ تم تمہارا نہ خراب ہو مجھے بس یہ خوف ہے تم کیسے اسے گناہ گار ثابت کرسکو گی میں اور تم کتنی ہی بار اس کے جرم کی قسمیں کھالیں زرکاش بھائی کا یقین ڈانواڈول ہی رہے گا شیراز الٹا تم پر ہی کوئی گھناؤنا الزام نہ لگا دے خود کو بچانے کے لیے۔" رائمہ تشویش بھرے لہجہ میں بولی۔

"آپ فکر مت کریں وہ یا تو اپنے جرم کا اقرار اپنے بھائی کے سامنے کرے گا یا پھر جھولی بھر بھر کر ذلت سمیٹے گا۔" بات ختم کرنے والے انداز میں وہ اطمینان سے بولی اور دوسری طرف سے رائمہ نے جھنجھلا کر سلسلہ منقطع کردیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سنجیدگی سے کچھ سوچتی رہی پھر زرکاش کو فری ہوکر کال کرنے کا میسج بھیجا۔

دوبارہ پڑھنے میں اس کا دل نہ لگا تو کتابیں ایک طرف رکھ دیں ڈسٹرب تو وہ ہوچکی تھی۔

زرکاش پر اسے شدید غصہ تھا وہ ہرگز بھی رائمہ کو اس معاملے میں شامل کرکے اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی مگر رائمہ کی بات بھی ٹھیک تھی کہ زرکاش اس کے لگائے گئے الزام پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کرے گا اور یہی سچ اس کی رگوں میں انگارے دوڑا رہا تھا ابھی وہ اس مقام تک زرکاش کو لے کر نہیں پہنچ سکی تھی جہاں زرکاش اس کی ہر بات پر آنکھ بند کرکے یقین کرتا وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی کافی وقت اور محنت درکار تھی اسے اندازہ تھا تقریباً ایک گھنٹے بعد زرکاش کی کال آگئی۔

"جب آپ کو میری بات پر یقین نہیں تو میری بہن کی بات پر کیسے یقین آسکتا ہے...... ان کی تصدیق آپ کے لیے کافی کیسے ہوسکتی ہے؟ آپ مجھے پہلے ہی بتا دیتے کہ بناء ثبوت اور تصدیق کے مجھ پر یقین کرنا ممکن نہیں ہوسکتا تھا

آپ کے لیے تاکہ میں ذہنی طور پر تیار رہتی، شاک نہ لگتا مجھے۔‘‘ وہ بہت ٹھہرے ہوئے اور سرد لہجے میں بولی۔

’’دراج...... میں نے رائمہ سے رابطہ صرف اس لیے کیا تھا تاکہ میں اس معاملے کو پوری طرح سمجھ سکوں، جان سکوں جو کچھ تم نے بتایا وہ میری غیر موجودگی میں ہوا تھا، تم سے سوالات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی کیونکہ تب بھی تمہیں یہ لگتا کہ میں تم پر شک کررہا ہوں، تمہاری دل آزاری ہوتی اس لیے مجھے یہی بہتر لگا کہ اس معاملے کی تفصیل رائمہ سے پوچھوں، اس لیے بھی کہ مجھے اور کچھ سمجھ نہیں آیا تھا...... تم سے میرا ایک رشتہ ہے تو شیراز بھی میرا بھائی ہے...... اگر میں تمہیں جھوٹا اور اسے سچا مان لیتا تو کبھی اس سے بات کرنے کے بعد رائمہ سے کوئی سوال نہ کرتا......‘‘

’’جھوٹا نہیں تو سچا بھی نہیں مانا آپ نے مجھے...... آپ کو یہی لگا ہوگا کہ میں اپنی نفرت اور جلن میں اس حد تک پاگل ہوگئی ہوں کہ شیراز کو مشکل میں ڈالنے کے لیے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی دامن پر کیچڑ لگا رہی ہوں۔‘‘ وہ اسی سرد لہجے میں بولی۔

’’نہ مجھے ایسا کچھ لگا اور نہ ہی میں تم سے کبھی ایسی توقع رکھ سکتا ہوں۔‘‘

’’پھر آپ نے بجیا سے اس معاملے پر بات کیوں کی......؟ آپ کو معاملے کی تفصیل نہیں چاہیے تھی، سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنا تھا۔‘‘ وہ زرکاش کی بات کاٹ کر بولی۔

’’اگر ایسا ہی تھا تو آپ شیراز کو میرے سامنے لاکر کھڑا کرتے، سارے سچ، جھوٹ کھل کر سامنے آجاتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ آپ کی نظر میں، میں شیراز کے خلاف زہر اگلنے کے لیے اس پر کوئی بھی الزام لگا سکتی ہوں......‘‘ وہ بمشکل غصہ ضبط کیے بولی۔

’’دراج...... میں رائمہ سے رابطہ کرنے پر اس لیے مجبور ہوا تھا کیونکہ شیراز نے میرے سر کی قسم کھا کر تمہارے الزام رد کردیا تھا۔‘‘ زرکاش کے اس انکشاف نے چند لمحوں کے لیے اسے گنگ کردیا تھا۔

’’کیا کہا آپ نے......؟ اس نے آپ کے سر کی قسم کھائی ہے؟‘‘ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

’’ہاں، اس نے میرے سر کی قسم کھا کر کہا ہے کہ اس نے ایسی کوئی حرکت کبھی نہیں کی، تم جھوٹا الزام لگا رہی ہو اس کے بعد میں رائمہ سے بات نہ کرتا تو اور کیا کرتا؟‘‘

’’سو جوتے مار کر ایک گننا چاہیے تھا، تھوکنا چاہیے تھا آپ کو اس کے منہ پر......‘‘ وہ مزید ضبط نہیں کرسکی تھی۔ ’’مجھے پتہ تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اپنا گناہ قبول نہیں کرے گا مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اپنے سیاہ کرتوت چھپانے کے لیے وہ آپ کے سر کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔‘‘

’’دراج...... شیراز سب کچھ کرسکتا ہے مگر میرے سر کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا۔‘‘ زرکاش کے برہم لہجے اور شیراز پر اس کے یقین نے دراج کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

’’مجھے افسوس ہے کہ آپ کا بھائی آپ کے اس یقین کی دھجیاں اڑا چکا ہے اور آپ کو خبر بھی نہیں۔‘‘

’’تم کیا کہنا چاہتی ہو صاف کہو؟‘‘

’’جب آپ مجھے اپنے بھائی کے سامنے جھوٹا قرار دے ہی چکے ہیں تو اب میرا کچھ بھی کہنا بیکار ہے...... اب آپ پہلی فرصت میں اس بات کی تصدیق کریں کہ آپ کے بھائی نے آپ کے سر کی جھوٹی قسم کھائی ہے یا سچی......‘‘

’’دراج...... میں پہلے ہی بری طرح الجھا ہوا ہوں اب تم......‘‘

’’زرکاش...... میں نے بہت آسان زبان میں بات کی ہے اور آپ مجھ سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، معاملہ فہم ہیں آپ شیراز کو میرے سامنے لائیں، وہ میرے سامنے بھی آپ کے سر کی قسم کھا کر یہ اگر کہہ دے کہ اس نے مجھ پر بری نظر

نہیں ڈالی تھی تو میں ایک لفظ بھی اپنے الزام کو سچ ثابت کرنے کے لیے نہیں کہوں گی...... اور اگر آپ اس کا اور میرا سامنا نہیں کرواسکتے تو مجھ پر بس ایک مہربانی کیجیے گا اور وہ یہ کہ بھول جایئے گا کہ اس دنیا میں دراج نام کی کوئی لڑکی موجود ہے۔ میں بھی اپنے ماں باپ کی قسم اٹھا کر دوبارہ اپنی شکل آپ کو نہیں دکھاؤں گی اور یہ وہ قسم نہیں ہوگی جو آپ کے بھائی نے اٹھائی تھی۔'' اپنے لفظوں پر زور دیتی وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''ٹھیک ہے' میں شیراز کو تمہارے سامنے لاؤں گا۔'' زرکاش نے کہا جبکہ وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر لائن ڈسکنیکٹ کرگئی تھی۔

☆
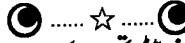
دیوار سے پشت لگائے وہ جانے کب سے یونہی بیٹھی تھی' اس کی ویران آنکھیں اپنی ماں پر ساکت تھیں جو معمول کی طرح در و دیوار تکتے رہنے کے بعد گہری نیند سو چکی تھی' آج پہلی بار اسے اپنی ماں کے چہرے پر زندگی کی کوئی رونق نظر نہیں آئی تھی شاید وہ رونق تو بہت پہلے ہی ختم ہو چکی تھی' ہاں بس یہ اس کے ہی ہمت و حوصلے اور امیدوں کی روشنی تھی جس میں اسے کبھی حقیقت دکھائی نہیں دی' جو حقیقتیں روشنی میں بھی دکھائی نہ دیں وہ اندھیروں میں چھپی حقیقتوں سے زیادہ ہولناک ثابت ہوتی ہیں' اسے یاد آ رہا تھا جب وہ عرش سے ایک نئے تعلق کو استوار کر کے واپس گھر آئی تھی تو کتنی ہی دیر تک اپنی ماں کے قدموں سے لپٹی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی تھی حالانکہ اس کا دل پوری طرح سے مطمئن تھا مگر اپنی ماں کے سامنے وہ نادم و شرمسار تھی' اس کی ماں بس خالی نظروں سے اسے روتا سسکتا دیکھتی رہی تھی' حالانکہ وہ اس وقت چاہتی تھی کہ اس کی ماں اسے برا بھلا کہے' اسے مار مار کر ادھ موا کر ڈالے بالکل اسی دن کی طرح جب ایک شادی کی تقریب میں وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ناچ گانے میں شریک ہوئی تھی' ماں کی جو نظر پڑی تو آؤ دیکھا نہ تاؤ' چوٹی سے پکڑ کر اسے سب مہمانوں کے سامنے روئی کی طرح دھن ڈالا تھا' سب عورتیں انگشت بدنداں رہ گئیں تھیں' اس کی ماں کے عتاب سے اسے بچانے کی کوشش بھی کی تھی مگر ماں کی ایک ہی رٹ تھی کہ اس کی پرورش اور بندشوں میں بھول کر وہ کسی بے حیائی کرنے کی جرأت کیسے کرگئی...... اسے یاد تھا کہ ماں اسے مارتے مارتے گھر تک لائی تھی اور ایک کونے میں پٹخ دیا تھا' سارا دن ایک گلاس پانی تک اسے پینے نہیں دیا تھا' ماں سے معافیاں مانگتے مانگتے' روتے روتے وہ مر ہی جاتی اگر رات میں گھر آ کر باپ خلاصی نہ کرواتا...... اس دن وہ چاہتی تھی کہ ماں وہی سلوک اختیار کرے مگر وہ تو بس پتھر کا بت بنی اسے تکتی رہی تھی' ضرورت' مجبوری بن جائے یا مجبوری ضرورت انسان کے لیے سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کسی کی نظروں سے گرا ہے یا کسی کھائی میں...... فون کی تیز چنگھاڑ پر اس نے سرعت سے اپنی آنکھوں کو خشک کیا تھا۔

بغور عرش نے اسے دیکھا تھا جو قریب آتی جا رہی تھی' اس کی متورم آنکھیں اور چہرے پر بکھرا حزن و ملال عرش کے دل کو بھی بے چین کر گیا تھا' خاموشی سے اس کا ہاتھ تھام کر وہ گھنی شاخوں تلے پھیلی تاریکی سے گزرتا باؤنڈری تک پہنچ کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو نڈھال سی تھی۔

''زنائشہ...... مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم یوں حوصلہ چھوڑ بیٹھو گی۔''

''مجھ میں اب اور ہمت نہیں ہے عرش......'' بھرائے لہجے میں بولتی وہ اپنی سسکیاں نہیں روک سکی تھی۔ گہری سانس لے کر عرش نے دھیرے سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''میں بہت تھک چکی ہوں...... نہ کچھ ٹھیک ہو رہا ہے نہ بدل رہا ہے۔'' سر اٹھا کر اس نے دھندلائی نظروں سے اس کو دیکھا۔

''ہو رہا ہے سب ٹھیک' بدل بھی رہا ہے' بس تم اپنی مایوسی میں یہ دیکھ نہیں پا رہیں۔'' عرش نے کہا مگر وہ اس کے سینہ

پہ چہرہ ٹکائے گھٹی گھٹی آواز میں روتی رہی تھی' عرش اس کے جذبات اور کیفیت کو سمجھ رہا تھا' اس لیے اسے رونے سے نہیں روکا تھا' جانتا تھا کہ جب تک اس کا دل ہلکا نہیں ہوگا وہ کچھ بھی سمجھنے پر مائل نہیں ہوگی۔ کل وہ زنائشہ کے ہمراہ اس کی امی کو ایک بڑے پرائیویٹ ہاسپٹل میں ڈاکٹر سے چیک اپ کے لیے لے گیا تھا' جانے کتنے ہی ٹیسٹ ڈاکٹر نے چیک اپ کے فوری بعد لکھ کر دے دیئے تھے۔ باقی سارا دن مختلف ٹیسٹ کروانے میں ہی گزر گیا تھا' سارے ٹیسٹ کی رپورٹس لے کر آج پھر ڈاکٹر سے ملنا تھا۔ رپورٹس دیکھنے کے بعد ڈاکٹر نے جو کچھ کہا وہ یقیناً زنائشہ کے لیے کسی دھچکے سے کم نہ تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ امیدیں لگا چکی تھی ورنہ عرش جانتا تھا کہ وہ اتنے کمزور اعصاب کی مالک نہیں کہ یوں ٹوٹ کر بکھر جائے' حقیقت کو قبول کرنے میں اسے کچھ وقت تو لگنا ہی تھا' آج وہ زنائشہ کی طرف سے فکر مند تھا' وقتاً فوقتاً فون پر اسے سمجھاتا بھی رہا تھا' گیرج سے جلدی فارغ ہو کر وہ سیدھا اس کے پاس چلا آیا تھا' اسے پتہ تھا کہ زنائشہ کو اس کی ضرورت ہے۔ کچھ وقت یونہی سوگواری میں گزرا' زنائشہ کی سسکیاں مدھم ہوئیں تب اسے شانوں سے تھام کر عرش نے اسے باؤنڈری پر بٹھایا۔

''زنائشہ...... ڈاکٹر بالکل ناامید نہیں ہے تو تم کیسے امید چھوڑ سکتی ہو...... ڈاکٹر نے جو کچھ کہا اسے مثبت انداز میں لینا چاہیے' خدانخواستہ ڈاکٹر نے ان کو لاعلاج تو قرار نہیں دیا' ڈاکٹر کے مطابق کامیابی کے امکانات سو فیصد نہیں مگر بہتری کے امکانات بالکل ہی نہیں ایسا کچھ تو نہیں کہا ڈاکٹر نے...... ڈاکٹر کو علاج پر بھروسہ ہے اگر وہ بالکل ناامید ہوتا تو دواؤں اور پرہیز کے طویل پرچے تمہارے حوالے نہ کرتا' تمہاری امی کے بارے میں تم سے بات کرنے میں اپنا ایک گھنٹہ ضائع نہ کرتا بلکہ ہمیں ٹالنے کے لیے کسی اور ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دیتا...... تمہاری امی کے معاملے میں ڈاکٹر نے بالکل صاف بات کی ہے تم سے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ تم نے ہی اپنی امی کی دیکھ بھال کرنی ہے لہٰذا تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ ان کا علاج طویل اور صبر آزما ہوگا تاکہ تم ذہنی طور پر تیار رہو' ہمت نہ ہارو' مگر تم ڈاکٹر کی سو فیصد امکانات نہ ہونے والی بات کو پکڑ کر ابھی سے ہی حوصلہ کھو بیٹھی ہو...... تم اس طرح تھک کر بیٹھ جاؤ گی تو ڈاکٹر کو چند فیصد بھی کامیابی حاصل نہیں ہو پائے گی' سو فیصد بہتری نہ بھی ہو مگر اتنا تو ہوگا کہ تمہاری امی کی ذہنی صلاحیتیں بحال ہوں گی' حسیات کام کرنا شروع کریں گی' تمہارے لیے یہ بھی بہت ہوگا کہ وہ تمہیں پہچاننے لگیں' تمہاری بات کو سمجھنے لگیں' وہ میری اور تمہاری طرح نہ ہو پائیں لیکن ان کی اس حد تک بہتری بھی کیا خوشی کا باعث نہیں ہوگی؟''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو میرے لیے تو یہ بھی بہت ہوگا کہ امی مجھے پہچان لیں' مجھے سنیں' سمجھیں......'' وہ بھیگے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔

''ان کی عمر اور صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر نے تم سے جو کہا تھا اس سب کو گہرائی سے جانچنے کی ضرورت تھی اس طرح رونے اور پریشان ہونے سے کچھ حاصل ہونے والا ہوتا تو میں تمہارا ساتھ ضرور دیتا۔'' عرش کے خفگی سے کہنے پر اس نے سر جھکا لیا۔

''عرش...... امی کے لیے جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب تو زرق کو کرنا چاہیے تھا' تم نے اس کی ذمہ داری نبھا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

''بس' خاموش رہو' میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا' زرق بھی ایک دن اپنی ذمہ داری کو سمجھنے کے قابل ہو جائے گا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری پریشانیاں اب صرف تمہاری نہیں ہیں' میں زرق کو واپس لاؤں گا' مجھے ہر اس انسان کی قدر ہے جس سے تمہارا کوئی رشتہ ہے' اپنے عزیز ترین رشتوں کو کھو دینے کے بعد میں نہیں چاہتا کہ تم بھی اپنے گنے چنے چند رشتوں کو کھونے کی اذیت سے گزرو...... وہ تمہارا بھائی ہے' جلد یا بدیر اسے تم تک واپس آنا ہی ہوگا۔'' عرش کے

پُریقین لہجے پر وہ بس نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ ”بس یونہی ایک دوسرے کو حوصلہ اور سہارا دیتے ہوئے ہمیں اپنے سفر کو جاری رکھنا ہے‘ ان صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بعد منزل تک پہنچنے کی خوشی بھی کئی گنا زیادہ ہوگی......“ اس کا ہاتھ تھامے وہ نرم لہجے میں امیدوں کے دیے روشن کرتا جارہا تھا‘ زنائشہ کو اس کا جادوئی لہجہ اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھوں کا لمس بہت پُرسکون کررہا تھا‘ طمانیت بخش رہا تھا‘ اسے لگ رہا تھا کہ عرش کی موجودگی میں کوئی مصیبت اسے نہیں توڑ سکتی۔

”سنو میرے پاس تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔“ عرش اچانک بولتا اسے چونکا گیا تھا۔

”کیسی خوش خبری......؟“ اس کی حیرت پر عرش نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر اگلے ہی پل زنائشہ کی دھڑکنیں رک سی گئی تھیں۔ جب عرش اس کے گھٹنوں پر سر رکھتا باؤنڈری پر دراز ہوا‘ مدھم روشنی میں آج پھر زنائشہ کا دل چاہا تھا کہ اس کے سنہری چمکتے بالوں کو ذرا چھوکر دیکھے‘ ان کی ملائمت کو اپنی انگلیوں پر محسوس کرے......مگر کوئی رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود‘ حق حاصل ہوتے ہوئے بھی وہ چپکے سے بھی یہ ہمت نہیں کرسکی تھی‘ اس کے سر کی طرف ذرا ہاتھ بڑھانے کا سوچ کر ہی ہاتھ میں لرزش سی دوڑنے لگی تھی‘ دوسری جانب اس کی کیفیت سے بے خبر وہ اپنی شہد رنگ آنکھیں اس پر جمائے بولنا شروع کرچکا تھا۔

”تم کو تو پتہ ہی ہے کہ اپنا گھر واپس حاصل کرنے کے لیے مجھے مزید رقم کی ضرورت ہے‘ میں نے سوچا کہ وہ رقم جمع کرتے کرتے جانے کتنے دن لگ جائیں تو کیوں نہ وہ رقم میں بطور قرض کسی سے لے لوں......اسی سلسلے میں آج میں نے اپنے گیرج کے مالک سے بات کی تھی۔“

”پھر کیا جواب دیا اس نے؟“ زنائشہ نے بے تابی سے پوچھا۔

”راضی ہوگیا ہے وہ‘ بس ایک ہفتہ مانگا ہے اس نے پھر وہ رقم میرے حوالے کردے گا۔“

”سچ......؟“ وہ حیرت وخوشی سے نہال ہوگئی۔

”ہاں‘ سچ میں ایسا ہی ہے۔ وہ انکار کیوں کرتا میں اس کا پرانا بھروسہ منداور بہت کام گار ورکر ہوں‘ وہ جانتا ہے کہ میں اپنے گھر کے لیے اس سے قرض مانگ رہا ہوں۔“

”عرش......میں خوشی سے پاگل ہونے والی ہوں‘ تمہارا گھر تمہیں واپس مل جائے گا‘ یہ کتنی بڑی کامیابی ہے لیکن قرض کی واپسی کس طرح کروگے تم......؟“ اسے اچانک خیال آیا۔

”وہ قرض میری تنخواہ سے کٹتا رہے گا‘ بس چند ماہ لگیں گے قرض اترنے میں......اور تم اخراجات کی بالکل فکر مت کرنا‘ تمہاری امی کے علاج میں کوئی کمی نہیں آنے دوں گا میں۔“

”لیکن عرش......تم پر بہت بوجھ بڑھ جائے گا۔“

”میں نے ابھی کہا ہے کہ کوئی فکر مت کرنا......اب تم اس بارے میں کچھ نہ سوچنا‘ مجھے جو ٹھیک لگ رہا ہے وہ مجھے کرنے دو‘ کم ازکم اس معاملے میں تمہاری نہیں سنوں گا میں۔“ وہ قطعی لہجے میں اسے خاموش کرواگیا۔

”اب ایک ہفتے بعد میں اپنا گھر حاصل کرلوں گا پھر تم گھر دیکھنے میرے ساتھ چلنا‘ وہ گھر بہت خوب صورت ہے اور اب وہ صرف تمہارا ہے‘ وہاں سیاہ وسفید کی مالک تم ہوگی۔“

”نہیں عرش......وہ تمہارا گھر ہے......“

”ایک ہی بات ہے زنائشہ‘ ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں‘ تمہارا میرا کا تکلف ہمارے درمیان نہیں رہا اب ہمارے پاس جو کچھ ہے ایک دوسرے کا ہی ہے۔“ عرش کے سمجھانے والے انداز پر وہ اثبات میں سر ہلاتی مسکرائی مگر

یک لخت اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی‘ جب اس کی نگاہ عرش کے سیاہ بیگ تک گئی تھی‘ یہ مخصوص سیاہ بیگ آج بہت دن بعد عرش کے پاس دیکھ کر اس کا چونکنا لازمی تھا۔

”عرش...... یہ بیگ...... اسے ساتھ کیوں لائے ہو؟“ اس کے جھجکتے لہجے پر عرش نے بغور اس کے تاثرات دیکھے۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“

”پہیلیاں مت بھجواؤ...... مجھے بتاؤ کہ اب اسے ساتھ کیوں لائے ہو تم......؟“ وہ الجھے انداز میں بولی۔

”زنائشہ...... تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟“ عرش کی گہری سنجیدہ نظروں پر وہ چند لمحوں کے لیے خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

”عرش...... تمہارا یہ سوال اب کوئی معنی نہیں رکھتا‘ مجھے بس یہ حیرت ہے کہ اس بیگ کو ساتھ لانے کی وجہ کیا ہے؟“ وہ نرم لہجے میں بولی۔

”وجہ بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ اس بیگ میں ہمارا ڈنر ہے۔“ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا وہ اٹھ بیٹھا۔

”مجھے اندازہ تھا کہ آج تم پر شدید مایوسی کا دورہ پڑا ہے‘ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی بھوکا مارو گی۔“ بیگ اٹھاتا وہ اسے خجل کر گیا تھا۔

”ایسا بالکل بھی نہیں‘ آج تم جلدی آئے ہو تو میں نے سوچا کچھ دیر بعد کھانا لے جاؤں گی تم نے کیوں یہ فضول خرچی کی......؟“

”اب تک تو مجھے فرصت ہی نہیں تھی کہ تمہارے لیے خاص طور پر کوئی چیز لاتا‘ فرمائش اب تک کسی چیز کی تم نے نہیں کی‘ آج موقع ملا تو سوچا تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤں‘ ساتھ میں تمہاری امی کی وہ دوائیں بھی ہیں جو رہ گئی تھیں اور پھل بھی ہیں ان کے لیے‘ تم یہ بیگ گھر لے جانا ساتھ۔“ خوشبو اڑاتی بریانی کا باکس نکالتا وہ بولا۔

”ذرا رکو مجھے پلیٹیں تو لانے دو۔“ وہ بولی۔

”بیٹھی رہو‘ ایک تو تمہیں بڑا شوق ہے مجھے یہاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے کا‘ جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے بغیر ایک منٹ بھی یہاں گزارنا قیامت ہوتا ہے میرے لیے‘ ایسے ہی شروع کرو کھانا بس۔“ اس کے ڈپٹنے والے انداز پر وہ ہنس دی۔

”کھانا تو بہت عمدہ ہے۔“ وہ تعریف کیے بغیر نہ رہ سکی۔

”عرش...... تمہیں تو ایسے ہی اچھے اچھے کھانوں کی عادت ہوگی‘ پھر تم میرے پکائے گئے سادہ سے کھانے روز کیسے کھا لیتے ہو؟“ اس کے بجھے لہجے پر عرش نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

”بات سنو دنیا کا اچھے سے اچھا کھانا بھی میرے لیے تمہارے پکائے گئے کھانوں کے سامنے اہم نہیں ہوسکتا‘ میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کررہا‘ کھانا مرغن ہو یا سادہ کھانا بس کھانا ہوتا ہے‘ تمہارے ہاتھ میں جو ذائقہ ہے وہ لاجواب ہے‘ بالکل میری ماما جیسا......“

”شادی کے دس سال بعد بھی اپنی اس بات پر قائم رہو تو مانوں......“ وہ مسکراہٹ چھپائے بولی۔

”اللہ کو مانو‘ ازدواجی زندگی ابھی شروع بھی نہیں ہوئی اور تم دس سال آگے پہنچ گئیں۔“ عرش نے خشمگیں لہجے میں کہا۔

”اچھا‘ ایک بات بتاؤ......“ اپنے حصے کا لیگ پیس عرش کے باکس میں رکھتی وہ بولی۔ ”جب لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو کیا وہ ایک دوسرے سے اسی طرح ملتے ہیں‘ اسی طرح باتیں کرتے ہیں جیسے ہم

ملتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں؟"

"اللہ کا خوف کرو ہرگز نہیں۔" عرش اسی انداز میں بولا۔

"تو اتنا جل کر جواب کیوں دے رہے ہو تم......؟" وہ ہتھے سے اکھڑی۔

"تو سوال بھی نہ کرو ایسے تم محبت کرنے والوں کو رو رہی ہو میں تو دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ شادی کے دس سال بعد بھی کسی جوڑے کی زندگی ایسی روکھی پھیکی نہیں ہوسکتی جیسی کہ ہماری ہے کہیں تو پیار کہیں تو گرم جوشی جھلکنی چاہیے۔"

"مجھے کیا پتہ مجھے کون سا محبت شادی کا تجربہ رہا ہے۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"میں ہوں تو تمہیں سب سکھانے کے لیے......"

"ہاں جیسے سالوں سے تم یہی تجربے حاصل کرتے رہے ہو۔" وہ تیزی سے بات کاٹ کر بولی۔

"تم مجھ سے جھگڑا کرنا چاہتی ہو کیا......؟" عرش نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں لیکن اگر تم اسی طرح آدھی رات میں مجھے فون کرکر کے تنگ کرتے رہے تو ضرور جھگڑے ہوں گے ہمارے۔" وہ تنک کر بولی۔

"کیسی لڑکی ہو تم......ایک تو میری نیند چین وسکون قبضے میں کر کے بیٹھی ہو......آواز سن کر ہی تھوڑی تسکین حاصل کرنا چاہتا ہوں تو وہ بھی تمہیں عذاب لگتا ہے......کہاں ملے گا ایسا چاہنے والا انسان جو فجر کی اذانوں پر تمہیں فون کرتا ہے تاکہ نماز کا وقت نہ نکل جائے۔"

"فجر کی اذانوں پر نہیں اذان سے بہت پہلے جگا دیتے ہو تم۔" وہ حیرت وصدمے سے یاد دلا رہی تھی۔

"ہاں تو تھوڑا پہلے اٹھ کر اپنے شوہر کا حال دل سن کر ثواب ہی تو حاصل کرو گی ویسے تو میری خاطر ہار سنگھار تک نہیں کرتی چھے گز کے شامیانے میں چھپ کر یوں آتی ہو جیسے میں کوئی غیر ہوں میں تم سے خوش نہ رہا تو یاد رکھنا اللہ کی رضا بھی نہیں ملے گی تمہیں۔"

"تمہیں میری اتنی فکر کرنے کی ضرورت نہیں......ثواب کمانے کے اور بھی راستے ہیں مجھے نہیں سننا نیند میں ڈولتے ہوئے تمہارا حال دل۔"

"کھانا ادھورا چھوڑ دینا اچھی بات نہیں ورنہ سب چھوڑ چھاڑ کر ابھی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" وہ شدید خفت سے بولا۔

"جاؤ گے کہاں واپس تو یہیں آؤ گے وہ بھی تڑپ تڑپ کر۔" زنائشہ مسکراہٹ چھپانے کی ناکام کوشش کرتی بولی۔

"تمہاری اسی ڈھٹائی کے لیے امیر مینائی فرما گئے ہیں۔"

"کیا......؟" وہ ہنسی۔

جو مجھ پہ گزرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم
پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا
کہتے ہیں یہ اچھی تڑپ ہے دل کی تمہارے
سینے سے تڑپ کر کبھی باہر نہیں آتا......

عرش کے انداز سخن پر وہ کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
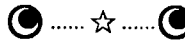
"آج تو اس نے اپنی کتابوں کو بھی کھول کر دیکھا بچوں کے ساتھ بھی وقت گزارا گھر کے کام بھی خود کرتی رہی میں

نے اسے کسی بات پر نہ روکا ٹوکا' انجان بنی رہی' میں نے اس سے کہا کہ گھر کے لیے اور بچوں کے لیے کچھ شاپنگ کرنی ہے تو کل وہ چلے میرے ساتھ' تو کہنے لگی چلوں گی۔"

"واقعی......؟" راسب نے بے یقینی سے ندا کو دیکھا' وہ ابھی گھر واپس آئے تھے اور ندا سارے دن کی رجاب کی مصروفیات سے ان کو آگاہ کررہی تھیں۔

"اب کلاس کے مزاج' تیور کیسے ہوں گے یہ میں نہیں جانتی' اب وہ سیشن کے لیے جائے گی تو مجھے بھی ساتھ لے کر چلیے گا' مجھے اس کے ڈاکٹر سے خود کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ابھی کہاں ہے رجاب؟" راسب نے پوچھا۔

"ابھی تو اپنے کمرے میں ہی ہوگی۔" ندا کے بتانے پر وہ سیدھا رجاب کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

کھڑکی کے قریب کھڑی وہ پچھلے صحن میں پھیلے سناٹے میں بکھرتے خشک پتوں کو دیکھ رہی تھی' نیم وا دروازے پر ہوتی دستک نے اسے متوجہ کیا تھا۔ راسب خوش گوار سی حیرت میں مبتلا ہوئے تھے' جب رجاب نے ان کو سلام کیا تھا' بیشمار دن کے بعد رجاب نے ان کو آج سلام کیا تھا' اپنی حیرت کو ظاہر نہ کرتے ہوئے وہ اس کا سر تھپتھپاتے کھڑکی سے پچھلے صحن کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آج آپ کو واپس آنے میں دیر ہوگئی' بھابی نے بتایا تھا آپ کو ڈاکٹر سے ملنے بھی جانا ہے' کیوں بلایا تھا انہوں نے؟"

"رجاب..... تمہاری ایک خواہش نے کوئی ہزاروں چکر لگوادیے ہیں ری ہیب سینٹر کے..... فرار ہونے کی دھمکی دے رہا ہے وہ......"

"آغا جان...... وہ نشے کا عادی ہے' اتنی آسانی سے قابو میں نہیں آئے گا' آپ غصے میں اسے سمجھائیں' پولیس کا حوالہ دے کر ڈرائیں۔"

"میں یہ سب کرچکا ہوں' آخر کب تک اسے ڈرا دھمکا کر علاج پر مجبور کیا جاسکتا ہے' اب تو وہ خود کہتا ہے مجھے پولیس کے حوالے کردو مگر نشہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"آغا جان...... کسی بھی طرح بس اس کا علاج مکمل کروادیں' نشے کی لت سے اسے نجات مل جائے گی تو اسے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے ساتھ کیا کررہا تھا' ابھی تو وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہے آپ اس سے کہہ دیں کہ کچھ وقت وہاں علاج کرواتا رہے' آپ اسے پیسے دینے کا لالچ دیں' روپے پیسوں کے لیے وہ راضی ہوجائے گا۔" وہ التجائی لہجے میں بولتی تدابیر بھی بتارہی تھی۔

"ٹھیک ہے' یہ کام بھی کرکے دیکھ لیتا ہوں مگر مجھے پھر بھی یہ معاملہ کافی مشکل نظر آرہا ہے۔" راسب سنجیدگی سے بولے۔

"آغا جان...... سنورے ہوئے کو بگاڑنا بہت آسان ہوتا ہے مشکل ہے تو بگڑے ہوئے کو سنوارنا...... مجھے یقین ہے کہ یہ مشکل کام صرف آپ ہی کرسکتے ہیں...... اس کے ماں باپ' بہن بھائی ہوں گے' ان سب کو اس سے بہت امیدیں ہوں گی' وہ ٹھیک ہوگا تو جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں سنور جائیں گی' جانے کتنے دل آباد ہوجائیں گے' اس سے بڑھ کر کوئی اچھا کام کیا ہوسکتا ہے۔"

"ہاں' تمہارا ایسا سوچنا میرے لیے بہت خوشی کا باعث ہے۔ میں بھرپور کوشش کررہا ہوں لیکن تم بھی یاد رکھنا کہ مجھے تم سے بھی بہت امیدیں ہیں' بہت کامیابیاں حاصل کرنی ہیں تمہیں' ایک بڑی ڈینٹسٹ بننا ہے تمہیں۔" راسب

کے پُرامید لہجے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"آغا جان...... آپ اب میرے لیے پریشان نہ ہوا کریں' ابھی آپ نے اپنا بزنس شروع کیا ہے' میں چاہتی ہوں آپ اس پر زیادہ توجہ دیں' میں اب بالکل ٹھیک ہوں' کلاسز شروع ہوجائیں گی تو مصروف بھی ہوجاؤں گی' میں آپ کے لیے ایک اچھی ڈینٹسٹ ضرور بنوں گی لیکن آپ کو بھی میرے لیے ایک کامیاب بزنس مین بننا ہوگا۔"
"اب تو بننا ہی پڑے گا' تم نے جو کہہ دیا' ایسا ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری کوئی خواہش ٹال دوں؟" راسب کے کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
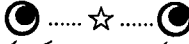
بالوں میں برش پھیرتے ہوئے اس نے وال کلاک میں وقت دیکھا' کوئی دس منٹ پہلے اسے اطلاع مل گئی تھی کہ زرکاش وزیٹنگ روم میں موجود ہے وہ جانتی تھی کہ زرکاش تنہا نہیں آیا ہوگا لہٰذا اطمینان سے جانے کے لیے تیار ہوتے ہوئے وہ جان بوجھ کر شیراز کو انتظار میں رکھنا چاہتی تھی' مزید پانچ منٹ گزرنے کے بعد وہ شانوں پر دوپٹہ درست کرتی کمرے سے نکل گئی۔ سیڑھیاں اتر کر وہ آگے بڑھتی یک دم رکی جب اس نے زرکاش کو اپنی طرف آتے دیکھا۔
"میں تمہاری خواہش پر شیراز کو یہاں لے آیا ہوں لیکن جو بھی بات کرنی ہے تحمل سے کرنا' میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا ہو اور تماشہ بن جائے' یہاں تمہارا ایک امیج ہے وہ خراب نہیں ہونا چاہیے۔" اسے تاکید کرتے ہوئے زرکاش یک دم خاموش ہوا جبکہ دراج عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی وزیٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔
اس کے چہرے پر ابھرتی استہزائیہ مسکراہٹ نے سامنے کھڑے شیراز کی رگوں میں خون کھولا کر رکھ دیا تھا' دراج سیدھی اس کے مقابل جا رکی تھی۔
"اب آیا اونٹ پہاڑ کے نیچے۔" دراج کے مضحکہ خیز لہجے' دل جلا دینے والی مسکراہٹ نے شیراز کا چہرہ غصے میں تپا دیا تھا۔
"یہاں مجمع لگوا کر بے عزت ہونے کا حوصلہ نہیں تو بکواس بند رکھنا' ورنہ ساری اصلیت میں بھی کھول کر رکھ دوں گا' مجھ پر جھوٹے الزام لگا کر خود ستی ساوتری نہ بن بھی۔" غصیلی نظروں سے اسے گھورتا شیراز بھنچے لہجے میں بھڑکا۔
"تم کیا اصلیت کھولو گے' یہ کام تو میں کرچکی ہوں' ذرا سی بھی شرم وحیا تم میں ہوتی تو میرے سامنے سینہ تان کر آنے کے بجائے چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے۔" وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
"مروگی تو تم میرے ہاتھوں' تمہیں دفن کرکے سات سمندروں کا پانی پیوں گا' آستین میں چھپی ناگن......" وہ غرایا۔
"گھاٹ' گھاٹ کا پانی پینے والوں کے منہ سے سمندروں کی باتیں اچھی نہیں لگتیں' سات میں سے ایک سمندر بھی تمہیں قبول نہیں کرے گا فرعون کے چیلے...... میں ستی ساوتری ہوں یا نہیں اس بحث میں پڑنے کے بجائے اپنے گریبان میں جھانکو' اپنے ہی گھر کی عزت کو اپنے پیروں تلے روندنے والے قصائی' مرد اور پر انسانیت کے نام پر دھبہ ہو تم۔"
"زبان کاٹ کر پھینک دوں گا اگر مجھ پر کوئی گھٹیا الزام لگایا...... سب سمجھ آرہا ہے مجھے' خود کو مظلوم ثابت کرکے تم میرے بھائی کی نظروں میں مہان بننا چاہتی ہو' احسان فراموش لالچی عورت' تمہارے رنگ ڈھنگ میں نے اگر بھائی کو بتادیئے تو بھیک میں بھی تمہیں ان سے کچھ نہیں ملے گا' تھوکیں گے بھی نہیں وہ تم پر......"
"شیراز...... جو بات کرنے آئے ہو وہ کرو' ایک دوسرے کی دھجیاں مت اڑاؤ۔" درمیان میں سخت لہجے میں بولتے

زرکاش نے دونوں کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

''بھائی...... میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں' یہ غربت کی ماری بھوکی اور مفلس' زر' زمین کی ہوس ہے اسے' آپ کی ہمدردی حاصل کرکے یہ بہت کچھ خیرات میں لیتی رہی ہے مگر ابھی اس کی ہوس ختم نہیں ہوئی' یہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سب اس کا مکروفریب ہے لالچ ہے' اسے روپے پیسے کا' مفت کی دولت کے لیے یہ اپنی عزت بھی داؤ پر لگا سکتی ہے' اس بات کا ثبوت وہ الزام ہے جو یہ مجھ پر لگا رہی ہے' مجھے آپ کی نظروں میں گرا کر یہ اب مزید فائدے آپ سے حاصل کرنا چاہتی ہے۔'' شیراز شعلہ بار نظرو سے دراج کو گھورتا زرکاش سے مخاطب تھا۔

''میں جو ہوں سو ہوں مگر تم خود کیا ہو...... جھوٹ کے ابلتے گٹر میں گرے ہوئے بدبودار' غلیظ آدمی ہو تم...... میں زر' زمین کی بھوکی سہی مگر تم تو زن کے بھوکے ہو' شیطان صفت بھیڑیے ہو جو اپنے ہی گھر میں نقب لگانے سے نہیں چوکتا۔'' زہر خند نظروں سے شیراز کو گھورتی وہ غرائی۔

''بکواس بند کرو...... اپنے ہی جیسے کسی ڈرامے باز کے منہ پر جا کر یہ جھوٹ بولو بے شرم...... جس گھر میں میری ماں بہنیں موجود تھیں' وہاں میں ایسی شرمناک حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا' سب تمہاری طرح چند ٹکوں اور آسائشات کے لیے اپنی عزت کے جنازے نکالنے والے نہیں ہوتے......''

''شیراز ہوش میں رہ کر بات کرو ورنہ چلو یہاں سے' غلطی کی میں نے جو یہاں تمہیں لایا۔'' زرکاش مزید ضبط نہیں کرسکا۔

''بھائی...... میں اب اس جھوٹی کو جہنم رسید کرکے ہی یہاں سے جاؤں گا...... اگر میرے پاس اپنی بے گناہی کا ثبوت نہیں تو اس کے پاس بھی کیا ثبوت ہے کہ میں نے اس پر بری نظر ڈالی تھی......؟''

''یہ کیا بار بار بھائی' بھائی کیے جارہے ہو بھائی سے پوچھ کر نشے میں دھت میرے پاس آئے تھے کیا......؟ یا ان سے پوچھ کر اپنا منہ کالا کرنے آئے تھے......''

''میں تمہاری جان لے لوں گا......'' شیراز یک دم اشتعال میں آتا اس پر جھپٹا مگر بروقت زرکاش درمیان میں آ گیا تھا۔

''مت روکیں اسے' یہ کام یہ پہلی بار نہیں کررہا' عورت پر ہاتھ اٹھانے والا بزدل ہے یہ۔'' دراج بھڑک اٹھی۔ ''اپنی ماں' بہنوں کی موجودگی میں تم آب حیات نوش کرکے گھر آ سکتے ہو تو گھر کی عزت پر بھی ہاتھ ڈال سکتے ہو کیونکہ تم جانتے تھے کہ اپنی ماں بہنوں سے تمہیں شبہ ملے گی' اپنی آنکھوں سے تمہاری ذلالت دیکھنے کے بعد بھی وہ تمہیں معصوم قرار دیں گی' تمہارے سیاہ کرتوتوں کو چھپا چھپا کر آج وہ تمہیں کس مقام پر لے آئی ہیں کہ گناہ کرکے بھی مجھ پر غرار ہے ہو' تم' تمہاری ماں' تمہاری بہنیں' بھائی سب کے سب دوغلے ہو......''

''دراج...... میری ماں بہنوں کو تم درمیان میں نہیں لاؤ گی' سنا تم نے۔'' زرکاش کی بلند آواز پر دراج کی رگوں میں شرارے دوڑ گئے تھے۔

''بات میری عزت' میرے کردار پر آئے گی تو میں آپ کے باپ کو بھی درمیان میں لاؤں گی۔'' وہ چیخ اٹھی۔ ''آپ کو کچھ سمجھ نہیں آرہا...... دکھائی نہیں دے رہا کیا بھائی کی محبت میں...... اس عیاش کی عیاشیوں کے لیے روپے کما' کما کر سٹھیا گئے ہیں کیا...... عقل گھاس چرنے بھیج دی کیا......؟'' ساکت نظروں سے زرکاش اسے دیکھتا رہا۔ جو سرخ آنکھیں اس پر نکالے حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ وہ اس دراج کو پہچان نہیں سکا تھا' بس گنگ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''دراج...... میرے بھائی کی شان میں اگر تم نے اب کوئی گستاخی کی تو زبان کھینچ لوں گا' چند سکوں کے عوض

بکنے والی نیچ عورت، میرے بھائی کے جوتوں پر لگی خاک بھی نہیں تم......'' شیراز خون رنگ آنکھوں سے اسے گھورتا مشتعل ہوا۔

''بھائی..... آپ نے دیکھ لیا اپنی آنکھوں سے اس کی اصلیت..... یہ ہے اس کا اصل چہرہ..... یہ جس کا کھاتی ہے اسی پر غراتی ہے اس کی بے غیرتی اور کالے کرتوت کی وجہ سے اللہ کا عذاب پڑا اس کے ماں باپ پر وہ دونوں ایڑیاں رگڑتے ہوئے مرے ہیں۔'' شیراز کے بھڑکتے ہوئے حقارت زدہ لہجے پر دراج کی گردن کی رگیں تن گئی تھیں، سرخ چہرہ مارے جلال کے تمتما اٹھا تھا، اگلے ہی پل چیل کی طرح شیراز پر جھپٹتی وہ اس کا گریبان دبوچ لیا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے ماں باپ کا ذکر بھی اپنی غلیظ زبان پر لانے کی..... میرے ماں باپ تو عزت سے عدم کو سدھار گئے ہیں، ایڑیاں رگڑتے ہوئے، خون تھوکتے ہوئے تو تم سب کے سب جاؤ گے دنیا سے..... تیری قبر میں کیڑے پڑیں گے.....'' شیراز کا گریبان جھنجوڑتی وہ غصے میں پاگل ہو رہی تھی۔ شیراز ایک جھٹکے میں اسے دور دھکیلنے میں کامیاب ہو گیا تھا..... دوسری جانب زرکاش اپنی جگہ ساکت سپاٹ نظروں سے یہ سب دیکھ رہا۔

''آپ اپنی ماں، بہنوں کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتے تو میں بھی اپنے ماں باپ کے خلاف کوئی لفظ برداشت نہیں کروں گی..... میں تھوکتی ہوں آپ پر اور آپ کے احسانوں پر.....'' ایک بار پھر وہ زرکاش پر حلق کے بل چیخی اور دوبارہ شیراز کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اور تم..... کس بے شرمی سے ثبوت کی بات کر رہے تھے..... ثبوت تو تم اپنے بازو پر سجائے گھوم رہے ہو جہاں میرے دانتوں کے نشان ہوں گے..... میں تو وہ ناگن ہوں جس کا کاٹا ہوا تمہاری سات نسلیں بھی نہیں بھولیں گی..... ہمت ہے تو دکھاؤ اپنے بازو پر گناہوں کے ثبوت اپنے بھائی کو..... ہے اتنی ہمت.....؟'' سرخ آنکھوں سے شیراز کو گھورتی وہ گرجی جبکہ شیراز بس ایک پل کے لیے بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

''اڑ گیا چہرے کا رنگ، اب کیا بہانہ بناؤ گے بھونکو جلدی.....'' وہ غرائی۔

''تمہارا یہ ناٹک بھی بھائی کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا، سب جانتے ہیں محلے میں ہزاروں لڑائیاں ہوئی ہیں میری، چوٹ کے ہزاروں نشان جسم پر لیے گھوم رہا ہوں..... لہٰذا اپنی جھوٹ کی دکان کہیں اور جا کر چمکاؤ۔'' شیراز حقارت زدہ انداز میں بولا۔

''تمہارے کچے چٹھے کھول رہی ہوں وہ کافی نہیں ہیں.....؟ باتوں میں گھمانے کے بجائے اپنے گناہ کا ثبوت جان سے پیارے بھائی کو دکھاؤ.....'' چبا چبا کر وہ زہر خند لہجے میں بولی جبکہ شیراز نے ایک نگاہ زرکاش کو دیکھا جو خاموش نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا۔

''بھائی یہ شاطر لڑکی ہے، میری چوٹوں کے نشانوں کو یہ کوئی اور ہی رنگ دے کر مجھے جھوٹا ثابت کرنا چاہتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ یہ خود بے راہ روی کا شکار سڑکیں ناپنے والی بدکار لڑکی ہے، یہ مجھے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے، میں نے نہیں اس نے مجھ پر بری نیت رکھی، مجھ پر حملہ کیا تھا، میں اس کے قابو میں نہیں آیا تو.....''

شیراز کی بات ادھوری رہ گئی جب دراج نے آگے بڑھ کر اس پر تھوک دیا تھا۔ دم بخود رہ جانے والا شیراز اس سے پہلے کہ ہوش میں آتا زرکاش نے ایک جھٹکے سے دراج کو اپنے سامنے کیا۔

''اب میرے چہرے پر بھی تھوکو..... تھوک دو مجھ پر بھی.....'' بھنچی ہوئی آواز میں وہ اس سے مخاطب ہوا، جو تیز نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر اس کی گرفت اپنے بازو سے ہٹاتی پیچھے ہٹی۔

''بھائی..... آپ درمیان سے ہٹ جائیں، آج یہ نہیں یا میں نہیں، گردن اتار کر پھینک دوں گا اس بے غیرت

کی......'' شیراز آپے سے باہر ہوتا دھاڑا۔

''بے غیرت تو تم ہو...... جس کا کھاتے رہے، جس کا دیا پہنتے رہے ہو، جس کے روپوں پر عیاشیاں کرتے رہے ہو، لوٹتے رہے ہو گدھ کی طرح اسی کی جھوٹی قسم کھاتے ہو...... اتنے ہی سچے ہو تو تائی امی کے سر کی قسم کھا کر کہو میرا الزام غلط ہے، تم نے مجھ پر شیطان بن کر حملہ نہیں کیا تھا۔ اٹھاؤ اس عورت کی قسم جس نے تمہیں پیدا کیا، ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا...... اس کے بعد میں ایک لفظ بھی اور نہیں بولوں گی۔'' اس کے چیلنج دینے والے قطعی انداز پر شیراز کے تاثرات بدلے تھے۔

''تم جیسی آوارہ لڑکی کے لیے میں اپنی ماں کی قسم اٹھاؤں، جا کر شکل دیکھو آئینے میں، اسی شکل پر ایک دن میں نے بھی نہ تھوکا تو شیراز نام نہیں میرا...... اب تمہیں جو بولنا ہے بولتی رہو، تمہاری ساری بکواس میرے جوتے کی نوک پر......''
شیراز غیض و غضب میں اس پر دھاڑتا پھر رکا نہیں تھا، زہریلی نظروں سے باہر نکلتے شیراز کو دیکھنے کے بعد وہ زرکاشی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اب کوئی مجھے جھوٹا سمجھے یا سچا، مجھے فرق نہیں پڑتا، میں جانتی تھی کہ وہ تائی امی کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا، اس لیے دم دبا کر بھاگ گیا، میں جو ثابت کرنا چاہتی تھی وہ ثابت ہو چکا، اب آپ کو بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جس بھائی پر آپ کو بہت بھروسہ اور یقین ہے اس کی نظر میں آپ کا کیا مقام اور حیثیت ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی اور پھر کسی بھی جانب دیکھے بغیر وزیٹنگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

☾ ...... ☆ ...... ☾
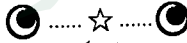
الجھی نظروں سے زنائشہ نے پھر اسے دیکھا جو آج میدان کی طرف رخ کیے بیٹھا بالکل خاموش تھا، اس کی نظریں دور کچی بستی میں ٹمٹماتی روشنیوں پر جمی تھیں۔

''عرش...... کیا بات ہے آج تم بہت خاموش ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری یا پھر تھک گئے ہو......؟ کھانا بھی تم نے ٹھیک سے نہیں کھایا۔'' بالآخر زنائشہ کو ہی خاموشی توڑنی پڑی۔

''میں ٹھیک ہوں بس تھوڑی تھکن ہو رہی ہے اور کچھ نہیں۔'' اپنے شانے پر رکھے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتا وہ بولا۔

''نہیں، ضرور کوئی بات ہے، تم مجھ سے چھپا نہیں سکتے۔ تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو مگر کہہ نہیں پا رہے۔'' زنائشہ کے تشویش زدہ لہجے پر عرش نے اسے دیکھا۔

''ہاں بات تو ہے...... تم سے کہنا بھی چاہتا ہوں مگر......''

''مگر کیا......؟ بولتے رہو۔'' اس کی ایک لمحے کی خاموشی بھی زنائشہ کو گراں گزری۔

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم کچھ غلط نہ سمجھو...... یا یہ کہ میں تم سے مطالبے شروع کر چکا ہوں...... ہمارے درمیان موجود رشتے کا فائدہ اٹھا کر مجبور کر رہا ہوں تمہیں۔'' عرش کے گمبھیر لہجے نے اسے حیران کر دیا۔

''ایسی بھی کیا بات ہے جو تم اتنے خدشات میں گھر گئے ہو، میں کچھ غلط کیوں سمجھوں گی جب مجھے تم پر پورا اعتبار ہے تم صاف صاف وہ بات کرو جو کرنا چاہتے ہو۔'' زنائشہ کے مطمئن کرنے والے لہجے پر بھی وہ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا۔

''کل مجھے قرض کی رقم مل جائے گی تمہیں پتہ ہے......''

''ہاں، میں تو دن گن گن کر گزار رہی تھی کل کا دن بہت اہم ہے خاص طور پر تمہارے لیے۔'' زنائشہ نے کہا۔

"میری کوشش ہوگی کہ کل ہی گھر کے کاغذات حاصل کرلوں رقم کی ادائیگی کر کے......"

"صرف کوشش نہیں بس کل ہی تمہیں یہ سارا کام مکمل کرنا ہے اب آگے بولو۔"

"زنائشہ تمہارے بغیر اپنا گھر حاصل ہونے کی خوشی ادھوری رہے گی...... میں اتنے بڑے گھر میں تنہا ہی رہوں گا' تمہیں اس گھر کو حاصل کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں پہنچے گا...... تم پھر بھی یہیں رہوگی خطروں کے درمیان اور میں وہاں گھر میں رہوں گا تمہاری طرف سے پریشان اور غیر مطمئن...... زنائشہ...... وہ گھر مجھ سے پہلے تمہارا ہے تمہارا حق ہے اس پر' میں بس یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنی امی کے ساتھ اس گھر میں آجاؤ' وہاں تم میری نظروں کے سامنے محفوظ رہوگی تو میں بھی پُرسکون رہوں گا۔" رک کر عرش نے بغور اسے دیکھا جو اس کی طرف متوجہ بالکل خاموش تھی۔

"تم ایسا مت سوچنا کہ تم میرے ساتھ ایک گھر میں رہوگی تو میں تم پر اپنا حق استعمال کروں گا' یا تمہیں کسی بات کے لیے مجبور کروں گا...... میں جانتا ہوں کہ حالات ایسے رہے کہ ہم نے وقت سے پہلے ہی شادی کرلی ہے' لیکن ہم دونوں اپنی زندگی تب ہی شروع کریں گے جب صحیح وقت آئے گا یا جب تم چاہوگی' مجھے معلوم ہے کہ ابھی تمہاری امی کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے' ہم دونوں مل کر ان کا خیال رکھیں گے' میری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی تم پر' گھر میں ہمارا تعلق ویسا ہی رہے گا جیسا ابھی ہے۔" خاموش ہو کر عرش نے پھر بغور اس کے تاثرات جانچے مگر کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔

"زنائشہ...... ضروری نہیں جو میں چاہتا ہوں وہ تم بھی چاہو...... تم جس میں راضی ہو میں بھی اسی میں راضی رہوں گا...... تم اس بارے میں سوچنا چاہو تو سوچنا' ہوگا وہی جو تم چاہوگی۔" اس نے تفصیل سے وضاحت کی۔

"چلو میں تمہیں گیٹ تک چھوڑ دوں' کافی رات ہو چکی ہے۔" رسٹ واچ پر نظر ڈالتا وہ اٹھا اور زنائشہ نے خاموشی سے ہی اس کی تقلید کی' پول کی تیز روشنی میں آتے ہوئے عرش نے ایک بار پھر اسے دیکھا جس کے چہرے پر کسی گہری سوچ کے سائے پھیلے تھے' عرش کو یہی بہتر لگا کہ اسے مخاطب نہ کرے مگر سڑک پر پہنچتے ہی اچانک زنائشہ نے اسے مخاطب کیا۔ سوالیہ نظروں سے عرش نے اسے دیکھا تھا جو سڑک کے وسط میں رکی کچھ تذبذب میں مبتلا نظر آرہی تھی۔

"عرش...... مجھے بھی وہی ٹھیک لگ رہا ہے جو تم چاہتے ہو۔" اس کی جانب دیکھے بغیر وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا واقعی تم میرے ساتھ گھر جانا چاہتی ہو......؟" عرش کو اپنی سماعتوں پر شک ہوا۔

"ہاں' جب جانا ہی وہاں ہے تو آج یا کل کیا...... لیکن زرق......"

"اس کی تم فکر مت کرو' وہ جہاں بھی چھپا ہے' میں اسے ڈھونڈ کر لاؤں گا۔" وہ درمیان میں بول اٹھا۔ "تم نہیں جانتیں کہ تم نے کتنی بڑی خوشی دے دی ہے مجھے' میں جانتا تھا تم میری بات کو سمجھوگی' جانتا تھا کہ تم بھی مجھ سے دور نہیں رہنا چاہوگی' میں تمہیں بتا نہیں پارہا' تمہاری رضا نے مجھے کتنا خوش کردیا ہے......" وہ پُرمسرت لہجے میں بولا' اس کی خوشی قابل دید تھی' اس کا چہرہ اور آنکھیں جگمگا اٹھیں تھیں۔

"عرش...... میں گھر جا کر اپنی پڑھائی شروع کرنا چاہتی ہوں تم پر کوئی بوجھ تو نہیں پڑے گا......؟"

"بالکل نہیں' تم جتنا پڑھنا چاہو پڑھنا' جو کچھ کرنا چاہو کرنا' میں تمہیں کسی چیز سے نہیں روکوں گا' میرے لیے یہ بہت ہے کہ تم میری نظروں کے سامنے میرے قریب رہوگی۔"

"اور تم...... تمہاری پڑھائی بھی تو ادھوری رہ گئی تھی' ماما کی خواہش تھی کہ تم پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرو۔" زنائشہ نے درمیان میں ٹوکا۔

"ٹھیک ہے کل گھر چلتے ہیں پھر بیٹھ کر اس بارے میں بات کرتے ہیں۔" عرش کے کہنے پر اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''کل آنے سے پہلے میں تمہیں فون کروں گا' تم تیار رہنا' بس ضروری چیزیں پیک کرلینا' باقی کچھ ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں......''

''میں کل صبح سے ہی تمہارا انتظار شروع کردوں گی' تم فکر مت کرو۔'' اس کی ہدایت پر زنائشہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اب تو میرا دل چاہ رہا ہے کہ یہیں تمہارے ساتھ صبح ہونے تک بیٹھا رہوں' کل اتنا دور لگ رہا ہے' پتہ نہیں یہ رات کیسے کٹے گی......'' بے بس انداز میں بولتا وہ یک دم رک کر زنائشہ کے ساتھ ہی سڑک کے دائیں جانب متوجہ ہوا تھا' تیز سائرن کے ساتھ وہ یقیناً پولیس وین تھی۔

''پولیس...... یہاں......'' زنائشہ نے چونک کر عرش کو دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جارہے تھے۔

''یہاں تو کبھی اس طرح پولیس نہیں آئی......'' زنائشہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب عرش نے اس کا بازو تھاما تھا۔

''میرے ساتھ چلو جلدی......'' عرش نے جس طرح اسے اپنے ساتھ کھینچا تھا وہ دہل اٹھی تھی' اگلے ہی پل وہ ماؤف دماغ کے ساتھ عرش کے دوڑتے قدموں کا ساتھ دے رہی تھی' اسے ساتھ لیے عرش برق رفتاری سے سڑک کے مخالف سمت دوڑ رہا تھا' اچانک یہ سب کیا ہورہا ہے' زنائشہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

''عرش...... تم پولیس سے کیوں بھاگ رہے ہو؟'' پھولی سانسوں کے درمیان وہ چیخی۔

''پولیس یونہی یہاں نہیں آئی ہے' وہ مجھے اریسٹ کرنے آئی ہے۔'' پوری رفتار سے دوڑتا وہ بلند آواز میں بولا۔

''مگر تم وہ سارے غلط کام چھوڑ چکے ہو......'' تیز سائرن کی ہولناک آواز میں وہ پھر چیخی۔

''یہ سچ تم جانتی ہو' میں جانتا ہوں' مگر وہ نہیں' وہ یقین نہیں کریں گے' میرے بارے میں ان کو سب پتہ ہے وہ مجھے پہچانتے ہیں' وہ بہت پہلے سے میری تاک میں ہیں' میں اب کسی صورت ان کے ہاتھ نہیں لگنا چاہتا۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔ رکتی سانسوں کے درمیان زنائشہ کا دل حلق میں آرہا تھا' وہ بے دم ہورہی تھی' اس کے بے جان ہوتے قدم عرش کے بھاگتے قدموں کا ساتھ دینے سے انکار کررہے تھے مگر وہ عرش کی گرفت میں کھنچتی جارہی تھی' پولیس کے خوف اور الجھانے خدشات نے زنائشہ کی زبان بند کردی تھی' عرش سڑک سے ہٹتا دو عمارتوں کے درمیان ایک تنگ و تاریک گلی میں اسے ساتھ لیے داخل ہوگیا تھا' وہ دونوں اس طویل گلی میں اندھا دھند دوڑ رہے تھے گلی کے اختتام پر رکتے عرش نے اسے سنبھالا جو منہ کے بل گرتے گرتے بچی تھی' اس کے ہوش و حواس گم تھے' وہ اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل بھی نہ تھی۔

''زنائشہ...... ہوش میں آؤ' سنبھالو خود کو۔'' عرش نے اسے شانوں سے تھام کر ہلایا جو بے ترتیب سانسوں کے درمیان ادھ موئی ہوئی جارہی تھی۔

''میری بات غور سے سنو' تمہیں یہاں سے فوراً جانا ہے' تم اس طرف سے سیدھے جانا' تمہارے فلیٹ کی بلڈنگ کا بیک گیٹ زیادہ دور نہیں' میں یہیں رک کر تمہیں دیکھتا رہوں گا' مگر تم تیزی سے جانا کیونکہ میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔'' اس کے گرد بے ترتیب چادر کو درست کرتا وہ عجلت میں ہدایت دے رہا تھا۔

''میں تمہیں اس طرح خطرے میں چھوڑ کر نہیں جاسکتی' تم بھی میرے ساتھ چلو۔'' سختی سے اس کا ہاتھ پکڑے وہ لرزتی آواز میں بولی۔

''تم میری فکر مت کرو' مجھے کچھ نہیں ہوگا میں اس سب کا عادی ہوں مگر اپنی وجہ سے میں تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا' اب دیر مت کرو۔'' عرش کے لہجے میں سختی در آئی تھی' محتاط رہ کر اس نے دائیں بائیں سڑک کا جائزہ لیا تھا۔

''میں کسی محفوظ جگہ پہنچ کر تمہیں فون کرتا ہوں انتظار کرنا اور پریشان بالکل مت ہونا' بہت خیال سے جانا۔''

اس کا چہرہ ہاتھوں میں قید کیے وہ چند لمحوں تک اس کے خوف زدہ نقوش آنکھوں میں اتارتا رہا اور پھر اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے۔

''جلدی کرو نکلو یہاں سے۔'' اسے شانوں سے تھام کر عرش نے آگے بڑھایا مگر وہ پیچھے ہٹتی غائب دماغی سے اسے ہی دیکھتی رہی تھی' پتہ نہیں کیوں اس کا دل ڈوب رہا تھا' دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ دوبارہ کبھی عرش کو نہیں دیکھ سکے گی اس کے پیر زمین میں جکڑے جا رہے تھے'اس کی آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔

''زنائشہ...... جاؤ یہاں سے' تمہیں میری قسم ہے رکنا مت' نہ پلٹنا......'' عرش کے چیخنے پر وہ بدحواسی میں پیچھے ہٹتی پلٹ کر تیزی سے دور ہوتی چلی گئی' سائرن کی آواز دور کہیں سے اب بھی سنائی دے رہی تھی' زنائشہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی لہٰذا اب اسے بھی یہاں نہیں رکنا تھا' اسے خدشہ تھا کہ اگر پولیس نے گھیرا ڈال لیا تو ان عمارتوں اور گلیوں کے جال سے نکلنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا' زنائشہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اس کے پیروں میں جیسے بجلی بھر گئی تھی' سڑک کو پار کرتا وہ ایک اور تنگ گلی میں داخل ہو گیا تھا' تاریکی میں بھاگتے ہوئے اسے ٹھوکر لگی تھی' بری طرح لڑکھڑاتا وہ گرنے سے بچا مگر اس کی شرٹ کی اوپری جیب سے نکلتا فون ایک کھلے مین ہول میں جا گرا تھا شاید رک کر دیکھنے کا وقت اس کے پاس نہیں تھا' اس کے قدم پھر رفتار پکڑ چکے تھے' پتہ نہیں کتنی تاریک گلیوں سے وہ گزرتا رہا تھا' ایک ہی وہ گلی تھی جس سے نکلتا وہ ایک سڑک پر آیا تھا کہ کسی گاڑی کی تیز ہیڈ لائٹس نے اس کی آنکھوں کو چندھیا دیا تھا' فضا میں گاڑی کے بریکس کی بھیانک چنگھاڑ گونج اٹھی تھی' شدید تصادم کے بعد اس کا پورا وجود ہوا میں اڑتا گاڑی کی چھت سے جا ٹکرایا اور پھر بری طرح لڑھکتا سڑک پر دور تک چلا گیا تھا۔

بے حس و حرکت ہوتے وجود کے ساتھ اس کی نیم وا آنکھیں تاریک آسمان پر ساکت ہوئی تھیں جہاں ایک چہرہ روشن ہوا تھا اور پھر آہستہ آہستہ معدوم ہوتا تاریکی میں غائب ہو گیا تھا' بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا تھا' گاڑھے خون کا ایک تالاب اس کے غافل وجود کے گرد بنتا جا رہا تھا...... انسان کیا سوچتا ہے' کیا چاہتا ہے یہ معنی نہیں رکھتا' ہوتا وہی ہے جو قدرت چاہتی ہے جو وقت کا تقاضہ ہوتا ہے۔

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

☾ ...... ☆ ...... ☾
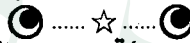
رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اچانک ندا بیدار ہوئی تھیں' پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا' رات میں وہ کمرے میں پانی رکھنا بھول گئی تھیں' سو اب ان کو کچن کی طرف جانا ہی تھا' کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھتے ہوئے یک دم ان کے قدم رکے تھے' برآمدے کی طرف کھلتے دروازے نے ان کو چونکا دیا تھا' ان کو اچھی طرح یاد تھا کہ وہ دروازہ معمول کی طرح سونے سے پہلے خود بند کر کے سوئی تھیں مگر اس وقت تو وہ دروازہ چوپٹ کھلا نظر آ رہا تھا' یکایک ان کو رجاب کا خیال آیا' وہ فوراً پہلے اس کے کمرے کی طرف گئیں۔ ادھ کھلے دروازے کو کھول کر انہوں نے رجاب کو پکارا بھی تھا مگر نہ رجاب وہاں موجود تھی' نہ کہیں سے اس کی آواز سنائی دی تھی' ندا واپس پلٹ کر تیز قدموں سے برآمدے کی طرف آئیں مگر وہاں کرسیاں خالی تھیں' رجاب ان کو وہاں بھی نہ نظر آئی' عجیب وسوسوں کو دباتیں وہ صحن میں نکل آئیں' صحن میں نظریں دوڑاتے ہوئے یک دم ایک عجیب سے احساس کے تحت انہوں نے سر اوپر اٹھایا' اگلے ہی پل ان کی آنکھیں

پھٹ گئی تھیں‘ ان کے حلق سے بلند ہوتی چیخ گہرے سناٹے کو چیر گئی تھی۔

تیز قدموں سے صحن میں آتے راسب نے ایک پل کو رک کر اوپر دیکھا‘ چھت کی باؤنڈری پر وہ پیر لٹکائے ساکت بیٹھی تھی‘ اس کی ذرا سی حرکت بھی خطرناک ثابت ہوسکتی تھی‘ راسب کے پیچھے ندا بھی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی چھت پر آئیں‘ اس سے پہلے کہ ندا اسے پکارتیں‘ راسب نے ان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا‘ قدموں کی آہٹ کے باوجود رجاب اسی طرح نیچے خلا میں گھورتی ساکت بیٹھی تھی‘ باؤنڈری پر اس کے ہاتھ سختی سے جمے ہوئے تھے‘ دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھتے راسب کی چھٹی حس بیدار تھی‘ رجاب کی ایک ایک جنبش پر ان کی نگاہ تھی تب ہی راسب کے قدم رکے تھے جب یک دم رجاب نے گردن موڑ کر ان کی جانب دیکھا‘ اس کے ساتھ ہی اس نے باؤنڈری پر سے ہاتھ ہٹالیے تھے‘ باؤنڈری کی چکنی سطح سے اسے پھسلتے دیکھ کر ندا دہل کر چیخی تھیں جبکہ راسب برق رفتاری سے اس کے پھسلتے وجود کو بازوؤں میں جکڑ گئے تھے‘ اس کی کھلی آنکھیں آسمان پر ساکت تھیں جب راسب اس کے بے حس و حرکت وجود کو بازوؤں میں سنبھالے سیڑھیوں کی جانب بڑھے تھے وہ انگاروں کی طرح دہک رہی تھی‘ بخار کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ تھا‘ آنکھیں لہو رنگ تھیں۔

بیڈ پر اس کے سرہانے بیٹھیں ندا ٹھنڈے یخ پانی کی پٹیاں اس کے سر پر رکھ رہی تھیں‘ رجاب کی بند آنکھوں کو دیکھنے کے بعد انہوں نے راسب کو دیکھا‘ جو قریب ہی کرسی پر بیٹھے وہاں موجود نہیں تھے‘ ایک ٹک رجاب کو دیکھتے وہ جانے کیا سوچ رہے تھے۔

”آہستہ آہستہ ہی اندر کی گھٹن باہر نکلے گی‘ ہمیں اب ان حالات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے‘ جانے کتنے عرصے تک ہمیں صبر سے کام لینا پڑے‘ آپ کے سوچنے یا پریشان رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔“ ندا کے کہنے پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

”تم تھک گئی ہو ان حالات سے؟“ راسب کے سوال پر وہ ایک پل کے لیے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”جس دن آپ تھک گئے تو شاید میں بھی تھکنے کا سوچوں لیکن میں جانتی ہوں رجاب کے لیے آپ کبھی نہیں تھک سکتے۔“ ندا سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

”لیجیے...... ہوگیا بخار کم...... نیند پوری ہوگی دوا لے گی تو بالکل ٹھیک ہوجائے گی اب آپ بھی جاکر آرام کریں‘ میں ہوں اس کے پاس۔“ ندا بولیں‘ جبکہ تشکر آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے راسب کچھ بول نہیں سکے۔

☆

”اس ڈائن کو تو بخشوں گی نہیں میں‘ کل ہی بلاتی ہوں رائمہ کو یہاں‘ نہیں سنبھل رہی تو خود ہی گلا گھونٹ دے بہن کا‘ ہم سے کس جنم کے بدلے لے کر بددعائیں سمیٹ رہی ہیں یہ دونوں احسان فراموش‘ لیکن زرکاش‘ آفرین ہے تم پر‘ کیا اسی دن کے لیے تم اپنے باپ اور چچا کے نام پر اس بدبخت لڑکی کی ذمہ داریاں اٹھا رہے تھے کہ تمہارے سامنے وہ تمہارے بھائی پر غلاظت اچھالتی رہی اور تم دیکھتے رہے‘ وہ تمہارے بھائی پر تھوک کر چلی گئی اور تم تماشہ دیکھتے رہے‘ اس کا منہ لال کیوں نہ کردیا طمانچوں سے مگر میں تم سے کیوں شکایت کررہی ہوں‘ بہت قربانیاں دی ہیں تم نے اس گھر کے لیے‘ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں تم سے کوئی شکایت کروں‘ وہ لڑکی تمہارے سامنے مجھ پر بھی تھوک جائے تو بھی تم خاموش رہنا‘ بہت اذیت پہنچائی ہے تم نے میرے دل کو‘ میں اب تمہارے اس گھر میں نہیں رہوں گی‘ رکھو یہاں ان سب کو جن کے لیے تم اپنے بھائی اور ماں کو بھی ذلیل ہوتا دیکھ سکتے ہو‘ کہیں بھی چلی جاؤں گی میں اپنے دونوں بچوں کے ساتھ مگر اب تمہارا کوئی احسان نہیں لینا مجھے‘ بہت احسان کرچکے ہو تم ہم سب پر‘ اب تم ان دونوں بہنوں میں سے ہی

کسی کو اپنی ماں بنالو ہماری تمہیں ضرورت نہیں' اپنے بھائی کو ذلت سے دوچار ہوتا دیکھ کر تمہیں فکر نہ ہوئی کہ اپنے باپ کو کیا منہ دکھاؤ گے' فکر تو تب ہوتی جب تمہیں باپ کی عزت کا خیال ہوتا' ماں کی عزت کس گنتی میں آتی ہے' تمہاری وجہ سے میں اور میرے بچے دو کوڑی کے ہوگئے۔ اپنی اولاد ہی دشمن بن گئی ہے تو دوسروں کو کیا کہوں......'' صبغہ شدید غصے میں جو منہ میں آرہا تھا زرکاش کو بول رہی تھیں' شزا نے ایک نگاہ شیراز پر ڈالی جو دیوار سے پشت لگائے سینے پر بازو باندھے سر جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔

''امی...... آپ کو اور بھی کچھ کہنا ہے تو کہہ دیں' میں سنوں گا مگر حقیقت تو یہ ہے کہ دراج نے شیراز کے نہیں میرے منہ پر تھوکا ہے کیونکہ اس نے اپنے ہی گھر کی چار دیواری میں وہ کام کیا کہ میرا سر اپنی ماں' بہنوں کے سامنے بھی جھک گیا ہے' میرا ہی بھائی جس پر میں جان دیتا ہوں وہی اپنے گناہ کو چھپانے کے لیے میرے سر کی جھوٹی قسم کھاتا ہے' آپ کیا میں خود اپنی شکل آئینے میں دیکھنے کے قابل نہیں رہا' آپ نہیں' میں دو کوڑی کا ہو کر رہ گیا ہوں صرف اس لیے کہ مجھے اپنے بھائی پر اندھا اعتبار تھا مگر اب کیا اوقات رہ گئی ہے میری دو کوڑی کی۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بول کر زرکاش وہاں مزید نہیں رکا' باہر نکلتے زرکاش سے نگاہ ہٹا کر شزا نے تیز نظروں سے سر جھکائے ساکت کھڑے شیراز کو دیکھا۔

''امی بھائی نے جو کہا' غلط نہیں کہا' شیراز کے لیے انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا' ہم سب سے زیادہ اس پر محبت نچھاور کی اور اب بھی اس کا مستقبل بنانے کے لیے کوشش کررہے ہیں مگر اس نے کیا' کیا ان کے ساتھ...... اس نے میرے سامنے بھائی کے سر پر ہاتھ رکھ کر ان کی جھوٹی قسم کھائی تھی اور میں اس کی سفاکی پر ایک لفظ بھی بولنے کی ہمت نہیں کرسکی...... میرے پوچھنے پر اس نے خود مجھے بتایا تھا کہ دراج نے خوامخواہ واویلا نہیں مچایا تھا' اس نے واقعی دراج کے ساتھ غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تھی' ہم آج تک اس کی تمام حرکتوں پر پردہ ڈالتے رہے مگر یہ تو اتنا خود غرض ہے کہ اپنے مفاد کے لیے آپ کی اور میری جھوٹی قسم بھی کھاسکتا ہے' دراج ہماری دشمن ہے' قابل نفرت ہے مگر اس پر دراج نے جھوٹا الزام نہیں لگایا' آج اس کی وجہ سے بھائی بھی دراج کے ہاتھوں بے عزت ہوئے ہیں مگر اس نے جو بھائی کے ساتھ کیا ہے وہ بدتر سے بھی بدتر ہے' آج اس کی وجہ سے ہی بھائی کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں' اس کی وجہ سے ہم سب بھائی سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہے۔'' شزا شدید طیش میں بول رہی تھی۔

سر اٹھا کر شیراز نے قریب آتی صبغہ کو دیکھا اور اگلے ہی پل ان کے زناٹے دار تھپڑ نے اسے دوبارہ سر جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔

''میری ہی تربیت میں کمی رہ گئی تھی' میری جھوٹی قسم کھالیتے پر اپنے بھائی کو تو بخش دیتے' تمہیں ذرا شرم نہیں آئی' ایک بار بھی تمہارا دل نہیں کانپا کہ تمہارا جھوٹ کھلنے سے اسے کتنی اذیت پہنچے گی' میری زبان سے بھی اسے زخم لگوائے' تم لوگوں کی خاطر میں نے اپنے بیٹے کو اپنے کلیجے سے کاٹ کر اسے خود سے جدا رکھا' اپنے دل پر پتھر رکھ لیا' سالوں تک اس کے لیے چپ چاپ تڑپتی رہی' وہ پردیس میں اپنا خون پسینہ ایک کرتا رہا صرف اس لیے کہ اس کے گھر والوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں' تم سب کو آسائشیں ملتی رہیں' تن تنہا جانے کیسے کیسے وقتوں کا وہ مقابلہ کرتا رہا تاکہ تم سب کو ہر وہ چیز دے سکے جو تمہارا باپ بھی نہ دے سکا اور تم نے یہ صلہ دیا ہے اسے...... وہ بدزبان دراج جیسی بھی ہے مگر خون تو تمہارے باپ' چچا کا ہی ہے ان دونوں کی عزت کا ہی پاس رکھ لیتے' میرے سر میں تو تم نے خاک ڈال دی مگر اپنے باپ جیسے بھائی کو بھی ذلیل کرکے رکھ دیا...... تم جیسی اولاد کا تو پیدا ہوتے ہی گلا گھونٹ دینا چاہیے تھا' اب کس منہ سے سامنا کرو گے اس کا...... کس منہ سے اسے بھائی کہو گے؟'' پے در پے اسے تھپڑ مارتیں صبغہ غم و غصے سے نڈھال ہوگئی تھیں۔

اسٹڈی روم میں داخل ہوتیں صبغہ کو اس نے بس ایک نظر دیکھا تھا اور دوبارہ سر جھکا لیا تھا مگر وہ اس کی ایک نظر ہی صبغہ کا دل چیر گئی تھی اذیت غم یاسیت کیا کچھ نہیں تھا اس کی آنکھوں میں۔

''زرکاش......'' اس کے شانے کو چھوتے ہوئے صبغہ اس کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''میں جانتی ہوں تمہیں بہت تکلیف پہنچی ہے شیراز کی حرکت نے مجھے بھی وہی اذیت پہنچائی ہے میری طرف سے تمہیں اجازت ہے جو چاہے سزا اسے دو وہ سزا کا مستحق ہے تمہارے بہن بھائی یہ بھول سکتے ہیں کہ تم نے ان کے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں مگر میں نہیں...... انجانے میں میں نے بھی بہت کچھ کہہ دیا ہے تمہیں مجھے معاف کردو کم از کم مجھے تو اپنی اولاد میں فرق نہیں کرنا چاہیے تھا......'' صبغہ کی آواز گھٹ گئی تھی جب وہ ان کے شانے میں چہرہ چھپاتا اپنے درد کو نہیں چھپا سکا تھا اسے بازوؤں میں چھپائے صبغہ بھی اپنے آنسو نہیں روک سکی تھیں۔ دروازے پر رکی شزا بہتے آنسوؤں کے ساتھ ان کے قریب چلی آئی۔

''بھائی...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شیراز یوں آپ کی قسم کھائے گا اپنی حرکتوں کو چھپانے کے لیے میں آپ کے سامنے سچ بولنے سے ڈر گئی تھی کہ کہیں کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے کہیں آپ شیراز کی وجہ سے ہم سب سے دور نہ ہو جائیں آپ مجھے معاف کردیں......''

''چلی جاؤ یہاں سے...... چھوڑ دو ہم ماں بیٹے کو تنہا سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم نے شیراز کے جھوٹ کا ساتھ دیا اب تمہارے سچ سے کیا حاصل ہوگا اب نہیں ہے تمہاری معافیوں کی ضرورت۔'' صبغہ نے شدید غصے میں شزا پر برستے ہوئے اسے زرکاش سے دور کیا جس پر شزا کے آنسوؤں میں مزید شدت آگئی تھی۔ دہلیز پر اترے چہرے کے ساتھ نادم و شرمسار شیراز کو دیکھ کر وہ بھڑک اٹھی۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے تمہاری وجہ سے مجھے بھی برا سمجھا جا رہا ہے میری کوئی غلطی قصور نہیں پھر بھی...... اب آگئے ہو تماشہ دیکھنے......'' شزا اس پر چیخ رہی تھی جو صبغہ کی کرسی کے پاس دو زانوں بیٹھ گیا تھا۔

''امی بھائی...... مجھے معاف کردیں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی بھائی...... آپ کے لیے میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں امی کے بعد آپ سے بڑھ کر مجھے کچھ عزیز نہیں بس ایک آخری موقع دے دیں مجھے معاف کردیں۔'' زرکاش کی پشت سے لپٹا وہ بچوں کی طرح سسکتا بار بار یہی الفاظ دہرا رہا تھا۔

☾ ...... ☆ ...... ☽
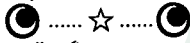
جو وہ کرنا چاہتی تھی وہ ہو گیا تھا شیراز کو مٹی چٹانے کے ساتھ لگے ہاتھوں زرکاش کے بخیے بھی ادھڑ گئے تھے اب اس میں کوئی حیرت کی بات تو تھی نہیں کہ تین دن گزر چکے تھے مگر زرکاش کی طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی زرکاش کی کال کا انتظار بیکار جان کر اس نے خود ہی اسے کال کرلی ایک بار نہیں کئی بار مگر زرکاش نے ایک بار بھی اس کی کال ریسیو نہیں کی بس اسی بات نے اسے فکر مند کردیا تھا رائمہ کو اس نے شیراز کی آمد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لہٰذا زرکاش کے بارے میں اس سے بھی کچھ نہیں پوچھ سکتی تھی۔ جس طرح اس کی کالز اگنور ہو رہی تھیں دل تو اس کا یہ چاہ رہا تھا کہ شیراز سے پہلے زرکاش کا خون کردے مگر وہ جانتی تھی کہ اسے پہلی فرصت میں زرکاش سے معافی مانگنی ہے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے رابطہ تو ہو...... وہ اسی الجھن میں تھی کہ کیا کرے کیا نہیں کہ اچانک اس کے ذہن میں امان کا خیال آیا اسے اندازہ تھا کہ ایک امان ہی ہے جو زرکاش کے کسی معاملے سے بے خبر نہیں رہتا زرکاش اس سے کیوں ناراض ہے یہ امان بھی جانتا ہوگا لیکن ابھی اس کے پاس امان کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا زرکاش تک پہنچنے کا ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی اپنی جھجک کے باعث امان سے سامنا کرنے سے بچتی تھی بہر حال ہمت کرکے اس نے امان کو کال کی۔

''دراج......! خیریت تو ہے؟'' امان کے لہجے میں حیرت تھی کیونکہ اس نے کبھی امان کو اس طرح کال نہیں کی تھی۔
''امان بھائی...... مجھے آپ سے زرکاش کی خیریت پتہ کرنی تھی' تین دن سے میرا ان سے کوئی کانٹیکٹ نہیں ہو پا رہا تو اس لیے سوچا کہ آپ سے پوچھ لوں۔'' وہ بمشکل بولی۔
''ہاں' وہ خیریت سے ہے' دراصل کل شیراز کی فلائیٹ ہے یورپ کے لیے تو شاید مصروف ہو۔''
''جی...... وہ تو ٹھیک ہے مگر...... وہ مجھ سے ناراض ہیں' اس لیے میری کال بھی ریسیو نہیں کر رہے۔'' وہ جھجکتے لہجے میں بولی۔
''اور تم جانتی ہو اس کی وجہ کیا ہے؟'' امان کے کہنے پر وہ کچھ بول نہیں سکی۔
''دراج...... مجھے تمہارے اور زرکاش کے کسی معاملے میں کچھ کہنے کا حق نہیں لیکن زرکاش مجھے بہت عزیز ہے وہ بہت مخلص اور بے غرض انسان ہے' ایسے انسان کی قدر کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے تم جانتی ہو اچھی طرح کہ تم اس کی دل آزاری کا سبب بنی ہو......''
''غصے میں مجھ سے غلطی ہوگئی' آپ ان سے کہیں کہ مجھے معافی مانگنے کا ایک موقع تو دیں' آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گی۔'' وہ التجائی لہجے میں بولی۔
''ٹھیک ہے میں اس سے بات کروں گا' ظاہر ہے وہ زیادہ دیر تم سے ناراض تو رہ نہیں سکتا' یہ تم بھی جانتی ہو۔'' امان کے کہنے پر وہ بس اس کا شکریہ ہی ادا کر سکی...... امان سے بات کرنے کے بعد اس کا غصہ پھر بیدار ہوا تھا' زرکاش کی دل آزاری ہوئی تھی تو شیراز کی وجہ سے اس کی بھی دل آزاری ہوئی تھی۔ شیراز کی ساری حقیقت کھل کر سامنے آچکی تھی مگر پھر بھی زرکاش اس سے ہی ناراض تھا' ان ہی باتوں کو سوچتی وہ پیچ وتاب کھا رہی تھی جب اسے وزیٹنگ روم میں کسی کی آمد کی اطلاع ملی' حیران ہوتی وہ نیچے پہنچی' سامنے بیٹھے شیراز نے پہلے اسے دنگ مگر پھر کچھ الجھن میں بھی مبتلا کر دیا تھا لیکن اپنے چہرے سے اس نے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔
''کیسے آنا ہوا؟'' تیکھی نظروں سے دراج نے اسے دیکھا جو صوفے سے اٹھتا اس کے مقابل آ گیا تھا۔
''سنا ہے' تم یورپ سدھار رہے ہو بھائی کے بل بوتے پر' اب وہاں جگہ جگہ منہ مارتے نہ پھرنا' یہاں تو خوب باپ بھائی کی ناک کٹواتے رہے ہو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔
''میں یہاں تم سے کوئی بحث نہیں کرنے آیا' بس یہ کہنے آیا ہوں کہ میرے بھائی کے پیروں سے نکل کر اس کے بستر پر بیٹھنے کی کوشش بھی مت کرنا......''
''ورنہ کیا کرو گے......؟'' دراج نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ''تم دھمکانے آئے ہو مجھے......؟''
''نہیں' یہ یاد دلانے آیا ہوں کہ اپنی اوقات میں رہنا' اپنے کسی شاطرانہ جال میں اگر تم نے میرے بھائی کو پھنسانے کی ہمت بھی کی تو مجھے واپس یہاں آ کر تمہاری گردن توڑنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔'' شیراز کے سخت اور بھنچے لہجے پر وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔
''جال میں پھنسانے والی ہوتی تو تم مجھے تر نوالہ سمجھ کر نگلنے کی جرأت بھی نہ کرتے' میری اوقات تو تمہارے فرشتے بھی کبھی نہیں جان پائیں گے' میری فکر چھوڑ کر تم بس اپنے گریبان میں جھانکتے رہا کرو' عاقبت سنور جائے گی۔''
''اور تم نے تو اپنی دنیا سنوارنے کی کوشش شروع کر دی ہے میرے بھائی کا سہارا لے کر' اندازہ تو ہو گا تمہیں کہ تم اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہو' اس لیے ان کی نظروں میں مظلوم بننے کی کوشش کر رہی ہو۔'' شیراز تلخ لہجے میں بولا۔
''کیوں حاصل کرنے کا سرٹیفکیٹ کیا صرف تمہیں ملا ہوا ہے' بلکہ تم تو چھیننے میں بھی ماہر ہو' تمہیں کیا لگ

لیلیٰ رب نواز

السلام علیکم! میرا نام لیلیٰ رب نواز ہے‘ سب پیار سے لیلی کہتے ہیں‘ ہم سات بہنیں اور میرے دو بھائی ہیں۔ میں بھکر کے قریب واقع گاؤں ودھیوالی میں رہتی ہوں۔ آنچل سے میرا رشتہ چھٹی کلاس سے جوڑا ہے‘ میرے پسندیدہ رائٹرز نازیہ کنول نازی‘ نمرہ احمد‘ عمیرہ احمد‘ سمیرا شریف طور‘ ہاشم ندیم اور اشفاق احمد ہیں۔ میرے فیورٹ ناول عبداللہ‘ خدا اور محبت‘ اے مژگان محبت‘ ٹوٹا ہوا تارا‘ برف کے آنسو اور من چلے کا سودا ہیں۔ سب سے زیادہ سفید کالا اور گلابی رنگ مجھے اچھا لگتا ہے‘ میرے پسندیدہ کرکٹر عمر اکمل‘ احمد شہزاد‘ عبدالرزاق‘ شعیب اختر اور سعید اجمل ہیں۔ فیورٹ سنگر عاطف اسلم ہیں پھولوں میں سب سے اچھا اور پسندیدہ پھول گلاب‘ چنبیلی اور موتیا کا ہے۔ بچوں کے ساتھ دوستی کرنے میں مجھے بڑا مزا آتا ہے‘ ان کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ میں خود بالکل بھی شوخ و شریر نہیں ہوں خوبیاں کوئی نہیں جبکہ خامیاں بہت زیادہ ہیں‘ میں ہر کسی کی اچھی بری بات برداشت کرلیتی ہوں وہ بھی چپ کر کے غصہ بھی برداشت کرلیتی ہوں اور بعد میں وہ غصہ میں خود پر نکالتی ہوں۔ میرا پیغام ہے سب کے لیے کہ ماں باپ کے لیے سب کچھ چھوڑ دینا لیکن سب کچھ حاصل کرنے کے لیے ماں باپ کو مت چھوڑنا کیونکہ ان کی دعا ہی ہماری کامیابی کی کنجی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک سب کو نماز‘ روزہ‘ قرآن پاک جیسی عبادتیں کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے بھی آمین‘ رب راکھا۔

رہا ہے‘ کیا میں اتنی آسانی سے بھول سکتی ہوں کہ تم لوگوں کی وجہ سے میں گھر سے بے گھر ہوئی ہوں۔‘‘ وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

’’جو ہونا تھا وہ ہو چکا‘ لہٰذا اپنے دکھڑے رونا بند کرو اور ایک بات دل و دماغ میں بٹھالو کہ اب میرے بھائی کے ذریعے مجھ پر کوئی وار مت کرنا‘ ان کا اس سب سے کوئی لینا دینا نہیں۔‘‘

’’لینا دینا ہو یا نہ ہو پر گیہوں کے ساتھ گھن کو تو پسنا ہی ہوتا ہے اور میں کوئی دکھڑے نہیں رو رہی‘ تم سب کی سفاکی بیان کررہی ہوں‘ البتہ اپنے بھائی کا رونا رونے تم ضرور یہاں آئے ہو میرا اب تم سے بھی کوئی لینا دینا نہیں‘ سارے حساب بے باک کردیئے ہیں اور دشمنی تم سے رکھ کر مجھے کرنا بھی کیا ہے‘ ایک ایک پیسے کے لیے تو تم اپنے بھائی کے محتاج ہو......‘‘

’’جو بھی ہوں‘ تمہاری طرح ان کی آستین کا سانپ نہیں ہوں‘ اس لیے سمجھا رہا ہوں کہ میرے بھائی کو ڈسنے کی غلطی مت کرنا ورنہ وہ حال کروں گا کہ آسمان میں کیا پاتال میں بھی تمہارا نام و نشان نہیں ملے گا۔‘‘ شیراز بھرے لہجے میں خبردار کررہا تھا۔

’’یہ گیدڑ بھبکیاں اپنے ساتھ ہی پیک کرکے یورپ لے جانا‘ گوری چمڑیوں پر شاید یہ اثر کر جائیں۔‘‘ وہ جھڑکنے والے انداز میں بولی۔ ’’اور جتنا منہ ہو بات اتنی ہی کرو تو اچھا ہے‘ تم مجھے پاتال میں پہنچانے کی بات کررہے ہو میں چاہوں تو ابھی ایسی صورت حال بنا ڈالوں کہ منٹ نہیں لگیں گے اور تم سلاخوں کے پیچھے بند ہو گے پھر کہاں کی فلائیٹ کہاں کا یورپ‘ تمہارا بھائی فیڈر پیتا بچہ نہیں ہے ان کی فکر میں ہلکان ہونے کے بجائے اپنی فکر کرو‘ یہ اطمینان رکھو دراج سب کچھ نگل سکتی ہے مگر انسان کو نہیں‘ تمہارا بھائی بھی سلامت رہے گا۔‘‘ اس کی دل جلا دینے والی مسکراہٹ پر شیراز کا چہرہ تپ اٹھا۔

’’میری باتوں کو ہلکا مت لینا دراج...... دولت کی بھوک اور لالچ میں تم نے میرے بھائی پر اپنے جنتر منتر چلائے تو تمہارے لیے زمین تنگ کردوں گا‘ تمہیں زمین میں اتارنے کی میری حسرت پوری ہونے میں زمانے نہیں لگیں گے۔‘‘

"جنتر منتر کی مجھے ضرورت نہیں پڑے گی' میری طلب میں آنے والے خود ہی گڑگڑاتے ہوئے چلے آئیں گے...... اپنی تسلی کے لیے اپنے بھائی کو باندھ کر چلے جاؤ...... میں تو ان کی بہت عزت کرتی ہوں' میں ان کے گلے میں پٹا نہیں ڈال سکتی......"

"پٹہ گلے میں ڈالنے کے قابل تو تم ہو' جس کے ٹکڑوں پر پروان چڑھ رہی ہو' خیرات کے لیے جن کے تلوے چاٹتی ہو ان کے گلے میں پٹا ڈالنے کی بات کر رہی ہو...... تم دیکھنا تمہارا کیا حشر کرتا ہوں اگر تم نے حد پار کی......" شیراز غصے میں بھڑک رہا تھا جب دراج نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ جوڑے۔

"اب تم جاؤ گے بھی یا یہیں کھڑے بھونکتے رہو گے......" زہریلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اس نے پوچھا۔

"جا رہا ہوں لیکن واپس ضرور آؤں گا تمہیں گڑھے میں اتار کر مٹی ڈالنے۔" تمتمائے چہرے کے ساتھ شیراز زیرلب دو چار بھاری بھرکم لفظوں سے اسے نوازتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

"ہیو آ نائس جرنی' لو یو......" دل جلا دینے والے لہجے میں دراج نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"خس کم' جہاں پاک......" ہنستے ہوئے وہ خود سے ہی مخاطب ہوئی۔

☾ ...... ☆ ...... ☾

ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی' صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی مگر انتظار تھا کہ ختم ہو کے نہیں دے رہا تھا' دل ڈوبا جا رہا تھا ہر گھڑی' خوف' اندیشے چاروں طرف سے اس کے ناتواں وجود کو گھیرے ہوئے تھے' دل کو تسلی دیتے دیتے وہ تھک چکی تھی' حوصلہ ٹوٹتا جا رہا تھا' جانے کتنی بار اس نے عرش کو فون کیا مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا' انتظار کی اذیت ناقابل برداشت ہو چکی تھی' رات سر پر آئی تو بڑھتے اضطراب سے دم گھٹنے لگا' دیوانہ وار وہ گھر سے نکل کر پول تک آئی' تیز روشنی میں بھی اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا' وجود کے اندر اندیشے' وسوسے چیخ چیخ کر سر پٹخ رہے تھے' ضبط کی حدوں سے گزرتی وہ لاغر ہو چکی تھی' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عرش کیوں نہیں آیا' کیا وجہ ہو سکتی ہے......؟ یہ خیال بھی جان لیوا تھا کہ عرش پولیس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا...... اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صبح ہی اس کی تلاش میں نکلے گی' عرش کے اس فلیٹ میں جائے گی جہاں وہ اپنی ماما کے ساتھ رہتا تھا' اسے فلیٹ تک کے راستے ازبر تھے' اسے پوری امید تھی کہ فلیٹ کے اردگرد سے ضرور اسے عرش کے بارے میں کوئی خبر مل جائے گی' یا اس گیرج کا پتہ مل جائے گا جہاں وہ کام کرتا ہے' یہ امکان بھی قوی تھا کہ ہو سکتا ہے کل عرش خود ہی چلا آئے...... لیکن وہ جانتی تھی کہ سارا دن بیٹھ کر وہ انتظار نہیں کر سکتی' عرش اس کے پیچھے یہاں آ گیا تو ضرور اس کو فون کرے گا' اس لیے اس کا صبح ہی عرش کے فلیٹ تک جانا ٹھیک تھا' وہ اب کسی قیمت پر انتظار کی اذیت نہیں جھیلنا چاہتی تھی اور انتظار کی نہ ختم ہونے والی قیامت کی رات...... اس کا خوف حد سے سوا تھا' عرش کے انتظار میں رات ختم ہی نہیں ہو رہی تھی' اتنے گھنٹے گزرنے کے باوجود سورج طلوع ہونا ہی بھول گیا تھا' دن نکلتا ہی نہیں تھا' بس رات ہی تھی ہر رات کے بعد' تاریکی ہی تھی چہار اطراف......

☾ ...... ☆ ...... ☾
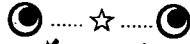
تین دن مزید گزر گئے تھے' پتہ نہیں امان نے زرکاش تک اس کا میسج پہنچایا بھی تھا یا نہیں...... میسج دیا تو ہوگا مگر شاید زرکاش بہت زیادہ ناراض تھا لیکن یہ بھی وہ قبول نہیں کر سکتی تھی' دل نہیں مان رہا تھا کہ اپنی ناراضگی میں زرکاش اس طرح اس سے لاتعلق بھی ہو سکتا ہے...... سب کچھ زرکاش کے سامنے تھا اگر اس سے غلطی سرزد ہوئی تھی تو وہ بہت کچھ غلط برداشت بھی تو کرتی رہی تھی...... گزرے تین دن میں اس نے چاہا تھا کہ دوبارہ امان کو کال کر کے زرکاش کے بارے میں پوچھے اسے بتائے کہ زرکاش اب بھی اس کی کالز اگنور کر رہا ہے مگر پھر اس کی ہمت نہیں ہوئی' کسی کام میں دل بھی

نہیں لگ رہا تھا' نہ کتابوں میں نہ کالج میں' نہ دوستوں میں ویک اینڈ پر رائمہ بلاتی رہ گئی مگر وہ کالج میں ٹیسٹ کا بہانہ کر کے اسے بھی ٹال گئی تھی' دل بوجھل رہنے لگا تھا' ہاسٹل فرینڈز کے ساتھ شاپنگ پر جانا اس کا محبوب مشغلہ تھا مگر ابھی تو وہ سارے ہی مشغلوں سے بیزار تھی' ہر طرف سے طبیعت جیسے اکتا گئی تھی' بس اپنا روم اور تنہائی اسے بہتر لگ رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ آنکھیں موندے زرکاش کے بارے میں سوچ رہی تھی' اسے یاد تھا کہ زرکاش کی آواز سنے ایک ہفتہ گزر گیا ہے' یہ بھی یاد آیا تھا کہ گزرے کچھ دنوں میں زرکاش کے علاوہ اس نے کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچا' اپنی یہ کیفیت اسے بہت عجیب اور اجنبی لگ رہی تھی' شاید ایسا اس لیے تھا کہ اسے زرکاش کی بہت عادت ہو چکی تھی مگر زرکاش کو بھی تو اس کی عادت ہو گئی ہو گی پھر وہ اتنے دن تک کیسے اس سے غافل رہ سکتا ہے' اسے اگنور کر سکتا ہے..... ان ہی سوچوں میں وہ غلطاں تھی کہ فون پر آتی کال نے اسے چونکا ڈالا' اس وقت تو زرکاش کال کرتا ہے' وہ سرعت سے اٹھی مگر رائمہ کا نام دیکھ کر دل پھر بجھ گیا۔

''دراج..... میں اسد کے ساتھ ہاسپٹل میں ہوں.....''

''سب خیریت تو ہے؟'' اس کا دل کانپ اٹھا۔

''دراج..... زرکاش بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے دو گھنٹے ہو چکے ہیں' وہ آئی سی یو میں ہیں' تم ان کے لیے دعا کرو.....'' رائمہ کے جملے اسے پتھر کی طرح ساکت کر گئے تھے' رائمہ اور کیا کہہ رہی ہے اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' بس اردگرد یہی جملہ گونج رہا تھا۔ ''وہ آئی سی یو میں ہیں.....''

فون اس کے ہاتھ سے کب نکلا اسے خبر نہ تھی' اس کا بے جان وجود بیڈ کے کنارے سے پھسلتا نیچے آیا اور آنکھوں کے سامنے بس زرکاش کا چہرہ گھوم رہا تھا۔

''اس عیاش کی عیاشیوں کے لیے روپے کما کما کر سٹھیا گئے ہو کیا.....''

''میں تھوکتی ہوں آپ پر اور آپ کے احسانوں پر.....'' اسے اپنا سفاک لب ولہجہ سماعتوں میں تیر کی طرح اترتا محسوس ہوا تھا۔

کانوں پر سختی سے ہاتھ رکھتی وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا گئی تھی' اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

☾ ..... ☆ ..... ☾

پانچ دن اس کے لیے قیامت بنے رہے تھے' ہوش وحواس گم تھے' وہ جیسے انگاروں پر چلتی رہی تھی' نہ کھانے کا ہوش تھا' نہ پینے کا' بس ایک کام وہ مسلسل کرتی رہی زرکاش کی سلامتی کی دعا اور رائمہ سے اس کی خیریت پوچھنا۔

جس دن اسے یہ خبر ملی کہ زرکاش ہاسپٹل سے گھر شفٹ ہو گیا ہے اس کی جان میں جان آئی تھی لیکن ساتھ ہی صبر کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا تھا' زرکاش کو دیکھے اور ملے بغیر قرار نہیں آنے والا تھا مگر وہ اس کے گھر میں کیسے قدم رکھ سکتی تھی' وہاں تو اسے نفرت اور حقارت کے قابل گردانا جاتا تھا' کیسے اس گھر کی دہلیز تک جاتی جہاں سے دھتکار دیا جانا یقینی تھا' زرکاش کے لیے وہ اپنی انا کو پیروں تلے روند کر بھی اس گھر تک جانے کے لیے تیار تھی مگر اسے پتہ تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہونے والا' زرکاش سے اس کا ملنا اور بھی دشوار ہو جاتا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

مدد

عائشہ اختر بٹ

"جنت کے ابا..... او جنت کے ابا..... اب اٹھ بھی جاؤ میں نے کب سے تمہاری روٹی پکا کر رکھی ہوئی ہے ٹھنڈی کھا کر کام پر جاؤ گے کیا آج؟" صابرہ بی بی نے شوہر سے استفسار کیا جو فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد یونہی لیٹا تھا۔

"امی ابو جی السلام علیکم!" جنت فاطمہ اپنے نو سالہ بھائی موسیٰ کے ساتھ سپارہ پڑھ کر آئی تھی اور گاؤں کے بچوں کی طرح اس نے گھر میں داخل ہو کر باری باری دونوں کو اونچی آواز میں سلام کیا تھا۔ گیارہ سالہ جنت بھائی کا سپارہ لے کر طاق میں رکھنے کے لیے اندر چلی گئی اور موسیٰ ماں کے پاس چوکی کھینچ کر ناشتا کرنے بیٹھ گیا تب تک ابا بھی منہ دھو کر اس کے پاس ہی چوکی لے کر بیٹھ گیا اور ناشتا شروع کر دیا۔

"جنت بٹی آ جاؤ' کیا تم نے ناشتا نہیں کرنا آج؟" صابرہ نے بیٹی کی سستی پر اسے بھی ہانک لگائی اور چولہے پر چائے کا پانی چڑھا دیا۔

"آئی امی۔" وہ دوڑ کر باہر آئی اور وہیں بیٹھ کر ناشتا کرنے لگی ان سب کا یہی معمول تھا۔ صابرہ بی بی کے اردگرد بیٹھ کر ہی ناشتہ کرتے اور چائے کی پیالی کو گرم گرم ہی پی جاتے کیونکہ بچے دونوں اسکول جاتے تھے ماں فیکٹری میں کپڑے سلائی کرنے اور باپ مزدوری کرنے لہٰذا سب ہی جلد بازی میں ناشتا ختم کرتے اور یہ جا وہ جا۔

"اماں وہ آپ سے ایک بات پوچھنا تھی۔" جنت نے ماں کی طرف دیکھا جب کوئی کام نکلوانا ہوتا تو وہ امی کو لاڈ سے اماں ہی کہتی تھی تاکہ کام بن جائے آخر کو ماں تھیں بیٹی کے لاڈ سمجھتی تھیں۔

"ہاں بول میری دھی رانی..... کیا بات ہے؟" صابرہ نے لقمہ توڑتے ہوئے محبت پاش نظروں سے بیٹی کو دیکھا۔

"وہ اماں مجھے پوچھنا تھا کیا اس بار ہم قربانی کریں گے؟" جنت نے اپنی معصوم سی خواہش ماں تک پہنچائی' صابرہ بیگم نے ٹھنڈی آہ بھر کر شوہر کو دیکھا۔

"بیٹا اگر اللہ کی مرضی ہوئی تو ضرور کریں گے ان شاء اللہ۔" ابراہیم صاحب نے گول مول جواب دیا۔

"ابا میں آپ لوگوں کی مرضی کی بات کر رہی ہوں آپ بتائیں؟" وہ کسمسا کر بولی۔

"پگلی ہماری مرضی تو وہی ہوگی ناں جو سوہنے رب کی رضا ہوگی۔" انہوں نے بیٹی کو سمجھانا چاہا وہ کچھ حد تک قائل ہو بھی گئی پھر منہ بسور کر کہا۔

"ابا آپ نے پچھلی بار بھی تو یہی کہا تھا ناں۔" جنت کے دماغ میں اس بار واقعی قربانی کا سودا سما گیا تھا' ایک لفظ بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"اچھا بیٹی تم ناشتا کرو' دیکھتے ہیں کچھ۔" اماں نے صاف ٹالا تو وہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

"اور اگر کچھ نہ بنا تو؟" اس نے ماں کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

"جھلی نہ ہو تو پھر کیا چوری کر کے لائیں گے؟ بٹی اللہ جس حال میں بھی رکھے اس کے نیک بندے ہمیشہ شکر کا کلمہ ہی پڑھتے ہیں۔ اب مزید سوال جواب نہ کر' اسکول نہیں جانا کیا جو یوں سوال جواب کیے جا رہی ہے۔" صابرہ نے بیٹی کی معصوم خواہش کو دل کڑا کر کے رد کرتے ہوئے سخت الفاظ اپنائے تھے۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں ذرا ذرا سی بات پر پہلے منہ بنایا جب بات نہ بنی تو رو دھو کر کام نکلوا لیا سو اس نے پہلے ہی بات ختم کر دی یہ اور بات کہ دل پسیج چکا تھا مگر اس قدر مجبوریاں تھیں کہ ضروریات ہی بمشکل پوری ہو پاتیں وہ اتنی بڑی فرمائش کو پورا کرنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔

"جی اماں۔" وہ دو منٹ نوالے کو ہاتھ میں لیے خاموشی سے اماں کی تقریر سنتی رہی تبھی ابا کو خاموشی سے اٹھ کر جاتے دیکھا تو نوالہ پلیٹ میں رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور یہی دو لفظ بول کر نلکے کی جانب بڑھ گئی۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے اٹھو موسیٰ۔" اس نے موسیٰ کو گھسیٹا تو وہ بھی چائے پیے بغیر ہی آپا کی طرف دوڑا' دونوں مل کر اسکول جاتے تھے۔

"ہائے ربا..... کیا کروں میں۔" صابرہ بیگم نے ہمیشہ

کی طرح اپنے پروردگار سے ہی حل مانگا اسے پتا تھا کہ اب جنت شام تک کچھ نہیں کھانے والی۔ وہ برتن سمیٹنے لگی ہر چیز سے دل اچاٹ ہوچکا تھا۔

❁......❁......❁

صابر حسین صابرہ کا بھائی تھا اور وہ بھی اکلوتا۔ اس کا گھر بہن کے گھر کے بالکل ساتھ تھا کیونکہ ابراہیم صابرہ کا شوہر ان دونوں کا تایازاد تھا لہٰذا دونوں گھر نزدیک ہی تھے۔ صابر حسین کو والدین نے بہت چاؤ سے پڑھایا مگر وہ بی کام کے آخری چند ہفتوں میں ہی اماں اور ابا کی یکے بعد دیگرے اموات سے بے پناہ ٹوٹ گیا۔ بظاہر تو ان کو کچھ بھی نہ ہوا تھا بس ابا بلڈنگ پر کام کرتے ہوئے گرمی سے چکرا کر نیچے گرے تو جان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے وہ کئی سال سے راج مستری کا کام کررہے تھے کبھی پاؤں بھی نہ پھسلا مگر موت نے ایک ہی وار میں کام تمام کردیا اور اماں سدا کی شوہر کی وفادار ایک دن خاموشی سے شوہر کے پیچھے پیچھے راہ عدم سدھار گئیں۔ صابرہ بالکل اکیلی رہ گئیں تو اس نے تایازاد ابراہیم سے خاموشی سے نکاح پڑھوادیا یوں وہ بھی زندگی کے دھندوں میں الجھ کر رہ گئیں۔

ایسے وقت میں جب صابر حسین گم صم سے رہا کرتے تھے ان کی یونیورسٹی فیلو کشمالہ نے ان کو سنبھالا اور اپنی محبت سے غموں میں چور صابر حسین کو وادی غم سے نکال لائی اب وہ ہوتے اور کشمالہ...... ہر موقع پر ان کا ساتھ دینے والی ایک فیکٹری اونر کی اکلوتی بیٹی مگر وہ فیکٹری کوئی اتنی بھی بڑی نہ تھی، وہاں محدود پیمانے پر آم کی پیکنگ کے لیے لکڑی کی پیٹیاں بنائی جاتیں۔ کشمالہ سلیم کے والد سلیم احمد کو بھی اسی طرح کا داماد چاہیے تھا جو تنہا ہو اور جس کے والدین ان کی بیٹی کی زندگی میں رخنے ڈالنے کے لیے دنیا میں موجود نہ ہوں۔

کشمالہ نے باپ کی تعلیمات بلکہ ان کے ارشادات کے عین مطابق یونیورسٹی میں نیک فطرت صابر حسین کو اپنی مٹھی میں کیا۔ شادی شدہ بہن سے اسے ذرہ برابر بھی خدشہ نہیں تھا، گاؤں کی باسی صابرہ حسین اپنے نام کی طرح تھی۔ ہر چیز پر شکر گزار، صبر کرنے والی اور ملنسار اس نے کشمالہ کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا ان کا گاؤں شہر سے بے حد قریب تھا گیس بجلی، پانی ہر سہولت موجود تھی لہٰذا کشمالہ منصوبے کے تحت بیاہ کر گاؤں آئی تاکہ صابر حسین کو ساتھ ہی شہر لے کر جاسکے مگر اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے جب اسے علم ہوا کہ اس کا باپ ایک نوعمر لڑکی سے شادی کرکے کینیڈا روانہ ہوگیا ہے وہ متحیر تھی، بہرحال سلیم احمد فیکٹری کا چارج ہر دلعزیز داماد کو تھما گئے تھے وہ شاید بیٹی کی خاطر کرے ہوئے تھے۔ وہ ابھی چالیس سے زیادہ کے نہیں دکھتے تھے۔

❁......❁......❁

اس نے ٹرنک کو ہلکا سا اوپر اٹھایا اور اس کے نیچے سے سو کا تڑا مڑا نوٹ نکالا۔

"آج گوشت لیتی آؤں گی۔" وہ مسکرائی اور اس نوٹ کو پلو سے باندھ لیا، ماں تھی آخر بیٹی کو منانا بھی تو تھا جو قربانی کا راگ الاپے جارہی تھی، باہر آکر کنڈی چڑھائی اور تالا لگا کر سوچوں میں گم گھری راستہ ناپنے لگی۔

وہ خود بھی تو یہی چاہتی تھی کہ قربانی کرے مگر اتنا پیسہ

کہاں سے لاتی۔ بچوں کو کیا خبر کہ باپ کو ٹی بی کا مہلک مرض لاحق ہو چکا تھا مگر خوش آئند بات یہ تھی کہ وہ روبہ صحت تھا۔ صابرہ کی ساری جمع پونجی اسی مد میں خرچ ہو چکی تھی' بچے جب بھی باپ کو کھانستا دیکھتے تو ماں سے اس بارے میں استفسار کرتے مگر وہ اپنے بچوں کو اتنی کم عمری میں ایسی فکروں میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ مزدوری کرنے والا انسان تھا' کبھی چار سو کبھی پانچ سو کما کر لاتا مگر جو لاتا ایمان داری سے بیوی کی ہتھیلی پر رکھ دیتا جسے وہ نہایت سوچ سمجھ کر خرچ کرتی۔ اب تو چار سال سے وہ بھی کام پر جاتی تھی۔ پائی پائی جوڑ کر اپنے آشیانے کو سنوارنے میں لگی رہتی مگر کبھی بھی دو تین ہزار سے زیادہ رقم اکٹھی نہ کر پاتی جس کو وہ کسی بھی خوشی غمی میں استعمال کر لیتی' زندگی کے دن اسی طرح گزر رہے تھے' بھائی کبھی کبھی چھپ چھپا کر امداد کی کوشش کرتا مگر کشمالہ سارا حساب کتاب اپنے ہاتھوں میں رکھتی تھی لہٰذا وہ بھی مدد کرنے سے قاصر تھے۔

اس نے جلدی جلدی کام نپٹایا اور واپسی کے لیے چل دی' گھر کے راستے میں مین روڈ سے گزر ہوتا تھا اس کی نگاہیں ہمیشہ جھکی رہتی تھیں' سیدھی نظر اس کی زندگی کا ایک اہم اصول تھی۔ وہ اسحاق چکن والے کے پاس رکی اور آدھا کلو مرغی کا گوشت لے کر پیسے ادا کرتی خاموشی سے اپنے رستے پر ہولی۔

❁.......❁.......❁
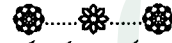
''موسیٰ...... جنت کو بلا لاؤ کھانا کھالو میں بھی برتن سمیٹ کر نماز کی تیاری کروں۔'' صابرہ نے تھکے ہوئے لہجے میں بیٹے سے کہا جو صحن میں کھیل رہا تھا جبکہ جنت کمرے میں پڑھ رہی تھی اس کا کل ٹیسٹ تھا وہ ماں کی پکار سن کر ہاتھ منہ دھو کر باہر چولہے کے پاس آ گئی صابرہ نے اس کے لیے سالن نکالا۔

''لے میری دھی...... گوشت پکایا ہے آج میں نے تیرے لیے۔ اسی لیے تیرا دل قربانی کو کرتا ہے ناں کہ تو بھی نت نئے کھانے کھائے؟'' اماں نے اس کو بہلانا چاہا جو ہنوز منہ پھلائے ہوئے تھی۔

''آپ سے کس نے کہا کیا؟ میں گوشت کے لیے قربانی کا کہوں گی؟'' اس نے دکھ سے ماں کی طرف دیکھا۔

''تو پھر......'' اماں نے الٹا اسی سے پوچھ لیا۔

''اس لیے اماں کیونکہ سب کرتے ہیں' پتا ہے لیلیٰ (صابر کی بیٹی) کہہ رہی تھی اس کے گھر بڑا سا جانور آئے گا اس بار بھی۔'' اس نے ماں کو نئی اطلاع فراہم کی۔

''تو؟'' صابرہ بیگم نے سوال کیا۔

''تو یہ کہ ہمیں بھی اس بار قربانی کرنی ہے میری سب دوستیں ہی کرتی ہیں بکرا' دنبہ' گائے بس مجھے کچھ نہیں پتا ہم بھی اس بار ضرور کریں گے۔'' وہ ضدی پن سے بولی۔

''وہ سب کرتی ہیں تو ان کے باوا نوٹ بھی تو گھر لاتے ہوں گے تمہارا باپ بے چارہ کہاں تک خرچ کرے اب؟'' ابراہیم صاحب گھر میں داخل ہوئے تو وہ چپ سی ہو گئیں' وہ ان کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں البتہ جنت بحث لاحاصل کے اختتام پر پاؤں پٹختی کمرے میں واپس جا چکی تھی۔ اگلے دو تین دن اس کا منہ اسی طرح بنا رہا حتیٰ کہ ماموں کے صحن میں صحت مند سا جانور بھی آ گیا۔ وہ موسیٰ کو ساتھ لیے ماموں کے گھر کی طرف چل دی' دوپہر کا وقت تھا اسکول سے آ کر کپڑے بدلے اور فوراً ماموں کی طرف آ گئی' اماں کے آنے میں ابھی گھنٹہ بھر باقی تھا۔

❁.......❁.......❁

''واہ کتنا پیارا جانور ہے' ہے ناں موسیٰ؟'' اس نے موسیٰ سے پوچھا اور جانور (بہادر) کی طرف متوجہ ہو گئی جس کے سینگوں پر الگ رنگ تھا' گلے میں اونی دھاگے سے بنے پھول کے ہار اور گھنٹیاں' پیروں میں گھنگھرو جو اسے سب کی نظروں میں ممتاز بنا رہے تھے وہ ادھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ شان دیکھنے والی تھی جانور کی بھی اور مالکوں کی بھی۔

''کیوں نا ہو بھئی ہمارا جو ہے۔'' سلمیٰ' لیلیٰ اور حسن کورس میں بولے جو بھی اس کے آگے گھاس ڈالتے تو کبھی اس کے کمر پر مہندی سے لکھے ''عید مبارک'' کے حروف پر ہاتھ پھیرتے بچوں کی دلچسپی قابل دید تھی معاً کشمالہ کی آواز آئی۔

''چلو بچو...... لنچ کر لو۔'' وہ ہال کمرے کے بیرونی

دروازے میں ایستادہ تھیں، چہرے کے تاثرات میں نمایاں تاثر فخر وغرور کا تھا۔

''امی...... موسیٰ اور جنت بھی آئے ہیں ان کو بلالیں لنچ پر اندر؟'' ماں کی سمت بڑھتی لیلیٰ نے دبے دبے جوش سے پوچھا۔

''ارے رہنے دو ان کو جی بھر کر جانور دیکھنے دو ان بے چاروں نے کبھی اتنا خوب صورت جانور نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کا پیٹ تو اسی کو دیکھنے سے بھر جائے گا۔'' فیصلہ سنا کر وہ وہاں رکی نہیں تھیں، بچے خاموشی سے اندر بڑھ گئے۔

گیارہ سالہ حساس دل کی مالک جنت نے ممانی کے الفاظ سن لیے تھے آنکھوں میں بے ساختہ آنسو امڈ آئے جنہیں اس نے بے دردی سے رگڑ ڈالے اور موسیٰ کا ہاتھ پکڑے گھر کی جانب چل دی، اس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے اس نے بے اختیار آسمان کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا۔

''اللہ تعالیٰ...... آپ ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟'' معصوم سا شکوہ اس کے لبوں پر مچلا۔

❀......❀......❀
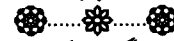
بچوں کے موڈ ہنوز بگڑے دیکھ کر صابرہ بے حد بے چین تھی، اس بار ہمیشہ کی طرح اس کے سمجھانے پر بچے سمجھنے کی بجائے اور ضد پکڑ گئے تھے پھر جنت نے ماں کو ہچکیوں کے درمیان ممانی کے گھر پر ہونے والی ساری بات بتادی تھی۔ صابرہ بے حد پریشان ہوئی جی بھر آیا تھا، عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے بے اختیار آنسو گالوں پر لڑھک آئے، وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھی اور رب وہ واحد ہستی ہے جس کے سامنے اس کے بندے ہر راز ہر دکھ کھول کر بیان کردیتے ہیں کہ وہی ہے جو انسان کو ہر حال میں اپنی مدد اور اپنے تعاون کا یقین دلاتا ہے اور غیب سے مدد بھی کردیتا ہے یوں کہ اسے احساس بھی نہیں ہوتا، بے شک وہی ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے جو اس سے مانگتے ہیں اور وہ بھی جو اس سے نہیں مانگتے ہر ایک کو دیتا ہے بن مانگے ہی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے شدت جذبات سے کانپتے ہوئے اللہ سے دعا مانگ رہی تھی۔

❀......❀......❀

وہ فیکٹری سے واپس آرہی تھی کہ اچانک اس کی نظر مین روڈ کے دائیں کنارے پر کسی چمکتی ہوئی دھات پر پڑی۔ پہلے تو وہ ہچکچائی پھر گاڑیوں کے رش کے باعث جھک کر وہ چیز اٹھالی جسے دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیل گئیں یہ تو سونے کا لاکٹ مع چین تھا وہ بھی خاصا بھاری وہ کانپتے ہاتھوں سے اسے لیے گھر کی طرف چل دی۔ گھر آکر ابراہیم کے آنے تک بے چینی سے ٹہلتی رہی پھر کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی مگر بے چینی ہنوز برقرار تھی۔

ابراہیم کے آنے پر اس نے کمرہ بند کرکے اس کو ساری بات بتائی اور وہ چین بھی دکھائی پھر جو فیصلہ ہوا وہ یہی تھا کہ آس پاس کی ساری مسجدوں میں اعلانات کروادیے جائیں کہ اگر کسی کی سونے کی چین مع لاکٹ گم ہوئی ہے تو وہ نشانی بتا کر لے جائے۔ ایک دن، دوسرا دن اور آج تیسرا دن تھا لگاتار اعلانات کرواتے مگر کوئی بھی پوچھنے نہ آیا تو صابرہ نے ابراہیم سے اس کو بیچ کر قربانی کا جانور لینے کو کہا مگر ابراہیم نے اسے بقر عید سے ایک دن پہلے تک انتظار کرنے کو کہا کیونکہ وہ جامع مسجد کے امام صاحب سے پوچھ آیا تھا کہ اس مال کا کیا کیا جائے؟ انہوں نے بہت تحمل سے بات سن کر اس مسئلے کا حل بیان کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے مال کو جو کہیں پڑا ہوا ملے لقطہ کہتے ہیں اور ملتقط (اٹھانے والے کو) کو لازم ہے کہ لقطہ کی کئی دن یا ایک سال تک تشہیر کرے اور اگر وہ اس کے مالک کی واپسی سے مایوس ہوجائے تو اس مال کو صدقہ کردے اور ابراہیم کے پوچھنے پر اگر اٹھانے والا مستحق ہو اور خود اس مال کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہے یا اس مال سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کیا اس کے لیے جائز ہے؟ تو امام صاحب نے فرمایا ''ہاں اگر مال دار ہے تو جائز نہیں اور اگر غریب ہے تو نفع حاصل کرسکتا ہے۔''

بہرحال وہ بقر عید سے پہلے اس کی خوب تشہیر کرنا چاہتا تھا لہٰذا وہ شہر جاکر بھی اعلان کروا آیا اور علاقے کی مسجد میں بھی دن رات اعلان کرواتا رہا نہ کسی کو آنا تھا اور نہ ہی کوئی آیا ویسے

بھی یہ چین مین روڈ سے ملی تھی اللہ جانے کسی علاقے کے رہائشی کی تھی یا مسافر کی۔ بہرحال صابرہ نے استخارہ کیا اور ہاں کا اشارہ پاتے ہی شکر ادا کرنے لگی۔

"تو گویا میرے مالک نے ہماری مدد کی ہے۔"

کل عید تھی ظہر کے وقت اس نے ابراہیم کو صابر حسین کے ساتھ سنار کی دکان پر بھیجا واپسی پر رات گئے ان کے ساتھ ایک خوب صورت سا بکرا بھی تھا۔ کشمالہ دیکھنے آئی تو حسد کے باعث نند کے منہ پر ہی بچیوں سے کہنے لگی۔

"منکا لگ گیا آپا کا تو اس بار بھئی مبارک ہو۔" اور یہ جا وہ جا۔ صابرہ خاموش ہی رہی جبکہ صابر حسین بہن کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے بیوی کے پیچھے ہو لیے ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ ان کو بیوی کی بات ناگوار گزری ہے۔ جنت فاطمہ ماں کو اداس دیکھ کر بولی۔

"اماں...... اداس مت ہو مامی نے اپنے ذہن کے مطابق ہی بات کرنی تھی ناں؟ اور آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ہر شخص کی نظر کا زاویہ الگ ہوتا ہے وہ اپنے انداز سے ہر بات کو دیکھتا ہے کسی کی بڑی بڑی آنکھیں تو کسی کی چھوٹی چھوٹی مگر اکثر چھوٹی آنکھوں والے کی وسعت نظر بڑی اور پرکشش آنکھیں رکھنے والے سے زیادہ ہوتی ہے مامی بھی انہی کی طرح خوب صورت آنکھیں تو رکھتی ہیں مگر وسعت قلبی اور وسعت نظر نام کو نہیں۔" اس نے لاشعوری طور پر اس دن کا غبار نکالا اور ماں کو دلاسہ دیا مگر وہ جہاں کی تہاں رہ گئیں یہ جنت نے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنا کب سے سیکھ لیں وہ نئی فکر میں مبتلا ہو گئیں۔

❁............❁............❁

"تمہیں یوں نہیں کہنا چاہیے تھا آپا سے۔" صابر حسین نے کشمالہ کو سمجھانا چاہا۔

"تو کیا غلط کہا میں نے حقیقت بھی تو یہی ہے۔" وہ اپنی بات پر اڑی رہیں۔

"حقیقت چاہے جو بھی ہو مگر اس سے ان کی دل آزاری ہوئی تم سوچ سمجھ کر بات کیا کرو۔" انہوں نے کشمالہ کو گھورا۔ "ہر شخص اپنا ہی کھاتا ہے ہم ان کو کھانے کو تو نہیں دیتے پھر ان سے ایسا سلوک کیوں روا رکھیں۔" کشمالہ کی نظر اندازی پر انہوں نے کڑھتے ہوئے کہا۔

"تو ہم کون سا ان سے لے کر کھاتے ہیں جو سچ بات کرتے ہوئے بھی ڈریں الٹا ان کو ہر عید پر ڈھیروں گوشت بھجواتے ہیں بچوں کی عیدی الگ۔" انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ کہہ کر سیڑھیاں چڑھ گئے کشمالہ رونے بیٹھ گئی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے مگر صابر حسین بھی اپنے نام کے ایک تھے ذرا پروا نہ کی۔ دراصل کشمالہ کو غصہ باپ کے فون پر تھا جس نے یہ اطلاع دی تھی کہ تمہارا بھائی پیدا ہوا ہے وہ جھرجھری لے کر رہ گئی تو اب ابا کی جائیداد کا اصل وارث آ رہا ہے فیکٹری کے مزے ختم ہونے والے تھے کیونکہ وہ اپنی بیوی اور بیٹے کو لے کر پاکستان آ رہے تھے۔ کشمالہ کو اچانک احساس ہوا۔

"اب تو ہمارے حالات بھی آپا کے جیسے ہی ہونے والے ہیں ان سے ذرا بہتر ہوں گے مگر پہلے والی بات نہ رہتی جب ابا آ کر چارج سنبھال لیتے۔" اس کو شرمندگی کے احساس نے آن گھیرا۔ بلاوجہ کی بدگمانیاں دولت کا احساس لیے ہی دور بھاگ رہی تھیں وہ اپنے رویہ پر دل سے شرمندہ ہوئی۔ سچ ہے دولت کا نشہ انسان کو بہت بے حس کر دیتا ہے مگر یہ نشہ اترتے ہی تمام حسیات بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہیں گو کہ وہ خود پڑھی لکھی تھی ماسٹرز کیا ہوا تھا پھر بھی صحیح معنوں میں شوہر کے ساتھ مل کر گھر کا بار اٹھانے کا سوچ کر دانتوں تلے پسینہ آ گیا تھا۔

وہ بھی اوپر چلی آئی گرمیوں میں چارپائیاں چھت پر بچھائی جاتیں کھلی ہوادار چھت پر ٹھنڈی ہوا چلتی تھی مگر آج حبس بے حد تھا۔

❁............❁............❁

عید کی صبح روشن اور چمکدار تھی جنت ماں کے ساتھ صبح سویرے ہی اٹھی تھی سویاں پکا کر محلے بھر میں بانٹیں آخر میں ماموں کی طرف گئی دل ہی نہیں چاہ رہا تھا ورنہ پہلے تو سب سے پہلے گھر ماموں کا ہی ہوتا۔ پے در پے کئی واقعات

سے دلوں میں میل آ گیا تھا سو دوری تو متوقع تھی گیٹ اندر سے بند تھا۔ اس نے زور زور سے دھڑ دھڑایا تو ماموں چھت سے اترتے دکھائی دیئے وہ سیدھا گیٹ کی طرف آئے اور دروازہ کھولا۔

''عید مبارک ماموں۔''

''خیر مبارک میری گڑیا۔'' انہوں نے اسے ساتھ لپٹا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

''کیا لائی ہو؟'' انہوں نے آنکھیں جھپکتے ہوئے پوچھا' نیند کا خمار ابھی باقی تھا۔

''سویاں ہیں ماموں...... مامی کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''اوپر ہیں' جاؤ یہ کچن میں رکھ کر ان کو بھی جگا آؤ۔'' انہوں نے اس سے کہا اور خود بہادر کی طرف بڑھ گئے' تب ہی کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''بہادر یہ کیسے انداز میں سو رہا ہے؟'' وہ اس کے نزدیک گئے تو پریشانی سے چلا اٹھے۔ ''یا اللہ! یہ کیا ہو گیا......'' سر تھام کر بیٹھے رہ گئے' بہادر کی زبان باہر تھی اور آنکھیں بھی ابلی ہوئیں تھیں شاید گرمی زیادہ پڑنے کی وجہ سے وہ قربانی سے پہلے ہی راہ عدم سدھار گیا تھا۔

''کیا ہوا ماموں......؟'' وہ باہر کو لپکی تو نزدیک سے دیکھ کر چیخ ہی نکل گئی وہ امی کو بلانے دوڑی۔ مامی بھی حواس باختہ سی اوپر سے نیچے اتریں مگر اب کیا ہو سکتا تھا' نماز کا وقت نزدیک آتا جا رہا تھا ہر کوئی نماز کی تیاری میں مصروف تھا۔ صابرہ بھی شوہر کو کپڑے دے کر بھائی کے گھر آ پہنچیں' بھائی بھابی کو دلاسہ دیا۔

''جو اللہ کو منظور اس کی مرضی کے آگے سب بے بس ہیں۔'' وہ دلاسہ دے کر گھر لوٹ آئیں' کشمالہ شرمندہ سی کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

قربانی کا بکرا ذبح ہوا تو صابرہ بیگم نے شریعت کے مطابق تین حصے بنائے' سارا کام نپٹا کر اپنے حصے کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا' آدھے کو اپنے لیے سنبھال کر رکھا آدھا حصہ ٹرے میں رکھ کر بھائی کی طرف چل دیں۔ ابراہیم صاحب دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''کشمالہ...... عید مبارک' یہ اپنا حصہ سنبھال لو۔'' انہوں نے داخل ہوتے ہی کشمالہ سے مخاطب ہو کر کہا اور بچوں سے عید ملنے لگیں' اپنی حیثیت کے مطابق ان کو عیدی دے کر واپسی کی طرف قدم بڑھائے' صابر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔

''آپا......!'' کشمالہ نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سے صابرہ بیگم کو پکارا' وہ مڑیں اور استعجاب سے بھابی کو دیکھا جو آنسو لیے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''وہ...... آئی ایم سوری آپا...... کل جو میں نے کہا اس کے لیے۔ میں یہ بھول گئی تھی کہ یہ تو اس کی مرضی وہ جس کی چاہے قربانی قبول کرے اور جس کی چاہے رد کرے۔'' وہ ہچکیوں سے رو دی۔

''ارے بس بس' چپ کرو اب' خوشی کے موقع پر آنسوؤں کی کیا ضرورت؟'' انہوں نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ وہ اس کو شرمندگی سے بچانا چاہتی تھیں' جلدی سے اس کو صوفے پر بٹھا کر پانی پلایا پھر کہنے لگیں۔

''اب جلدی سے تیار ہو کر میری طرف آؤ تم لوگ' میری طرف سے دعوت ہے تم لوگوں کی۔'' وہ بھی نم آواز میں بولیں۔

''آپا...... آپ نے مجھے معاف کر دیا ناں؟'' وہ پھر سے آپا سے لپٹ کر پوچھنے لگی۔

''ارے ہاں پگلی...... چپ کرو' مجھے یہ روٹھنا منانا بالکل نہیں آتا ورنہ کب کی تم سے ناراض ہو چکی ہوتی مگر میں نے تو تم کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھا ہے اور بھلا کوئی ماں اپنی بیٹی کی نادانیوں پر ناراض ہوتی ہے؟'' انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی۔ عید کی خوشیاں آج حقیقی معنوں میں اس گھر میں نظر آ رہی تھیں' صابرہ بیگم نے اپنے پروردگار کی شکر گزاری کے لیے آنکھیں بند کر کے شکر کا کلمہ پڑھا جس کی مدد سے ہر الجھا کام لمحوں میں سلجھ گیا تھا۔

زمین پر جو آزاد ہے
وہ غیر شعوری طور پر اپنی خواہشات سے اپنے لیے
ایک زنداں تعمیر کر لیتا ہے
اور اس میں محبوس ہو کے رہ جاتا ہے
اگر وہ اپنے خونی رشتوں سے نجات پاتا ہے
تو عشق کے دام خیال اور نشاط آفریں قس
میں گرفتار ہو کے رہ جاتا ہے
وہ ذہین و فہیم ہے
پر اپنی درشتی اور سختی کے سبب ناشکرا ہے
حتیٰ کہ حق کے معاملے میں بھی وہ آزاد ہے
تو وہ لباس کی رعنائی
اور اپنے حسن و جمال کی فتنہ گری سے بے خبر رہتا ہے
لا نے مجھ دے
اور کوئی دلنواز نغمہ چھیڑ
کہ نغمہ بردباروں کے لیے سکون بخش ہے
اور نے کی فریاد قوی اور ضعیف سے زیادہ ثبات
رکھتی ہے

''آزادی'' از خلیل جبران

دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے سر کے نیچے ٹکائے گھاس کے نم فرش پر فلک کی وسعتوں میں گھورتے خلیل احمد چت لیٹا ہوا تھا' نہ گلشن کے چاروں اطراف میں پھیلے گل تازہ اس کی توجہ کا دائرہ کار بانٹ سکے تھے اور نہ ہی گلشن میں سبک رفتار چلتے' دھیمی سرگوشیاں کرتے لوگ...... کافی دیر سے ایک ہی پوزیشن پر کیٹے جسم کو دھیرے سے جنبش دیتے چہار سو ایک بار پھر منتشر سبزہ زار پر نگاہیں دوڑاتے باغ کے ایک کونے میں لگے ہینڈ پمپ کی جانب اس نے رخ کیا تھا۔

''لاؤ بابو جی...... میں چلا دوں؟ بہت رفتار سے چلاتا ہوں جی۔'' اپنے قریب ہی معصوم بچے کی آواز سنتے ہینڈ پمپ کی جانب جاتے اس کے ہاتھ یکا یک رک گئے تھے۔ وہ اس کی پیشکش پر متحیر نہ ہوا تھا۔ لوگ اس طرح کسی نہ کسی فعل کے تعاقب میں مدد کے بہانے اس کے پاس آتے رہتے تھے مگر شاید اس بچے کے صاف و شفاف چہرے پر ایسا کچھ نہ تھا۔ خالص تعاون کا جذبہ رقم تھا لیکن خلیل احمد کی گھٹی میں تو جیسے سختی و درشتی کا عنصر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

''مجھے اپنے کام خود کرنے کی عادت ہے' اب تم جس شرافت سے یہاں آئے تھے میرے پاس (اس نے سینے کی جانب تحقیرانہ انداز میں ہاتھ کا اشارہ کیا) اسی شرافت سے یہاں سے جاسکتے ہو' آؤٹ۔'' معصوم لڑکا مخاطب کے اس قدر درشت لب و لہجے پر حیرت کا معمہ بنالیا ساتھ ہی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو لیے تقریباً بھاگ کر وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

اس سب میں خلیل احمد کا کوئی قصور تھا؟ نہیں ناں وہ تو عادتاً وہی کر رہا تھا جو وہ ہر دفعہ کرتا آیا تھا۔ سارا دن باغ و بہاراں پارکوں میں آوارہ گردی کرتے وہ کبھی نہ تھکا تھا۔ وہ اپنے ہر فعل میں خود کو حق بجانب سمجھتا تھا۔ تیس سالہ خلیل احمد لانبی پلکیں' بھوری بھنویں' ہیزل گرین آئیز' سنہری سلکی بالوں کے ساتھ ساتھ خوبرو سراپا لیے انتہائی دل آفریں' خوب صورت شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے رخ کے نقش و نگار میں خالق نے کچھ ایسے تغیرات رکھے تھے کہ جو دیکھتا خال و خد کو' قدرت کے ایسے شاہکار پر ''واہ واہ'' کیے بغیر نہ رہ سکتا۔ کوئی اسے انگریز تو کوئی اسے پٹھان کہتا' آواز میں بھی بلا کی دلکشی و جاذبیت نمایاں تھی کہ جو سنے مبہوت ہو جائے۔ نرم لہجے میں حلاوت لیے بات کرنا اس کی سرشت میں شامل ہی کہاں تھا' لوگ کہتے گھٹی میں کڑوا بادام دیا ہوگا کسی عزیز نے۔

سیمنٹ سے بنے کچے مکان میں آج بھی اس کا جانے کا من نہ تھا لیکن حالات کے پیش نظر اور اپنی

شاہانہ طبیعت کے باعث وہ کسی شاہراہ یا ٹوٹے پھوٹے کسی چبوترے پر بھی رات گزارنے کا اہل نہ تھا۔ لکڑی کے بنے شکست خوردہ چوکھٹ کو تقریباً ٹھوکر مارتے وہ اندر داخل ہوا تھا' زاہرہ احمد گہری کالی رنگت پر پُرکشش نقوش کی مالکہ خلیل احمد کی تیسرے نمبر والی بہن بھاگ کر خستہ گرما گرم چپاتی کی رقابی لیے عین اس کے روبرو آ پہنچی۔ تندور میں روٹیاں لگاتی ماں کی آنکھوں میں کئی جگنو جل بجھ کرنے لگے تھے اور اس ظالم حسین شخص نے ایک نگاہ غلط اٹھانے کا بھی تردد نہ کیا تھا۔ زاہرہ سے بڑی زروا اور مناہل کب کی پیا دیس سدھار چکی تھیں۔ بادیہ اور حریم گھر میں سب سے چھوٹی اور جڑواں بہنیں تھیں' تیکھے تیکھے نقوش اور قدرے لمبی سرو جیسی قد و قامت ان دونوں کو جاذب نظر بناتی تھیں۔ نہ صرف حرکات و سکنات بلکہ مشاغل بھی ان کے ایک جیسی فریکوئنسی لیے ہوئے تھے۔ اس وقت بھی جب ان کا اکلوتا لاڈلا بھائی تحکم دکھاتا سامنے چوکی پر براجمان تھا مگر وہ دونوں سر جوڑے اپنی گڑیوں کے کپڑوں پر بیل بوٹے بنانے میں مگن تھیں انہیں سامنے بیٹھے شخص کے کسی فعل سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اکلوتے بھائی کی آمد زاہرہ احمد کے لیے باعثِ کشش اور باعثِ مسرت تھی۔ وہ جب بھی اپنے اس شاہی شہزادے جیسی آن بان رکھنے والے بھائی کو دیکھتی' یوں لگتا سب کائنات فطرت کی تمام تر رعنائیوں کے سنگ اس کے مدمقابل ٹھہر سی گئی ہو۔

وہ جب تک طعام کا شغل فرماتا رہا' وہ دیکھتی رہی' یہاں تک کہ وہ باہر کچے کشادہ صحن میں کھڑی چارپائی پر جا کر دائیں کروٹ لیٹ گیا مگر وہ دیکھتی رہی' صد شکر خلیل احمد نے حتی الامکان اس کی نظروں سے اجتناب برتا اور کچھ سخت کہنے سے بھی خود کو باز رکھا تھا۔ زاہرہ کے ذہن کی اسکرین پر بھی اپنے شہزادے کا عکس کچھ ایسا ہی تو تھا مگر دل کے کونے میں کہیں کہیں یہ خیال ضرور ابھرتا کہ وہ نواب ہو حسین و جمیل ہو مگر ایسا ترش مزاج نہ ہو۔ آخر کو ہر شب گرنے والے ماں کے موتی سے اشکوں کا بار اٹھانے کی وہ چشم دید گواہ تھی جو اسی نواب بیٹے کی بے اعتنائی کے سبب تھے پھر آخر کو اپنے خاندان کا سب سے پڑھا لکھا' خوبرو اور قابل نوجوان تھا وہ "خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے" خلیل احمد کے اندر یہ نزاکت کا پہلو کچھ زیادہ ہی تھا۔ جہاں حسن میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں تھا وہیں سفاکی و خودسری میں بھی اس کی کوئی نظیر نہ تھی۔

ایسے زخموں کا کیا کرے کوئی
جن کو مرہم سے آگ لگ جائے

برشیڈ کہتا ہے "خوب صورتی بہترین سفارتی خط ہے اور اس خط پر خلیل احمد دستخط کرتے ہوئے کتنے اہم دستاویزات ہتھیلی پر جمی نقدی سے کھوتا جا رہا تھا۔ اپنے زعم میں خود بھی اس سے وہ بے خبر تھا' کیتلی کے ابلنے کی آواز دور تک جاتی ہے' خلیل احمد کے ابلتے مزاج کی چھکار سے تو طائر بھی گھونسلوں میں دبک جایا کرتے تھے۔ جلتی' ابلتی بے جان اشیاء سمیت بھی جانداروں

کے جذبات بھی اس نے سمجھنے کی سعی نہ کی تھی۔ ضمنی بوا جو بدقسمتی سے اس کی ماں کے درجے پر فائز تھی' اندر ہی اندر کہیں اس کے سرد رویوں کی آگ میں پگھلتی جارہی تھی۔

☆☆......☆☆......☆☆......☆☆

شجاعت بارانی کے ایامِ حیات حسین رہ گزاروں کی طرح' اونچے بلند و بالا کوہساروں کی طرح کیف آفریں تھے۔ کئی مرلوں پر محیط زمینیں اس کی جاگیر تھیں' اس کی دسترس میں تھیں۔ سات مرلے پر پھیلا اس کا وسیع آشیاں چھت جیسی شے سے نابلد تھا۔ بڑے بڑے پختہ چھپروں نے چھتوں کی کمی پوری کی ہوئی تھی' دیواروں کے سینے میں مخفی مواد میں کچھ اثر تھا ایسا کہ آندھی آئے یا طوفان اپنی جگہ پر مضبوطی سے کھڑی رہتی تھیں۔

شجاعت کی زیست میں آنے والی کٹھنائیاں دریا کی سبک رفتار موجوں کی طرح تھیں' پل بھر میں ریت پر دائرے آڑے ترچھے بناتی غائب ہوجایا کرتی تھیں۔ شجاعت ایک ایسے عہد کا پروردہ تھا' جہاں الکحل کی لطافت' حسینوں کی حلاوت اور اغراض نفس کی تشکیل بھرپور طریقے سے ہوتی تھی۔ ایسے مکینوں کی خرد بصد خوشی خودکشی کرتی ہے۔ طوائف دور کی ماہ جبیں رہ گزر پر جب اس نے پہلا قدم دھرا' سرور کا نشہ از خود ہوا۔ رگوں میں گھنگھرو جھنجنا اٹھے۔ ضمن ساحر کے نشاط آفریں لمس نے جو پل بھر میں اسے لطف دیا وہ دنوں' ہفتوں' ماہ اور پھر سالوں پر محیط ہوگیا۔ بالآخر ایک بھاری تاوان کی بدولت وہ ساحرہ ہمیشہ کے لیے اس کے تعدف میں آگئی۔

اچھے دن گزر جائیں گے
وقت معین پر مر جائیں گے

شجاعت بارانی کی منطق بھی یہی تھی' وہ وراثت میں سونے کا چمچہ نہیں' چمچے لے کر پیدا ہوا تھا۔ اپنے ابا کی چھوڑی ہوئی جائیداد اکیلا' تن تنہا وارث' مال مفت' دل بے رحم کے مصداق وہ دولت کو دل کھول کر سخاوت کی مالا زیب تن کیے سدا رہنے والے اچھے دنوں کی آس میں اڑا رہا تھا۔ خیال میں یقین کا عنصر یہی تھا کہ جب تک اچھے دن ہیں' تب تک زندگی ہے جب یہ سہانے دن وقت مرگ پہنچ کر رکتی سانسوں سے آخری ہچکی لیں گے تو بس پھر مرجائیں گے۔ انہی عیش و عشرت کے ایام میں انتہائی حسین و جمیل سپوت نے ان کے آشیانے میں آنکھ کھولی۔ نین نقوش سب ساحرہ کے تو اطوار میں وہ بالکل اپنے باپ پر گیا تھا۔ کھلی چھٹی' کھلی آزادی و خودمختاری نے اس کے باطن میں ماورائی صفات کو جنم دیا تھا۔

''غیر مرئی صلاحیتوں کا منکا 'احمد' کے دماغ میں موجود ہے۔'' لوگ کہتے تھے جبکہ حقیقتاً ایسا نہ تھا۔ شراب کا وہ دلدادہ نہ تھا' موسیقی سے وہ دور بھاگتا تھا۔ تحکم آمیزی' غصہ پروری' خودسری جیسی خوبیاں اس نے باپ سے حق سمجھ کر وصول کی تھیں' حسن تھا اور تھا بھی بے حد مگر حسن والی نازنینوں کی جانب فریفتہ ہونے اور التفات کا مظاہرہ کرنے والی کوئی خو دنہ تھی۔

شجاعت کے آبائی گھر پر ان دنوں دبئی سے آئے اس کے بڑے بھائی مقیم تھے' ساحرہ نے شادی کے ابتدائی ایام طوعاً وکرہاً شجاعت کے آبائی گھر پر برائے نام بصورت قیام گزارے پھر شہر کی تاباں' چمکتی دمکتی دنیا میں آبسی۔ ابلیس کی تاثیر کا چھکا ٹوٹا خلیل احمد کی آمد کے بعد تو شجاعت گویا ایک نئی دنیا کی دریافت میں لگ گیا۔

ساحرہ کی روزمرہ سرگرمیوں پر پابندیوں کے مورچے ایستادہ ہوگئے۔ اس کے ''آزادی'' کے شور پر شجاعت نے اسے کمرہ بند کردیا' بیٹے پر ممتا لوٹانے کو وقت اس کے پاس نہ تھا کہ اور شغل بہت تھے۔ شجاعت بارانی اپنے سپوت خاص کو ہر لحاظ سے برتر دیکھنا چاہتے تھے' پر جانے اخلاق جیسی صفت ان کے ترازو کے پلڑے میں کہاں آتی تھی۔

وقت رہتا نہیں ٹک کر......
اس کی عادت بھی آدمی سی ہے

وقت کا پہیہ بڑا ساہوکار بنا ایک شان بے نیازی

سے گھڑیال کی حرکات وسکنات زیست کی کتاب پر ملاحظہ کررہا تھا۔ شجاعت بارانی نے پیدائشی شہر کی نسبت لندن لے جانا خلیل احمد کو مناسب سمجھا تھا۔ خلیل احمد نے نہ صرف نصابی بلکہ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی معیار کی اولیت کے جھنڈے گاڑھے تھے۔ شجاعت بارانی کا لندن میں لیا گیا فلیٹ جلد ہی انواع واقسام کے انعام ٹرافیوں اوراسناد سے مزین ہوگیا تھا۔ خلیل احمد یہ کامیاں ادب کی سیڑھی پر نہیں بلکہ احساس تفاخر کے میناروں پر قدم دھرتے یہ سب کررہا تھا۔ کتابوں میں تحریر اسباق بس اس کے نزدیک محض اس کتاب کا ہی حصہ تھے۔ عملی زندگی گزارنے کے لیے سارے اس کے اپنے وضع کردہ اصول تھے پھر جیسے جیسے نوجوانی کے حسین دور میں اس نے قدم رکھا اس کی قرابت ربیکا جنیفر سے بڑھنے لگی۔ عشق شکاری کو کیسے اپنے دام میں پھانستا ہے؟ دل کش' دل آفریں لمس کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟ نیم عریاں لباس کی رعنائیں' پروائیاں' خوش گلو موسیقی کی دھن پر شہنائیاں دل نواز نغمے چھڑتی خونی رشتوں سے بے پروائیاں ابلیس ایسے مقام پراپنا دام نہ لگاتا تو پھر کہاں لگاتا۔ ایسے ہی تو عشق کو بدنام نہیں کہا گیا کہ جو کام شراب کردیتی ہے وہی تو عشق کرتا ہے۔ عشق کے پُرکیف مدار میں خلیل احمد میانہ روی سے مقید ہونے لگا تھا۔ اس عہد میں اس نے لمس کا ذائقہ چکھا تھا' اپنے حسن وجمال کی فتنہ گری سے بے خبر رہ کر جنیفر کے حسن کی رفعتوں کو محسوس کیا تھا' دل نے' جسم نے' روح نے' زبان سے.....حواس خمسہ میں پنہاں جنسی سکوں کی لذت سے شناسائی کی رمق تک دسترس پائی تھی۔

شجاعت بارانی سپوت کی کامیابیوں سے سرشار و مطمئن مزاج کی سخت مگر ذہین وفطین جولی کیٹس پر مرمٹا تھا۔ صبح شادی' شام طلاق وہاں ایک عام سی بات تھی' شجاعت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا وقتی وارفتگی نے اسے اپنا مذہب بھلا دیا تھا۔ راستے کی تمام راہوں سے متنفر کردیا تھا پھر بیٹا کیوں نہ باپ کے نقش قدم پر چلتا۔

بانسبت شجاعت بارانی کے خلیل احمد نے الٹ کیا تھا' عشق میں مجذوب ہوکر کیف آفرینوں کے لطف کشید کیے سو کیے مگر ربیکا کے مذہب تبدیل کرنے کی خواہش اور شادی پر خلیل احمد نے اسے اس کی اوقات یاد دلا دی تھی۔ کسی آوارہ بھنورے کی طرح ربیکا نے عشق کے دام خیال ڈھونڈنے میں ہاتھ پاؤں مارے تھے پھر وہاں تو ایسے لوگوں کی بہتات تھی یعنی فحش گناہ کی کثرت اور ربیکا اس قید میں مکمل محصور ہوچکی تھی پھر جو اس رب لم یزل کی پروا نہیں کرتا وہ بھی اس کی پروا نہیں کرتا جو انام اپنے نفس کے پنجرے میں خود کو قید کرلیتی ہے تو ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے کہ دیکھ نہیں سکتے۔ سماعت پر قفل لگ جاتے ہیں کہ سن نہیں سکتے' ایسے اندھے' بہرے نفس کی قید میں خوشی سے رہتے ہیں اور اسیری کو حاصل زیست گردانتے ہیں۔ عیش وعشرت کی دنیا میں خلیل احمد مگن ہی رہتا اگر جو وہ ہولناک خبر نہ پڑھ لیتا۔ لندن کے مشہور زمانہ اخبار میں شکست خوردہ دماغ' ٹوٹے ہوئے بازو سمیت وہ اس کے باپ کا دھڑ ہی تھا جو ایک بیش بہا کار کے دروازے سے نیچے انتہائی بے رحم حالت میں لٹکا ہوا تھا اور وہ جو اس کا پہلا' پرانا اور آخری عشق بن کر زندگی میں آئی تھی۔ مسخ شکل کے ہمراہ اپنی تمام تر عریانیوں سمیت مصروف شاہراہ پر اوندھی پڑی تھی۔

خلیل احمد کے مضبوط دل کو کچھ ہوا تھا اس نے غیر ارادی طور پر اخبار میں چسپاں اس تصویر کے تراشے کو پرزہ پرزہ کرڈالا تھا پھر اسے خیال آیا تھا کہ بس اب واپسی ضروری ہوگئی ہے' صنف نازک سے اس کا دل شدید متنفر ہوچکا تھا۔ بدن ایک سخت تنے کی مانند سوکھا درخت بنا تھا جس پر محبتوں کی چھال نہیں بلکہ نفرتوں کی جھریوں کا لباس اُگ آیا تھا جس کی ہر ہر شاخ پر شکست خوردہ کھوپڑی جیسی کٹی پھٹی شاخیں جھول رہی تھیں جہاں پر رہنے والے پرندے اسے بیاباں سمجھ کر کب کے کوچ کرچکے تھے' ہوائیں اس کی ترش روی

سے خار کھاتی کب کی جھک کر گزر گئی تھیں۔ کچھ موسموں کا اثر اس شجر کے اندر کھارے پانیوں کی طرح داخل ہوگیا تھا۔ جڑوں میں شگاف ازخود راستہ بنانے لگے تھے تو پھر جس کا دل چاہتا جہاں مرضی سے کاٹ کے لے جاتا جو بھی حصہ‘ جو بھی ٹکڑا...... رگوں میں سمائی آگ جل جل کر دھول کی آڑ میں سخت جاں بنی‘ کچھ بجھانے کی تگ ودو میں بخت کی دھجیاں قطرہ قطرہ ادھیڑ کر بھسم کررہی تھیں۔ جسم کسی ناگہانی دراڑ کے سبب شق ہوا تھا اور گہری چپ کا لبادہ اوڑھے کسی زندے کی صورت‘ سیلاب کی مانند‘ طوفان کی طرح چیخ اٹھا تھا۔ دھن‘ دھڑل‘ کھٹک‘ کھٹاک‘ چیخ پڑا تھا۔

☆☆......☆☆......☆☆......☆☆

کئی سال آ کے اتر گئے ہیں بدن کے سوکھے درخت پر
جہاں چھال چھال پر جھریوں کا لباس ہے
جہاں شاخ شاخ پر سندگی کی تھکن دکھائی دیتی ہے دور سے
جو پرندے رہتے تھے دل میں باقی نہیں رہے
یہ عجیب گھونسلا کب سے خالی ہے پیڑ پر
کبھی آ کے تیز ہوائیں سر کو جھکا گئیں
کبھی پانیوں نے جڑوں میں رخنے بنا دیئے
کبھی کوئی کاٹ کے لے گیا ہے کہیں کہیں سے وجود کو
کبھی کوئی توڑ کے رکھ گیا ہے کہیں کہیں سے وجود کو
کبھی کوئی رت کبھی کوئی رت
کبھی آئی رت‘ بہار کی تو سبھی جمود بہا گئی
کبھی آئی رات خزاؤں کی تو پلک جھپکنے میں
ریشہ ریشہ سما گئی
کبھی برف گرتی ہے رات بھر
کبھی آنسو بن کے برستی رہتی ہیں بارشیں
کبھی آگ بن کے برستی دھوپ جلا گئی
کبھی دھول بن کے ہوا نقوش مٹا گئی
کوئی کیا بتائے کہ کیسے گزرا ہے وقت راہی درخت پر
کوئی سخت جاں تھا
یا آپ گرتا رہا ہے اپنے ہی بخت پر

باپ کی ایسی ناگہانی‘ دل خراش موت خلیل احمد کو کچھ باور کروانا چاہ رہی تھی مگر کیا؟ اور اس کیا کے کھولنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ واپس پاکستان جاتے ہوئے ویزے کے معاملات حسن و ذہانت برتتے پر ہینڈل کرتے وہ آخر کو اپنے آبائی گھر آ پہنچا تھا‘ اس کی آمد پر خوشی سے لپکتی بہنوں اور مامتا کی مہک نے بھی اس کے اندر کوئی جذبہ راسخ نہ کیا تھا‘ یوں بھی وہ ان کو جانتا ہی کب تھا وہ سب تو اس کے لیے اجنبی تھے شاید مانوس اجنبی۔ اس سے وابستہ لوگوں کا کوئی لمحہ اس کو یاد کیے بغیر نہ گزرا تھا اور اس نے...... اس نے تو انہیں کبھی یاد ہی نہ کیا تھا۔ یاد کرنا ضروری بھی کب تھا‘ زندگی ایک نئی ڈگر پر محوسفر ہوئی تھی اور خلیل احمد اس کا بھٹکا مسافر تھا‘ صحیح راستے کا متلاشی‘ ایک آزاد فضا کا آزاد باشندہ۔

تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گیا ہوں لب سڑک
یہیں یہیں کسی یاد میں
تو یہیں کہیں کسی بھول ہی میں تو تھا بہت ہی چھپا ہوا
جو شبیہ بن کے
چمک سی جاتی تھی راہ میں
میں بڑھا تو کوئی کھڑا ہوا سر رہ گزار نہیں ملا
میں پلٹ پڑا
اپنے آپ کو نوچتا
کوئی اختیار نہیں ملا

بھوک‘ جنس‘ خوف‘ فحاشی‘ بھیک‘ نفس کیا کچھ نہ تھا جو وہ لندن کے لب دریا چھوڑ آیا تھا لیکن ابھی بھی بدن جبر کیے زمیں پر اپنے آنے کا مقصد پوچھ رہا تھا۔ سوال منہ کھولے‘ اداس‘ ملول کھڑا تھا۔ جواب چپ ریگستان میں لب دھرے پڑا تھا‘ کھوج کے اس اجنبی سفر پر کوئی دل کو دل سے ڈھونڈتا آ ملا تھا سر راہ خیال کی انتہا تک پہنچ کر...... وضاحتوں‘ فصاحتوں‘ بلاغتوں کا اختتام ہوا تھا۔ ایک کڑوی حقیقت آگہی کے پٹ چاک کیے سر اضطراب سے سرچشم آموجود ہوئی تھی۔

’’میری ماں بہت غریب عورت تھی مگر جتنی وہ

قریب تھی اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ عیاش میرا باپ تھا۔ وہ ہوٹلوں میں بہرا گری جب کرتی تو مجھے کمسن کو بھی کسی کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بٹھا جاتی۔ جس کی بھی مجھ پر نگاہ پڑتی غفلت نہ برت پاتا' کوئی کچھ دیر بانہوں میں لے کر چھوڑ دیتا' کوئی ہاتھوں' پاؤں تو کوئی پیشانی پر میری' اپنے ہونٹوں کی مہر ثبت کردیتا۔ شروع شروع میں تو بہت عجیب لگا کہ جانے یہ کتنے عجیب سے لوگ ہیں' ماں شام ڈھلے تک اپنے فرائض سرانجام دیتی اور میں ان عجیب لوگوں کی طرواٹ کا سبب' جو نفس کی لذت ممنوعہ سے آشنا تھے۔ آتے جاتے گاہے بگاہے ماں مجھ پر بھی نگرانوں کی طرح نگاہ دوڑا لیتی' میرا دل چاہتا' میں بھی ان عجیب لوگوں کی طرح خوب صورت دیدہ زیب لباس زیب تن کروں۔ دل کو کھینچ لینے والی مسحور کن خوشبوئیں لگاؤں' طرح طرح کے کھانے کھاؤں پر میں تو صرف ان کی مہک محسوس کرسکتی تھی۔ میں نے ابھی بلوغت کی حد کو چھویا ہی تھا کہ ایک خوبرو طرح دار بڑی عمر کے آدمی نے مجھے بڑی آفر پیش کی۔ پہلی پہلی بار تھا تاں' ماں کو بتادیا۔

ماں نے جب سنا' بجائے اس کے مری راہنمائی کرتی' مجھے اتنا پیٹا کہ سرکشی کے جذبے نے نڈر ہوکر سر اٹھالیا' کہیں اندر ہی اندر اس نے مجھے اب تالا لگے فلیٹ پر چھوڑ کر آنا شروع کردیا پھر وہ آدمی جانے کیسے مجھ تک پہنچ گیا بلاشبہ وہ مری آنکھوں کے پیغام کو سمجھ چکا تھا جو راضی برضا اس کے ساتھ جانے کو مستعد تھیں پھر لاشعوری طور پر خواہشات کے مضبوط دائرے نے مجھے اپنے اندر محصور کرلیا۔ ماں کو میں نے چھوڑ دیا' عشق اور حسن نے مجھے اپنے دیوانہ بنالیا پھر اس شخص نے مجھے زندہ نفس کے زنداں میں قید کرلیا پھر وہ جانے ایک شب ایسی لمبی نیند سویا کہ پھر نہ جاگا۔ اس کے ہاں کام کرنے والی ملازمہ مسلمان تھی وہ مجھے پاکستان لے آئی' ایک آزاد ملک میں میں ابھی بھی گرفتار ہوں۔ باہر درندے ہیں اور اندر وہ مجھ سے میرے جنسی تقدس کی قیمت طلب کرتی ہے جو پہلے غیرارادی طور پر بکتا تھا اور اب ارادی طور پر سرنگوں ہے' جانتے ہو ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ میں آزاد زمیں پر آزاد ملک کے لباس کو آزاد خواہشات کی خاطر سرِعام نیلام کرچکی ہوں۔ میری توبہ اب قبول نہیں ہوتی۔"

ساحرہ گریہ زاری کرتی اپنی داستان سناتی خلیل احمد کے قدموں میں رونے لگی تھی۔ اس وقت خلیل احمد کو بھی لگا تھا کہ وہ خونی رشتوں سے دور بس اپنی ناشکری' درشتی کے سبب خواہشات کے زنداں میں محبوس ہے۔ اس کی بھی اب توبہ قبول نہیں ہوتی۔ آزاد فضا کے دونوں قیدی پنچھی اب باغ میں ایک ہی دھن پر محورقص تھے (دونوں کی داستانِ حیات ایک تھی' مرض نفس ایک تھا سو دونوں نے ایک دوجے کو سنا تھا محویت کے ساتھ)

لا' نے مجھے دے
ور کوئی دلنواز نغمہ چھیڑ
کہ نغمہ بردباروں کے لیے سکون بخش ہے
اور نے کی فریاد' قوی اور ضعیف سے
زیادہ ثبات رکھتی ہے

(دونوں کو محورقص جھومتے دیکھ کر "آزادی" مسکرا کر چلی گئی تھی)

❁

حصہ 7

نادیہ احمد

گزشتہ قسط کا خلاصہ

مسٹر اینڈ مسز انصاری بظاہر ایک آئیڈیل، خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انصاری ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے آبائی شہر منتقل ہوجاتے ہیں جہاں سالوں کی تگ ودو کے بعد وہ ایک خیراتی ہسپتال احسن طریقے سے چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس کام میں ان کی بیوی ڈاکٹر نور انصاری ان کی معاونت کررہی ہوتی ہیں۔ مسٹر اینڈ مسز انصاری کے دونوں بچے سمیر اور فریحہ بھی اپنی چھٹیوں میں ان کے پاس رہنے آجاتے ہیں۔ سمیر اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پہ فائز ہوتا ہے جبکہ فریحہ ایک ڈاکٹر ہوتی ہے جو اسلام آباد سے حال ہی میں اپنی ہاؤس جاب مکمل کرکے آتی ہے اور دوبارہ اسلام آباد کے ہی ایک بہت بڑے ہسپتال میں اپنی ملازمت جاری رکھنے کی خواہش رکھتی ہے لیکن ڈاکٹر نور اسے چند دن اپنے ہسپتال میں ان کی مدد کرنے پہ بخوشی راضی کرلیتی ہیں۔ علینہ ایک کم گو، الجھی ہوئی اور معاشرتی مسائل کا شکار لڑکی ہوتی ہے۔ وہ مقامی کالج میں زیر تعلیم ہوتی ہے اور امتحانات کے آخری دن مونس کے ساتھ ہونے والے مڈبھیڑ کے بعد مونس کو ایک تھپڑ رسید کردیتی ہے لیکن حواس باختہ ہوکر کالج کی عمارت سے نکلتے ہوئے وہ اچانک سمیر کی گاڑی سے ٹکرا جاتی ہے جس پر سمیر وقت پر بریک لگا کر اس کو زخمی ہونے سے بچالیتا ہے۔ علینہ بے ہوش ہوجاتی ہے اور سمیر اسے زینب وقار ہسپتال اپنی والدہ کے پاس لے آتا ہے۔ علینہ کو جلد ہسپتال سے ڈسچارج کردیا جاتا ہے۔ مونس غصے میں بپھرا پہلے اپنے دوستوں کو باتیں سناتا ہے اور پھر اپنی والدہ رخشندہ سے علینہ کی شکایت کرتا ہے جو اپنے لاڈلے بیٹے سے بھی دو ہاتھ آگے ہوتی ہیں۔ خاور علینہ سے ملنے آتا ہے پر وہ اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ شاکرہ اس کی شکایت اس کی ماں سے کرتی ہے پر علینہ کا انداز ہمیشہ کی طرح لاتعلق اور احساسِ کمتری کا مارا ہوا ہوتا ہے۔ شہباز سفینہ کو بے دردی سے مارتا ہے۔ بازو ٹوٹنے کی وجہ سے فاطمہ چاروناچار اسے ہسپتال لے آتی ہے جہاں ڈاکٹر کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ نہیں ہوا بلکہ اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر کے سوالوں کا گول مول جواب دے کر وہ گھر چلی آتی ہے پر فاطمہ دل ہی دل میں ماں کی بے جا خاموشی پہ شکوہ کناں رہتی ہے۔ شہباز گھر اور بیوی سے لاپروا جوا کھیلنے چلا جاتا ہے جہاں اس کا اوباش دوست عارف اسے ادھار دیتا ہے۔ ڈاکٹر فریحہ تشدد کا شکار عورت کی بے بسی اور لاچاری پہ جہاں درد محسوس کرتی ہے وہیں اسے اس عورت کی خاموشی پہ کوفت بھی ہوتی ہے۔ سمیر اور اس کے درمیان اس موضوع پہ ہونے والی بحث ڈاکٹر نور کو انتہائی اپ سیٹ کردیتی ہے اور پریشانی کے سائے ڈاکٹر انصاری کے چہرے پہ بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ سمیر اتفاقاً ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن کر الجھ جاتا ہے۔ اسے یقین ہونے لگتا ہے کہ اس کے والدین کے درمیان کشیدگی ان کے ماضی کے کسی راز سے وابستہ ہے۔ علینہ کو لے کر عامر اپنی بیوی کو بے نقط سناتا ہے۔ دونوں کے درمیان دھماکے دار جھگڑا ہوتا ہے جس میں عامر اسے حال اور ماضی کے طعنے دیتا ہے پر وہ خاموشی سے سن کر صبر کرتی ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتی ایک بار پھر اس کا گھر ٹوٹے اور اس کی اولاد کو خمیازہ بھگتنا پڑے۔ سمیر اور کشمالہ کے درمیان ملاقاتوں کے سلسلے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دونوں کی سالوں پرانی دوستی ایک نئے رشتے کی طرف قدم بڑھا رہی ہے یا ایسا

صرف کشمالہ سمجھتی ہے۔ علینہ کی سہیلیاں اسے مونس کے حوالے سے ڈراتی ہیں۔ وہ اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا ہوجاتی ہے کہ کہیں واقعی مونس اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے لیکن وہ خاور سے بھی مدد لینا نہیں چاہتی۔ اندھیرے میں چھت کی طرف جاتے گھر کا داخلی دروازہ کھلا پا کر وہ ٹھٹھک جاتی ہے۔ دروازے میں کھڑے سائے کو دیکھ کر علینہ بے اختیار چیخ مارتی ہے پر اچانک سایہ آگے بڑھ کر مضبوطی سے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے جس سے علینہ کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر زبیر اپنی طرف سے سفینہ کو خود پہ ہوتے ظلم سہنے سے باز رکھتا ہے پر سفینہ کی عزت نفس کو نہ تو ڈاکٹر کی کاؤنسلنگ جگا پاتی نہ ہی فاطمہ کا شکوہ۔ آسیہ کی بیماری اور آپریشن کی خبر جہاں شاکرہ کو پریشان کرتی ہے وہیں علینہ کی ناراضی میں دراڑ ڈالتی ہے۔ وہ بے چین ہوجاتی ہے پر دوہا نہیں جانا چاہتی اور شاکرہ اسے اکیلے گھر میں چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتیں ایسے میں فریحہ کی خواہش پر اور بیگم انصاری کی ذمہ داری پہ وہ علینہ کو انصاری ہاؤس چھوڑ کر دوہا چلی جاتی ہے۔ علینہ کو انصاری ہاؤس میں بہت محبت سے رکھا جاتا ہے۔ شہباز ایک بار پھر مار پیٹ کر سفینہ سے فاطمہ کی داخلہ فیس کے پیسے لے کر نو دو گیارہ ہوجاتا ہے۔ فاطمہ گھبرا کر زخمی ماں کی مدد کے لیے زبیر کو بلا لاتی ہے۔ خاور کو آسیہ کی بیماری کا پتا چلتا ہے تو دکھ اور پچھتاوا اسے آگھیرتا ہے۔ سمیر لاہور سے واپس آتا ہے جب راستے میں اس کی گفتگو کشمالہ سے ہوتی ہے۔ علینہ خواب میں بری طرح ڈر کر چیخ مارتی ہے' گھر کے تمام افراد بھاگ کر اس کے کمرے تک پہنچتے ہیں جہاں سمیر گن تھامے پہلے سے موجود ہوتا ہے' چند پل کو وہ شک کے دائرے میں آتا ہے مگر اندر جا کر ساری بات کھل جاتی ہے' سمیر شدید سیخ پا اس ذلت پہ کڑھتا ہے۔ دفتر میں سمیر کا پہلا دن اور مصروف زندگی کا آغاز ہوتا ہے' کشمالہ کی ذومعنی گفتگو اور سمیر کا محتاط رویہ۔ آسیہ اپنی والدہ کو علینہ کی ذہنی کیفیت کے متعلق بتاتی ہے۔ عامر کا نازیبا رویہ اور علینہ کی مشکلات کا سن کر شاکرہ بری طرح پریشان ہوجاتی ہیں اور فیصلہ کرتی ہیں جلد از جلد پاکستان واپس جا کر علینہ کی شادی کردیں گیں۔ فریحہ فارس کی وجہ سے اندر ہی اندر گھل رہی ہوتی ہے تو دوسری طرف فارس بھی پریشان ہوتا ہے پر دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ڈٹے رہتے ہیں۔ فاطمہ کے آخری امتحان والے دن ڈاکٹر زبیر اس سے ملنے آتا ہے' اس کا انداز سرسری پر فکرمندانہ ہوتا ہے۔ فاطمہ کو زبیر کی فطرت' سیرت اور سوچ متاثر کرتی ہے وہ اس کے لیے عقیدت کا جذبہ رکھتی ہے۔ شہباز کا دوست عارف اپنی مکارانہ فطرت کا استعمال کرتے شہباز کو جوئے اور قرض میں بری طرح جکڑ چکا ہوتا ہے اور جوئے کی آخری بازی کھیلتے شہباز اپنی ہی بیٹی کو جوئے میں ہار دیتا ہے۔ عارف سے نکاح کی خبر سن کر فاطمہ سن رہ جاتی ہے جبکہ سفینہ جیتے جی مر جاتی ہے۔ حالات کی ماری سفینہ بیٹی کی عزت بچانے کی خاطر مجبور ہوکر ڈاکٹر زبیر سے مدد مانگتی ہے۔ زبیر سے فاطمہ کے نکاح کے بعد وہ راتوں رات اسے لے کر اپنے گھر چلا جاتا ہے پیچھے سے شہباز سفینہ کو بہت بری طرح مارتا ہے۔ علینہ بغیر بتائے انصاری ہاؤس سے اپنے گھر کی طرف نکل جاتی ہے۔ مطلوبہ چیزیں لے کر واپس آتے ہوئے راستے میں اس کا سامنا مونس سے ہوتا ہے۔ سمیر بروقت پہنچ کر علینہ کو سمیر سے بچاتا ہے۔ مونس کو پولیس کے حوالے کرکے وہ علینہ کو خوب سناتا ہے مگر اپنی والدہ سے کچھ نہیں کہتا۔ علینہ کچھ پریشان اور شرمندہ ہوتی ہے جب سمیر اس سے مونس کے متعلق بات چیت کرتا ہے۔ وہ اسے ماضی کے متعلق بتاتی ہے سمیر اسے سمجھاتا ہے کہ اب اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

(اب آگے پڑھیئے)

☆......☆......☆

خواب ٹوٹ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی
ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
دوست دار لہجوں میں
سلوٹیں سی پڑتی ہیں

اک ذرا سی رنجش سے
شک کی زرد ٹہنی پہ
پھول بدگمانی کے
اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے پیارے بھی
اجنبی سے لگتے ہیں
غیر بن کے ملتے ہیں
عمر بھر کی چاہت کو
آسرا نہیں ملتا
خاموشی کے وقفوں میں
بات ٹوٹ جاتی ہے
اور سرا نہیں ملتا
معذرت کے لفظوں کو
روشنی نہیں ملتی
لذت پذیرائی پھر کبھی نہیں ملتی
پھول رنگ وعدوں کی
منزلیں سکڑتی ہیں
راہ مڑنے لگتی ہے
خاک اڑنے لگتی ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
اِک ذرا سی رنجش سے
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں

دھڑکتے دل' کانپتے وجود اور خشک لبوں کے ساتھ چہرے پہ بے پناہ حیرت لیے وہ ایک ٹک زبیر کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس کا ہاتھ تھامے اس محل نما کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔ بیش قیمت سامان سے سجے وسیع ہال میں کھڑے ہو کر اس نے ایک نظر اپنے معمولی حلیے پر ڈالی' تیل میں چپڑے بال' گھسا ہوا معمولی بے رنگ جوڑا جو اس کی معمولی حیثیت کی چغلی کھا رہا ہوتا ہے اور پھر بے یقین نظروں سے زبیر کی سمت دیکھتی ہے۔ نکھرا اور بے شکن لباس' تازہ شیو اور پاس سے اٹھتی بھینی سی کلون کی مہک۔ اس طویل سفر کے بعد بھی وہ کتنا تروتازہ لگ رہا تھا۔ وہ اب بھی ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور سنجیدہ تھا پر فاطمہ کے لیے نہایت تکلیف دہ مرحلہ ثابت ہو رہا تھا۔ وہ ایک شاک سے نکل کر دوسرے شاک کا سامنا کر رہی تھی۔ عام حالات میں تو کوئی اسے اس گھر میں ملازمہ بھی نہ رکھتا کہاں سفینہ کی منت سماجت پہ زبیر اسے گھر میں بیوی بنا کر لے آیا تھا اور اب یقیناً اس گھر کے مکین واویلا مچا کر اسے باہر کا راستہ دکھائیں گے۔

''شکر ہے تم پہنچ گئے زبیر۔'' فاطمہ اپنی ہی سوچوں میں گم ڈوبتے دل کے ساتھ اس بے جوڑ شادی کے خوفناک انجام کا سوچ رہی تھی کہ ایک نسوانی متفکر آواز پہ چونک کر اس نے آواز کے منبع کی سمت دیکھا۔ وہ ایک دوہرے وجود کی شاندار لباس اور قیمتی زیور سے سجی قبول صورت پینتیس چالیس سالہ خاتون تھیں۔ چہرے سے شدید پریشانی جھلک رہی تھی۔ زبیر نے یک دم فاطمہ کا ہاتھ چھوڑا اور چند قدم آگے بڑھا جبکہ وہ تیز قدموں سے چلتیں اس سے لپٹ کر رونے لگیں۔

''آپا آپ اور یہاں وہ بھی اس وقت۔ سب خیریت تو ہے ناں آپ رو کیوں رہی ہیں۔'' وہ اب پہلے سا پُرسکون نہیں تھا بلکہ اس کی آواز اور چہرے پہ واضح پریشانی لکھی تھی۔ پیچھے فاطمہ ہونقوں کی طرح کھڑی ان دونوں کو دیکھے گئی۔ زبیر کی پشت تھی پر وہ خاتون جسے وہ آپا کہہ رہا تھا نے بھی فاطمہ پہ توجہ نہ دی۔ اس کی سسکیاں فاطمہ کے کانوں تک اب بھی پہنچ رہی تھیں۔

''بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں زبیر...... انہیں اسپتال لے گئے ہیں۔'' سسکیاں بھرتے وہ بمشکل بولیں اور پھر زارو قطار رونے لگیں۔ زبیر ان کا سر سہلاتا رہا۔

''حد کرتے ہیں آپ لوگ' مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ کچھ برہم ہوا لیکن آواز دھیمی و متفکر تھی۔ ان کو دھیرے سے خود سے الگ کرتا وہ اب ان کی سنگت میں آگے بڑھ رہا تھا جبکہ فاطمہ کسی غیر ضروری اور اضافی سامان کی طرح اب تک وہیں کھڑی تھی۔

''بابا نے منع کیا تھا تمہیں بتانے سے' کہہ رہے تھے تم

سفر میں ہو گے تمہیں پریشان نہ کریں۔" بھرائی ہوئی آواز میں چلتے ہوئے انہوں نے زبیر کو بتایا۔

"اور آپ کب پہنچیں؟" دور جاتے زبیر کا یہ آخری جملہ فاطمہ نے سنا۔ اب وہ کمرے میں تنہا تھی۔ اپنا گھر، اپنا شہر چھوڑتے ہوئے ماں اور بھائی کی پریشانی سینے کا بوجھ تھی تو اب اس پل آنے والے وقت کے اندیشے ناگ بن کر ڈرا رہے تھے۔ زندگی میں جانے ابھی اور کتنے امتحان باقی تھے۔ ایک طوفان تھا نہیں تھا کہ دوسرا سر اٹھا رہا تھا۔ اس میں پہلے سے نبٹنے کی طاقت نہ تھی دوسرے کو جھیلنے کا حوصلہ کہاں سے لائے گی۔ لاتعداد منفی سوچوں سے دماغ کی چولیں ہل رہی تھیں۔ اتنا تو اسے اندازہ تھا کہ زبیر اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ فقط ایک سرکاری اسپتال کا ڈاکٹر ہو کر کسی عام سے خاندان کا فرد ہوتا پھر بھی فاطمہ اور اس کی حیثیت میں بہت فرق تھا لیکن یہاں پہنچ کر تو اسے یہ فرق آسمان سے زمین کا لگ رہا تھا۔ وہ جو پہلے ہی خود کو اس کے قابل نہیں سمجھ رہی تھی اس کا احساسِ محرومی اس پل شدید تر ہو گیا تھا۔ پریشانی، بے خوابی، بھوک پیاس اور اب یہ شاک، اسے بری طرح چکر آیا کہ اس نے خود کو گرنے سے بچانے کی خاطر قریبی صوفے کی پشت کو تھاما۔ ہمت تو پیچھے چھوڑ آئی تھی اب کہاں سے لائے ہمت وہ ان حالات کا سامنا کرنے کی۔ اس کا دل چاہا وہ اس پل اتنا شدید اور پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ اس کا ہر غم، پریشانی، محرومی اور دکھ آنسوؤں کے اس سیلاب میں بہہ جائے۔

☆......☆......☆

ٹیپو نے خوف سے تھر تھر کانپتے ماں کے خون میں لتھڑے بے جان وجود کو دیکھا۔ خوف سے اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ اِس پل اس میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ ہاتھ لگا کر ماں کی نبض ہی ٹٹول لیتا اور تو اور کسی ہمسائے کو مدد کے لیے بلا لاتا۔ اس کا چڑیا سا دل خوف کے زیر اثر بند ہونے لگا تھا۔ سفینہ کا بے جان وجود کمرے کے فرش پہ پڑا تھا جبکہ ٹیپو خود دیوار کا سہارا لیے پیروں کے بل بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے اس نے ڈر کے مارے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپالیا۔ شہباز کا ہاتھ روکنے کی ہمت نہ تھی تو ماں کا خون صاف کرنے کا حوصلہ کہاں سے لاتا۔ خون میں لت پت بے جان سفینہ کو چھوڑ کر شہباز فاطمہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ اسے اندر ہی اندر یہ خوف پریشان کر رہا تھا کہ اگر اس بات کی بھنک بھی عارف کو پڑ گئی کہ فاطمہ گھر سے جا چکی ہے تو وہ یقیناً شہباز کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس نے تو بیٹی کے عوض اپنی جان کی خلاصی چاہی تھی پر یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی۔ سفینہ نے اسی کے آخری مہرے سے اسے مات دے ڈالی تھی وہ غصے سے کیوں نہ بلبلاتا۔ اسے اس وقت جوان بیٹی کا خیال تھا نہ ہی چھوٹے بیٹے کا، وہ تو بیوی کو بھی جس بے دردی سے مار کر آیا تھا ایک بار بھی اسے خیال نہ آیا کہ وہ زندہ بھی ہو گی یا نہیں۔ لیکن نہیں وہ جانتا تھا سفینہ بڑی ڈھیٹ مٹی سے بنی تھی اسی لیے تو اتنے سالوں سے اتنی مار کھا کر بھی آج تک اس کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ اسے یقین تھا سفینہ نے فاطمہ کو یہیں کہیں کسی کے پاس چھپا رکھا ہے۔ وہ اس کی حیثیت اور طاقت سے واقف تھا۔ بھلا ایسا کون سا سخی مل گیا جو خالی ہاتھ لڑکی بیاہ کر لے گیا۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ وہ ڈاکٹر زبیر کو کسی بھی حوالے سے نہیں جانتا تھا۔ بیوی کے علاج کو چھوڑا اسے تو سرے سے بیوی میں ہی دلچسپی نہیں تھی۔ سفینہ نے بھی اس کے سامنے کبھی ذکر نہ کیا تھا۔ ویسے بھی ان کی کون سی میاں بیوی والی بات ہوتی تھی۔ گھر کو سرائے سمجھ کر آتا، کھا پی کر سو جاتا۔ جب آنکھ کھلتی گھر سے نکل جاتا۔ ہاں جب پیسے چاہیے ہوتے تو سفینہ کی جان کو آ جاتا۔

تھک ہار کر وہ شام ڈھلے گھر لوٹا۔ پورا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ باہر کا دروازہ یونہی کھلا تھا جیسے وہ صبح چھوڑ کر گیا تھا۔ اندر آیا تو خاموشی اور اندھیرا پا کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ایک پل کو اسے لگا شاید سفینہ بھی ٹیپو کو لے کر چلی گئی ہے۔ صحن کی بتی جلا کر وہ عادتاً ٹھوکر سے کمرے کا دروازہ کھولتا اندر داخل ہوا اور ٹھٹک کر رک گیا۔ کمرے میں نامانوس سی بو کے ساتھ اندھیرے میں ٹیپو کی دھیمی سسکیاں مسلسل اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ بٹن دبا کر بلب جلایا تو روشنی نے ہر

بھید سے پردہ اٹھا دیا۔ سفینہ کی لاش کمرے میں اسی جگہ پڑی تھی جہاں صبح وہ اسے مار پیٹ کر پھینک گیا تھا۔ سامنے دیوار سے لگے ٹیپو کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا۔ آنسوؤں کی لکیروں سے بننے والے نقش و نگار عجیب وحشیانہ منظر پیش کررہے تھے۔ وہ ایک ٹک سفینہ کے بے جان وجود کو تکتا رہا۔ پاس آ کر اس کی نبض ٹٹول کر موت کی تصدیق کرتے ہوئے خود اس کا اپنا حلق سوکھ گیا تھا۔ وہ جو پہلے ہی عارف کی طرف سے پریشان ہورہا تھا اب سفینہ کے قتل کے الزام کا سوچ کر اس کی روح فنا ہوگئی تھی۔

''سالی کم ذات' مرتے مرتے مجھے بھی مار گئی۔ مرنا تو مقدر میں تھا اس کے' جانے بیٹی کو کہاں بھگا دیا کمینی نے۔'' اپنا سر دونوں ہاتھوں سے پیٹتے وہ بے بسی سے غرایا۔ ٹیپو کی تو جان ہی نکل گئی۔

''وہ بدماش عارف تو میرے ٹکڑے کرڈالے گا۔ اس سے پہلے کہ اسے کچھ خبر ہو میں نکل لوں یہاں سے۔ پولیس سے بچ گیا تو عارف نہیں چھوڑے گا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازے کی طرف لپکا۔ آج کا پورا دن خاموشی سے نکل گیا تھا۔ اگر کسی کو فاطمہ کے چلے جانے کی ہوا نہیں لگی تھی تو سفینہ کی موت کی اطلاع بھی ابھی اس چار دیواری تک ہی تھی لیکن یہ بات زیادہ عرصہ چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ صبح یہ بھید بھی کھل جائے گا کہ اس گھر میں کیا قیامت آ گئی ہے۔ ابھی وقت تھا اس کے پاس فرار کا ورنہ دو جگہ سے دھر لیا جاتا۔ سفینہ سے بدسلوکی کا تو پورا محلہ گواہ تھا۔ سب ہی مان لیتے اسے شہباز نے مارا ہے اور پھر خود اس کا اپنا بیٹا اس واقعے کا چشم دید گواہ تھا۔ بھلا اسے سزا سے کون بچا سکتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنی دو چار چیزیں بیگ میں ڈالیں اور باہر کی طرف لپکا مگر کچھ سوچ کر پلٹ آیا۔

''یہ تو میرے بڑھاپے کا آسرا ہے اسے یہاں کیوں چھوڑ کر جاؤں۔'' کمرے میں آ کر اس نے ٹیپو کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹا۔

''ابا امی بچاؤ۔'' ٹیپو درد سے تڑپتا چیخنے لگا اور صبح سے یہ پہلی بار تھا کہ اس کی زبان سے کوئی لفظ نکلا تھا۔

''مر گئی تیری امی اور وہ جو تیری بھگوڑی بہن ہے تجھے لینے لازمی واپس آئے گی۔ تیرے ذریعے ہی تو اس حرافہ کو پکڑوں گا۔'' وہ ماں کو مدد کے لیے پکارتا رہا۔ شہباز نے بالوں سے پکڑ کر دو لگائیں تو اس کی گھگی بندھ گئی۔ اسے کھینچتا ہوا وہ اپنے ساتھ لے گیا ایک ایسی منزل کی جانب جس کے بارے میں اس وقت وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

زبیر گھر واپس آتے ہی الٹے پیروں اسپتال نکل گیا تھا جہاں اس کے والد کو ایڈمٹ کیا گیا تھا۔ رات کی سیاہ دھاری صبح کی سفید دھاری سے الگ ہورہی تھی جب فاطمہ نے اسے بناء کچھ کہے گھر سے نکلتے دیکھا۔ وہ اب ہال کے وسط کی بجائے کونے میں جا بیٹھی تھی۔ اس دوران کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ بچے سب سو رہے تھے اور زبیر کی بہنیں کمرے سے ہی نہیں نکلیں۔ ملازم بھی اس وقت کوئی نہ تھا اور ہوتا بھی تو اسے بھی اپنے جیسی سمجھتا۔ اپنی سیاہ چادر کی بکل مارے وہ ڈری سہمی اجنبیوں کی طرح اس در و دیوار کو تکتی رہی۔ قریب دو گھنٹے بعد زبیر کی واپسی ہوئی۔ اس وقت تک سورج نکل آیا تھا۔ سچ کی طرح روشن اور چمکدار صبح طلوع ہوچکی تھی۔ تھکے تھکے قدموں سے چلتا وہ ہال میں داخل ہوا۔ کونے میں دبکی سر جھکائے بیٹھی فاطمہ کو دیکھ کر وہ بری طرح چونکا اور پھر سر پہ ہاتھ مارتا تیز قدموں سے اس کے قریب پہنچا۔

''آئی ایم سوسوری فاطمہ اپنی پریشانی میں تمہیں بالکل بھول ہی گیا تھا میں۔'' اسے پاس پا کر وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ زبیر نے اس کا ہاتھ تھامتے تاسف سے کہا۔ اس کی آواز میں وہ ہمیشہ والی کھنک اور بشاشت نہ تھی۔ وہ خاصا ڈپریس لگ رہا تھا۔

''آپ کے بابا کیسے ہیں؟'' وہ اس کی پریشانی سے واقف تھی۔ انسان ہونے کی پہلی نشانی یہی تو ہے کہ اپنے غم میں گھلتا وہ دوسرے کے درد کو بھی محسوس کرے۔ اس کے مسائل شدید نوعیت کے تھے پر وہ جو اس کے مسئلوں کا حل بن کر اس کی زندگی میں آیا تھا پریشانی اس کی بھی کم نہ تھی۔

فاطمہ کو اندازہ تھا زبیر کے لیے اپنے والد کی کیا اہمیت ہے۔ اسے انہوں نے بن ماں کے پالا تھا اور وہ ان سے بہت زیادہ انسیت رکھتا تھا ایسے میں ان کی طبیعت خراب ہونے کا سن کر اسے کچھ ایسا ہی ردِعمل کا اظہار کرنا تھا۔

"پتا نہیں، ابھی تو انڈر آبزرویشن ہیں۔ رپورٹس آنے تک کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ تم دعا کرو۔" فاطمہ نے سر ہلایا۔ وہ بہت ضبط سے بیٹھی تھی۔ اس کی دعاؤں میں اثر ہوتا تو وہ آج ایسے اپنے محور سے بچھڑ کر نہ بیٹھی ہوتی۔ ماں اور بھائی کی پریشانی میں گھلنے کی بجائے ان کے ساتھ ہوتی۔ دل ڈھیروں تاسف میں گھرا تھا پر اس نے خود پہ قابو پاتے زبیر کو تسلی دی۔

"تم اس وقت سے یہاں بیٹھی ہو میں جلدی میں نکل گیا تھا۔ اٹھو تم کمرے میں چل کر کچھ دیر آرام کرلو میں آپا سے مل کر انہیں بابا کی طبیعت کے متعلق بتادوں۔" وہ فاطمہ کو اپنے کمرے میں لے آیا۔ اس نے ناشتے کا پوچھا لیکن فاطمہ کی بھوک تو کل رات سے ہی غائب تھی۔ زبیر خود اتنا تھکا ہوا تھا اس نے بھی زیادہ زور نہیں دیا۔ اسے فریش ہو کر سونے کی تاکید کرتا وہ جلد ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ درد سے پورا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ سر درد سے پھٹا جارہا تھا ایسے میں چہرے پہ ٹھنڈے پانی کے چند چھینٹے مارنے سے جلتی آنکھوں کو سکون ملا تھا۔ بستر پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹی تو نیند نے آلیا جو غالباً تختہ دار پہ بھی آجاتی ہے۔

☆......☆......☆

دروازے پہ ہونے والی دھیمی سی دستک پہ وہ گھبرا کر اٹھی۔ زبیر ہولے سے دروازہ کھولتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ فاطمہ نے پاس پڑی چادر تیزی سے اٹھائی اور اپنے گرد لپیٹ لی۔ اس پہ ایک نگاہ ڈال کر دھیما سا مسکراتا زبیر بیڈ کے دوسری جانب ریلیکس سے انداز میں آبیٹھا۔ فاطمہ کچھ اور سمٹ گئی۔ فاطمہ نے انگلیاں مروڑتے کمرے کے چاروں طرف دیکھا اور پھر نگاہ سامنے لگے وال کلاک پہ جا ٹھہری۔

"سات بج گئے۔" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ اسے یاد تھا جب وہ صبح سوئی اس وقت بھی سات بج رہے تھے۔

"یہ گھڑی۔" فاطمہ نے زبیر کی طرف دیکھا۔ بڑھی ہوئی شیو بے تحاشہ تھکاوٹ اور بے خوابی۔ فاطمہ نے اسے کبھی اس حلیے میں نہیں دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" زبیر نے مسکراتے ہوئے اس کا جملہ مکمل کیا۔

"میں پورا دن سوتی رہی۔" وہ بے یقینی سے کہتی کچھ شرمندہ ہوئی۔ اسے زبیر کے حوالے سے بھی شرمندگی ہوئی۔ وہ اگر اب دستک دے کر اندر آیا تھا تو اس کا مطلب اس نے تو سارا دن آرام ہی نہیں کیا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ سونے سے طبیعت بحال ہوگئی ہوگی۔ میں شاور لے لوں پھر تم بھی نہا دھو کر کپڑے بدل لو۔ باہر آجاؤ کھانا سب کے ساتھ کھاتے ہیں۔" بستر سے سستی سے اٹھتے وہ اب باتھ روم کی طرف جارہا تھا۔

"باہر سب مطلب......" فاطمہ کو ایک نئی پریشانی نے آگھیرا۔

"میری تینوں بہنیں اور ان کے بچے ہیں۔" یہ وہ لمحہ تھا جس کا سامنا کرنے کی ہمت وہ کل سے خود میں جمع کررہی تھی پر کس کس بات کے لیے ہمت اکٹھا کرتی۔

"اور آپ کے بابا؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"وہ الحمدللہ ٹھیک ہیں۔ کل صبح گھر آجائیں گے ان شاء اللہ۔" زبیر مطمئن سا کہتا باتھ روم میں چلا گیا جبکہ فاطمہ کے سینے پہ بوجھ آدھرا تھا۔ پتا نہیں کس انداز میں وہ لوگ اس شادی پہ اپنا ردِعمل ظاہر کریں گے۔ ان سب کا فاطمہ سے مل کر اسے دیکھ کر کیسا رویہ ہوگا یہ وہ خوف تھا جو اس گھر میں داخل ہوتے وقت سے اس کی سانسیں روک رہا تھا اور اب وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس کا چاہتے نا چاہتے فاطمہ کو سامنا کرنا ہی تھا۔

☆......☆......☆

انصاری ہاؤس میں اس وقت بہت سے لوگ جمع تھے اور پریشانی سب کے چہروں سے عیاں تھی۔ تینوں بیٹیاں بچوں سمیت پہلے سے وہاں موجود تھیں اور خوب چہل پہل

تھی۔ زبیر نے فاطمہ کا سب سے تعارف کروایا اور ان میں سے کسی نے اچھا یا برا کوئی ردِعمل ظاہر نہ کیا۔ اس کا مطلب زبیر ان سب کو پہلے ہی ساری بات بتا چکا تھا اور جو کہنا سننا تھا وہ سب ہو چکا تھا۔ زبیر کی بڑی بہن نگہت البتہ فاطمہ سے کھانے کے متعلق پوچھتی رہیں۔ کبھی خود بھی اس کی پلیٹ میں کچھ ڈال دیتیں۔ باقی دونوں نے ایسی کسی بات پر بھی اپنی خاموشی نہ توڑی۔ اس وقت ان کا اہم اور مشترکہ موضوع ان کے والد کی طبیعت تھا اور وقتاً فوقتاً وہ سب اسی متعلق بات کرتے رہے۔ بچے اسے کافی شوق سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ چڑیا گھر سے نکلا ہوا کوئی جانور ہو اور اب بناء پنجرے کے اس گھر میں آزاد گھوم رہا ہو۔ ان سب کی نظروں سے کنفیوژ ہوتی فاطمہ میں تو ان سب کے سامنے اتنی ہمت بھی نہ ہوئی کہ وہ ان کے والد کی خیریت ہی دریافت کر پاتی اس لیے جیسے ہی موقع ملا وہ بھاگ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔ کچھ دیر بعد زبیر پھر اسپتال لوٹ گیا اور رات اس نے تنہا ہی اس کے کمرے میں گزاری۔ دن کو اتنا سو چکی تھی تو اب رات کو نیند کیسے آتی۔ زبیر کے گھر والوں کے ردِعمل کی ٹینشن کم ہوئی تو ذہن گھوم پھر کر بس ایک ہی نقطے پہ جا ٹکا تھا کہ پتا نہیں پیچھے ماں اور بھائی کے ساتھ باپ نے کیسا سلوک کیا ہوگا۔ ان حالات میں جبکہ زبیر خود اتنی پریشانی کا شکار ہے وہ اسے واپس جانے کا بھی تو نہیں کہہ سکتی تھی۔

"مجھے امی کی بات نہیں ماننی چاہیے تھی۔" کل رات کی طرح بارہا اس نے خود کو کوسا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ اب بے معنی تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور حقیقت وہ تھی جس کا اس پل سامنا تھا۔ اب تو جو بھی تھا دل پہ پتھر رکھ کر انتظار کرنا تھا کہ زبیر کے بابا کی طبیعت بہتر ہو جائے تاکہ وہ پیچھے جا کر سفینہ کی خبر لے سکے۔ ایک بار اسے ماں اور بھائی کی خیریت پتا چل جاتی تو زندگی کتنی آسان ہو جاتی پر وہ کہاں جانتی تھی زندگی آسان نہیں بہت مشکل ہے۔ یہ سیدھی لکیر نہیں بلکہ خم دار سڑک ہے جہاں اگلا موڑ کس طرف لے جائے کوئی نہیں جانتا۔ جائے نماز پہ بیٹھ کر اس نے انصاری صاحب کی صحت اور درازیٔ عمر کی دعا مانگی اس کے بعد سفینہ اور ٹیپو کی خوشیوں کی دعائیں مانگتی رہی۔ رات کے کون سے پہر اس کی آنکھ لگی اسے پتا ہی نہ چلا پر صبح وہ اپنے وقت پہ اٹھ گئی تھی۔ ناشتے کے بعد زبیر، وقار انصاری صاحب کو گھر لے آیا تھا۔ ان کے ذاتی معالج بھی ساتھ آئے تھے۔

"انصاری صاحب ہائپر ٹینشن کے مریض ہیں یہ تو آپ پہلے سے جانتے ہیں۔ ایسے میں تھوڑی سی بے احتیاطی بڑی پریشانی کا سبب بن سکتی ہے لیکن یہ ماشاءاللہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔" فاطمہ کے سوا سب لوگ وقار انصاری صاحب کے گرد جمع تھے۔ ڈاکٹر پرویز کی بات سن کر سب کے چہرے مطمئن و شاد تھے۔ وہ خود بستر پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ کچھ تھکے تھکے تو تھے پر بیمار نہیں لگ رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب ہارٹ اٹیک کا خطرہ تو نہیں؟" پاس کھڑی کوثر نے سوال کیا۔

"ارے بالکل نہیں یہ ان کی رپورٹس آ گئی ہیں آپ خود دیکھ لیں۔" ڈاکٹر پرویز نے پاس رکھی فائل کی طرف اشارہ کیا۔ ظاہر ہے زبیر پوری تصدیق کر چکا تھا اس لیے وہ کل رات سے اتنا مطمئن تھا۔

"دراصل ان کو سینے میں بائیں جانب درد اٹھا تو سب لوگ پریشان ہو گئے۔ میں بس پوری طرح تصدیق چاہتا تھا اسی لیے انہیں اسپتال شفٹ کرنے کا کہا۔" ڈاکٹر نے مزید کہا پھر ان کی ادویات اور خوراک کو لے کر کچھ ہدایات دیں۔ زبیر نے انہیں دروازے تک رخصت کیا اور واپسی پہ فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ وہ ڈرتی جھجکتی اندر تو نہیں آئی بس دروازے پہ ہی رک گئی۔

"آپ سب کو مجھے انفارم کرنا چاہیے تھا۔ آپا کو لندن سے بلایا جا سکتا تھا تو مجھے کیوں نہیں بتایا۔" واپس آ کر زبیر نے بابا کی طرف دیکھتے سب سے مشترکہ خفگی کا اظہار کیا۔

"آپا کا تو پہلے سے پروگرام تھا اور تم بھی پہنچ ہی رہے تھے۔ بابا نے سختی سے منع کیا تھا تمہارے گھر پہنچنے تک

تمہیں کسی قسم کی اطلاع نہ دی جائے۔" چھوٹی سکینہ نے صفائی دی۔

"بابا یہ بات غلط ہے۔ آپ اپنی سب باتیں مجھ سے شیئر کرتے ہیں اور اپنی صحت کی بات ہی گول کر دی۔" زبیر ان کے پاس بیڈ پہ ہی بیٹھ گیا۔ تینوں بہنیں سامنے صوفے پہ بیٹھی تھیں جبکہ فاطمہ دروازے کی اوٹ میں چھپی کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ آج اس نے اپنا سب سے اچھا جوڑا پہن رکھا تھا۔ کاٹن کا عنابی اور سفید سوٹ جو اس گھر اور گھر کے مکینوں کے شایانِ شان تو نہ تھا پر اس کی اوقات کے مطابق تو اچھا ہی تھا۔ سفینہ نے جلدی میں اس کے بیگ میں جو کچھ ڈالا اسے تو خبر بھی نہ تھی یہ تو اب بیگ سے سامان نکالتے اسے یہی سب سے بہتر کپڑے لگے اور اس نے پہن لیے۔

"یار میں نے سوچا تم وہاں بھی یہی دوائیاں، مریض، علاج اور نسخوں میں الجھے رہتے ہو گھر کے مریض کا قصہ سنا کر تمہیں بور کیوں کروں۔" وقار انصاری صاحب خاصے خوشگوار موڈ میں تھے۔

"بہت خوب یعنی آپ کی بیماری سے بور ہو جاؤں گا میں۔"

"اچھا یار ناراض کیوں ہوتا ہے۔ دیکھو ناں اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہارا وہ جاسوس بتا تو گیا ہے تمہیں سب۔" انہوں نے اس کا ہاتھ دباتے منانے کی کوشش کی۔

"بات ہی آپ نے کچھ ایسی کی تھی خیر میں بھی آپ کا بیٹا ہوں ناراضی کا بدلہ ناراضی سے ہی لوں گا۔" زبیر کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

"ٹھیک ہے بھئی جیسے کو تیسا اسی کو کہتے ہیں۔ کر لو سارے بدلے پورے بس وہ پھیکے دلیے کا لنچ نہ کروانا۔ بڑا ہی بدمزہ ہوتا ہے۔" وقار صاحب بیٹیوں کی نسبت اس سے کچھ زیادہ ہی مانوس تھے۔ یوں بھی بیٹیوں کو تو ماں ملی زبیر کو تو انہوں نے تنہا پالا تھا۔ پھر ان سب کی شادی کو بھی کافی وقت گزر چکا تھا۔ زبیر سے ان کا تعلق باپ سے بڑھ کر دوست والا تھا۔ شرارت، ہنسی مذاق سب چلتا تھا۔

"پھیکے دلیے کو چھوڑیں جو خبر آپ کو سنانے لگا ہے ناں بابا اسے سن کر آپ کی بھوک پیاس ہی اڑ جائے گی۔" کوثر نے ہیجان خیز لہجے میں کہا۔ باقی دونوں کی نسبت اسے بھائی کا آناً فاناً شادی کرنا برا لگا تھا لیکن وہ اظہار اس لیے نہیں کر پائی کیونکہ باقی سب خاموش تھیں۔ پھر کچھ بابا کی طبیعت کا بھی معاملہ سامنے تھا۔ فاطمہ کے پیروں تلے سے زمین ہی نکل گئی۔

"آپا پلیز کیوں میرا سرپرائز خراب کر رہی ہیں۔ تھوڑا سا تو سسپنس رہنے دیں۔" زبیر نے شرارت سے آنکھ دبائی اور مسکراہٹ دباتے بابا کی طرف دیکھا۔ کوثر اس شرارت پہ بھی نہ ہنسی کیونکہ اسے یقین تھا بابا اس بات پہ خوب غصہ کرنے والے ہیں۔

"یار بتاؤ بھی ہوا کیا ہے آخر تم لوگ تو اب سچ میں مجھے ہارٹ اٹیک کرواؤ گے۔" اس کے چہرے پہ مسکراہٹ کے رنگ وہ پہلے ہی دیکھ چکے تھے۔ اتنا تو اندازہ تھا بات کوئی ہنسی مذاق والی ہوگی اسی لیے ذرا مصنوعی غصے سے گھر کا۔

"بتاؤں گا نہیں دکھاؤں گا بابا۔" وہ دروازے کی طرف گیا اور فاطمہ کو کھینچ کر اندر لے آیا۔ وقار انصاری کی پیشانی پہ بل نمودار ہوئے۔

"یہ نور فاطمہ ہے آپ کی بہو۔" فاطمہ کو ان کے پاس بیڈ پہ بٹھاتے اس نے تعارف کرایا۔

"زبیر......!" انہیں واقعی شاک لگا تھا۔ فاطمہ کا پورا جسم بری طرح خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس نے تو اس پل سر اٹھا کر دیکھنے سے بھی اجتناب کیا۔

"بابا میں نے شادی کر لی ہے۔" زبیر نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اس طرح......اچانک؟" انہوں نے بے تاثر لہجے میں سوال کیا۔

"کرنی پڑی۔ حالات ہی کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ آپ کو بتانے اور آپ سے اجازت لینے کا وقت ہی نہیں ملا لیکن مجھے پورا یقین ہے آپ اسے میری پہلی اور آخری

غلطی سمجھ کر معاف کردیں گے۔'' ان کا ہاتھ تھامے زبیر نے بڑے مان اور محبت سے کہا۔ فاطمہ اب بھی کسی بت کی طرح وہاں بیٹھی تھی۔

''کیا سوچ کر تم نے اس سے شادی کی بھئی؟'' وقار انصاری کی تیز آواز پہ وہ کانپ سی گئی۔ زبیر بھی حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھتا رہا جو سنجیدہ نظروں سے سامنے بیٹھی فاطمہ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظروں کا ارتکاز خود پہ محسوس کرتے فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے چہرہ اٹھایا اور اس وقت اسے اندازہ ہوا ان کی مخاطب فاطمہ تھی زبیر نہیں۔

''جی......!'' خشک لبوں پہ زبان پھیرتے اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''یہ تم سے شادی کو غلطی کہہ رہا ہے اور تم خاموش بیٹھی ہو۔ میری طبیعت ٹھیک ہوتی تو دو لگاتا اس نالائق کو۔'' وہ اب بھی سنجیدہ تھے مگر بات انتہائی غیر سنجیدہ تھی۔ فاطمہ کی تو اب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کی حالت تھی بھی کہاں مذاق سمجھنے والی۔

''بھئی شادی انسان جب بھی کرتا ہے سوچ سمجھ کر ہی کرتا ہے۔ غلطی سے بھی کوئی شادی جیسی غلطی نہیں کرتا۔'' کمرے کا ٹینشن زدہ ماحول وقار انصاری کی بدولت خوشگوار ہوگیا تھا۔

''آپ ناراض تو نہیں ہیں ناں بابا؟'' اتنا اندازہ تو بہرحال زبیر کو بھی تھا کہ بابا کا ردِعمل شدید ہرگز نہیں ہوگا اسی لیے تو اس حالت میں بھی فاطمہ کے متعلق بتا دیا۔ اس نے تو شادی بھی اسی مان اور اعتماد کے ساتھ کی تھی کہ اس کے بابا اس کے مسئلے کو ضرور سمجھیں گے۔

''خوشی کے موقع پہ کون الو ناراض ہوتا ہے بھلا۔ اچھا ذرا میرا سیف کھولو اس میں ایک سیاہ باکس ہے وہ نکالو جلدی سے۔'' انگلی سے اپنی الماری کی طرف اشارہ کرتے انہوں نے پاس کھڑے زبیر کو ہدایت دی۔ وہ نا سمجھتے ہوئے بھی ان کی مطلوبہ شے نکال لایا اور ان کے ہاتھ میں تھمادی۔

''یہ لو بھئی نور فاطمہ تمہاری منہ دکھائی۔'' مخملی جوکور ڈبے میں دو بھاری جڑاؤ کنگن تھے جو انہوں نے نور فاطمہ کو دیئے۔ وہ حیران سی کچھ بھی نہ کہہ پائی۔ دل میں اندیشوں کی پھانس جتنی تکلیف سے چبھی تھی اتنی ہی آسانی سے نکل گئی۔

''انہیں سنبھال کر رکھنا تمہاری مرحومہ ساس کے ہیں۔ ان کا باقی سب زیور تو تینوں بیٹیوں کو دے دیا بس یہ رکھے تھے سوچا کوئی ماں کی نشانی بیٹے کے لیے بھی رہنی چاہیے۔'' زبیر کی طرف دیکھتے وہ مسکرائے اور نور فاطمہ کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔

☆......☆......☆

اگلی صبح روشن و چمکدار تھی۔ انصاری صاحب کی طبیعت میں بہتری تو کل رات ہی آچکی تھی پر اب اکلوتے بیٹے کی شادی نے تو جیسے ان میں نئی توانائی بھر دی تھی۔ نگہت آپا کی موجودگی میں ہی جلد از جلد ولیمہ کی تقریب کرنے کا پلان بنا اور بس پھر جیسے انصاری ہاؤس میں رونقیں لوٹ آئیں۔ ولیمہ کے لیے دو دن بعد کی تاریخ طے ہوئی۔ بیٹیوں کے سسرال فون کردیئے گئے تمام دور و نزدیک کے رشتے داروں کو اطلاع دے دی گئی۔ زبیر یہ سب اتنی جلدی نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے فاطمہ کی خوشی بھی عزیز تھی جو سفینہ اور ٹیپو کے بغیر ادھوری تھی لیکن اس وقت وہ خود بھی بے بس سا اپنے والد اور بہنوں کو خوشی کا اظہار کرنے سے روک نہیں پایا۔ نور فاطمہ اس کی پوزیشن سمجھتی تھی۔ اس گھر اور یہاں کے مکینوں نے اسے عزت و مان کے ساتھ بہو تسلیم کیا تو یہ بھی غنیمت تھا ورنہ اب تک جو تقدیر نے اس کے ساتھ کیا ایسے میں بہتری کی امید تو نہ ہونے کے برابر تھی پر جن بیٹیوں کے ساتھ ماؤں کی دعائیں ہوں ان کے راستے یونہی آسان ہوجاتے ہیں۔ پھر بھی دل میں ایک کسک تھی کہ کاش زبیر جلد از جلد ماں کو لے آئے۔ چند ایک بار اس نے سوالیہ نگاہوں سے زبیر کی سمت دیکھا پر وہ نظریں چرا گیا۔ شاید وہ بھی ان آنکھوں میں لکھا سوال پڑھ چکا تھا۔

ولیمہ دھوم دھام سے ہوا۔ سکینہ نے اسے اپنے ہاتھوں سے دولہن بنایا۔ پہلی بار اتنی سج دھج کے ساتھ بھاری

جوڑے اور قیمتی زیور میں وہ پرستان کی پری لگ رہی تھی کہ جس نے دیکھا زبیر کی قسمت پہ رشک کیا جس نے آسمان کا چاند چرا کر پہلو میں سجالیا۔ وہ جتنی کم عمر تھی اتنی ہی حسین اور نازک اس پہ دلہن بن کر رنگ روپ اور بھی نکھر آیا۔ اس کے حسین چہرے سے نگاہ ہٹانا مشکل ہو رہا تھا۔

گھر سے اگلے روز مہمانوں کا رش چھٹا تو زبیر نے واپسی کا سفر باندھا۔ بہنوں کو اعتراض تھا پر اس نے تسلی دی وہ بس ایک دن میں ہی لوٹ آئے گا۔ وقار انصاری صاحب کا خیال تھا اسے اب یہ ملازمت جلد از جلد چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ وہ اکلوتی اولاد کو خوامخواہ کی دشمنی میں ملوث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بھلے انہوں نے سامنے سے کوئی بات نہیں کی تھی پر دل میں شہباز کی طرف سے کھٹکا انہیں بھی تھا کہ وہ خاموش نہیں بیٹھے گا اور سفینہ بھی یہ راز آخر کب تک چھپائے گی۔ وہ خود بھی اب کچھ ایسا ہی چاہتا تھا لیکن فی الفور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ابھی تو اسے بس سفینہ کو سمجھا کر ٹیپو کے ساتھ واپس لانا تھا۔ فاطمہ نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی تھی لیکن یہ بات ہرگز دانش مندانہ نہیں تھی۔

شہر پہنچ کر زبیر کو جو خبر ملی وہ اس کے گمان سے باہر تھی اور جسے سن کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ سفینہ کی موت کے ساتھ ٹیپو اور فاطمہ کے شہباز سمیت لاپتہ ہونے کی خبر شہر میں گردش کر رہی تھی۔ بالا ہی بالا کسی پہ کچھ ظاہر کیے بغیر اس نے جو معلومات اکٹھی کیں اس کے مطابق ساتھ والی رابعہ نے جب دو دن تک سفینہ یا اس کے بچوں کو نہ دیکھا تو خود ہی خیریت معلوم کرنے چلی آئی۔ گھر خالی تھا اور اندر سفینہ کی لاش پہ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ کمرے میں شدید بدبو اور جما ہوا سیاہی مائل لہو تھا۔ وہ روتی بلکتی خوف سے تھر تھر کانپتی گھر لوٹ آئی۔ شہباز، فاطمہ اور ٹیپو کی ڈھونڈ مچی۔ سب نے اپنی اپنی سی کوشش کی اور پھر محلے والوں نے خاموشی سے سفینہ کی تدفین کر دی۔ زیست کے سفر کا اختتام اتنا سفا کانہ بھی ہو سکتا تھا اس نے کہاں سوچا تھا۔ محلے والوں سے سفینہ کی قبر کا پوچھ کر اس نے فاتحہ پڑھی اور اسی شام واپس لوٹ آیا البتہ چند لوگوں کو ٹیپو کے حوالے سے ملنے والی خبر پہنچانے کی ذمہ داری سونپ کر اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیا تھا۔ تمام راستہ شدید پریشانی میں گزرا تھا۔ تاسف تھا کہ کم ہو کے نہیں دے رہا تھا۔ خود اسے سفینہ کی موت کا اتنا ملال تھا تو وہ سمجھ سکتا تھا فاطمہ کس کرب سے گزرے گی اور اس پہ ستم اسے نور فاطمہ کو اس کرب سے گزرتے دیکھنا برداشت کرنا تھا۔ ناجانے وہ اسے یہ خبر کیسے سنا پائے گا۔ کاش اس رات وہ سفینہ کی بات نہ مان کر اسے بھی اپنے ساتھ لے آتا تو آج وہ زندہ ہوتی پر شاید یہ سب تقدیر میں یونہی لکھا تھا لیکن نور فاطمہ؟

☆......☆......☆

اس کا ردِعمل بالکل وہی تھا جیسا زبیر نے سوچا تھا۔ وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روئی تھی۔ دھاڑے مار مار کر بین کرتے اس نے اپنا آپ پیٹا تھا کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ کیوں ماں کی بات مان کر اس نے شادی کے لیے ہاں کی جو اس کی زندگی اور خوشیوں کی خاطر اپنی جان قربان کر گئی۔ کیسے اسے یاد نہیں رہا اس کا باپ انسان نہیں وحشی درندہ ہے۔ چند پیسوں کی خاطر وہ پہلے بھی کتنی بے رحمی سے سفینہ کو مارتا رہا تھا پھر اب اتنی بڑی بات پر کیسے وہ اسے چھوڑ دیتا۔ روتے روتے وہ بیہوش ہو گئی۔ مشکلوں سے ہوش میں آئی تو ایسی چپ لگی جو ایک ہفتے تک نہ ٹوٹی۔ صبح سے شام تک بس کمرے میں بند رہتی۔ کھانا پینا حرام کر لیا تھا اس نے خود پہ ایسے میں زبیر کو اپنا آپ مجرم لگ رہا تھا۔ کاش وہ اسی وقت واپس لوٹ جاتا تو کم سے کم ٹیپو ہی اسے مل جاتا جس کی گمشدگی الگ معمہ بنی ہوئی تھی۔ یہ بھی تو کنفرم نہیں تھا اسے شہباز ساتھ لے گیا ہے یا پھر بچہ خود کہیں نکل گیا تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا اسے عارف نے اٹھوا لیا ہو۔ اتنے سارے ممکنات پہ سوچتے ہوئے اس کا دماغ شل ہو رہا تھا اس پہ نور فاطمہ کی حالت۔ گھر میں سب اس کی دلجوئی کرتے، اس کا بے تحاشہ خیال رکھتے۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہتی۔ کسی دلاسے پہ سر اٹھاتی نا کسی پچکار پہ مسکراتی۔

آہستہ آہستہ یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ نندوں کو واپس لوٹنا

تھا۔ گھر میں اب بس وقار انصاری اور زبیر ہی تھے۔ وہ دونوں اس کا بہت خیال رکھتے۔ انصاری صاحب تو اسے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ زبیر بھی اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا۔ چھٹیوں کا یہ مہینہ بس یونہی دوڑ بھاگ میں گزر گیا اور پھر وہ واپس چلا گیا۔ اسے ڈیوٹی بھی تو جوائن کرنی تھی۔ فاطمہ پہ گھر کی ذمہ داری آن پڑی تو آہستہ آہستہ وہ بھی اپنے غم سے باہر نکل آئی پہ اور بات دل اب بھی درد سے بھرا ہوا تھا لیکن ظاہر پہ قابو پا چکی تھی۔ دل تو چاہتا تھا اپنا آپ ختم کرلے اور اس اذیت بھری زندگی سے چھٹکارہ حاصل کرلے بالکل اپنی ماں کی طرح لیکن یہی تو بے بسی ہے کہ ہم چاہیں یا نا چاہیں جینا تو پڑتا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم ہم زندگی گزارتے ہیں یا زندگی ہمیں گزار رہی ہوتی ہے پر آخری سانس تک اس کی تمام ترسفا کی اور زہر کو اپنے اندر اتارتے یہ وقت گزارنا ہی پڑتا ہے۔

☆.........☆.........☆

اسے یہاں آئے ابھی بس چند ہفتے ہی ہوئے تھے۔ یہاں کا ماحول اور لوگ بہت عجیب تھے۔ ان کی زبان ان کا انداز اور پھر یہ کام اس کے لیے نیا تھا۔ اجنبیت اور خوف کا ایک نیا جہاں تھا جس سے چند روز پہلے اس کا تعارف ہوا تھا۔ ایک چھوٹی اور تاریک دکان۔ جگہ جگہ گریس اور تیل کی کالک جو اٹھتے بیٹھتے اسے بھی میلا کرتی گئی۔ یہاں آٹھ لڑکے کام کرتے تھے۔ ان میں کچھ اس کے ہم عمر تھے تو کچھ اس سے بڑے پر ان سب کا رہن سہن اور بات چیت کا انداز مشترک تھا۔ بات بے بات غلیظ گالیاں بکنا اور ایک دوسرے پہ بے ہودہ جملے کسنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ البتہ زبان بس استاد کے آنے پہ رکتی تھی جو بات سے زیادہ لات کا استعمال کرتا تھا۔

"تیز تیز ہاتھ چلا یہ کیا لڑکیوں کی طرح نزاکت دکھا رہا ہے۔" استاد نے ایک زوردار لات کمر پہ رسید کی۔ وہ جو پنجوں کے بل بیٹھا تھا بیلنس برقرار نہ رکھ سکا اور گر پڑا۔

"کر رہا ہوں استاد۔" اٹھ کر بیٹھتے اس نے ٹائر ٹیوب کو صابن والے پانی میں جلدی جلدی گھمانا شروع کیا لیکن خوف کے مارے ٹیوب ہاتھ سے نکل کر گر گئی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھ کالک سے اٹے ہوئے تھے۔ کندھے سے قمیص پھٹی ہوئی تھی۔ چہرے پہ تیل اور گریس سے بنے نقش و نگار کے باعث اس کی اصل رنگت اور صورت واضح نہیں تھی۔ اس چھوٹی سی موٹر ورکشاپ میں ٹیپو کو شہباز نے بہت منت ترلوں کے بعد ملازم رکھوایا تھا۔ اس کے ننھے ملائم ہاتھوں سے کتابیں اور قلم چھین کر ان میں اوزار پکڑا دیئے گئے تھے۔ وہ ابھی کام نہیں جانتا تھا اس لیے اسے پیسے بھی سب سے کم ملتے تھے۔ اسی ورکشاپ کے پچھلے حصے میں ٹین کا چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں ان دونوں کی رہائش تھی۔

"سالے تیرے باپ کو پورے ہفتے کا پیسہ بھرا ہے۔ خود تو وہ پڑا ہوگا کمینہ نشہ کر کے اور تو یہاں نخرے دکھا رہا ہے۔" استاد نے منہ میں گٹکا گھماتے ایک اور لات رسید کی۔ اس بار وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا تھا۔ سب کو ہفتہ وار تنخواہ ملتی تھی اور پچھلے ہفتے کی ساری تنخواہ شہباز پہلے ہی اپنی جیب میں ڈال چکا تھا۔

"میرا مال حرام کا نہیں جو تم باپ بیٹے پہ اڑاؤں۔ سیدھی طرح کام کرے گا تو ہی روپیہ ملے گا ورنہ دھیلا نہیں دوں گا تجھے۔" اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھاتے وہ مکروہ صورت انسان مسلسل گالیاں بک رہا تھا۔

"چل اب میری شکل مت دیکھ جلدی سے یہ ٹائر لگا ورنہ چمڑی ادھیڑ دوں گا تیری۔" اسے زمین پہ پٹخ کر اس نے ٹھڈا مارا۔ وہ گٹھڑی بنا اینٹوں کے فرش پہ پڑا کراہ رہا تھا۔ خوف کے مارے آنسو بھی آنکھوں سے نہیں نکل رہے تھے۔ جانتا تھا اگر رویا تو استاد اس سے زیادہ مارے گا اس لیے کانپتے ہاتھوں سے وہ ایک بار پھر پنکچر تلاش کرنے لگا تھا۔ باقی سب بھی اسے مار اور گالیاں کھاتا دیکھ کر کام میں مصروف ہو چکے تھے۔

عارف کے خوف سے شہباز شہر چھوڑ کر بھاگ آیا اور پھر نا جانے کتنے ہی قصبوں شہروں میں بھٹکتا وہ ٹیپو کو ساتھ لیے مارا مارا گھومتا رہا۔ پچھلے چند ہفتوں میں اس نے بھیک

تک مانگ کر اپنا پیٹ بھرا تھا۔ ٹیپو کو ساتھ لا کر بھی وہ اب بری طرح پچھتا رہا تھا۔ اس کے تو اپنے پاس سر چھپانے کی جگہ نہ تھی ایسے میں وہ اسے کہاں سے کھلاتا پلاتا لیکن اس چھوٹے سے قصبے میں آتے ہی اس کا یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ بچے کو اس نے گاڑیوں کی ورکشاپ میں کام پہ رکھوا دیا تھا اور اب اسی کی کمائی سے اپنی گزر بسر کر رہا تھا۔ سارا دن وہ استاد کی گالیاں سنتا' ساتھ کام کرنے والے لڑکوں کی بے ہودہ گوئی برداشت کرتا رات کو شہباز نشے میں اسے سفینہ اور نور فاطمہ کے حوالے سے غلیظ باتیں سناتا۔ اس کی مری ہوئی ماں کو فاحشہ اور بہن کو بھگوڑی کہہ کر بلاتا۔ اس کا معصوم ذہن ان سب باتوں کے معنی کہاں سمجھتا تھا۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اسے تو شہباز کے بنائے اس جہنم میں رہ کر سفینہ اور فاطمہ کا تاوان بھرنا تھا کیونکہ شہباز کو پورا یقین تھا نور فاطمہ اپنے بھائی کو ڈھونڈتی لازمی اس تک پہنچے گی۔ زندگی جبر مسلسل بنتی جا رہی تھی یا ایک ایسا قید خانہ جہاں سے رہائی بس مر کر ہی ممکن تھی مگر وہ اتنا خوش نصیب نہ تھا۔

☆......☆......☆

ہر بار کی طرح اس بار بھی نور فاطمہ کی نگاہوں نے زبیر کے چہرے پہ اپنے سوال کا جواب کھوجنا چاہا جو وہ پچھلے ڈھائی تین ماہ سے تلاش کر رہی تھی۔ ہر بار جب وہ گھر واپس لوٹتا تو نور فاطمہ کی آنکھوں میں بس ایک ہی تحریر ہوتی اور زبیر کے چہرے پہ وہی مایوسی بھرا انکار۔ اس بار بھی ٹیپو کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ ابھی تو ماں کی موت پہ صبر نہیں آیا تھا اور صبر آتا بھی کیسے۔ ماں کی میت دیکھی ہوتی' اس سے لپٹ لپٹ کر روئی ہوتی تو شاید آج دل کو قرار آجاتا۔ بھائی کی صورت آنکھوں کے سامنے سے ہٹ کر نہ دیتی تھی۔ پتا نہیں وہ کہاں ہوگا کس حال میں ہوگا۔ زندہ بھی ہوگا یا......

ایسی ہی لاتعداد دل دہلا دینے والی سوچیں اس کا سکون برباد کر دیتیں۔ دھیان بدلنے کو بس گھر کے کام کاج تھے شاید اسی لیے گھر اس نے بخوبی سنبھال لیا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق وہ انصاری صاحب کا بہت خیال رکھتی اتنا کہ وہ اسے اپنی بیٹیوں سے بڑھ کر ماننے لگے تھے۔ اس بار زبیر واپس آیا تو اس کے چہرے کا رنگ بدلا بدلا تھا۔ وہ استعفیٰ دے چکا تھا اور بس اپنی مدت ملازمت مکمل کر رہا تھا تو دل کو اس کی طرف سے بھی دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔ فاطمہ کو لگا شاید قسمت اس بار اس پہ مہربان ہو چکی ہے۔ دھڑکتے دل کے ساتھ زیر لب بہت سی دعائیں کرتے اس نے پوچھا۔ خبر وہ نہ تھی جس کی نور فاطمہ منتظر تھی لیکن اتنے وقت میں یہ پہلی بڑی خبر تھی جسے سن کر اس کے گلابی ہونٹوں پہ بھرپور مسکراہٹ ابھری تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" زبیر نے اسے اخبار دکھایا تو وہ ناقابل یقین حیرت سے بولی۔

"یقین تو ویسے مجھے بھی نہیں آرہا۔ تم خاصی نالائق جو تھی۔" آنکھیں سکیڑے اس نے ناراضی جتائی۔ وہ اب بھی بے تحاشہ حیرت اور بے یقینی سے اخبار کا وہ حصہ دیکھ رہی تھی جہاں اس کا رزلٹ چھپا تھا اور نور فاطمہ نے پورے ضلع میں تیسری پوزیشن لی تھی۔ حیرت سے بے یقینی اور پھر یقین کا مرحلہ طے کرتی وہ کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی کہ آخر اس خبر پہ کیا ردِعمل اختیار کرے۔ کتنا شوق تھا اسے آگے پڑھنے کا' زندگی میں کچھ کرنے کا۔ کتنی محنت کی تھی سفینہ نے اسے اس مقام تک پہنچانے میں اور آج وہی اس کی خوشی میں شریک نہ تھی۔ درد سے تو اس کا رشتہ پرانا تھا پر یہ خوشیوں بھرے کامیابی کے پل بھی انمول تھے۔ ویسے تو زبیر کے آنے پہ کھانے کا ہمیشہ ہی وہ خصوصی اہتمام کرتی لیکن آج کچھ زیادہ ہی محبت سے اس کے لیے کھانا پکایا۔ وہ اور انصاری صاحب دونوں اس دبی دبی مسکراہٹ اور سر خوشی کا راز جانتے تھے تو ایک طرح سے مطمئن تھے۔ زبیر نے تو شکر کیا کہ اس کی اداسی کا قفل ٹوٹا۔

دوپہر سے لے کر اب تک وہ کئی بار اس اخبار کو دیکھ چکی تھی۔ بات بے بات مسکراہٹ بھی لبوں کا طواف کر رہی تھی۔ اب بھی کمرے میں آکر وہ اسی صفحے پہ نگاہیں جمائے بیٹھی تھی جب خود پہ جمی زبیر کی نگاہوں کو محسوس کرتے اس نے سر اٹھایا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا پر نگاہیں اب بھی اسی پہ ٹکی تھیں۔ جلدی سے اٹھ کر اس نے اخبار کا تراشہ اپنی الماری میں سنبھال کر رکھ دیا۔ آج کی یہ خبر کل ایک حسین یاد بننے والی تھی اس لیے وہ اسے محفوظ کر لینا چاہتی تھی۔ یوں تو کچھ یادیں دل میں بھی تھیں پر وہ ہرگز حسین نہ تھیں۔

"کیوں؟" کچھ شرمندہ سی ہو کر اس نے پوچھا۔ جانتی تھی وہ اس بچپنے پہ یقیناً اس کا دل ہی دل میں مذاق اڑا رہا ہوگا۔

"میرا دل کر رہا تھا۔" زبیر کی مسکراہٹ اور ڈھٹائی بدستور تھی۔

"مت دیکھیں ناں۔" وہ الجھی۔ اب اس کمرے میں ایسی کون سی جگہ تھی جو وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی۔

"ارے بھئی کیوں نہ دیکھوں میرا حق ہے۔" بستر پہ نیم دراز وہ اسے باقاعدہ تنگ کر رہا تھا۔

"مجھے شرم آ رہی ہے۔"

"لیکن مجھے تو نہیں آ رہی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر میں باہر چلی جاتی ہوں۔" وہ زچ ہو کر صوفہ سے اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"اچھا رکو ناں تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" زبیر نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کے بکھرے بال انگلی کی پوروں سے چہرے سے ہٹاتے اس کی آنکھوں میں دیکھا پر اب شرارت کے بجائے سنجیدگی تھی۔

"کوئی ضروری بات ہے کیا؟" اس کی بانہوں میں سمٹی وہ کچھ بے چین ہوئی۔ اسے اس بدلے موڈ سے ڈر لگ رہا تھا۔

"ہاں بے حد ضروری اور بہت اہم۔" زبیر نے لب بھینچے۔

"دیکھو نور ہر انسان کے ذہن میں اپنے شریکِ حیات کے لیے ایک خاکہ موجود ہوتا ہے۔ جانے انجانے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہم سفر پورا نا سہی مگر تھوڑا بہت اس خاکے سے ملتا جلتا ہو۔" اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح دھیما تھا۔ وہی ٹھہر ٹھہر کر بولنا اور دل میں اتر جانا لیکن نور فاطمہ کو تاسف نے آ گھیرا تھا۔ ان چاہے ہونے کا ملال ایک دم غالب آیا تھا۔

"میں جانتی ہوں زبیر میں آپ کی سوچوں سے بہت مختلف ہوں۔ آپ کے تصور اور معیار پہ کسی صورت پورا نہیں اترتی میں لیکن......" لب کانپتے شرمندگی سے کہتی اس نے زبیر کی گرفت سے نکلنا چاہا۔

"تم جو ہو مجھے قبول ہو۔ پہلے جتنی اچھی لگتی تھی اب اس سے زیادہ اچھی لگتی ہو۔ تمہارے ساتھ سے بڑھ کر کچھ اور اہم نہیں نہ ہی کچھ اور چاہیے۔" اس کی کوشش کو ناکام کرتے زبیر نے اسے کچھ اور پاس کیا۔ وہ اس کی مضبوط بانہوں کی گرفت میں تھی جو ہر بار اس کا حفاظتی حصار بن جاتی تھیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

"تو پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" نور نے نگاہیں جھکا لیں۔

"میری بس اتنی خواہش تھی اور ہے کہ میری بیوی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی ہوتی۔" وہ اب اس کے کھلے بالوں میں انگلیاں گھما رہا تھا۔

"لیکن بدقسمتی سے میں نہیں ہوں۔" نور کے چہرے پہ ملامتی مسکراہٹ ابھری۔

"لیکن تم نے کہا تھا تم آگے پڑھنا چاہتی ہو زندگی میں کچھ بننا چاہتی ہو۔" اس نے یاد دلایا۔

"وہ تو بس ایک خواب تھا اور ہر خواب کی تعبیر و تکمیل نہیں ہو پاتی۔" وہ وقت یادیں بہت تلخ تھیں۔ اس وقت کو کیسے بھلا جا سکتا تھا بھلا۔ سب کچھ اس ایک دن میں ہی تو ہو گیا تھا۔ زندگی سے موت کا سفر امید سے انجام کا سفر۔

"یہ خواب تم نے دیکھا تھا اور میں جانتا ہوں تم اسے پورا کرنے کی اہلیت بھی رکھتی ہو۔ یہ خواب حقیقت بن سکتا ہے نور، تم آگے پڑھنا شروع کر دو۔" زبیر نے یقین دہانی کرائی۔

"یہ بھلا اب کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں ممکن نہیں۔ تم نے کہا تھا تم کوشش کرو گی۔"

"ہاں مگر اس وقت......" اس نے کہنا چاہا لیکن زبیر نے بات کاٹ دی۔

"ایک مرد کی کامیابی کے پیچھے عورت ہو سکتی ہے تو کیا ایک شوہر اپنی بیوی کی کامیابی کا حصے دار نہیں بن سکتا۔ مرد بھی تو عورت کو سہارا دے کر کامیابی کی سیڑھی تک پہنچا سکتا ہے ناں اور پھر ذرا سوچو اس ملک میں کتنی لڑکیاں ہوں گی جو اس سال پوزیشن ہولڈر ہیں۔" زبیر نے سمجھایا۔

"آپ نے اب تک جو کچھ میرے لیے کیا ہے ناں زبیر یہی بہت ہے۔ اب اس گھر کے لیے' آپ کے لیے میری کچھ ذمہ داری ہے اور میں نہیں چاہتی زندگی میں آپ کو کبھی اپنے فیصلے پہ پچھتانا پڑے۔" وہ تو پہلے ہی اس کی ممنون و مشکور تھی۔ احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی۔ مزید اس پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اب تو بس یہی خواہش تھی کہ اس کی ذات سے زبیر اور اس کے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ ان کے ہم پلہ نہیں یہ خلا اتنا بڑا تھا کہ اب وہ بس اسے حسنِ اخلاق اور خدمت سے ہی پر کر سکتی تھی۔ یقیناً زبیر بھی نور فاطمہ سے کچھ ایسی ہی امید رکھتا اگر وہ ایک عام سا روائتی مرد ہوتا۔ جس کی خواہش و حسرت عورت کا قرب اور دل کا رستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ جو بیوی کے روپ میں ملازمہ لانا چاہتا ہے۔ لیکن وہ مختلف تھا اور نہیں چاہتا تھا نور ایک روایتی عورت بن جائے۔ اپنی اور اپنے خاندان کی خدمت کے عویض اچھی بیوی کا ٹیگ حاصل کرنے کی مشقت میں گھلتی احساسِ کمتری کی ماری عورت جو بالآخر گھریلو سیاستوں میں الجھی ساس نندوں کی چغلیاں کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے لگتی ہے۔ وہ بیوی اور ملازمہ کے فرق کو سمجھتا تھا۔ ٹھیک ہے شوہر کی خدمت' اس کے اپنوں کا خیال رکھ کر عورت اپنے شوہر سے محبت و فرماں برداری کا ثبوت دیتی ہے لیکن یہ سب کر کے اس پہ جبراً نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ نا تو اسے ان کاموں کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے نہ اس سے یہ سب زبردستی کروایا جا سکتا ہے۔ بیوی کو تابعدار مرد کا حسنِ سلوک بناتا ہے۔

"میں بہت پچھتاؤں گا نور اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ میں نہیں چاہتا تم اپنی زندگی بس چولہے کے آگے کھڑے ہو کر ضائع کر دو۔" اس نے کھل کر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

"یہ سب میں اپنی خوشی سے کرتی ہوں آپ کے لیے اور مجھے یہ کرنا اچھا لگتا ہے۔" وہ نہ بھی کہتی تو زبیر جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا وہ تمام عمر اپنے فرائض بخوبی نبھائے گی۔ انسانوں کی پرکھ تھی اس میں۔ یونہی اس نے نور فاطمہ کا انتخاب نہیں کیا تھا۔

"لیکن تمہاری خوشی کچھ اور تھی اور اب وہی میری بھی خوشی ہے نور فاطمہ اس لیے مزید کوئی بحث نہیں ہوگی۔" اس نے بات ہی ختم کر دی فیصلہ ہو چکا تھا اور نور فاطمہ جانتی تھی زبیر زندگی کے اہم اور بڑے فیصلے یونہی چٹکی بجا کر کرنے والوں میں سے تھا۔ اس کے سامنے احتجاج وہ پہلے بھی نہیں کر پائی تھی اس بار بھی یہ احتجاج کام نہ آیا تھا۔

☆......☆......☆

"آپ سوئیں نہیں اب تک؟" لاؤنج میں لگی فرنچ ونڈو سے سر ٹکائے باہر لان پہ نظریں جمائے وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھیں۔ سمیر کی آواز پہ چونک کر وہ اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئیں۔

"تم بھی تو جاگ رہے ہو۔" اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے وہ مسکرائیں۔ صبح کے تین بج رہے تھے۔ آج انصاری صاحب اور فریحہ گھر پہ نہیں تھے۔ زبیر انصاری ہوتے تو انہیں اتنا سب سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ اب تنہائی میسر آئی تو سوچوں کی ڈور خود بخود ماضی میں جا الجھی۔ ایسے میں کمرے میں بند گھٹن کا شدید احساس انہیں لاؤنج میں لے آیا تھا اور اب وہ پتا نہیں کب سے یہاں کھڑی تھیں۔ اپنے خیالوں میں گم وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

اس ایک گرم سیاہ رات میں انہوں نے کئی سال کا طویل اور اذیت ناک سفر طے کیا تھا۔ وہ پل جو کبھی ذہن

سے محو نہ ہوئے تھے پر جنہیں اپنے اردگرد کے لوگوں سے چھپاتے روح نڈھال ہورہی تھی انہیں ایک بار پھر اسی ترتیب سے دہراتا اس بار بھی ڈاکٹر نور فاطمہ کے لیے اتنا ہی تکلیف دہ اور دشوار تھا جتنا اس وقت جب انہوں نے انصاری ہاؤس میں پہلا قدم رکھا تھا یا پھر جب انہیں ماں کی موت اور بھائی کی گمشدگی کی خبر ملی تھی۔ وہی درد آج اتنے سال بعد بھی انہوں نے اپنے اندر اترتا محسوس کیا تھا۔ زندگی بہت آگے بڑھ کر بھی وہیں کھڑی تھی جہاں بہت کچھ پا کر بھی سب کچھ کھو جانے کا قلق دل کو اداس کردیتا تھا۔ گزرے ماہ و سال کسی فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے تھے۔ اپنی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ اس وقت تو محض ڈاکٹر زبیر انصاری کی خوشی پہ خاموشی اختیار کرتے ہوئے ہی کیا تھا لیکن کچھ عرصے بعد جب زندگی کی ہیجان خیزی کچھ کم ہوئی تو انہیں احساس ہوا تھا کہ اعلیٰ تعلیم ان کی ضرورت ہی نہیں ان کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی اور سفینہ کا اکلوتا خواب بھی۔ وہ اپنے بچوں کو پڑھا لکھا کر کسی قابل بنانا چاہتی تھی خاص طور پہ فاطمہ کو تاکہ زندگی میں اسے کبھی اپنی ضرورت کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ اس کی یہ خواہش بہت سال بعد پوری تو ہوئی مگر وہ اس وقت یہ سب دیکھنے کے لیے دنیا میں نہیں تھی۔ نور فاطمہ کی زندگی کا وہ حصہ مشکل ہی نہیں تکلیف دہ بھی تھا جہاں گھر اور شوہر کی ذمہ داریوں کے ساتھ انہوں نے میڈیکل جیسی ٹف تعلیم جاری رکھی۔ ان کی خاطر زبیر انصاری نے اپنا گھر اور ملازمت چھوڑ کر اسلام آباد شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا اور یہ بہت بڑا فیصلہ تھا۔ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں وقار انصاری صاحب بھی ان کے ساتھ ہی رہے۔ زبیر انصاری نے اگر اپنے وعدے کو نبھاتے نور فاطمہ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا تو انہوں نے بھی اپنی ہر ذمہ داری دل و جان سے نبھائی۔ وقار انصاری وقتِ رخصت نور فاطمہ کے لیے خوشیوں کی دعا کرتے دنیا سے گئے تو نندوں نے ان کے حسنِ سلوک کی بدولت نہیں سر آنکھوں پہ بٹھایا۔ شوہر کے شانہ بشانہ چل کر بھی انہوں نے ہمیشہ ان کی خواہش و مرضی کو مقدم سمجھا۔ اپنا تو ان کا کوئی خاندان تھا ہی نہیں لیکن اپنے شوہر کے خاندان کو انہوں نے اپنا بنایا۔ ان کے دلوں میں اپنی لیے جگہ بنائی۔ مرحلہ طویل اور مشکل تھا لیکن ناممکن نہیں۔ اچھی بیوی، بہترین بہو اور ذمہ دار ماں کی اعلیٰ مثال قائم کرتے نور فاطمہ آج اس خاندان کا غرور و مان تھیں۔ اگر سفینہ نے زور زبردستی کر کے زبیر انصاری کی صورت ان کے لیے بہترین ہمسفر کا انتخاب کیا تھا تو انہوں نے زبیر انصاری کو بھی اپنے فیصلے پہ پچھتانے نہیں دیا تھا۔ وہ شکر گزاری کی مٹی سے بنی ماں کی اولاد تھیں ہر حال میں مشکور ہی رہتیں لیکن اوپر والے نے تو ان کا مقدر سنہری حروف سے لکھا تھا اسی لیے تو اتنا چاہنے والا شوہر نصیب میں تھا۔ آج دامن میں سب کچھ تھا۔ نہیں تھی تو ٹیپو کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ مل جاتا تو یہ تشنگی بھی چلی جاتی جو برسوں سے ساتھ چل رہی تھی۔

''سوال کے جواب میں ایک اور سوال۔'' اس نے جتایا۔ سمیر کا ارادہ سونے کا تھا لیکن نیند اسے ابھی نہیں آرہی تھی لہٰذا اپنا پسندیدہ ٹائم پاس یعنی کھاتا کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ سونے سے پہلے گھر کا چکر لگا کر تسلی کرنا اس کی عادت تھی۔ لاؤنج میں اندھیرا تھا پر لان سے آتی مدہم روشنی میں نور کو کھڑکی پہ سر ٹکائے دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔

''نیند نہیں آرہی تھی۔'' اپنی آنکھوں کی نمی کو سمیر سے چھپاتے وہ دھیمے لہجے میں بولیں اور بیٹے کی طرف دیکھنے سے اجتناب کیا۔

''میں اکاؤنٹس چیک کررہا تھا۔'' وہ بھی ان کے برابر آ کھڑا ہوا اور لان میں دیکھنے لگا۔

''خود کو اوور برڈن کیا ہوا ہے تم نے۔ وقت پہ کھانا اور وقت پہ سونا اچھی عادت ہے۔'' حتی الامکان خود پہ قابو پاتے بظاہر وہ نارمل ہو چکی تھیں لیکن سمیر سے اپنے آنسو چھپا کر بھی ان کی آواز کی نمی پوشیدہ نہ رہ پائی تھی۔ ان کی نصیحت پہ تو خیر اس نے ہرگز توجہ نہیں دی تھی اور اپنے اندر اٹھتے سوال کو بھی نہیں روکا تھا۔

''آپ ڈسٹرب ہیں یا پھر اپ سیٹ۔ مجھے نہیں

بتائیں گیں۔" نور انصاری نے اس کے سنجیدہ چہرے پہ نگاہ کی۔ جوان بیٹے سے دل کی بات چھپانا کتنا مشکل مرحلہ ہوتا ہے اس کا اندازہ انہیں اس وقت بخوبی ہو رہا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں میری جان۔ بتایا تو ہے نیند نہیں آ رہی تھی۔" دھیمے انداز میں کہتے وہ ہلکا سا مسکرائیں اور اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

"آپ کے اور ڈیڈ کے درمیان کوئی ایشو چل رہا ہے کیا؟" یہ وہ بات تھی جو وہ کئی دن سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں کبھی ایسی بات نہ آتی اگر اس نے اپنے والدین کے درمیان اس رات وہ ادھوری گفتگو نہ سنی ہوتی۔ جسے سننے کے بعد اس کے لیے یہ یقین کرنا ہی مشکل ہو رہا تھا کہ اس کے ممی ڈیڈی میں بھی کسی بات کو لے کر تنازعہ بھی ہو سکتا ہے لیکن انصاری صاحب کی طبیعت کا اچانک خراب ہونا اور ماں کے چہرے کی اداسی جیسے اس کے شک پہ یقین کی مہر ثبت کرتے چلے گئے تھے۔

"یہ تم سے کس نے کہا؟" نور انصاری کو شاک لگا۔

"نہیں بس مجھے ایسا لگا شاید آپ کا ڈیڈ سے کوئی جھگڑا ہوا ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"تم نے دیکھا کبھی اپنے ڈیڈ کو مجھ سے جھگڑا کرتے؟" انہوں نے ابرو اٹھا کر سوال کیا۔

"ظاہر سی بات ہے اسی لیے مجھے بھی تعجب ہوا لیکن آپ اور ڈیڈ پچھلے دنوں اسٹریسڈ تھے تو مجھے لگا......" اب اس سے زیادہ وہ کیا کہتا۔ کھل کر بات بھی اسی صورت ہوتی جب ماں کی طرف سے کوئی سراغ ملتا۔ انہوں نے تو یک دم اس کی بات جس اعتماد سے رد کی اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں بچتی تھی۔

"اسٹریس کام سے ہوتا ہے روزمرہ کے چھوٹے موٹے مسائل کام کا حصہ ہوتے ہیں بٹ تھنگ تو وری۔" وہ ان کی اداسی کو زبیر انصاری سے ناراضی سمجھ رہا تھا یہ جان کر انہیں تسلی ہوئی تھی۔ مگر اس کا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا۔ اگر جھگڑا نہیں تو پھر ان کے درمیان وہ بحث اور ممی کی یہ اداسی۔ آخر کچھ تو تھا ان سب باتوں کے پیچھے (ہو سکتا ہے میں نے نتیجہ غلط نکالا ہو بات وہ نہ ہو کچھ اور ہو لیکن کیا؟) اور اس کیا کے آگے سب دھرا کا دھرا رہ جاتا تھا۔ بات کہاں سے شروع ہوئی پہنچی ایک بار پھر اسی اندھے موڑ پر تھی۔

"خیر تمہاری نگہت آپا سے بات ہوئی؟" اپنی طرف سے تو نور انصاری بیٹے کو مطمئن کر چکی تھیں لہٰذا بات کا رخ بدل دیا۔ یوں بھی وہ سمیر سے کچھ شیئر کرنا چاہ رہی تھیں۔ وہ اسرار جو پہلی بار انہیں اپنی نند کی باتوں سے محسوس ہوا اور جسے انہوں نے ان سے بات کرتے قصداً ظاہر نہیں کیا تھا۔

"نہیں میری پھوپو سے بات نہیں ہوئی۔ ایک آدھ دن میں خود کال کر لوں گا۔" وہ دونوں اب کھڑکی سے ہٹ کر صوفہ کی طرف آ گئے تھے۔

"مجھے لگتا ہے نگہت آپا کو فریحہ پسند ہے۔" نگہت آپا کی بات نے کچھ شک تو ان کے دل میں بھی ڈالا تھا۔ انصاری صاحب ہوتے تو وہ ان سے ذکر کر لیتیں۔ سمیر ٹھوڑی پہ ہاتھ ٹکائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے ان کے سامنے والے صوفہ پہ مطمئن سا بیٹھا تھا۔ ان کی بات سن کر ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔

"بہت بڑا دل ہے پھوپو کا۔ فریحہ کو پسند کرنا خاصے دل جگرے کا کام ہے۔" وہ ایک آنکھ دبائے سوچتے ہوئے بولا۔ نور انصاری جو اس وقت بے تحاشہ سنجیدہ تھیں اس کی غیر سنجیدہ بات پہ بس ایک ٹک اسے دیکھے گئیں اور یہ ان کا خاص تنبیہی انداز ہوتا تھا اپنے بچوں کے لیے کہ جب بھی انہوں نے اپنی ناراضی کا اظہار کرنا ہوتا یا بات ان کے مطابق نہ ہو رہی ہوتی تو وہ بس سنجیدہ نظروں سے دیکھتیں اور یہ ممی کا موڈ خراب ہونے کا الارم ہوتا تھا۔

"کمال کرتی ہیں ممی، کون سی پھوپو اپنی بھتیجی کو پسند نہیں کرتی ہوں گی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تو نور انصاری نے سر جھٹکا۔

"کبھی تو سیریس ہوا کرو سمیر میں دوسری پسندیدگی کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے ان کی باتوں سے شک سا گزرا ہے وہ عمیر کے حوالے سے شاید فریحہ میں انٹرسٹڈ ہیں۔

آئم ناٹ شیئور لیکن ان کی بات کچھ عجیب سی تھی۔" انہوں نے ساری بات کھل کر بتائی کس طرح نگہت آپا ان سے ڈھکے چھپے انداز میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ بھلے ان کی بات کو اس وقت نظر انداز کر دیا تھا لیکن وہ اتنی بے وقوف نہیں تھیں کہ اس پیغام کو نہ سمجھ سکتیں۔

"آپ نے فریحہ سے اس سلسلے میں کوئی بات تو نہیں کی؟" اس نے سوال کیا۔ سمیر اب خاصہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"نہیں یہ تو میں نے ابھی تمہارے ڈیڈ کو بھی نہیں بتایا۔ یونہی خیال آیا تو تم سے شیئر کر لیا ویسے عمیر اچھا لڑکا ہے۔ ہمارا دیکھا بھالا بچہ ہے اگر ایسا ہو جائے تو ہمیں خوشی ہوگی۔" وہ دونوں لاہور سے واپس آتے تو کوئی بات ہوتی اور فریحہ سے تو بات اسی وقت ہوتی جب کچھ کنفرم بھی ہوتا۔ وہ پہلے سے اس کے دماغ میں ایسی کوئی بات ڈال کر اس کا ذہن کیوں خراب کریں۔

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ فریحہ سے پوچھ لیجئے گا بہر حال اس کی خوشی سب سے پہلے۔" یہ بات سمیر نہ بھی کہتا تو وہ ہرگز ایسا کوئی فیصلہ بیٹی کی مرضی جانے بغیر نہ کرتیں۔ اتنی تعلیم اور خود مختاری دینے کے بعد اولاد سے ان کی زندگی کا اہم فیصلہ کرتے ان کی مرضی معلوم نہ کرنا حق نہیں جہالت کہلاتا ہے۔ زور زبردستی ان پہ اپنے فیصلوں کا نفاذ اس لمحے کرنا جس پہ ان کی تمام زندگی کا انحصار ہو۔ بچپن جیسی کچی سوچ کے ساتھ جنہیں آئسکریم کا فلیور بھی ان کی مرضی سے لے کر دیا جاتا ہے بڑے ہونے پر جب وہ دنیاوی شعور حاصل کر لیتے ہیں تو ان پہ جبراً اپنے فیصلے مسلط کر دیئے جاتے ہیں جن کا نتیجہ ہرگز مثبت نہیں ہوتا۔ ماں باپ سے بڑھ کر اولاد کی بہتری کوئی نہیں سوچتا لیکن ان پہ اپنی مرضی مسلط کرنے کی بجائے انہیں اعتماد میں لے کر ان کی خوشی سے کیے جانے والے فیصلے فردِ واحد کے لیے نہیں بلکہ نسلوں کے لیے بہترین ثابت ہوتے ہیں۔

"ڈونٹ وری پوچھ لوں گی۔" انہوں نے اسے تسلی دیتے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لگے ہاتھوں تم بھی بتا دو اپنی خوشی ویسے وہ کشمالہ بری نہیں۔" موقع ملتے ہی انہوں نے اسے بھی دوبارہ گھیر لیا تھا۔ سچ بات تو یہ ہے انہیں کشمالہ واقعی اچھی لگی تھی۔ وہ سمیر کے ساتھ خوب جچتی۔

"وہ تو اتنی اچھی ہے کہ انسان کو بدہضمی ہو جائے۔" سمیر کی شرارت پہ نور انصاری نے بمشکل ہنسی دبائی۔

"بکو مت، ہمیشہ ٹال دیتے ہو۔" انہوں نے ڈپٹا تو سمیر انگڑائیاں لیتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرا خیال ہے میں جا کر سو جاؤں ورنہ آپ یہیں کھڑے کھڑے میری شادی کروا دیں گیں۔" ان کے ماتھے پہ بوسہ دے کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

نور فاطمہ انصاری بیٹے کے لمس کو اپنی جلتی ہوئی پیشانی پہ محسوس کرتی رہیں۔ وہ جانتی تھیں سمیر جاتے جاتے انہیں اپنے انداز میں دلاسہ دے کر گیا ہے۔ ان کی پریشانی پہ تسلی دے کر گیا ہے۔ وہ بے شک اسے نہ بتائیں اور بھلے وہ آگاہ نہیں پر وہ ان کے ساتھ ہے۔ فرطِ جذبات سے بے اختیار ان کی آنکھیں چھلک گئی تھیں اور اس پل وہ جانتی تھیں یہ آنسو تکلیف یا پریشانی کے نہیں بلکہ بے انتہا خوشی کے ہیں۔ زیست کا حاصل ہے جو فرماں بردار اولاد کی صورت آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔ نور فاطمہ اس لمحہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا اور بے شک ہم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلائیں گے جو نوازنے پہ آ جائے تو پیروں کی دھول ذرہِ آفتاب بن کر دمکنے لگتی ہے۔ زندگی جنت سی حسین اور مکمل ہو جاتی ہے۔

☆.........☆

صبح سویرے سورج کی سنہری کرنیں انصاری ہاؤس کی پُرشکوہ عمارت پہ دستک دینے پہنچ چکی تھیں۔ فریحہ کے بغیر علینہ کی بیزاری شدید تر ہوتی جا رہی تھی اس پہ مونس والا قصہ الگ حواسوں پہ سوار تھا۔ فریحہ ہوتی تو اس سے کچھ کہہ سن کر دل ہلکا کر لیتی کہ اس سے بات چیت کرنا اب اتنا مشکل نہ لگتا تھا۔ مونس کی طرف سے بھی اسے اچھی خاصی پریشانی تھی۔ کچھ دکھ بھی تھا کہ سمیر نے اس کے ساتھ تھوڑی زیادہ کر دی ہے۔

"کم سے کم اسے تھانے میں بند نہیں کروانا چاہیے تھا

آخر اس کے گھر والے پریشان ہوں گے۔" ایک بار تو دل میں آیا کہ باپ کو فون کرکے بتا دے پر اس سے تو بات نہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ دوسرا اگر سمیر کو پتا لگ جاتا تو وہ اس کا گلہ ضرور دبا دیتا (اس بار سچ میں) ویسے اسے سمیر کے رویے پہ بھی شدید حیرت تھی۔

"اتنا برا نہیں مسٹر اکڑو جتنا نظر آتا ہے۔" اور اپنی بات کا مفہوم سوچتے ہوئے علینہ نے ایک بار اپنی بینائی کی کمزوری پہ بھی دھیان دیا تھا۔ (کم بخت برا نظر بھی تو نہیں آتا) وہ بس سوچ کر رہ گئی تھی۔ سب باتیں ایک طرف انصاری صاحب اور فریحہ کی واپسی مؤخر ہونے کا غم ایک طرف۔

کل عمیر آرہا تھا۔ نور کا مشورہ تھا ایک دن مزید وہاں گزار کر اسے ائیرپورٹ سے ریسیو کر کے گھر پہنچیں۔ فریحہ کا انٹرسٹ نہ تھا اس لیے وہ جز بز ہوئی پر زبیر انصاری کو بھی یہ بات مناسب لگی تھی۔ بار بار سفر کرنا مشکل تھا یا پھر دوسری صورت سمیر کو جانا پڑتا جو اس کے حالیہ شیڈول میں ناممکن تھا۔ فریحہ کی مرضی شامل تھی یا نہیں...... ان کی واپسی ایک دن بعد ہی ہوئی تھی۔ فریحہ کی واپسی نے جہاں علینہ کے دل کی کلی کھلائی تھی وہیں عمیر کی آمد سے وہ بالکل اسی طرح بدمزہ ہوئی تھی جس طرح ایک مہمان دوسرے مہمان کی آمد پہ ہوتا ہے۔ ظاہری بات ہے سب کی توجہ علینہ سے ہٹ کر عمیر کی طرف منتقل ہوگئی تھی۔ وہ تو ان کی کچھ لگتی بھی نا تھی جبکہ عمیر سے تو ان کا انتہائی قریبی تعلق تھا۔

"میرا واقعی دماغ کھسک گیا ہے۔" اسے اپنی سوچ پہ غصہ آیا۔ یہ کیسی باتیں لے کر بیٹھ گئی تھی وہ۔ چند روز پہلے اسے یہی توجہ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس میں احسان نظر آرہا تھا اور اب نظر انداز ہونے کا خوف دل جلانے لگا تھا۔

"اللہ جانے میں کب اور کیسے نارمل ہو پاؤں گی۔ ہو پاؤں گی بھی یا شاید ہمیشہ ایسی احمق رہوں گی۔" خود کو کوستے اس نے اپنا تجزیہ کیا۔ وہ واقعی احمقوں کی سردار تھی۔ دراصل حقیقت میں جن باتوں سے وہ شدید نالاں اور خائف رہتی تھی ان کی کمی اپنی زندگی میں محسوس کرتی تھی۔ اس کی زندگی کی طرح اس کی شخصیت بھی انتہائی پیچیدہ تھی۔ وہ مسائل جو اسے وراثت میں ملے تھے آج اس کی زندگی میں عدم تحفظ، دوہری شخصیت اور نفسیاتی مسئلوں کی صورت موجود تھے جو دن بہ دن اسے الجھائے چلے جارہے تھے۔ احساسِ کمتری وجود کی دیواریں توڑتا کسی نہ کسی بہانے باہر نکلنے کو بے تاب ہوتا۔ چند روز پہلے فریحہ سے اپنا موازنہ کرتے اسے اپنا آپ بے مول اور ارزاں محسوس ہوا لیکن فریحہ کے خلوص اور دوستانہ برتاؤ نے اس سوچ میں دراڑ ڈالی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دو دن میں اس کی غیر موجودگی سے بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ اب کچھ یہی صورت حال عمیر کے ساتھ بھی درپیش تھی کہ مہمان وہ بھی تھی اور مہمان عمیر بھی تو موازنہ یہاں بھی آچکا تھا۔ حماقت سے زیادہ کچھ نہیں تھا پر حماقتیں بھی پرلطف ہوتی ہیں۔

☆......☆......☆

عمیر کی آمد سے گھر کا ماحول دوآتشہ ہوگیا تھا۔ وہ سمیر سے دو سال بڑا تھا۔ اپنی باتونی اور ملنسار طبیعت کی بدولت اس نے جلد گھر میں سب کی توجہ بٹور لی تھی۔ علینہ اس کی طرف کم ہی توجہ دیتی۔ سب سے الگ تھلگ اور خاموش بغیر کسی ردِعمل کے اس کی باتیں سنتی رہتی لیکن آہستہ آہستہ وہ ان سے محظوظ ہونے لگی تھی۔ ظاہر نہ کرتی پر اس کا دل بھی کرتا وہ فریحہ کی طرح کھل کر ان لطیفوں پہ قہقہے لگائے اور خوب دل کھول کر ہنسے۔ وہ ان کا کزن تھا، چند روز رہنے آیا تھا تاں کہ یہاں اس کی پوزیشن کمزور کرنے۔ یہ سوچ بھی اسے اپنی بے وقوفی پہ ماتم کرتے ہوئے آئی تھی۔ اور پھر اس کی تو حیرت کی انتہا ہی نہ رہی جب رات کے کھانے کے بعد حسب عادت لاؤنج میں بیٹھ کر کافی اور کھٹی میٹھی باتوں سے لطف اندوز ہوتے عمیر نے اسے بھی شاملِ گفتگو کرلیا۔

"علینہ تم اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھی ہو۔" وہ عمیر تھا سمیر نہیں، تکلف وغیرہ تو اسے آتے نہ تھے اور پھر علینہ بھلے مہمان تھی لیکن وہ تو ان کے خاندان کا حصہ تھا۔ اسے

عجیب سا محسوس ہوا تھا علینہ کا اتنا خاموش اور لاتعلق رویہ اور یہ اس کا ضرورت سے زیادہ خاموش اور لاتعلق رہنا ہی تھا کہ عمیر کا دھیان اس پہ گیا۔
"بول کے تجھ پہ گماں ہونے لگا تصویر کا۔" اس برجستہ شعر پہ سب کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری اور سب ہی علینہ کی طرف متوجہ ہو گئے ماسوائے سمیر کے جو کافی کے کپ میں منہ دیئے بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن کن انکھیوں سے عمیر کو دیکھ رہا تھا۔
"میں کیا بولوں' میں سن رہی ہوں۔" سب کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ کھسیانی ہوئی۔
"حالانکہ سنتے تو صرف مرد ہیں کیوں ماموں؟" عمیر نے اپنا ہاتھ زبیر انصاری کے آگے کیا۔ قہقہہ لگاتے انہوں نے تائیدی انداز میں اپنا ہاتھ مارا۔
"بھئی ہمیں تو خود عمر گزر گئی سنتے سنتے۔" وہ بھی شریر ہوئے۔ نور فاطمہ نے سر جھٹکتے کافی کا کپ میز پہ رکھا۔
"عمیر بھائی آپ سے مل کر لگتا ہے زمانہ بدل چکا ہے۔ اب خواتین ہماری طرح خاموشی سے سنتی ہیں۔ بولتے تو صرف مرد حضرات ہیں۔" فریحہ نے جھٹ لقمہ دیا۔
"سمیر تم نے وہ لطیفہ تو سنا ہوگا۔ پانچ عورتیں اکٹھی بیٹھی تھیں اور سب خاموش تھیں۔" وہ اب سمیر کی طرف متوجہ تھا جس نے کنجوسی سے بس مسکرانے پہ اکتفا کیا تھا۔ البتہ باقی سب نے عمیر کے جوک کو انجوائے کیا۔ کچھ دیر یونہی خواتین و حضرات کی ٹانگ کھینچتے گزری اور عمیر ایک بار پھر علینہ کی طرف متوجہ ہوا۔
"تمہاری اسکولنگ دوہا کی ہے ناں۔ کون سے اسکول میں تھی تم؟" اس نے سوال کیا۔ علینہ کے متعلق سرسری سی معلومات اس نے اپنی سویٹ ممانی سے ہی حاصل کی تھی۔ ویسے تو انصاری خاندان کا ہر فرد شاکرہ نانی سے واقف تھا اور عمیر کا بھی ان سے غائبانہ تعارف تو تھا۔
"کیمبرج اسکول میں۔" اسے حیرت ہوئی تھی کہ وہ اس کے متعلق یہ سب کیسے جانتا ہے لیکن اپنی حیرت پہ قابو پاتے اس کا جواب مختصر دیا۔
"ویری نائس۔ بڑا کمال کا اسکول ہے۔ میرا کولیگ دوہا سے ہے۔ اس نے بھی ہائی اسکول وہیں سے کیا تھا پھر ہائر اسٹڈیز کے لیے یو کے آ گیا۔ اینڈ ہی از این ایکسٹرا آرڈنری بریلینٹ۔" عمیر کی زبان سے ادا ہوئے جملے نے علینہ کی سرد مہری میں دراڑ ڈالی۔ اسکول اور اس سے جڑی کئی یادیں اس پل یاد آئی تھیں۔ پہلی بار اسے اس گفتگو میں دلچسپی کا عنصر نظر آیا۔
"پھر تو یقیناً تم بھی ایک غیر معمولی اسٹوڈنٹ ہوگی کیونکہ عام سے طلبہ کا وہاں ٹکنا محال ہے۔" وہ متاثر لہجے میں بولا۔
"مڈل اسکول میں اسکالرشپ تھا میرے پاس۔" علینہ کا انداز فخریہ تھا۔ وہاں بیٹھے سب نے ہی اسے توصیفی نظروں سے دیکھا۔
"ہیٹس آف ٹو یو میم۔" وہ اپنی دو انگلیاں پیشانی تک لے کر گیا۔ علینہ کے چہرے پہ دھیمی سی مسکراہٹ ابھری۔ اپنی تعریف و توصیف سننا زندگی کی ہر اسٹیج پہ اچھا لگتا ہے۔ تنقید سچ بھی ہو تو باعثِ تکلیف ہوتی ہے بھلے چند پل کو ہی لیکن ہمیں دکھ محسوس ہوتا ہے اور اس نے تو بس اب تک خود پہ تنقید ہی سہی تھی۔ کوئی اس کی خوبی کا ذکر کر رہا تھا تو احساسِ تفاخر روح کو سیراب کر رہا تھا۔
"پھر تو آگے بھی کچھ شاندار پلان کیا ہوگا۔ کیا پڑھ رہی ہو؟" علینہ اب کافی مطمئن تھی۔
"میں بی بی اے کر رہی ہوں فنانس میں۔ لاسٹ سمیسٹر ہے۔ اس کے بعد ایم بی اے کا پلان ہے ان شاء اللہ۔" وہ بڑے اعتماد سے بولی تو سمیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں جگنو تمتما رہے تھے۔ وہ بے تحاشہ مسکرا رہی تھی اور اس کے چہرے پہ خوشی کے یہ رنگ بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔
"شکر ہے وقت کے ساتھ پاکستان میں بھی کچھ تبدیلی آتی دکھائی دی ورنہ اب تک تو لڑکیاں پروفیشنل اسٹڈیز میں بس ٹیچنگ یا میڈیسن تک محدود تھیں۔" اس کا

لہجہ عام سا تھا لیکن فریحہ نے باقاعدہ گھور کے دیکھا۔
"اچھی بات ہے تم نے مینجمنٹ کا انتخاب کیا۔ کوشش کرنا اسے پریکٹیکلی یوٹالائز کرو۔ پڑھ کر گھر مت بیٹھ جانا۔" علینہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔
"نور ممانی آپ کی بات نہیں کر رہا میں۔ آپ تو ہماری فیملی کا مان ہیں۔" اس محفل میں تین ڈاکٹر بھی موجود تھے جن میں سے دو خواتین اور وہ اپنے خلاف آتے ہی مخالف بلاک کھلنے نہیں دے سکتا تھا اس لیے فوراً وضاحتی بیان دے ڈالا پر فریحہ کا ذکر قصداً گول کر دیا تھا جس پہ اس کا منہ بن گیا تھا۔
"پاکستان کے دو سب سے بڑے ملک گیر مسائل جانتے ہیں۔ پہلے نمبر پہ صحت دوسرے پہ تعلیم۔" فریحہ دفاعی پوزیشن سنبھالے میدان میں اتر آئی۔
"اور ان کے پیچھے چھپی ہے گڈ گورننس۔ درست ایڈمنسٹریشن نہیں ہوگی تو یہ دونوں مسائل جیسے پچھلے ستر سال سے قائم ہیں اگلے ستر سال تک قائم رہیں گے۔" سمیر خود کو روک نہیں پایا تھا۔ عمیر نے مسکراتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں سمیر کا اس طرف داری پہ شکریہ ادا کیا جسے اس نے نہایت سنجیدگی سے قبول کیا کیونکہ یہ تو بس وہی جانتا تھا اس وقت وہ عمیر کی فیور نہیں کر رہا تھا۔ علینہ نے ناقابلِ یقین حیرت سے سمیر کی طرف دیکھا جو ایک بار پھر کافی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ یہ شخص واقعی بہت عجیب تھا۔ اس سے کچھ بعید نہ تھا کب، کہاں اور کیسے وہ کیا کہہ دے۔
"ڈِش یو گڈ لک علینہ۔" عمیر خوشدلی سے بولا جبکہ علینہ سنجیدگی سے شکریہ کہتی ٹی وی کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ عمیر اور فریحہ میں بحث جاری رہی جسے مسٹر اینڈ مسز انصاری دیر تک انجوائے کرتے رہے۔

☆......☆......☆

صبح کچن میں ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ کل رات سے ملازمہ کو شدید بخار تھا۔ نور فاطمہ نے اسے رات ہی چھٹی دے دی تھی کہ وہ آج کا دن آرام کر سکے۔ کچن کا کام ویسے بھی وہ خود اچھے سے کر لیتی تھیں لیکن آج صبح جلدی جلدی میں وہ اپنا اور ڈاکٹر انصاری کا ناشتہ تیار کر کے اسپتال چلی گئیں پیچھے سب گھر والوں کے ناشتے کی ذمہ داری فریحہ کے ذمہ تھی جو عام حالات میں کہاں کچن میں جھانک کر دیکھتی تھی۔ پہلے پڑھائی پھر ملازمت، ایسے میں بہت سے بہت کافی، چائے پکا لی گئی۔ ویسے اس نے بیکنگ کا کورس بھی کیا ہوا تھا کیونکہ اسے شوق تھا مگر یہ کئی سال پرانا قصہ تھا جب اس نے ایف ایس سی کیا تھا۔ اب تو عام کھانا پکانا بھی اسے زہر لگتا تھا۔ صبح کے ناشتے کی ہڑبونگ شروع ہوئی تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سمیر کو آفس نکلنا تھا، پھر عمیر اور علینہ گھر پہ تھے اور اس کے بعد اسے اسپتال بھی جانا تھا۔ علینہ بھی مدد کو چلی آئی کہ اسے فریحہ کا اترا ہوا چہرہ اچھا نہیں لگ رہا تھا پر کام کے معاملے میں تو وہ اس سے بھی ایک ہاتھ آگے تھی۔ چائے پکا لیتی تھی گھر میں وہ بھی شاکرہ نانی کی دس ہزار باتیں سننے کے بعد سیکھی تھی ورنہ کچن کا رخ وہ بس اپنا کھانا نکالنے کے لیے کرتی تھی۔ اس کی اسی ڈھٹائی پہ تو شاکرہ اسے سناتی تھیں مگر اس کے کان پہ جوں نہ رینگتی۔
"کیا تھا جو ممی آج تھوڑا دیر سے چلی جاتیں۔ سمیر بھائی کی تو خیر ہے لیکن عمیر بھائی۔" رات کو نور نے ایک زبردست سے کانٹینینٹل ناشتے کا مینو بنایا تھا۔ انہیں اگر صبح مجبوری نہ ہوتی تو وہ اس سب سے فارغ ہو کر ہی نکلتیں۔ فریحہ نے آملیٹ فرائینگ پین میں ڈالتے الٹی سیدھی شکلیں بنائیں۔ علینہ پاس کھڑی جلدی جلدی چائے تیار کر رہی تھی۔
"کوئی بات نہیں عمیر بھائی کو بھی آملیٹ ہی بنا دیں۔" فریحہ نے بمشکل آملیٹ پلٹا اور پھر جو عجیب و غریب شکل نمودار ہوئی تو اس نے باقاعدہ شکوہ کناں نظروں سے علینہ کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو یہ سارا قصور ان دو انڈوں کا ہے میں نے تو کچھ نہیں کیا۔
"فرائی انڈے بھی اچھے ہوتے ہیں۔" علینہ نے فریحہ کی رونی صورت دیکھ کر فوراً کہا اور خود بھی آج فرائی اگیک کھانے کا فیصلہ کیا۔ (یہ خراب شکل والا آملیٹ اس

سڑے ہوئے ڈی سی کو مبارک ہو)۔ جیسے تیسے آملیٹ پلیٹ میں منتقل ہوا مگر اس وقت تک وہ کسی دل جلے کی طرح سیاہ بھی ہو چکا تھا۔

"تم یہ ناشتہ باہر میز پہ رکھ آؤ میری بہن۔" ٹرے میں سمیر کا ناشتہ رکھتے اس نے علینہ سے درخواست کی۔ جانتی تھی اسے تو وہ دس سنائے گا اس پھوہڑ پنے پہ۔ علینہ بھی کہاں صبح صبح اس کی صلواتیں سننے کے موڈ میں تھی لیکن فریحہ کی مشکل کا سوچ کر سر ہلا دیا۔

"کیا ہے یہ؟" سمیر نے اس بے رنگ اور آڑھے ترچھے ملغوبے کو دیکھتے سوال کیا۔ (اسے ڈی سی کس نے بنایا۔ صاف تو پتا چل رہا ہے یہ آملیٹ نہیں نہیں انڈوں کی کوئی چیز ہے۔ بندہ اندازہ لگا لیتا ہے)

"آپ کی نظر کمزور ہے۔" وہ تنک کر بولی۔ اب اس کا کیا قصور تھا اس سب میں جو وہ اسے نخرے دکھاتا۔

"دسکس بائے سکس۔" اس نے برجستہ کہا۔

"اسے آملیٹ کہتے ہیں۔" علینہ نے باقاعدہ پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ چہرے پہ بلا کی سنجیدگی اور تاثر کچھ ایسا تھا جیسے اسپینش آملیٹ پیش کر رہی ہو۔

"تم کیوں لائی رفعت کہاں ہے؟" سمیر نے کانٹے سے اس کا تجزیہ کرتے سوال کیا۔

"رفعت کو کل رات سے بخار ہے وہ آج چھٹی پر ہے اس لیے میں...." علینہ نے جلدی جلدی بتانا چاہا مگر سمیر نے جملہ کاٹ دیا۔

"زہر تو نہیں ڈالا اس میں؟" سمیر کے سوال پہ علینہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ فریحہ باجی نے فرائی کیا ہے۔" وہ جل کر بولی۔

"مطلب اگر تم فرائی کرتی تو یقیناً زہر ڈال دیتی۔" اس کے تپنے سے محظوظ ہوتا وہ مزید دل جلانے لگا۔ ویسے بھی یہ سمیر کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ فریحہ کو بھی اسی لیے تنگ کرتا تھا کیونکہ وہ با آسانی جلنے کڑھنے لگتی تھی اور اب علینہ کی یہ کمزوری بھی اس کے ہاتھ آ گئی تھی کہ وہ مزاج میں بہت حد تک فریحہ جیسی تھی۔ اس سے پہلے کہ علینہ اس کی کسی بات کا جواب دیتی عمیر ڈائنگ ہال میں آ گیا۔ علینہ کا جملہ دم گھٹنے سے اندر ہی اندر ہلاک ہو گیا۔ سمیر جو اس کی طرف سے کسی جلی کٹی کا منتظر تھا مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا اور پھر اس کی نگاہوں کے زاویے پہ گردن گھمائی۔

"ارے واہ اس وقت اللہ سے کچھ اور ہی مانگ لیتا۔ بڑی بھوک لگ رہی تھی اور ناشتہ ریڈی۔" کرسی کھینچتا وہ چٹخارے لیتا اس ادھورے افریقہ کے معدوم نقشے کو جس حسرت سے دیکھ رہا تھا علینہ کو اس کی دماغی حالت پہ شدید قسم کا شک گزرا تھا۔ البتہ ڈی سی صاحب کا موڈ عمیر کو دیکھ کر غارت ہو گیا تھا۔

"تم کچھ اور ہی مانگ لو کیونکہ یہ میرے لیے ہے۔" سمیر کو یہ دخل اندازی ہرگز پسند نہیں آئی تھی۔ عمیر نے سامنے پڑی پلیٹ اپنی جانب کھسکانے کی کوشش کی مگر سمیر نے پلیٹ ہاتھ میں پکڑے کانٹے سے روک لی۔

"فریحہ تمہارے لیے دوسرا لے آئے گی مجھے آفس کے لیے نکلنا ہے۔" اس کی طرف دیکھے بنا سمیر نے بغیر وقت ضائع کیے جلدی جلدی اپنا آملیٹ کھانا شروع کر دیا۔ علینہ اس سرد جنگ پہ حیران کھڑی تھی جب ایک دم سمیر نے منہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"تم گئی نہیں اب تک۔ جاؤ کچن میں فریحہ کی ہیلپ کرو۔" اس حکمیہ انداز پہ علینہ کے کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔ یہ تیور برداشت کرنے والوں میں سے وہ تھی بھی نہیں لیکن یہاں اب مجبوری عمیر تھا جس پہ پچھلی رات علینہ کا بڑا متاثر کن امپریشن بنا تھا اور وہ اپنی زبان کے جوہر سمیر کو دکھا کر اس تاثر کو اپنے ہی ہاتھوں سپردِ خاک کرنا نہیں چاہتی تھی بس دل مسوس کر رہ گئی۔ سلگتی ہوئی تیوریاں سمیر پہ ڈالتی وہ پیر پٹختی کچن میں چلی گئی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

شائستہ جٹ

بکرے کی میں، میں جھومتی عید
گائے کی آں، میں مسکراتی عید
دنبے کی بھیں میں مہکتی عید
قصائی کے ہاتھ میں چھرا لاتی عید

گرمی میں خوار ہوتے ہوئے مسلسل آدھے گھنٹے سے وہ بائیک پر پسینے میں شرابور ادھر سے ادھر نگاہ دوڑا رہی تھی جس سمت نگاہ جاتی اس سمت میں بائیک لہرا جاتی' پیچھے بیٹھی حریم کو ہڈی ٹوٹنے کی فکر کے ساتھ کئی اور فکریں بھی کھائے جا رہی تھیں' ایک تو بکرا گم ہونے کی' دوسرا تحریم کے پیچھے بیٹھنے کی فکر اور سب سے اہم اگر تایا ابا نے بائیک چلاتے ہوئے پکڑ لیا تو جوتے پکے......

مگر تحریم کی خوداعتمادی قابل تحسین تھی' ایک تو بکرے کی رسی کو اس نے ہوا میں ایسے چھوڑا جیسے سیاستدان عوام سے وعدہ کرکے ہوا میں اڑا دیتے ہیں۔ اس کا اطمینان حریم کا خون کھولائے جا رہا تھا۔ وہ مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی۔

"چلو تحریم گھر چلتے ہیں۔" حریم نے بے چینی سے اس کے کندھے کو ٹہوکا دیا۔ "تایا جان کو بتا دیں گے کہ تم بکرے کو گھمانے کے لیے لا رہی تھیں مگر پھر تمہیں اپنے اکلوتے فون کی یاد نے اندر بھاگنے پر مجبور کر دیا اور بکرے کو کھلی رسی مل جائے تو وہ سکون سے بیٹھ کر گھاس تو کھانے سے رہا اس لیے بھاگ گیا۔" حریم طنزیہ بولی۔

"ارے یار تم چپ کرو گی دیکھنا ابھی بکرا مل جائے گا اور آکر خود بولے گا چلو تحریم گھر چلتے ہیں۔ بہت ہو گئی آوارہ گردی۔" مستی میں بولتی ہوئی وہ ایک دم جوش سے بولی "لو مل گیا بکرا' میرا مطلب تاڑو وہی' جو رات دن ٹیرس پر جھلستی دھوپ میں آنکھیں چنی منی کرکے چپل ڈھونڈنے کی ایکٹنگ کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ دیکھتا تو وہ تم کو ہے۔" حریم ناسمجھی سے اس کی بات سنتی رہی اس کی اکثر باتیں ایسے ہی بے تکی ہوتی تھیں۔ بائیک سائیڈ پر روک کر اس نے چابی انگلی میں پھنسائی' تحریم مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر اس ہمسائے نے تایا جان کو بتا دیا تو؟ حریم نے اس کو ہونے والے متوقع واقعہ کے بارے میں اطلاع بہم پہنچائی جس کو تحریم نے چٹکی میں اڑا دیا۔

تحریم اور حریم دونوں اپنے تایا ابا کے پاس ہی مقیم تھیں۔ بچپن میں ابو کی حادثاتی موت کے بعد سے وہ امی کے ساتھ تایا کے گھر رہ رہی تھیں۔ تایا جان کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ تائی اور تایا کی بے حد لاڈلی تھیں مگر تایا جان غلط بات کسی طور بھی برداشت نہ کرتے۔ تحریم اور حریم کی آپس میں خوب جمتی مگر تحریم جتنی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی حریم اتنی ہی سادہ اور معصوم تھی۔

تحریم لمبے ڈگ بھرتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔

"ایکسکیوزمی کیا میں آپ کا بکرا ادھار لے سکتی ہوں۔" تقی اس کی بات پر تقریباً اچھل ہی پڑا تھا۔

"محترمہ آپ بکرا مانگ رہی ہیں یا پانچ سو کا نوٹ۔" ابرو کو اچکاتے ہوئے تقی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں میں بکرا ہی مانگ رہی ہوں کانوں کو صاف کر لیں اور ویسے بھی تاڑ تاڑ کر ہمارے گھر کو آدھا تو کھا چکے ہیں اب کچھ ہمارے کام آجائیں۔" اس کے کھلے تبصرے پر وہ بے ساختہ بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ویسے یہ بکرا ہمارے بکرے جیسا ہی لگ رہا ہے کسی کو شک بھی نہیں گزرے گا اور تایا جان کی تو ویسے بھی قریب کی نظر کمزور ہے۔" سو وہ اپنی عقل کو داد دیتے ہوئے مسکرائی۔ تقی نے قدم آگے کی طرف بڑھا دیئے۔ تحریم نے جلدی سے لجاجت دکھائی۔

"پلیز دے دیں عید سے پہلے کچھ نہ کچھ ارینج کرکے آپ کو واپس کر دیں گے۔ وعدہ' اب اتنا اعتبار تو آپ ہم پر کر ہی سکتے ہیں آفٹر آل ہم ہمسائے ہیں ناں آپ کے۔" اس نے تائیدی نگاہ حریم کی طرف ڈالی جو نگاہ چرا گئی۔

مطلب تایا جان کے جوتوں کی حق دار صرف تحریم ہے وہ نہیں۔ تقی نے پرسوچ لہجے میں اس کی امید کو روشن کر دیا۔

"ٹھیک ہے آپ بکرا لے جائیں مگر عید میں رہ گئے ہیں پانچ دن' اس لیے چوتھے روز شام کو بکرا ہمارے گھر ہو بھئی ہم بھی تو کچھ خاطر مدارت کریں گے نا اپنے مہمان کی۔" اس نے احسان جتاتے ہوئے کہا جو تحریم کو ایک آنکھ نہ بھایا مگر مجبوری تھی سو چپ کی چادر اوڑھ لی۔

☆......☆......☆

"آج چوتھا روز ہے حریم میں کیا کروں یار میں نے تو اس لنگور سے وعدہ بھی کر لیا' اب اگر وہ بکرا لینے آ گیا تو سارا پول کھل جائے گا' میری تو خیر نہیں۔ کاش اللہ جی مجھے بھی بکرا خریدنا آتا تو خرید لاتی' آج آخری دن ہے کل عید ہوگی اور بکرا منڈی کا رش اف اگر کسی گائے کی دم میرے حسین چہرے پر سایہ فگن ہو کر لہرا گئی تو میری تو وہیں بریکنگ نیوز بن جائے گی۔" وہ کمرے سے

نکل کر دبے پاؤں لان کی طرف آئی تو نگاہ ٹیرس پر دوڑائی جہاں تقی محظوظ مسکراہٹ لیے اسے ہی تک رہا تھا۔ ساتھ میں بکرے کی طرف معنی خیز اشارہ کررہا تھا جو کہ تایا جان کے دست شفقت سے آنکھوں کو بند کررہا تھا اس نے بمشکل آنکھوں کو پھیرا اور اندر کی طرف چل دی۔

عید کے روز وہ کمرے میں بند رہی اسے لگا ابھی کوئی تایا جان کا بلاوا لے کر آئے گا اور سامنے تقی اس کے لیے کٹہرے کو تیار کیے ہوئے براجمان ہوگا مگر وہ بکرا لینے نہیں آیا شام کے وقت ایک سندیسہ اس کے نام ضرور آیا محبتوں سے بھرا خوشیوں سے کھلا یہ غضب ناک خبر حریم نے اس کو پھولے ہوئے منہ کے ساتھ سنائی کیوں کہ منہ میں گلاب جامن جو ٹھونس رکھی تھی۔ تحریم کو اس پر بے حد غصہ آیا جی میں آیا مکا مار کر اس کی بتیسی باہر نکال دے تبھی تایا جان امی تائی اور تقی کی امی کمرے میں داخل ہوئیں اس نے شرافت سے سب کو سلام کیا اور دعا لی۔

"بیٹا حمید کے جانے کے بعد میں نے آج تک تم دونوں کو اور عائشہ بھابی کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔" تبھی امی نے نم آنکھوں کو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں زاور بھائی آپ نے اور شگفتہ بھابی نے تو مجھ سے زیادہ ان دونوں کو اپنا مانا ہے یہ آپ کی بیٹیاں ہیں آپ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔"

"ارے نہیں بھابی میں پھر بھی اپنی بیٹیوں کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔ بیٹا یہ صفیہ میری دور کی رشتے دار کی بیٹی ہے مگر میں نے ہمیشہ اپنی سگی بہن ہی مانا ہے یہ اپنے بیٹے تقی کے لیے تمہارا رشتہ لائی ہیں تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" تحریم نے حیرانگی سے سب کو دیکھا اور سر کو جھکا کر قبولیت کا عندیہ دے دیا۔

☆......☆......☆

"تقی بھائی تم کو چھت پر بلا رہے ہیں۔ نیچے سب خوش گپوں میں مشغول ہیں اس لیے تم جاؤ میں نے آج تک ایسا کام نہیں کیا پیغام رسانی کا مگر تم اور تقی بھائی کبھی نہیں سدھرو گے اب جاؤ۔" گولڈن فراک چوڑی دار پاجامے اور میرون کلر کے دوپٹہ میں وہ سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی مگر اس کے چہرے پر چھائی شرمندگی کو جان لیا تو اس نے تحریم کے کان کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

"بکرا عید پر تم نے اپنی ساحر آنکھوں سے مجھے ذبح کر دیا۔" اس بات پر اس کے رخسار ایک دم دہک اٹھے تھے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے۔

"کچھ مت کہو بلکہ میں تم سے معافی مانگتا ہوں دراصل وہ بکرا تمہارا ہی تھا جب تم اس دن اندر گئی تھیں تو وہ باہر نکل آیا تھا میں ٹیرس سے دیکھ رہا تھا میں نے جا کر پکڑا اور گھر لے آیا تبھی میرے دل میں ایک بکرا اسٹائل آیا تمہیں اپنے پاس لانے کا اس لیے اس بکرا ترکیب کو اپنایا جو کافی سود مند ثابت ہوئی۔" وہ بات کررہا تھا مگر وہ غصیلی نظروں سے اس کو گھور رہی تھی۔

"اچھا تو میں فضول میں شرمندہ ہوئے جارہی تھی جب کہ سازشی کام تو آپ جناب نے سرانجام دیا تھا۔" تبھی اس نے اسے کندھوں سے تھام لیا اور اسے احساس ہوا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"ارے پاگل چاند رات والی عید پر تو بہت دل ملتے ہوں گے مگر ہمارا ملن بھی انوکھا ہمارا انداز بھی بکرا ملن چلو اب نیچے چلتے ہیں سب انتظار کررہے ہیں مگر میں تو شدت سے انتظار کررہا ہوں تمہارے آنے کا میرے دل میں میرے گھر میں!"

وہ اس کے کان میں سرگوشی کررہا تھا اور وہ اس کے آخری جملے پر تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اندر بھاگ گئی تھی۔

ایثار

نیلم شہزادی

"خالہ جان...... سارا گوشت میں نے صاف کردیا ہے ہڈیوں والا گوشت الگ کردیا ہے۔ گول بوٹیاں الگ کرکے پلاسٹک کی تھیلیوں میں رکھ دی ہیں شامی کباب کے لیے گوشت نکال لیا ہے الگ سے۔ اب یہ گوشت بچا ہے اسے آپ خرم (کام والا نوعمر لڑکا) کے ہاتھ محلے میں بھجوادیں۔" ماریہ نے قربانی کے گوشت کو چند گھنٹوں کی ریاضت سے ٹھکانے لگادیا تھا اب خالہ جان (ساس) کو پکارتے ہوئے اپنی محنت کی داستان سنارہی تھی۔ ماریہ کی چونکہ اپنی سسرال میں پہلی بقرعید تھی سو وہ سارا کام اپنے طریقے سے سمیٹ رہی تھی اس کی ساس اچھی طبیعت کی مالک تھیں بنا ڈانٹے ڈپٹے ہر کام میں مدد کروا دیتیں اصلاح بھی کردیتیں ان کے مشفقانہ رویے نے ماریہ کا حوصلہ بڑھایا تو ماریہ کو بھی ان سے ہر بات میں ہر کام میں صلاح ومشورہ کرنے کی عادت سی ہوتی جارہی تھی۔ خالہ جان نے گوشت کے شاپرز دیکھے چاولوں والے گوشت میں دھنیے کے چند پتے ڈال دیئے تھے تاکہ جب چاول پکانے ہوں تو گوشت باآسانی نکال سکے جس گوشت کو سالن پکانے کے لیے استعمال کرنا تھا اس کی تھیلیوں کے ساتھ چھوٹے دھاگے باندھ دیئے تھے۔

شیلف پر رکھی ٹرے میں سمندری پانی کے رنگ جیسی ماربل کی پلیٹوں میں گوشت کی مناسب مقدار ڈال کر خوب صورت سے سفید رومال سے ڈھک رکھا تھا۔ سفید رومال پر سرخ سبز اور پیلے رنگ کے ڈھیروں چھوٹے چھوٹے پھول کڑھے تھے۔ یہ رومال ماریہ کے جہیز کا تھا جو ماریہ کی ماں نے اپنی بیٹی کے لیے بہت پیار سے بنایا تھا چونکہ آج کل کی لڑکیوں کی طرح ماریہ نے بھی جہیز کی تمام چیزیں ریڈی میڈ اور جدید ڈیزائن کی لی تھیں تو ماریہ کی ماں نے بصد شوق یہ "اکلوتا رومال" کاڑھا تھا ان کے ہاتھ میں بہت نفاست تھی اور نفاست سے کاڑھے گئے پھول اتنے خوب صورت اور جاندار لگ رہے تھے جیسے ابھی مہک اٹھیں گے۔

چولہے پر رکھے دیگچے میں گوشت چنے کی دال اور باقی مصالحہ جات دھیمی آنچ پر گلنے کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ کمنگ سون شامی کبابوں کی پیشگی اشتہاء انگیز خوشبو دیگچے سے مچل کر نکل چار سو پھیل رہی تھی۔

کچن بھی صاف ستھرا تھا بس کچے گوشت کی ہلکی بو فضا میں رچی ہوئی تھی خالہ جان نے بہو کی پھرتیوں کو نظروں ہی نظروں میں تولتے ہوئے توصیفی نگاہ سے سراہا اور خرم کو بلاکر تقسیم کیے جانے والے گوشت کی ٹرے تھمائی اور سمجھایا کہ فلاں فلاں گھر میں دے آؤ۔ کچھ لمحے بہت خاموشی سے حال کی گرفت سے انگلی چھڑاتے ماضی کے دامن سے لپٹتے رہے کام میں محو ماریہ کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پلٹ کے دیکھا خالہ جان ابھی تک کچن کے دروازے میں ایستادہ تھیں ماریہ نے کچھ خلاف معمول محسوس کیا تو گویا ہوئی۔

"کیا ہوا خالہ جان؟"

"بیٹا...... اس بار ہم نے تین قربانیاں اللہ کے نام پر کی ہیں۔" خالہ جان نے کچھ سوالیہ انداز میں پوچھا ماریہ کا سر اثبات میں ہلا۔ چہرے پر تشکر آمیز تاثرات (کہ پروردگار نے ہمیں اس قدر استطاعت بخشی)

"تین قربانیوں کا گوشت ماشاء اللہ سے کافی مقدار میں تھا۔" خالہ جان کے دوسرے سوال پر بھی اس نے سر ہاں میں ہلایا۔

"تو تقسیم کے لیے بس پانچ پلیٹیں۔" "بس پانچ" پر خاصا زور دیا۔ اب کی بار ان کا سوالیہ انداز صدمے وخفگی سے پر تھا۔

"یہ بھی تو رکھا ہے۔" ماریہ نے شیلف کے نیچے رکھی ایک پلاسٹک کی تھیلی اٹھا کر دکھائی جو کافی پھولی ہوئی تھی جس میں کچھ بچی کچھی ہڈیاں چربی اوجڑی کے ٹکڑے اور چھیچھڑے بھرے تھے۔ خالہ جان نے تھیلی کو چھوئے بغیر سفید رنگ کی تھیلی سے جھانکتے گوشت کو جانچا۔

"سو مانگنے والے آجاتے ہیں ان کو دے دیں گے۔" ماریہ نے اپنے سگھڑاپے اور اپنی سخاوت کو جیسے خود ہی سراہا۔

"اپنے لیے تو گوشت کا بہترین حصہ مگر مانگنے والوں کے لیے اتنا ناقص ہم بھی تو اللہ سے مانگنے والے ہیں اور یہی تقسیم وہ ہمارے ساتھ روا رکھے تو......" انہوں نے ذہن میں سوچا اس سوچ نے ان پر لرزہ طاری کردیا تبھی وہ رسانیت سے بولیں۔

''قربانی کا مطلب ہوتا ہے ایثار یعنی ہمیں اللہ کی راہ میں قربانی کرنی ہے ہم نے چونکہ تین قربانیاں کی ہیں تو گوشت کے تین ڈھیر بننے چاہیے تھے ایک جیسے اور ایک جتنے...... منصفانہ تقسیم میں ایک حصہ اپنے لیے اور باقی کے دو حصے ہمیں پوری ایمانت داری سے حق داروں تک پہنچانے چاہیں۔ قربانی کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ ہم جانور ذبح کرکے اچھا حصہ اپنے لیے رکھ لیں اور بچا کھچا بانٹ دیں۔'' خالہ جان نے بہو کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مزید کہا' جہاں بات کو سمجھنے کے سارے زاویے موجود تھے۔

''خالی جانور کو ذبح کرنے سے ہمیں کیا قربان کرنا پڑا؟ الٹا ہماری تو موجیں ہوگئیں۔ ہماری قربانی تو یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کی خواہش کو قربان کریں اور گوشت کو دینی اصولوں کے مطابق تقسیم کریں۔'' خالہ جان نے بہو کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا۔ ماریہ کی آنکھوں میں الجھن کی ہلکی سی تہہ باقی تھی۔

''دیکھو بٹی...... ہم سارا سال گوشت کھاتے ہیں' ہر روز نئے سے نئے پکوان پکاتے ہیں' ہر ذائقہ چکھتے ہیں۔ کیا ہم کبھی گوشت کے لیے ترسے ہیں؟ (سوال کیا پھر خود ہی بولیں) نہیں' ناں...... تو ہمیں چاہیے کہ بقرعید کے گوشت کو کم سے کم محفوظ کریں کیونکہ بقرعید کا مطلب ہی یہ ہے کہ جن گھروں کی استطاعت کم ہے وہاں تک گوشت کی لذت جا پہنچے۔ ایک بھائی اپنے مسلمان بھائی کے لیے اپنی خواہش کو قربان کرے اپنے نفس کی طلب کو کم کرتے ہوئے دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دے اگر اللہ عزوجل چاہے تو وہ اپنے ان مستحق بندوں کو بھی قربانی کرنے کی توفیق عطا کرسکتا ہے لیکن نہیں' اللہ کو اپنے صاحب حیثیت بندوں کا امتحان مقصود ہے کیونکہ وہ کسی کو دے کر آزماتا ہے تو کسی سے لے کر...... لہٰذا ہمیں اسی لیے ہر سال بقرعید کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے۔'' ماریہ کی آنکھوں میں تیرتی الجھن کو نصیحت کے ذریعے دور کردیا تھا' اس نے اپنے کاندھے پر رکھے مہربان ہاتھ کا بوسہ لیا' خالہ جان کا ناصحانہ انداز اس کے دل و دماغ تک میں اثر کرگیا تھا' دل کے آئینہ میں ایثار و قربانی کے معنی بالکل واضح دکھنے لگے۔

''اور خالہ جان...... اپنے ہی جیسے کچھ گھروں میں' چند پلیٹوں میں گوشت رکھ کر تقسیم کرنا بھی تو قربانی نہ ہوا (کیونکہ ویسا ہی گوشت واپس جو مل جانا تھا) بلکہ ہمیں اپنے جیسے گھروں اور لوگوں سے ہٹ کر گوشت تقسیم کرنا چاہیے۔'' ماریہ نے اپنی نیک طبیعت ساس کی بات کو پوری جزئیات سے سمجھ کر اپنا موقف سنایا' خالہ جان مسکرادیں (جن گھروں میں بزرگ آج بھی اپنے فرائض تن دہی سے نبھا رہے ہیں' کوئی شک نہیں کہ ان گھروں کے بچے اپنے دین واسلاف کی اقدار آج بھی یاد رکھے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی پیرا عمل ہوں گے) ماریہ فریج میں رکھے گوشت کے شاپرز نکال کر دوبارہ سے گوشت کی تقسیم (منصفانہ) میں جت گئی۔ وہ جلدی جلدی ہاتھ چلا رہی تھی کیونکہ اس نے خرم کے ساتھ ابھی کچی بستی بھی تو جانا تھا' ارے بھئی قربانی کے گوشت کے اصل مستحقین کے پاس...... کیا سمجھے؟

وہ منڈی کا سب سے بڑا اور سب سے خوب صورت بکرا تھا' اس پر نگاہ ٹھہرے نہ ٹھہرتی تھی۔ منڈی میں آئے ہوئے خریدار اس کو دیکھتے اور دیکھتے ہی رہ جاتے' نوجوانوں کی اکثریت اس کے ساتھ سیلفیاں بنوا کر فیس بک پر اپ لوڈ کرتی جہاں لوگ کمنٹس میں استفسار کرتے کہ آخر کون سی منڈی میں ایسا نادر شاہکار ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟

اس کی قیمت ہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے وہ بکرا پچھلے چار روز سے منڈی میں کھڑا بک نہیں رہا تھا البتہ منڈی کا وہ مشہور ترین بکرا تھا اور اس کی وجہ سے اس کا مالک عبدالرحیم بھی۔ عبدالرحیم کے پاس پہلے روز پانچ بکرے تھے' تین بکرے پہلے ہی روز جبکہ ایک بکرا دوسرے روز بک گیا۔ اب اسی ایک بکرے کو لے کر عبدالرحیم روز منڈی آتا' اس کی کھوجتی نظریں لوگوں کے چہرے پر نجانے کیا تلاشتی رہتیں' وہ زیادہ تر خاموش رہتا مگر اس کے لب مسلسل ہلتے رہتے۔

اس بکرے کی قیمت ایک لاکھ اسی ہزار روپے تھی گو بکرے کو دیکھ کر بہت زیادہ معلوم نہ ہوتی مگر پھر بھی ابھی تک اس کا کوئی خریدار نہ آیا تھا' ایک گاہک البتہ اس کو ڈیڑھ لاکھ میں خریدنے پر آمادہ تھا مگر عبدالرحیم ایک پائی بھی کم کرنے پر تیار نہ تھا سو بات نہ بن سکی۔

❀......❀......❀

''بابا.....'' فاطمہ گل کے لب سے بمشکل نکلا' وہ بے حد متحیر ہو کر بکرے کو دیکھے جا رہی تھی۔ غلام محمد' جس نے چھ سالہ فاطمہ گل کی انگلی تھام رکھی تھی' اس کی دوسری انگلی کے اشارے کی سیدھ میں دیکھا' ایک دفعہ تو وہ خود بھی حیران رہ گیا۔ اتنا بڑا' اتنا خوب صورت' فاطمہ اس کی جانب بڑھنے کے لیے مچلنے لگی مجبوراً غلام محمد بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ بکرے کے قریب پہنچ کر فاطمہ نے بے حد جوش مگر قدرے خوف کے ساتھ بکرے کی پشت پر ہاتھ رکھا' غلام محمد نے گھبرا کر اسے پیچھے کھینچنا چاہا' بکرے سے کیا بعید تھی اسے گرا دیتا۔

''یہ بکرا تمہیں نہیں مارے گا گڑیا.....'' عبدالرحیم نے فاطمہ کو پیار سے کہا جس کی دلچسپی بکرے میں انتہا کی تھی۔ بکرے کے مالک کی طرف سے حوصلہ افزائی پا کر بے حد پُرجوش سی فاطمہ بکرے کی طرف لپکی اور اسے پیار کرنے لگی۔ اس کا قد بکرے کے قد کے تقریباً برابر ہی تھا' عبدالرحیم نے غلام محمد کو غور سے دیکھا' اس کی نگاہیں جیسے غلام محمد کو اندر تک جانچ رہی تھیں۔ غلام محمد نے فاطمہ کو بکرے سے جدا کرنا چاہا مگر وہ بہت مضبوطی سے بکرے کے ساتھ چپک گئی' وہ اس وقت خوشی کی انتہا پر تھی اور اس کے برعکس اس کا باپ غلام محمد غم کی انتہا پر تھا۔

''معاف کرنا بھائی...... بچی کو بہلانے کے لیے منڈی لایا ہوں' تھوڑی دیر بکرے سے کھیل لے تو اس کو لے جاؤں گا۔'' غلام محمد نے نہایت بے چارگی سے عبدالرحیم سے کہا جو بغور اس کو اور فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں بچی ہے۔'' فاطمہ بکرے کے ساتھ کھیلتے ہوئے نجانے کون سی نظم پڑھنے میں مصروف تھی' خوشی اس کے انگ انگ سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''تو تم کوئی سستا بکرا خریدنا چاہتے ہو؟''

عبدالرحیم کو شاید اندازہ ہوچکا تھا کہ غلام محمد اس جیسے بڑے بکرے کو خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس کی بات سن کر غلام محمد کے چہرے کے تاثرات بدلے‘ وہ جیسے کشمکش میں تھا کہ عبدالرحیم کو بتائے یا نہ بتائے اور بتائے تو کیا۔

’’بکرا تو دور کی بات ہے میں ایک مرغ خریدنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا۔‘‘ غلام محمد کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ عبدالرحیم چونک گیا‘ اس کے بے حد استفسار کرنے پر غلام محمد کچھ بتانے پر راضی ہوا۔

’’میری چھ بیٹیاں ہیں جن میں سے تین شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں‘ یہ فاطمہ سب سے چھوٹی ہے۔ بیوی فوت ہوچکی ہے اور ماں فالج زدہ ہے۔ میں مزدوری کرتا ہوں‘ آدھی سے زیادہ رقم تو ماں کی دواؤں میں لگ جاتی ہے باقی روپے گھر کے اخراجات کے لیے ناکافی ہوتے ہیں۔ باقی بیٹیاں سمجھ دار ہیں مگر فاطمہ سب کے بکرے دیکھ کر بکرا لینے کی ضد کررہی ہے۔‘‘ غلام محمد رک رک کر یوں بتارہا تھا جیسے اپنی مجبوریاں بتانا نہ چاہتا ہو مگر زبردستی بتارہا ہو۔ عبدالرحیم نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا جو اس کے مزدور ہونے کے گواہ تھے۔ فاطمہ جو کب سے بکرے سے کھیل رہی تھی‘ اب یک دم پیچھے ہوئی اس کے ہاتھ البتہ ابھی بھی بکرے کی گردن پر تھے‘ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

’’بابا...... ہم سچ مچ اس کو گھر لے کر جائیں گے ناں۔‘‘ غلام محمد کو لگا کہ اگر اب اس نے فاطمہ سے جھوٹ بولا تو تھوڑی دیر بعد وہ بُری طرح روئے گی۔

’’فاطمہ......‘‘ وہ فاطمہ کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کی ننھی کلائیوں کو تھاما‘ وہ سچ بولنے کے لیے اپنی ہمت جمع کرنے لگا۔ فاطمہ ہمہ تن گوش اسے دیکھ رہی تھی۔

’’فاطمہ میرا بچہ......‘‘ وہ ایک لمحے کو کمزور پڑا پھر خود کو مضبوط کرتے ہوئے بولا‘ اس کا دل البتہ رو رہا تھا۔

’’دراصل یہ بکرا ہم گھر نہیں......‘‘

’’یہ بکرا فاطمہ گڑیا کے ساتھ اس کے گھر جائے گا۔‘‘ عبدالرحیم نے غلام محمد کی بات کاٹ کر اسے مکمل کیا‘ غلام محمد نے بے یقینی کے ساتھ عبدالرحیم کو دیکھا۔

’’یہ بکرا فاطمہ کا عید کا تحفہ ہے‘ اس کو فاطمہ اور اس کے بابا گھر لے کر جائیں گے۔‘‘ غلام محمد نے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے اپنی بات دہرائی‘ فاطمہ اب مطمئن ہوکر بکرے کے ساتھ کھیلنے لگی۔ عبدالرحیم ہلکا سا

مسکرادیا جبکہ غلام محمد ابھی تک حیران و پریشان تھا۔
''سنو غلام محمد...... میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔''
غلام محمد تو سن ہی رہا تھا پلکیں تک جھپکائے بغیر۔
''میں نے چار پانچ مویشیوں کے مختصر سے ریوڑ کے ساتھ اپنے کاروبار کا آغاز کیا تھا' آج سے تین سال پہلے اور اب دو سو سے زیادہ مویشی ہیں۔''
غلام محمد سانس روکے اسے سن رہا تھا۔
''کوئی کہتا ہے اس کی وجہ میری اچھی قسمت ہے' کوئی کہتا ہے میری ایمان داری اور سچائی۔'' فاطمہ اب بکرے کو''اپنا'' سمجھ کر اسے گھاس کھلا رہی تھی۔
''مجھے لگتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ کے لیے اچھا حصہ نکالتا ہوں۔''
''اللہ کے لیے؟'' غلام محمد حیران ہوا۔
''ہاں۔'' مال پیسہ اور زیورات کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں رمضان المبارک میں کردیتا ہوں مگر مویشیوں کی زکوٰۃ کے جو دو تین بکرے بنتے ہیں' اس کے لیے باڑے میں سے بہترین مویشی چنتا ہوں۔''
فاطمہ کی کھلکھلاہٹیں دیکھتے ہوئے منڈی میں آئے چند لوگ اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔
''پھر میں ان جانوروں پر خاص توجہ دیتا ہوں وہ بہتر سے بہترین بنتے ہیں' بقرعید کے موقع پر میں انہیں دیگر بکروں کے ساتھ منڈی لاتا ہوں' باقی بکروں کے خریدار تلاش کرنے ہوتے ہیں اور ان مخصوص بکروں کے حق دار۔''
چند نوجوان بکرے کو گھاس کھلاتی فاطمہ کے ساتھ مختلف زاویوں میں کھڑا کرکے اس کی تصاویر اتارنے میں مگن تھے' فاطمہ بے حد معصومانہ پوز بنا رہی تھی۔
''لیکن آپ حق داروں کو کیسے تلاش کرتے ہیں؟ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو دھوکہ......'' غلام محمد نے پہلی بار سوال کیا اور عبدالرحیم اس کے سوال پر مسکرایا۔
''چہرہ شناسی کی یہ خوبی مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے جیسے میں نے تمہیں پہچانا۔ یہ ممکن تھا کہ تم جھوٹ بولتے' مگر اس بچی کی معصوم اور حسرت زدہ نگاہیں جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ لو اب رسّی پکڑو اور اسے گھر لے جاؤ۔'' عبدالرحیم نے رسّی غلام محمد کے ہاتھ میں تھمائی' غلام محمد کو لگا کہ جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ ایک لاکھ اسّی ہزار کا بکرا مفت۔
''ویسے یہ بکرا اتنا مہنگا بھی نہیں ہے اس کی اصل قیمت ایک لاکھ بیس ہزار تک ہے' قیمت بڑھانے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے۔'' عبدالرحیم نے جیسے اسے حوصلہ دیا۔
''کیا آپ اس کے بدلے مجھ سے کچھ بھی نہیں لیں گے؟''
''غلام محمد اگر ہوسکے تو میرے حق میں دعا کرنا۔''
''کیا دعا مانگوں؟'' غلام محمد نے بے اختیار پوچھا عبدالرحیم ہلکے سے مسکرایا۔
''تم ''غلام محمد'' ہو' مالک اپنے غلاموں کی بہت سنتے ہیں۔ تم اپنے مالک اور ان کے مالک سے دعا کرنا کہ وہ عبدالرحیم کو اپنے محبوب بندوں میں شامل کرلے۔'' عبدالرحیم غلام محمد کی طرف دیکھنے کی بجائے خلاء میں دیکھ رہا تھا' اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی' ویسی ہی جیسے کسی درویش پر طاری ہوتی ہے وجد کے دران۔ ''عبدالرحیم'' غلام محمد کے پکارنے پر عبدالرحیم واپس حال میں آیا۔
''اللہ تمہیں بہت نوازے۔'' جوش' خوشی اور احترام سے غلام محمد کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ عبدالرحیم نے اسے تھپکی دی اور اللہ حافظ کہتے ہوئے

واپسی کے لیے مڑ گیا۔ غلام محمد اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

❁......❁......❁
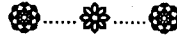
"اور اب آتے ہیں منڈی کے شہزادے کی طرف، جی السلام علیکم بھائی صاحب! کیسے ہیں آپ؟" بقر عید کے دنوں میں میڈیا والے منڈی میں جانوروں اور خریداروں کی لائیو کوریج کر رہے تھے، انہوں نے غلام محمد کی طرف مائیک بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"وعلیکم السلام، الحمدللہ!"

"یہ بہت ہی بڑا اور شاندار بکرا ہے، ماشاء اللہ۔ کیا آپ ہمارے ناظرین کو بتائیں گے کہ یہ آپ نے کتنے میں خریدا؟" غلام محمد کچھ دیر سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"یہ بکرا بہت مہنگا ہے میں اس کی قیمت نہیں بتا سکتا۔" وہ بکرا واقعی بے مول تھا، احساس، خلوص اور محبت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

"جی بالکل یہ بہت مہنگا بکرا لگ رہا ہے، ناظرین آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ بھائی ہمیں اصل قیمت بتاتے ہوئے جھجک رہے ہیں، چلیے ہم چلتے ہیں اس طرف دوسرے بکرے کی جانب......"

غلام محمد اور فاطمہ بکرے کی رسّی تھامے منڈی سے باہر نکل آئے۔ ان کا رخ اپنے گھر کی طرف تھا، غلام محمد عبدالرحیم کی باتوں کو سوچ جارہا تھا، عبدالرحیم واقعی "رحیم" کا "عبد" تھا۔ اب غلام محمد کو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام بن کر صدق دل سے اس کے لیے دعا کرنی تھی۔

ست رنگی عید

نور عین

”مجھ سے نہیں ہوتی‘ دس ہزار میں عید کی شاپنگ آپ یہ دس ہزار اپنے پاس رکھیں‘ مجھ پر ایسی سسکتی ہوئی شاپنگ کا احسان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ منیزہ کی تیز آواز پر عطروبہ کا اپنی لپ اسٹک کو فائنل ٹچ دیتا ہوا ہاتھ ذرا رکا اگلے ہی لمحے وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ پچھلے کچھ عرصے سے ہر بار بازار جانے سے قبل یہ تکرار سننا اس کے معمول کا حصہ تھا۔ حارث اور عارب کے کمرے کچھ ایسے رخ پر بنے ہوئے تھے کہ ذرا سی تیز آواز ہوا کے دوش پر اڑتی ہوئی فوراً سے پہلے عطروبہ کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگتی تھیں۔

”یعنی اب دس ہزار بھی تمہاری شاپنگ کے لیے کم ہیں‘ کتنی فضول خرچ عورت ہو تم‘ لوگوں کو دیکھو بچت کرکے کیا کچھ نہیں بنالیا اور تم یہاں بیٹھی پیسے اجاڑنے کے بہانے ڈھونڈ رہی ہو۔ لگادو لگادو آگ سارے پیسوں کو پھر ضرورت کے وقت بھیک مانگنے کے لیے بھیج دینا مجھے۔“ حارث زوردار آواز میں دھاڑا ابھی کانچ کے ٹوٹنے کی تیز آواز آئی یقیناً کسی کانچ کے برتن کی شامت آئی تھی۔

”میری تو قسمت ہی خراب تھی جو آپ جیسا کنجوس شوہر پلے پڑا۔“ پڑھی لکھی منیزہ کی ڈگریاں اس وقت الماری میں کانپ رہی تھیں۔ ”عارب کو بھی تو دیکھیں آپ کا ہی بھائی ہے کتنی مہنگی مہنگی شاپنگ کرواتا ہے وہ ہانیہ کو‘ اس نے کبھی شاپنگ پر لے جانے سے منع نہیں کیا اور آپ‘ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔“ منیزہ کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو مچلے‘ آواز پر کپکپاہٹ غالب آگئی تھی۔ یک دم ہر سو خاموشی چھاگئی۔ حارث بھائی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے عطروبہ نے نازک سی سینڈل اپنے پاؤں میں اڑسی اور پرفیوم کا اسپرے کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

”بھئی آج تو میری گڑیا کا جو دل چاہے اس پر ہاتھ رکھ دے۔ عارب کو بل پے کرتے ہوئے خوشی ہوگی اس گھر میں میری بہن کی آخری عید ہے سو اسے بہت اسپیشل ہونا چاہیے۔“ گاڑی چلاتے ہوئے عارب نے پیچھے بیٹھی عطروبہ کو مخاطب کرتے ہوئے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

”جی بھائی تھینک یو۔“ عطروبہ دل سے مسکرائی۔

”شاپنگ تو میں اپنے پسندیدہ شاپنگ مال سے ہی کروں گی تم دیکھنا عطروبہ بڑے مالز میں کوالٹی پر کمپرومائز نہیں کیا جاتا اور ورائٹی بھی وہیں ملتی ہے جو فیشن میں ان ہو بس ذرا قیمت تھوڑی زیادہ ہوتی ہے‘ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔“ ہانیہ نے عارب کی طرف رخ موڑتے ہوئے ناز سے کہا۔

”جناب آپ کی کسی بھی بات پر ہمیں کوئی اعتراض ہوا ہے بھلا آپ سیاہ کریں یا سفید‘ ہم تو آپ کے حکم کے غلام ہیں۔“ عارب کے الفاظ پر ہانیہ نے تفاخر سے گردن اکڑائی تو عطروبہ بھی سادگی سے مسکرادی۔

شاپنگ مال میں تو جیسے رنگ ونور کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ شیشے سے بنی دکانیں چکا چوند کردینے والی روشنیوں سے جگمگا رہی تھیں۔ بڑے بڑے اسپیکرز پر ماحول میں تلاطم برپا کردینے والا میوزک خوش باش بے فکر اور کھلکھلاتے چہرے عطروبہ تو جیسے کسی ونڈر لینڈ میں آگئی تھی۔

”یہ دیکھو عطروبہ عریبک لان اور سوئس وائل کے ڈریسز۔“ ہانیہ عطروبہ کو لیے ایک بڑی سی دکان میں کھڑی تھی جہاں رنگوں اور روشنیوں کی بھرمار تھی۔ خوب صورت دیدہ زیب رنگوں کے خوب صورت کڑھائیوں سے سجے‘ ملبوسات دیکھنے والوں کو جیسے اپنے ٹرانس میں لے رہے تھے۔

”میں تو ہمیشہ ایسے ہی ڈریسز خریدتی ہوں جو گھر میں بھی پہنے جاسکیں اور پبلک پلیس پر بھی‘ یہ نگینے موتیوں سے سجے لباس مجھے کبھی اٹریکٹ نہیں کرتے‘ مجھے تو یہ ڈریس

پسند آرہا ہے کیسا ہے؟'' ہانیہ نے سی گرین اور پرپل کلر کے کمبنیشن والا ڈریس خود سے لگاتے ہوئے عطروبہ سے رائے مانگی تو وہ بے اختیار اثبات میں گردن ہلا بیٹھی رنگ کڑھائی اور خاص طور پر کپڑے کی کوالٹی سب ہی کچھ تو بہترین تھا' کیسی لان تھی یہ سلکی کپڑے کی طرح لچک لچک جارہی تھی۔ عطروبہ نے تو ہمیشہ اسی لان کے سوٹ پہنے تھے جو دھلنے کے بعد استری ہونے میں بھی ہاتھ دکھا دیتے تھے۔ حالانکہ اس کے لان کے سوٹ ہمیشہ اچھی کوالٹی کے ہوتے تھے لیکن ایسی نرم وملائم ریشم جیسی لان تو اس کی امی کبھی اس کے لیے لے کر نہیں آئی تھیں۔ ہانیہ اور منیزہ اکثر باہر آتے جاتے ایسے کپڑے پہنا کرتی تھیں لیکن اس نے کبھی خواہش نہیں کی' ہمہ وقت اپنے کورس کی کتابوں میں الجھی وہ بے حد لائق اور پڑھائی کی شوقین طالبہ تھی' ایسی باتوں پر توجہ دینے کا وقت کہاں تھا اس کے پاس اور اب جب وہ اچانک اس طلسمی دنیا میں آ پہنچی تھی تو حیران سی پُرجوش نظروں سے آنکھوں کے راستے دل میں اتر جانے والے رنگوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے لیے یہ والا ڈریس کیسا رہے گا؟'' ہانیہ نے پنک کلر کا فیروزی کڑھائی سے بھرا خوب صورت کرتا نکالا تو عطروبہ نے کپڑے کی نرمی محسوس کرتے ہوئے جگمگاتی ہوئی آنکھوں سے اپنی رضامندی کا اشارہ دیا' دل خوشی کے مارے تیز دھڑک رہا تھا' اگلے ہی لمحے دل دھک سے رہ گیا' پرائس ٹیگ پر آٹھ ہزار کے ہندسے جگمگا رہے تھے اس نے ہانیہ کا بازو ہلا کر اسے پرائس ٹیگ کی طرف متوجہ کیا تو اس نے مسکراتے ہوئے دونوں ڈریس سیلز مین کے حوالے کیے بیس ہزار کی خطیر رقم عارب نے ہنستے مسکراتے کاؤنٹر پر ادا کی تبھی ہانیہ اسے لیے میک اپ کی دکان کی جانب چل دی' عطروبہ حیران پریشان سی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

''چلیں بھئی اب' آپ ہم دونوں کو پزا کھلائیں' بڑی بھوک لگ رہی ہے۔'' ہانیہ نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ مہربانی اب تم کروگی۔'' عارب نے گاڑی ریورس کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرے پاس تو پیسے ختم ہوگئے' یہ مہربانی بھی آپ ہی کریں گے۔'' ہانیہ مسکرائی۔

''واٹ میں نے تمہیں شاپنگ کے لیے دس ہزار روپے دیئے تھے۔ تمہارے ڈریس اور جوتوں کی پیمنٹ تو میں نے اپنے کریڈٹ کارڈ سے کی ہے' تم نے پیسے کہاں اڑا دیئے۔'' عارب کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ہنستی ہوئی ہانیہ کے لب اپنے آپ ہی سکڑ گئے۔

''میں نے ساری شاپنگ آپ کے سامنے ہی تو کی ہے کچھ بھی تو فضول نہیں خریدا اور آپ نے مجھے دس ہزار دیئے تھے دس لاکھ نہیں جو یوں طعنے دے رہے ہیں۔'' ہانیہ کا تنفس تیز ہوا اور لہجہ کڑوا۔

''دس لاکھ بھی ہوتے تو تم نے کون سا راضی ہوجانا تھا ناشکری عورت۔'' عارب نے طیش میں آکر گاڑی رفتار بڑھا دی تھی۔ عطروبہ ہکابکا سی اپنے ویل مینرڈ بھائی اور بھابی کو دیکھتی رہ گئی۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

اس نے جلدی جلدی دودھ میں چینی اور پتی ڈالی اور پھر خوشبودار اور بھاپ اڑاتی دودھ پتی کو نفیس سے کپوں میں بھر کر ہانیہ کے کمرے میں لے آئی جہاں منیزہ بھی اپنی شاپنگ کے سامان سمیت براجمان تھی۔

''بھئی اس بار تو میری موج ہوگئی دونوں بھابیوں نے اتنے خوب صورت اور مہنگے تحفے دیئے کہ دل خوش ہوگیا۔'' عطروبہ نے اپنے سوٹ کے ساتھ رکھے ڈیزائنر بیگ کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے خوشی کے عالم میں کہا۔ یہ بیگ اسے کل رات منیزہ نے گفٹ کیا تھا۔ آٹھ ہزار کا سوٹ اور پانچ ہزار کا بیگ' عطروبہ تو جھوم جھوم جارہی تھی۔ اس کی امی کی تیاری ایسی کہاں ہوتی تھی۔ سلمیٰ بیگم کو جامہ وار لشو اور نیٹ جیسے کپڑے بڑے پسند تھے سو ہر بار ایسے ہی کم کپڑے پر وہ ہلکا سا کام کروا کر اسے پہنا دیا کرتیں اور

بھی بنا کسی نخرے کے خوشی خوشی پہن لیا کرتی تھی ڈریس چوائس بھی کوئی چیز ہوتی ہے یہ بات اسے آج ہی پتا چلی تھی اور آئندہ اسے اس ایک بات پر کمپرومائز نہیں کرنا اس نے یہ سوچ لیا تھا۔

''ویسے ایک بات تو بتائیں سویٹ بھابھیز......'' عطروبہ نے چپس کا پیکٹ کھولتے ہوئے کہا' اسے چائے کے ساتھ چپس کھانا بہت پسند تھا۔ ''ہمیشہ حارث بھائی شاپنگ پر جانے سے پہلے اور عارب بھائی شاپنگ سے واپسی پر آپ سے لڑائی کیوں کرتے ہیں' ہر بار ایک جیسی باتیں آخر آپ لوگ اس مسئلے کا حل کیوں نہیں نکالتیں۔ مجھے کوئی اس طرح طعنے دے تو میں تو رو رو کے ہی مر جاؤں۔'' عطروبہ دل کی بات زبان پر لے ہی آئی۔

''اس مسئلے کا حل اس لیے نہیں نکالا جاتا میری جان کہ یہ مسئلہ حل طلب ہے ہی نہیں' مجھے تو ایک ہی بات معلوم ہے کہ دل کی خوشی اپنی پسندیدہ چیزوں کے حصول سے ہی ملتی ہے اور پسندیدہ چیزیں گھٹیا ہرگز نہیں ہوتیں اور اگر عمدہ چیزوں کے حصول کے لیے اونچی دکان پر جانا ضروری ٹھہرے تو قیمتیں بھی اونچی ادا کرنی ہی پڑتی ہیں۔ اب اگر ہمارے شوہر ہمیں ہمارے دل کی خوشی بھی مہیا نہ کرسکیں تب ہمیں ضرور رو رو کر مر جانا چاہیے' مردوں کو تو یوں ہی پیسوں کے خرچ ہونے پر واویلا کرنے کی عادت ہوتی ہے' ان کی چیخ وپکار پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں اپنی مرضی پوری کرلینی چاہیے' شوہر کا موڈ بھی جلد یا بدیر ٹھیک ہو ہی جاتا ہے۔ اب عارب کو ہی دیکھ لو کل پیسوں کی کمی کی شکایت کررہے تھے اور آج انہوں نے میرا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے پی سی میں ڈنر کروانے کا وعدہ کیا ہے۔'' ہانیہ نے چائے کا کپ منہ سے لگاتے ہوئے کہا' فخر اور خوشی کے جذبات اس کی آنکھوں سے چھلک رہے تھے۔

''ہانیہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے عطروبہ' کل حارث نے بھی مجھے اتنا پریشرائز کیا کہ میں دس ہزار میں شاپنگ کروں...... لیکن میرے نہ ماننے پر انہوں نے مجھے پورے بائیس ہزار کی شاپنگ کروائی...... اب بتاؤ ذرا اگر ان کے پاس پیسے نہیں تھے تو پھر یہ شاپنگ کیسے ہوئی؟'' منیزہ کا سوالیہ انداز معنی خیز تھا۔ ''اور تم دیکھنا جب ہم یہ نفیس کپڑے پہنیں گے تو لوگوں کی ستائش بھری نظریں ہمیں ہواؤں میں اڑائیں گی تب کس کو یاد رہیں گی ان شوہر صاحبان کی کڑوی کسیلی باتیں۔'' ہانیہ نے منیزہ کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے شوخی سے کہا' عطروبہ منہ کھولے ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی اس کی چپس کا پیکٹ جوں کا توں تھا۔

◉......♥......◉

وائٹ ماربل سے سجا سات مرلے کا خوب صورت دو منزلہ گھر صادق صاحب کی ملکیت تھا جسے ان کی شریک حیات سلمٰی بیگم نے بڑے شوق اور ذمہ داری سے سنبھالا ہوا تھا' صادق صاحب مین بازار میں کپڑے کی چلتی ہوئی دکان کے مالک تھے' سو رزق کی فراوانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بچوں سے نوازا تھا' بڑا بیٹا حارث' کمپیوٹر انجینئر تھا' جبکہ چھوٹا عارب ایئرونٹیکل انجینئر' ان دونوں سے چھوٹی عطروبہ ابھی حال ہی میں اپنا ماسٹرز کمپلیٹ کرکے فارغ ہوئی تھی کتابوں کی دنیا میں گم رہنے والی عطروبہ کا ارادہ اب زندگی کو پوری طرح انجوائے کرنے کا تھا لیکن اچانک سے ہونے والی منگنی نے اسے گڑبڑا کررکھ دیا تھا۔ عید کے پچیس دن بعد اس کی شادی تھی جس کی تیاری اس کی امی بڑے زور وشور سے کررہی تھیں' کچھ عرصہ ڈسٹرب رہنے کے بعد اب وہ بھی ذہنی طور پر خود کو آنے والے دنوں کے لیے تیار کررہی تھی۔ حارث کی شادی تین سال پہلے خوب صورت اور گھریلو سی منیزہ سے ہوچکی تھی اور اب تو ان کا ایک بیٹا بھی تھا البتہ عارب کی شادی کو ابھی صرف ڈیڑھ سال ہوا تھا۔

سلمٰی بیگم کے تینوں بچوں کا انداز ایک دوسرے کے بالکل الٹ تھا۔ جہاں حارث بچپن سے ہی پائی پائی جوڑنے والا کفایت شعار اور کسی حد تک کنجوس سا انسان تھا وہیں عارب صاحب انتہا درجے کے فضول خرچ' پیسا تو ان کے ہاتھ میں ٹکتا ہی نہیں تھا' اس پر مستزاد وہ پیسے خرچ ہوجانے کے بعد خوب واویلا کیا کرتا تھا' بڑے ہونے پر بھی یہ عادت ان

میں بدرجہ اتم موجود تھیں، منیزہ اس گھر کی بہو بنی تو حارث نے اسے بھی کفایت شعاری کا سبق پڑھانا شروع کیا، وہ بیوی بچوں کو ضروریات زندگی کے لیے ترسانے والا انسان نہیں تھا بس صرف اتنا ہوتا کہ ہر شاپنگ سے پہلے بڑی باریک بینی سے چیزوں اور ان کے متوقع ریٹس کی لسٹ بنائی جاتی اور پھر منیزہ حارث کے مقررہ بجٹ کے اندر رہتے سلمٰی بیگم کے ساتھ بازار جا کر شاپنگ کر آتی، زندگی کسی کمی کے احساس کے بغیر آسانی سے گزر رہی تھی۔ تبھی عارب کی دلہن ہانیہ اس گھر میں بہو بن کر آئی۔ گٹ پٹ گٹ پٹ انگریزی بولنے والی ہانیہ نت نئے ملبوسات میں ڈھکی نئے فیشن کی ہائی ہیلز پہنے سارا دن گھر میں اِدھر سے اُدھر ٹھک ٹھک لگائے رکھتی، سلمٰی بیگم نے شادی کے پندرہ دن بعد ہی اس کا ہاتھ کھیر میں ڈلوا کر باقی کام دونوں بہوؤں میں تقسیم کردیئے تھے کچن کے کاموں سے اسے حیرت انگیز طور پر رغبت تھی باقی کاموں کے لیے ماسیاں زندہ باد لہٰذا گھر کا نظام بغیر کسی بدمزگی کے چلنے لگا لیکن پھر آہستہ آہستہ منیزہ کے رنگ ڈھنگ بدلنے لگے، اسے بھی وہی سب کچھ چاہیے تھا جو ہانیہ کے پاس تھا لیکن حارث کو یہ سب قبول نہیں تھا۔ کمرے سے ہر وقت لڑائی جھگڑے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس بار منیزہ کو جھکنا نہیں تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا۔ سلمٰی بیگم کو مجبوراً صادق صاحب کو اس معاملے سے آگاہ کرنا پڑا، حارث صاحب کی پیشی ہوئی اور صادق صاحب نے فیصلہ سنایا کہ حارث کم از کم تہواروں کے موقع پر منیزہ کو اس کی من پسند شاپنگ کروائے گا۔ حارث صاحب بھیگی بلی بنے واپس لوٹے اور پھر ہر شاپنگ سے پہلے بچت پر طویل لیکچر دینے کے بعد انتہائی خراب موڈ میں بیوی کے ساتھ گھر سے نکلنے والے حارث صاحب واپسی پر ہنستے مسکراتے پائے جاتے کہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت، عارب صاحب کا معاملہ تو تھا ہی بالکل الٹ، کتابوں سے فراغت ملنے کے بعد عطروبہ بھی اب ہانیہ سے متاثر ہونے لگی تھی۔ تبھی حارث کی شاپنگ کروانے کی آفر پر ہمیشہ بازار کے نام پر کانوں کو ہاتھ لگانے والی عطروبہ نے خوشی خوشی جانے کی حامی بھرلی اور تجربہ بڑا شاندار رہا تھا۔

عید اپنی مخصوص گہما گہمی اور رنگوں کی بہار لیے صادق صاحب کے آنگن میں اتری تھی عطروبہ کے سسرال والوں کی کیک مٹھائیوں اور پھولوں کے ہمراہ آمد نے عید کی خوشیوں کو دوبالا کردیا تھا۔ پُرتکلف سے لنچ کے بعد اب مرد حضرات ڈرائنگ روم میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے جبکہ خواتین چائے کے کپ لیے لاؤنج میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھیں۔

''سلمٰی بہن آج آپ میری بہو کی نظر ضرور اتار دیجیے گا، بہت خوب صورت لگ رہی ہے یہ گلابی رنگ تو اس پر بہت بج رہا ہے، کرتے کی کڑھائی بھی بہت اعلیٰ ہے، اتنی زبردست کڑھائی کہاں سے کروائی؟'' نادیہ بیگم نے عطروبہ کو بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں عطروبہ بھابی آج آپ واقعی بہت پیاری لگ رہی ہیں۔ میں نے بھائی کو آپ کی تصویر بھیجی تھی وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔'' سحر نے عطروبہ کے کان میں سرگوشی کی تو وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔ اس کی ہونے والی نند میٹرک کے پیپرز دینے کے بعد آج کل چھٹیاں انجوائے کر رہی تھی۔

''ارے آنٹی یہ سوٹ تو ریڈی میڈ ہے ہم لوگ ابھی پانچ دن پہلے ہی مال سے لے کر آئے ہیں، میں نے اپنی نند کو گفٹ کیا ہے اور قیمت بھی بڑی مناسب ہے صرف آٹھ ہزار روپے اور کڑھائی تو دیکھیں کتنی نفیس ہے، آپ کو پسند آئی ناں میں بھی اپنا سوٹ وہیں سے لے کر آئی ہوں صرف بارہ ہزار روپے کا وہاں چیزوں کی کوالٹی بہت زبردست ہوتی ہے۔'' ہانیہ نے بڑی لپیٹ کے شیخی بگھاری تھی۔

''اچھے مالز میں چیزوں کی کوالٹی تو واقعی بہت اچھی ہوتی ہے اب یہ عطروبہ کا بیگ ہی دیکھ لیں کتنا زبردست ہے سالوں خراب نہیں ہوگا، پانچ ہزار میں سستا ہی پڑا تاں میں اپنی عید کی شاپنگ کرنے گئی تو بیگ دیکھ کر عطروبہ کا خیال آیا،

جس دکان سے اپنا سوٹ لیا وہیں سے یہ بیگ بھی لے لیا' سوٹ اور بیگ کا صرف اٹھارہ ہزار ہی بل بنا تھا لیکن کوالٹی اعلیٰ تھی چیزوں کی۔" منیزہ نے بھی ایلٹے سیدھے ٹانکے لگا کر اپنی بات سامعین تک پہنچا ہی دی تھی۔

"آج کل کی لڑکیوں کو ایسے لباس بہت اچھے لگتے ہیں' گوٹے ستارے والے کپڑے تو انہیں پسند ہی نہیں آتے' میں نے عطروبہ کا بھی عید کا جوڑا بنایا تھا یہ بھائی کے ساتھ جا کر یہ جوڑا خرید لائی میں نے بھی سوچا پہننا تو بچیوں نے ہی ہے زبردستی اپنی مرضی کرنے کا کیا فائدہ بچیاں اپنی پسند کے کپڑے پہن کر خوش ہوتی ہیں تو سو بسم اللہ مجھے دخل اندازی کرنے کی کیا ضرورت' بس یہ خوش رہیں میری تو اللہ سے یہی دعا ہے۔" سلمیٰ بیگم نے سادہ سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو آپ نے بالکل ٹھیک کہا سلمیٰ بہن اور بچیوں کی پسند کون سا بری ہے دیکھیں تو ماشاء اللہ کیسے ساری بچیاں دھنک بن کر پورے گھر پر چھائی ہوئی ہیں۔" نادیہ بیگم کے لہجے میں سچائی تھی اور آنکھوں میں پیار بھری ستائش۔

⋯⋯

سلور اور گولڈن انتہائی نفیس سے شادی کے کارڈ پر نام لکھتے ہوئے وہ بیل کی آواز پر چونک اٹھیں' ڈھیروں شاپرز سے لدا پھندا اطہر آتے ہی صوفے پر دھم سے بیٹھا۔

"آج تو بہت گرمی ہے۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے پانی کا ٹھنڈا گلاس تھاما جو سحر لے کر آئی تھی۔

"بھائی کو لیموں پانی بنا دیتی سحر' آج تو واقعی باہر بہت گرمی ہے۔" نادیہ بیگم نے اے سی کی کولنگ کو بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں امی بہت شکریہ پانی ہی ٹھیک ہے' اب میں کھانا کھاؤں گا' لیموں پانی پی لیا تو بھوک مر جائے گی۔ اچھا میں نے جیولر کی دکان سے زیور لے لیا ہے یہ رہی ان کی رسیدیں میرے خیال میں تو اب صرف ہال کی بکنگ اور کیٹرنگ کا خرچہ باقی ہے۔ باقی ساری چیزیں تو پوری ہوگئی ہیں۔ اگر کچھ اور رہتا ہے تو بتا دیں۔" اطہر نے جیب سے رسیدیں نکال کر نادیہ بیگم کی طرف بڑھائیں۔

"واہ امی چوڑیوں کا ڈیزائن تو بڑا اچھا ہے' بھابی کی کلائیوں میں تو یہ بہت سجیں گی۔" سحر نے بھاری چوڑیوں کو ڈبے سے نکالا تو ان کی چمک دمک نے اس کا دل موہ لیا۔

"اچھا ادھر دو مجھے کتنی بار سمجھایا ہے کہ چیزوں کی تعریف کرتے ہوئے ماشاء اللہ کہتے ہیں' دیکھو تو بھلا یہ ذرا سی چوڑیاں اور تین لاکھ روپے لے لیے سنار نے' شکر ہے کہ میری شادی کا زیور موجود تھا جو میں نے تڑوا کر بہو کے لیے سیٹ بنوا لیا ورنہ تو چار پانچ لاکھ اور لگ جاتے' اچھا اطہر بیٹا یاد آیا تم مجھے کل ساٹھ ہزار روپے اور دے دو' بہو کے لیے لان کے کچھ سوٹ خریدنے ہیں' اصل میں آج کل لڑکیاں ستارے موتیوں والے سوٹ کہاں پہنتی ہیں میں نے سوچا کچھ ہلکے پھلکے لباس بھی خرید ہی لوں۔" نادیہ بیگم نے چوڑیوں کو ڈبے میں احتیاط سے رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ساٹھ ہزار روپے......" اطہر ایک دم اچھل ہی پڑا۔

"کیا ہوا بھائی اتنے زور سے دھاڑتے ہیں سچ میں' میں تو گرنے ہی لگا تھا شکر کریں کہ بچ گیا ورنہ یہ ساٹھ ہزار میری مرہم پٹی پر لگ جاتا۔" اندر داخل ہوتے ہوئے شیراز نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈر جانے کی ناکام ایکٹنگ کی' اگلے ہی لمحے وہ اطہر کے قریب صوفے میں دھنس گیا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا کہ تم یوں حواس باختہ ہونے لگے۔" نادیہ بیگم نے تیکھے چتونوں سے بیٹے کو گھورا جس کے ماتھے پر لاتعداد شکنیں اس کے غصے کو واضح کر رہی تھیں۔

"اماں ہمارا چھوٹا سا کاروبار ہے' ہم کوئی دس دس فیکٹریوں کے مالک نہیں جو میں روزانہ آپ کو لاکھوں پکڑاتا جاؤں اور کاروبار پر کوئی فرق نہ پڑے پہلے ہی میں تین چار آرڈرز پیسوں کی کمی کی وجہ سے چھوڑ چکا ہوں' ایسا ہی چلتا رہا تو کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔" اپنی جھنجلاہٹ کو دبانے کی کوشش کرتے اطہر بڑے ضبط سے بولا تھا۔

"تم نے خود ہی کہا تھا کہ اگر کچھ اور چاہیے تو بتا دیں اب اگر میں نے کہہ دیا تو ایسی باتیں کرنے لگے شادی والا گھر ہے آخر وقت تک خرچے تو ہوتے ہی رہیں گے بس تم رہنے دو میں تمہارے ابا سے بات کرتی ہوں وہی کہیں سے پیسوں کا انتظام کریں اب بچی کی خوشی بھی پوری نہ کرسکوں تو تف ہے میرے ساس ہونے پر مجھے ایسی ساس نہیں بننا جو بہو کے ارمانوں کو پاؤں تلے روند کر اسے جیتے جی مار دے۔" نادیہ بیگم کا لہجہ جذباتی ہوا آنکھوں میں نمی بھی چمکنے لگی تھی۔

"آج یقیناً اماں نے کسی دکھیاری بہو کی کہانی پڑھی ہے تبھی نین بارش برسانے کو بے تاب ہو رہے ہیں۔" شیراز نے اطہر کی طرف جھکتے ہوئے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا' نادیہ بیگم ڈائجسٹ کی دیوانی تھیں ہیروئن پر ہوتا ظلم وزیادتی انہیں واقعی آٹھ آٹھ آنسو رلاتے تھے' شاید تبھی وہ خوشیاں بانٹنے میں مصروف رہتی تھیں۔

"آپ بہت برے ہیں بھائی' اماں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا جو آپ نے انہیں رلا دیا' میں ابو کو بتاؤں گی۔" سحر نے منہ بسورتے ہوئے دھمکی بھی دے ڈالی۔ پشیمان سا اطہر اگلے ہی لمحے نادیہ بیگم کے پاس آ بیٹھا۔

"سوسوری اماں ابو سے کہنے کی کیا ضرورت ہے' انہیں پہلے ہی بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے' بے کار میں پریشان ہوں گے' میں آپ کو کل ستر ہزار دے دوں گا' ایک پے منٹ ملنی ہے لیکن پھر اگلے مہینے ہاتھ ذرا تنگ ہوجائے گا' اگر آپ کوشش کریں مطلب اگر آپ چاہیں تو یہ لان کے ڈریسز کی خریداری کا ارادہ شادی کے بعد رکھ دیں' تب تک حالات کچھ ٹھیک ہوجائیں گے ورنہ گھر کے خرچ میں تنگی ہوگی مطلب آپ کو مسئلہ ہوگا۔" اطہر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس پیرائے میں نادیہ بیگم کو سمجھائے کہ وہ اس شاپنگ کا ارادہ ہنسی خوشی ترک کردیں۔

"میں تیری پریشانی کو سمجھتی ہوں بیٹا' تم مجھے کل پیسے دے دینا میں بہو کے کپڑے لے آؤں گی رہی بات ہاتھ تنگ ہونے کی تو کوئی بات نہیں کھینچ کھانچ کر مہینہ نکال ہی لیں گے' صرف ایک احتیاط کی ضرورت ہے۔ بہو کو پیسوں کی تنگی کی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔ ٹھیک ہے ناں شیراز۔" نادیہ بیگم نے بطور خاص شیراز کو گھورا جو ٹیبل پر پاؤں رکھے بڑی دلچسپی سے یہ ساری صورت حال انجوائے کررہا تھا۔

"حالات کی تنگی چیخ چیخ کر اپنی موجودگی کا اعلان خود ہی کردیتی ہے اماں جی آپ میری فکر نہ کریں' میرے ہونٹوں پر سمجھیں مہر لگ گئی۔ ویسے اماں جی لان کے پانچ چھ سوٹ پچاس ساٹھ ہزار کے یعنی فی سوٹ دس ہزار قیمت کچھ زیادہ نہیں۔" شیراز نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"عطروبہ ایسے ہی سوٹ پسند کرتی ہے' بڑے بڑے مالز سے شاپنگ کرنا اچھا لگتا ہے اسے' تبھی جوڑوں کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ خیر میرا بیٹا اچھا کماتا ہے' اس کی خواہشیں پوری کردیا کرے گا۔ ابھی تو ہماری باری ہے۔ بہو کے ناز اٹھانے کی' میں کوئی کمی نہیں رکھنا چاہتی' تم کل مجھے پیسے دے دینا میں سحر کے ساتھ جا کر شاپنگ کرآؤں گی' پہلے بہو کی پسند جانتی تو کام والے جوڑے ذرا کم بنواتی' خیر میں ذرا یہ زیور رکھ دوں سحر تم بھائیوں کو کھانا دے دو۔" نادیہ بیگم بات ختم کرکے اٹھیں تو سحر اثبات میں سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھی' اطہر اب سر پکڑے دل ہی دل میں پیسوں کے جوڑ توڑ میں مصروف تھا۔

......♥......

سرخ وفیروزی کامبینیشن کا خوب صورت سوٹ پہنے نک سک سے تیار عطروبہ پریشانی سے کمرے کی چیزیں الٹ پلٹ رہی تھی۔

"افوہ ایک تو نہ جانے یہ آپ کا وائلٹ کہاں چلا گیا' کل رات میں نے خود ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا تھا۔" وہ جھنجلائی تو دیوار سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑے اطہر کے ہونٹوں پر خفیف سی ہنسی دوڑ گئی یوں ادھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے اس کی ریشمی زلفیں بل کھا رہی تھیں۔ کانوں کے ننھے ننھے جھمکے ہلکورے لیتے تو نہ جانے کتنی بار چمک چمک جاتے۔ گلابی رنگ تھوڑا اور گلابی ہو رہا تھا۔ اطہر تو یہ بھول ہی گیا کہ وہ آفس سے لیٹ ہو رہا ہے۔

''کہاں گیا......؟'' عطروبہ نے ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزوں کو بکھیرا۔

''آرام سے بیگم...... یوں افراتفری مچاؤ گی تو دس چیزیں اور گم ہوجائیں گی۔'' عطروبہ وائلٹ ڈھونڈتے ہوئے روہانسی ہوئی تو اطہر اس کی مدد کو آیا اب وہ ڈریسنگ ٹیبل پر موجود تمام چیزوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری اطہر آج آپ کا شادی کے بعد آفس کا پہلا دن ہے اور پہلے دن ہی یہ بدمزگی۔'' وہ بے حد شرمندگی کے عالم میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے بیگم کہ وائلٹ تم نے خود چھپایا ہے تاکہ میں آج بھی آفس نہ جاسکوں۔'' اطہر نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا عطروبہ کی شرمندگی اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''جی نہیں مجھے کوئی شوق نہیں آپ کو سارا دن گھر بٹھانے کا۔'' عطروبہ شرمندگی بھول بھال کر چمک کر بولی تو اطہر محظوظ سی مسکراہٹ ہنس دیا۔

''یہ لو بھئی مل گیا وائلٹ' تمہارے پرس نے چھپایا ہوا تھا لگتا ہے تمہاری طرح وہ بھی چاہتا تھا کہ میں آج آفس نہ جاؤں۔'' وائلٹ کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرس کے نیچے سے نکالتے ہوئے اطہر شرارت بھری مسکان لیے بولا۔

''شکر ہے اللہ کا آپ کا وائلٹ مل گیا اور مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو روکنے کی' اب آپ آفس جائیں' آپ کو دیر ہورہی ہے۔'' عطروبہ نے اطہر کو دروازے کی جانب دھکیلا۔

''ایسے ہی تیار رہنا شام کو تمہیں آئس کریم کھلانے لے جاؤں گا۔'' اس نے عطروبہ کے کان میں سرگوشی کی اور اگلے ہی لمحے وہ ہنستا ہوا کمرے سے باہر نکلا عطروبہ اپنی اُتھل پتھل ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش میں لگ گئی۔

''ارے عطروبہ آؤ بیٹا' بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' نادیہ بیگم نے مہکی مہکی سی عطروبہ کو گلے لگا کر گرمجوشی سے کہا جواباً وہ جھینپی ہوئی سی ہنس دی۔

''واقعی بھابی آپ اس ڈریس میں بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' آملیٹ کا مکسچر پھینٹتی سحر کی نظروں میں ستائش تھی۔

''بھئی آج میری بہو کو ذرا تگڑا سا ناشتا کرواؤ' میاں کے ناشتے پر ساتھ نہ ہونے کی اداسی بھول جائے میری چاند سی بہو۔'' نادیہ بیگم نظروں ہی نظروں میں عطروبہ پر صدقے واری جارہی تھیں۔

''آئی ایم سوری اماں میں نے اطہر سے بہت کہا کہ میں انہیں ناشتا بنادیتی ہوں لیکن وہ نہیں مانے' میں نے کہا بھی کہ اماں کو برا لگے گا آپ کا بھوکے پیٹ آفس جانا' لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔'' نروس سی عطروبہ دھیرے سے بولی۔

''ارے میری بھولی بہو تم شرمندہ کیوں ہورہی ہو اطہر تو ہمیشہ ہی ناشتا آفس میں کرتا ہے' ڈبل روٹی کے دو سلائس ہی تو کھانے ہوتے ہیں اس نے' ویسے بھی ابھی تمہیں کچھ کام کرنے کی ضرورت نہیں' میں تو تمہارا ہاتھ دو مہینے بعد ہی کھیر میں ڈلواؤں گی تب تک تم آرام کرو اور لاڈ اٹھواؤ۔''

''بھیا تو امی کے لاڈلے بیٹے ہیں اس لیے آپ کی اتنی آؤ بھگت ہورہی ہے میں ہر بات نوٹ کررہا ہوں' میری بیوی کو بھی اتنا ہی پروٹوکول ملنا چاہیے ورنہ دھرنے کے لیے تیار رہیے گا اماں جی۔'' شیراز نے تیزی سے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا تو نادیہ بیگم نے اس کے سر پر زوردار چپت لگائی۔

''ادھر آ تیری شادی کرواؤں' بے حیا اطہر نے کبھی ایسی کوئی بات کی تھی بھلا۔'' نادیہ بیگم نے تھرماس سے کپوں میں چائے نکالتے ہوئے کہا جو سحر ٹیبل پر رکھ گئی تھی۔

''دیکھا بھابی مجھ سے کیسے سوتیلوں والا سلوک ہوتا ہے۔'' لہجہ بے حد دردناک تھا۔''خیر سحر میرے لیے ایک اور پراٹھا پکا دو۔'' پراٹھے کو اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے شیراز نے ہانک لگائی۔ اس بار آواز کا اتار چڑھاؤ نارمل تھا' عطروبہ ناشتا بھولے یک ٹک گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے شیراز کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ تو مسخرہ ہے پورا عطروبہ بیٹی تم ناشتہ کرو اس کی باتیں سنتی رہیں تو یہ تمہارے حصے کا ناشتا بھی چٹ کرجائے گا۔'' نادیہ بیگم نے آملیٹ کی پلیٹ عطروبہ کے سامنے رکھی۔

''امی میں ابو کو ناشتا دے کر آتی ہوں آپ ابھی میری

چائے مت نکالیے گا۔" سحر ٹرے اٹھائے کچن سے باہر نکلی جاوید صاحب بلڈ پریشر کے مریض تھے اس پر مستزاد کمزوری کا غلبہ اس لیے آج کل وہ اپنا کھانا کمرے میں ہی منگوا لیتے تھے تبھی شیراز الٹے سیدھے چٹکلے چھوڑ رہا تھا۔ ان کے سامنے تو وہ بھیگی بلی بنا بڑے آرام سے ناشتا کررہا ہوتا کہ عموماً اس کی بے پروائی زیر بحث رہتی تھی۔ غصہ اور پریشانی دونوں ہی ان کے لیے ناقابل برداشت تھے اس لیے ان کے سامنے سبھی احتیاط سے بات کرتے تھے۔ عرصہ ہوا گھر اور بزنس کی اونچ نیچ اطہر نے ان سے ڈسکس کرنا چھوڑ دی تھی ایسے میں ان کی خراب ہوتی طبیعت کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوجاتا تھا۔

"عطروبہ بیٹا ٹھیک سے کھاؤ ناں۔" نادیہ بیگم نے عطروبہ کو ٹوکا۔

"جی امی کھارہی ہوں۔" عطروبہ نے چائے کا کپ منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"امی ابو کہہ رہے ہیں دوپہر میں ان کے لیے کھچڑی پکا دیں اور ساتھ میں دہی اور پودینے کی چٹنی۔" سحر نے کرسی سنبھالتے ہوئے جاوید صاحب کا پیغام نادیہ بیگم کے گوش گزار کیا۔

"ٹھیک ہے تم لوگوں کے لیے دوپہر کے کھانے میں کیا پکاؤں؟ تم بتاؤ عطروبہ بیٹا دوپہر کو کیا کھانا پسند کروگی پچھلے سارے دن تو تقریباً دعوتوں میں ہی گزر گئے مجھے تمہاری پسند کا کوئی آئیڈیا نہیں۔" نادیہ بیگم نے رخ موڑ کر عطروبہ سے پوچھا۔

"کچھ بھی پکالیں اماں میں سب کچھ کھالیتی ہوں۔" عطروبہ نے دھیمی سی مسکراہٹ لیے ہوئے کہا۔

"لو جی گئی بھینس پانی میں۔" عطروبہ کا جواب سننے کے لیے ہمہ تن گوش شیراز نے گہرا سانس لیتے ہوئے آملیٹ کو نوالے میں لپیٹ کر منہ میں رکھا۔

"بھائی ابھی شرمارہی ہیں اماں آپ مرغے کی بیوی کا اہتمام کرلیں۔ مرغا یقیناً اس احسان پر آپ کا شکر گزار ہوگا۔" سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے شیراز نے اسٹائل سے کہا۔

جواباً نادیہ بیگم نے اسے بری طرح گھورا وہ کندھے اچکاتا ہوا پھر سے ناشتے میں منہمک ہوگیا۔

"ٹھیک ہے اماں آپ چکن پکالیں شیراز کو بھی پسند ہے۔" عطروبہ نے کہا تو نادیہ بیگم نے بمشکل تھوک نگل کر خشک ہوتا حلق تر کیا۔

"پچھلے دنوں میں چکن کھا کھا کر طبیعت اوب گئی ہے کوئی سبزی یا دال نہ پکالیں۔" نادیہ بیگم نے بڑے سلیقے سے اپنی بات عطروبہ تک پہنچائی۔ شیراز نے منہ بنایا آثار اچھے نہیں تھے۔

"واقعی اماں آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں چکن بہت کھایا ہے آپ ایسا کریں کہ بھنڈی گوشت پکالیں یا پھر دال گوشت مجھے تو یہ دونوں بہت پسند ہیں۔" عطروبہ نے معصومیت سے کہا تو نادیہ بیگم کا سانس حلق میں اٹک گیا۔ شیراز ہنسی روکتا ہوا زور و شور سے عطروبہ کی پسند کو سراہ رہا تھا۔ جبکہ سحر نے بڑی مشکل سے اپنے ابلتے ہوئے قہقہے کو دبایا۔

"مچھلی تو نے کیسی قسمت پائی پانی سے نکل کر پانی میں آئی۔" ڈونگے میں چمچ پھیرتے ہوئے وہ مسلسل گنگنا رہا تھا۔ ایک ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

"ویسے شیراز بھائی یہ مچھلی نہیں مرغی ہے تصحیح کرلیں۔" سحر نے کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے شوربے میں تیرتی مرغی ہو مچھلی ہو یا پھر ہوائی جہاز سبھی کا ذائقہ ایک سا ہی تو ہوتا ہے۔ اس سے تو اچھا تھا کہ تم بھابی کی بات مان لیتی۔" شیراز نے شوربے سے بھرے ہوئے ڈونگے کو کینہ توز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ آج گوشت کا ناغہ تھا ورنہ بھنڈی گوشت یا دال گوشت پکاتے مرغے سے دوگنے پیسے لگ جانے تھے اور شیراز تو سنبھل جا ہاتھ ذرا تنگ ہے زیادہ فرمائشیں مت کرو اور اگر تیری وجہ سے بہو کو ذرا سا بھی شک ہوا کہ آج کل ہمارے حالات خراب ہیں تو پھر ذرا دیکھنا

تمہاری ہڈی پسلی ایک کروا کے رکھ دوں گی تمہارے ابا سے۔" نادیہ بیگم نے ہاٹ پاٹ ٹیبل پر رکھتے ہوئے انگلی اٹھا کر شیراز کو وارننگ دی۔

"میں نے کیا کیا ہے اماں؟" شیراز یوں مودب ہوا جیسے اس جیسا معصوم اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔

"جاؤ سحر عطروبہ کو بلا لاؤ۔" نادیہ بیگم نے سحر کو عطروبہ کو بلانے بھیجا تھا' ان دونوں کی آمد تک شیراز کو اچھی طرح حالات حاضرہ کی تنگی سے متعارف کروا چکی تھیں۔

"چلو بھئی اب سب لوگ کھانا شروع کرو۔ یہ لو عطروبہ بیٹا تمہارا سالن میرے بچے تو شوربے والا سالن شوق سے کھاتے ہیں میں نے سوچا نہ جانے تمہیں پسند ہو کہ نہ ہو اس لیے تمہارا سالن الگ سے بھون کر نکال لیا تھا۔" نادیہ بیگم نے اپنے پاس رکھی ڈھکی ہوئی پلیٹ کا ڈھکن اٹھا کر عطروبہ کی جانب بڑھایا تو اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے شیراز کا ہاتھ بری طرح لرزا' اس نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کی طرف دیکھا' شکوے کے ساتھ بغاوت کی بھی واضح جھلک تھی۔ نادیہ بیگم نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا' آنکھوں میں موجود واضح وارننگ کے پیغام کو سمجھتے ہوئے شیراز نے سالن بادل نخواستہ واپس ڈونگے میں ڈالنے کی بجائے اپنی پلیٹ میں نکالا اور اب دانستہ بھنے ہوئے چکن سے نظریں چرا کر روٹی کے نوالوں کو حلق سے نیچے اتار رہا تھا۔

"تھینک یو اماں مجھے واقعی شوربا اتنا اچھا نہیں لگتا۔" عطروبہ نے احسان مندی کے جذبات میں گھر کر کہا۔

"کل میں نے ٹی وی پر سنا تھا کہ اگر حکمران غریب عوام کا حق چھین کر اپنے سارے وسائل صرف چند لوگوں کی فلاح و بہبود پر لٹا دیں تو عوام باغی ہو جاتے ہیں اور بغاوت اچھی چیز نہیں۔" شیراز نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ کھانا کھانا اس کے لیے اتنا مشکل تو کبھی ثابت نہیں ہوا تھا سحر کی ہنسی چھوٹی جبکہ عطروبہ کی آنکھوں میں حیرانی در آئی تھی۔

"عوام کو یاد رکھنا چاہیے بغاوت کی سزا بہت بھیانک ہوتی ہے' جو حل کر رہتی ہے کیونکہ باغی ملک و قوم کا نہیں صرف اپنا مفاد سوچتا ہے۔" نادیہ بیگم نے تیز لہجے میں معنی خیزی سے کہا تو عطروبہ نے استعجاب بھری نظروں سے انہیں دیکھا یہ باتیں اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔ البتہ سحر نے دل ہی دل میں نادیہ بیگم کے برجستہ جواب کو سراہا تھا۔

"ارے بیٹا کوئی مطلب نہیں یہ شیراز کو یونہی سیاسی باتیں کرنے کا شوق چڑھا ہے تم آرام سے کھانا کھاؤ اور شیراز کھانا کھاتے ہوئے بولتے نہیں تم کیوں میری ساری باتیں بھلا دیتے ہو۔" نادیہ بیگم کا لہجہ ہموار تھا لیکن آنکھیں غصے سے لال ہونے لگیں تھیں۔ شیراز نے بھانپ لیا تھا اسی لیے خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا' بڑے بڑے نوالے لے کر اس نے اپنی پلیٹ منٹوں میں صاف کر دی تھی پھر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔

"یہ لیں آپ کی چائے۔" عطروبہ نے اسٹائلش سا چائے کا کپ میچ دیکھتے ہوئے اطہر کی جانب بڑھایا جسے اس نے جلدی سے تھام لیا تھا۔ میچ اور چائے اسے دونوں سے عشق تھا عطروبہ ان بیس پچیس دنوں میں اچھی طرح جان گئی تھی۔

"خوشبو تو اچھی ہے۔" اطہر نے گہری سانس بھرتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا گلے ہی لمحے وہ چونک اٹھا۔ عطروبہ سر جھکائے بالکل چپ چاپ وہیں کھڑی تھی چہرہ سرخ ہو رہا تھا یقیناً آنسو آنکھوں کی باڑ پھلانگنے کو بے قرار تھے۔

"ارے..... ارے کیا ہوا بیگم یہ اتنا پیارا چہرہ پریشان کیوں ہے..... کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے مقابل صوفے پر بٹھاتے ہوئے اطہر بھی پریشان ہوا۔

"وہ..... وہ میں آپ کی شرٹ استری کر رہی تھی تو آپ نے چائے کا کہہ دیا مجھے استری بند کرنا یاد نہیں رہا میں جب تک چائے پکا کر لائی آپ کی شرٹ جل چکی تھی۔" وہ اپنا

چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کوئی بات نہیں آپ نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا بیگم اور پلیز ایسے روئیں مت ایک ذرا سی شرٹ کے لیے آپ نے اپنے اتنے قیمتی آنسو ضائع کر دیئے۔'' عطروبہ کی دودھیا کلائیوں میں پڑی ڈھیروں لال اور ہری چوڑیوں کو دلچسپی سے دیکھتا ہوا اطہر نرمی سے بولا' اس کا لہجہ نرم تھا' عطروبہ کے دل کو ذرا سی ڈھارس ہوئی۔

''لیکن وہ شرٹ آپ پر بہت اچھی لگتی تھی۔'' عطروبہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے آپ کا شوہر اتنا ہینڈسم ہے کہ اس پر ہر کپڑا ہر رنگ جچتا ہے۔ ذرا دیکھیں تو میں نے جو شرٹ پہن رکھی ہے مجھ پر وہ کتنی اچھی لگ رہی ہے۔'' اطہر کے کہنے پر عطروبہ نے بے ساختہ نظریں اٹھائیں' اطہر کی آنکھیں شرارتی ہنسی ہنس رہی تھیں' عطروبہ نے گڑبڑاتے ہوئے نظریں جھکا لیں آنسو بہنا بند ہو چکے تھے۔

''ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں' پھر سے دیکھو ناں۔'' اس بار آواز میں بھی ڈھیروں ڈھیر شرارت کی آمیزش تھی۔

''آپ کو واقعی غصہ نہیں آیا۔ آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔'' عطروبہ نے ڈرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''بالکل نہیں' غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے اگر نادانستہ ہو تو اس کی سزا دینا ظلم و زیادتی سے کم تو نہیں' تمہیں پتا ہے عطروبہ بچپن میں مجھ سے جب بھی کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو میں پورے اعتماد سے اماں کو سچائی بتا دیا کرتا تھا اماں مجھے سمجھاتی ضرور تھیں لیکن انہوں نے کبھی مجھ پر غصہ نہیں کیا میری انسلٹ نہیں کی ہاں' وہ ایسی غلطی پر ناراض ضرور ہوتی تھیں جس سے کسی کا دل دکھے کسی کے ساتھ زیادتی ہو لیکن غصہ تب بھی نہیں کرتی تھیں' تب میں اپنی اماں کو راضی کرنے کے لیے اپنی غلطی کو سدھار لیا کرتا' پھر اماں بھی اسی خاموشی سے اپنی ناراضگی ختم کر دیا کرتی تھیں۔ آہستہ آہستہ میں دل توڑنے کی بجائے جوڑنے کا عادی ہوتا چلا گیا اور غلطی کو درگزر کرنے کا بھی اور تم سے جو ہوا یہ تو کوئی غلطی ہی نہیں اماں کہتی ہیں جن سے پیار ہو ان کی بے عزتی کرنا انسان کو راحت نہیں اذیت دیتا ہے اور خوامخواہ کی اذیت جھیلنا عقل مندی تو ہرگز نہیں۔'' اس کی چوڑیوں کو چھیڑتے ہوئے اطہر نے نرمی سے کہا۔

''تھینک یو اطہر آپ بہت اچھے ہیں کیونکہ اماں بہت عظیم ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں بہترین ساس پر ایک آرٹیکل لکھ کر پبلش کرواؤں تاکہ لوگوں کو پتا چلے کہ ساسیں صرف اور صرف ظالم ہی نہیں ہوتیں۔ اچھا میں آپ کی دوسری شرٹ استری کر دیتی ہوں۔'' عطروبہ یک دم ہلکی پھلکی ہوئی اور شوخی سے بولی دل میں فخر و انبساط کے ڈھیروں جذبات نے ہلچل مچائی کہ شریک حیات کی سوچ بڑی منفرد تھی۔

''اچھا تو پھر یہ چائے بھی نئی پکا کر لانا اصل میں مجھے ابھی تک چائے میں نمک استعمال کرنے کی عادت نہیں۔''

''اوہ سوری پتا نہیں میں نے چائے میں نمک کیسے ڈال دیا۔'' عطروبہ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے چائے کا کپ اٹھایا نہ جانے نمک کتنا تیز ہے۔ تجسس سے مغلوب ہو کر عطروبہ نے چائے چکھی تو اس کے چہرے کے تاثرات تیزی سے بدلے۔

''آپ جھوٹ کب سے بولنے لگے' آپ کو نہیں پتا جھوٹ بولنا کتنی بری بات ہے۔'' عطروبہ نے تیکھے چتونوں سے اسے گھورا۔

''ہائیں ابھی تو میں اتنا اچھا تھا ابھی برا بھی ہو گیا۔ ویسے مجھے گرم چائے چاہیے یہ ٹھنڈی ہو گئی ہے۔'' وہ بالکل بھی پشیمان نہیں تھا۔

''اس بار چائے میں نمک ہی گھول کر لاؤں گی۔''

''شوق سے...... لیکن یہ غلطی قابل معافی نہیں ہوگی۔'' اطہر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو عطروبہ بھی اپنی ہنسی دباتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔

◐ ...... ♥ ...... ◐

سنہری پکوڑوں سے بھری ہوئی پلیٹ اور سوفٹ ڈرنک کے ٹن پیک کو ٹیبل پر رکھ کر اس نے کھڑکی کھولی تو بارش کی

ٹھنڈی پھوار نے اسے سر سے پاؤں تک بھگو دیا۔ تیز ہواؤں نے اس کے ریشمی بالوں کو پیار سے سہلایا۔ بے حد خوشگوار موڈ کے ساتھ وہ واپس ٹیبل کے قریب آئی اور کب سے ہولڈ پر رکھا فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"واقعی نائلہ تم صحیح کہہ رہی تھیں موسم تو واقعی بڑا خوب صورت ہو رہا ہے ابھی میری نند مجھے پکوڑوں سے بھری پلیٹ اور سوفٹ ڈرنک بھی دے کر گئی ہے۔ سچ کھڑکی کھولی تو دل خوش ہو گیا۔" عطروبہ نے مسرت کے عالم میں کالی گھٹاؤں کو دیکھتے ہوئے پکوڑے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

"بھئی میرے سسرال والے تو میرے نوالے تک گنتے ہیں، زیادہ تر تو وہی پکتا ہے جو مجھے پسند نہ ہو اور اگر قسمت سے کچھ اچھا پک جائے یا تو وہ چیز چھپالی جاتی ہے یا پھر اتنی کم دی جاتی ہے کہ دل ترستا ہی رہ جاتا ہے، آج میرے سسرال والے گھر پر نہیں تو میں نے ڈھیر سارے فرنچ فرائز پکا لیے اور اب تم سے بات کرتے ہوئے انہیں بھی انجوائے کر رہی ہوں۔ موسم بھی غضب کا سہانا ہو گیا ہے کافی دنوں بعد ذہن کچھ فریش ہوا ہے۔" نائلہ کی آواز میں گھلی یاسیت مسرت میں بدل گئی تھی۔

"لیکن میری ساس تو میری مرضی پوچھ کر ہی کھانا پکاتی ہیں اور اگر مجھے کچھ پسند نہ ہو تو کوئی ایسی چیز پکا دیتی ہیں جو میں آرام سے کھا لیتی ہوں۔ تمہارے سسرال والے کتنے بدتمیز ہیں، مجھے ان پر بہت غصہ آ رہا ہے۔" عطروبہ کے لہجے میں نفرت تھی۔

"سارے سسرال والے ایسے ہی ہوتے ہیں مائی ڈیئر انہیں کم کھانے، کم سونے اور کم خرچ کرنے والی ایسی بہو چاہیے ہوتی ہے جو کام زیادہ سے زیادہ کرے۔ ابھی تمہاری نئی نئی شادی ہے آہستہ آہستہ سسرال کے رنگ سامنے آنے لگیں گے، پھر تم کہو گی کہ نائلہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"نہیں میری ساس بہت اچھی ہے، میرے سسرال والے بہت اعلیٰ ظرف کے ہیں، میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔" عطروبہ کے لہجے سے سچائی جھلک رہی تھی۔

"او کے او کے بی ریلیکس یار تم تو سیریس ہو گئیں، ہو سکتا ہے کہ تمہارے سسرال والے ویسے نہ ہوں جیسا میں کہہ رہی ہوں لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ویسے بھی نہ ہوں جیسا تم سوچ رہی ہو آنکھیں کھلی رکھنا اور دماغ چوکس، سسرال والے بہو کا حق غصب کرنے سے نہیں چوکتے، اور تم ان کی اس چوری کو پکڑنے سے نہ چوکنا۔" نائلہ کا انداز جتاتا ہوا تھا، جیسے وہ سب جانتی ہو اور عطروبہ انجان ناسمجھ بچی ہو فون کان سے لگا کر عطروبہ گم صم تھی۔

"شٹ اپ نائلہ ایسا کچھ نہیں ہے آئندہ مجھ سے بات مت کرنا۔" نائلہ کے ہیلو ہیلو کے جواب میں عطروبہ نے غصے سے فون بند کر کے صوفے پر پھینک دیا۔

"شکر ہے کچن کا کام ختم ہوا۔ شیراز کا تو پیٹ ہی نہیں بھرتا فرائنگ کون سا جلدی ہوتی ہے، آپ نے ابھی تک پکوڑے کھانے شروع کیوں نہیں کیے، سارے ٹھنڈے ہو گئے، کیا ہوا بھابی آپ پریشان ہیں۔" اپنی جھونک میں بولتے سحر نے عطروبہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"نہیں...... نہیں پریشان تو نہیں ہوں، بس سر میں درد تھا اب ٹھیک ہے۔ چھوڑو یہ سب تم یہ بتاؤ کہ اماں کیا کر رہی ہیں بلکہ چلو ہم نیچے چل کر لاؤنج میں بیٹھتے ہیں اماں کے ساتھ گپ شپ بھی کریں گے، مزہ آئے گا۔" عطروبہ نے پکوڑوں کی پلیٹ پکڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو سحر بھی ہنستی ہوئی اس کے ساتھ ہو لی۔

"ماشاء اللہ ہمارا بیل بہت خوب صورت ہے۔ بلاول چاچا تو کہہ رہے تھے کہ اس کا ریٹ نوے ہزار روپے لگ رہا ہے، میں نے کہا ہمارے جگر کی قیمت تو کروڑوں میں بھی کم ہے، ہم نے اسے اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی نیت سے خریدا ہے ایسے کیسے پیسوں کے عوض بیچ دیں۔ کچھ دنوں تک چاچا اسے شہر لے آئیں گے، پھر میں اسے خوب کھلاؤں گا، سجاؤں گا، بہت مزا آئے گا۔" واٹس ایپ پر سب کو جانور کی تصویر دکھاتے ہوئے شیراز باقاعدہ لڈیاں ڈال رہا تھا۔

''ماشاءاللہ بہت پیارا جانور ہے۔ گاؤں سے مناسب مل گیا ہوگا' یہاں تو ایسے جانور کی قیمت لاکھوں میں ہے' آج امی سے بات ہوئی تھی بتا رہی تھیں کہ بیل کی قیمت زیادہ تھی تو بھائی دو بکرے ہی لے آئے ہیں۔ عید آنے میں تو صرف دس دن رہ گئے ہیں۔ تم عید کی شاپنگ کب کرو گی سحر۔'' عطروبہ نے سحر کی جانب رخ موڑا جو مزے سے ڈائجسٹ پڑھنے میں مصروف تھی۔

''اس عید پر کپڑے بنانا ضروری تو نہیں' سارا دن تو کام کرنے میں ہی گزر جائے گا۔'' سحر نے اٹکتے ہوئے بڑی مشکل سے جواب دیا۔

''لو ضروری کیوں نہیں' عید کی شاپنگ تو عید سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے اور کام تو ہر عید پر ہوتا ہے۔ میری ایک فرینڈ نے تو عید کے کپڑے خرید بھی لیے ہیں' سارہ نام ہے اس کا کل اس نے مالز میں آئی تازہ ترین ورائٹی کی تصویریں مجھے واٹس اپ کی ہیں مجھے تو ایک سوٹ بہت پسند آیا ہے۔ عید پر ایسا ہی لوں گی صرف چودہ ہزار کا ہے۔'' عطروبہ نے اپنے موبائل کی گیلری کھولتے ہوئے کہا۔

''بلکہ میں تمہیں اس ڈریس کی تصویر سینڈ کردیتی ہوں تاکہ اگر غلطی سے مجھ سے ڈیلیٹ ہوجائے تب بھی ہمارے پاس موجود تو ہو۔'' عطروبہ نے موبائل پر انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ سحر نے تھوک نگلتے ہوئے نادیہ بیگم کی جانب دیکھا جو پریشان نظروں سے اسی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

''اور ہاں سحر سارہ کو میری بری میں موجود لان کے ڈریسز بہت پسند آئے ہیں' مجھ سے شاپ کا نام پوچھ رہی تھی' کہاں سے لیے تھے کپڑے؟'' عطروبہ نے موبائل سے نظریں ہٹا کر سحر سے پوچھا جس نے بڑی مشکل سے مال اور شاپ کا نام بتایا۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

''نہیں اماں اس بار شاپنگ کی گنجائش بالکل نہیں' میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ ایک دو مہینے تنگی ہوگی اور مسئلہ بھی کیا ہے عطروبہ کے پاس ڈھیروں کپڑے ہیں کوئی سے بھی پہن لے گی' آپ اس سے بات کرلیں وہ آرام سے سمجھ جائے گی۔'' اطہر کا لہجہ قطعی تھا۔

''وہ تو ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا لیکن اس کا نیا جوڑا لینے کا دل ہے اور سسرال میں پہلی عید میں نہیں چاہتی اس کا دل برا ہو تم ابھی کچھ انتظام کرلو میں عید کے بعد خود ہی اسے مناسب طریقے سے گھر کے حالات کے بارے میں سمجھادوں گی' یہ جھوٹ اب واقعی پریشان کرنے لگا ہے۔'' نادیہ بیگم نے آس بھری نظروں سے اطہر کی جانب دیکھا۔

''نہیں امی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' اطہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا بات ہے میاں کب سے اینٹھتے ہی چلے جارہے ہو' کاروبار میں کمی بیشی تو ہوتی ہی رہتی ہے' ماں کا مان توڑنا ہرگز مناسب نہیں۔'' مطالعہ کرتے جاوید صاحب نے اطہر کو مخاطب کیا۔

''میں چودہ ہزار کا سوٹ تو نہیں دلوا سکتا فی الحال میرے پاس صرف یہ پانچ ہزار ہیں اگر ان سے گزارا کرسکتی ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں عطروبہ سے خود بات کرلوں گا۔'' جاوید صاحب کی بات ٹالنا تو ناممکن تھی سو اب وہ ماں کی جانب پیسے بڑھائے کھڑا تھا' جسے انہوں نے سرعت سے کسی متاع کی طرح سنبھال لیا۔ اطہر لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکلا۔ جاوید صاحب پھر سے مطالعے میں گم ہوگئے تھے۔

''لیکن اماں بھابی کو تو جو سوٹ پسند ہے وہ...... اب کیا ہوگا؟'' سحر نے پریشانی سے بات ادھوری چھوڑی۔

''اللہ بہتر کرے گا تم مجھے وہ تصویر دکھانا ذرا۔'' انہوں نے پرعزم لہجے میں کہتے ہوئے سحر کے ہاتھ سے موبائل لیا جس پر بلیک ڈھیر سارے رنگوں سے سجا سوٹ جگمگا رہا تھا۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

آسمان پر ڈھیروں ستارے چمک رہے تھے' ٹھنڈی ہوا روح کو تازگی بخش رہی تھی' اس نے آنکھیں بند کرکے گہرا سانس بھرا تو ماحول میں رچی رات کی رانی کی مہک سانسوں کو معطر کرگئی تھی۔

''ارے آپ یہاں ٹیرس پر کیا کررہے ہیں' بیڈ پرآپ کی ساری فائلز کھلی پڑی ہیں۔'' سفید رنگ کے کرتا شلوار کے ساتھ شیفون کا سفید دوپٹہ لیے وہ اس ماحول کی طرح خالص اور شفاف لگ رہی تھی۔

''کام کرتے کرتے تھک گیا تو ریلیکس ہونے کے لیے یہاں آ گیا' ویسے آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں۔ اداس ہوگئی تھیں کیا؟'' اس کے کومل روپ کو آنکھوں میں سموتے ہوئے وہ مسکرایا۔

''وہ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔'' عطروبہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا' اطہر کی پُرشوق نظروں کی تاب لانا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔

''جی جناب' آپ کہیے' بندہ ہمہ تن گوش ہے۔'' اطہر نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ اصل میں عید آنے میں زیادہ دن نہیں رہ گئے اور مجھے عید کی شاپنگ کرنی ہے۔ آپ مجھے بازار کب لے کر جائیں گے۔'' عطروبہ نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی' پہلی پہلی فرمائش تھی عجیب لگ رہا تھا۔

''مسئلہ یہ ہے بیگم صاحبہ کہ آج کل بندہ کام میں حد سے زیادہ مصروف ہے تو وقت نکالنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے' اماں نے مجھ سے پیسے لے لیے ہیں' وہ تمہارے عید کے کپڑوں کا انتظام کردیں گی۔''

''اماں نے پیسے لے لیے۔'' عطروبہ بڑبڑائی' بات کچھ سمجھ نہیں آئی تھی۔

''اس بار چھٹیوں کی وجہ سے کام کا بہت حرج ہوا ہے' ان شاء اللہ اگلی بار میں تمہیں خود شاپنگ کے لیے لے جاؤں گا۔'' اطہر نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے میں اماں اور سحر کے ساتھ شاپنگ پر چلی جاؤں گی' ویسے بھی مجھے ان کے ساتھ زیادہ مزہ آئے گا۔'' عطروبہ نے بشاش لہجے میں کہا۔ اطہر کی باتوں کی سچائی اس کی آنکھوں سے جھلکتی تھی۔ پھر وہ یقین کیسے نہ کرتی' ناراض ہونے کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ اگلا پورا دن وہ ذہنی طور پر بازار جانے کے لیے تیار رہی لیکن اماں نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھیں۔

''چلو خیر آج شاید اماں کو کچھ کام ہو کل بازار چلی جاؤں گی' ویسے بھی ریڈی میڈ کپڑوں کا کیا ہے چاہے عید سے ایک دن پہلے خرید لوا اپنے دل کو تسلی دیتی اس نے رات کے دو بجے نیند کی وادی میں قدم رکھا تھا۔

☾ ...... ♥ ...... ☾

''سحر اماں کہاں ہیں۔'' وہ تیار ہوکر نیچے آئی تو سحر کچن صاف کررہی تھی۔ نادیہ بیگم آج بھی گھر پر نہیں تھیں اسے کچھ عجیب سا لگا۔

''اماں کو اپنی کسی دوست کی طرف جانا تھا' کوئی ضروری کام تھا' شاید آپ بیٹھیں بھابی میں آپ کے لیے ناشتہ لگاتی ہوں۔'' سحر نے چولہے پر توا رکھتے ہوئے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا۔

''ویسے حیرت کی بات ہے اماں کل بھی گھر پر نہیں تھیں آج بھی نہیں ہیں ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا۔'' الجھن نے عطروبہ کا گھیراؤ کیا۔

''کوئی ضروری کام ہوگا ورنہ تو اماں کو ایسے گھومنا پھرنا پسند نہیں ویسے آپ کو اماں سے کوئی کام تھا کیا؟'' پراٹھا بیلتے ہوئے سحر نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔

''نن...... نہیں تو بس ایسے ہی اماں کے بغیر گھر خالی خالی لگ رہا ہے۔'' عطروبہ نے گڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر سارا دن عطروبہ بے چینی سے ان کی راہ دیکھتی رہی' مغرب کے بعد نادیہ بیگم کی واپسی ہوئی تھی۔

☾ ...... ♥ ...... ☾

''اوہو سحر بھئی کیا مسٹری ہے جو تم مجھے یوں آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جارہی ہو۔'' عطروبہ نے ہولے ہولے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔ سحر نے اچانک ہی اس کے کمرے پر دھاوا بولا تھا۔ سوئی ہوئی عطروبہ کو زبردستی اٹھا کر اب وہ اسے احتیاط سے نیچے لے کر آرہی تھی۔

''آپ چلیں تو سہی بھابی' بات کا بھی پتہ چل ہی جائے گا۔'' سحر کے ہاتھوں کی گرفت بڑی پرجوش تھی لہجے سے جیسے خوشی اُمڈ رہی تھی۔

"ارے واہ آ گئی میری بیٹی، میرے گھر کا چاند۔" وہ لاؤنج میں پہنچی تو نادیہ بیگم نے اس کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی اماں اپنے چاند کی آنکھوں کی پٹی تو کھول دیں مستقل چاند گرہن سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کا سرپرائز دیکھنے سے محروم نہ رہ جائیں۔" شیراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم تو ہمیشہ ہی بکواس کرنا۔" نادیہ بیگم نے اس کے کندھے پر دھپ لگائی، اگلے ہی لمحے انہوں نے عطروبہ کی پٹی کھول دی۔

"اُف...... یہ سب کیا ہے۔" رخسار پر ہاتھ رکھے وہ ٹیبل پر بچھی ڈھیر ساری پھولوں کی پتیوں کو خوشی کے عالم میں دیکھ رہی تھی جن پر بڑی سی سنہری پیکنگ میں پیک بڑی سی ٹوکری رکھی تھی ٹوکری کے اوپر لگے بڑے سے کارڈ پر جگمگاتے ہوئے حروف میں "عید مبارک" لکھا تھا...... اس کے ساتھ رکھے ڈبے میں اس کے فیورٹ گلاب جامن تھے۔

"بھئی یہ تمہاری سسرال کا تمہارے لیے ڈھیر سارا پیار ہے لیکن اگر میں ذرا انصاف سے کام لوں تو اس پیار میں زیادہ حصہ تمہاری ساس کا ہے وہ تمہاری سسرال میں پہلی عید کو لے کر بہت پُرجوش تھیں۔" جاوید صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ آج اس کی خوشی میں شامل ہونے کے لیے وہ بھی خاص طور پر لاؤنج میں آئے تھے۔ حالانکہ عام طور پر وہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں آیا کرتے تھے۔ ان کے لیے چلنا پھرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"کہیں یہ خواب تو نہیں......؟" عطروبہ نے نم آنکھوں سے اطہر کی جانب دیکھا تو وہ اطمینان بھری ہنسی ہنس دیا۔

"بھابی آپ پوچھ رہی تھیں نا کہ اماں دو دن سے کہاں مصروف ہیں تو جناب اماں آپ کے لیے یہ سرپرائز پلان کر رہی تھیں۔" سحر نے کھلکھلاتے ہوئے کہا۔

"چلو بھئی بیٹا اب تم یہ گفٹ کھولو۔" نادیہ بیگم نے عطروبہ کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھا۔

"اماں پہلے مٹھائی نہ کھالیں، گفٹ کا کیا ہے بعد میں کھل جائے گا۔" شیراز نے ندیدے پن سے مٹھائی کے ڈبے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"چل ہٹ ہاتھ پیچھے کر پہلے میری بہو گفٹ کھولے گی پھر سب کو مٹھائی کھلائے گی۔" نادیہ بیگم نے شیراز کے ہاتھ پر تھپڑ لگایا تو وہ ہاتھ سہلاتا ہوا پیچھے ہٹا سب ہی مسکرائے تھے۔

یونہی ہنستے مسکراتے عطروبہ نے ٹوکری کا ریپر ہٹایا تو آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پوری کی پوری کھل گئیں۔

ٹوکری میں چوڑیاں، مہندی اور جگمگاتی ہوئی جیولری کے ساتھ بلیک کلر کا خوب صورت سوٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔

"اماں یہ تو...... یہ تو وہی سوٹ ہے جو مجھے پسند تھا۔ تھینک یو ویری مچ آپ کو مال کا نام اور شاپ کا ایڈریس کس نے بتایا، کتنا بڑا سرپرائز دیا ہے ناں آپ نے مجھے اور میں سوچ رہی تھی کہ نا جانے اماں مجھے شاپنگ پر کب لے کر جائیں گی۔" وفورِ مسرت سے وہ سوٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"یہ سوٹ ہماری اماں کے مال سے آیا ہے بھابی، آپ کو پتا ہے اماں نے ساری چیزیں خرید کر کالونی کی درزن آنٹی سے ان کے پاس بیٹھ کر سلوایا ہے، صرف اور صرف تین ہزار لاگت آئی ہے۔ اماں کی ڈیزائننگ ہمیشہ سے لاجواب ہے بچپن میں تو اماں میرے سارے کپڑے خود سیا کرتی تھیں۔ اگر اب بھی ان کی نظر کمزور نہ ہوتی تو یہ سوٹ اماں خود سلائی کرتیں۔" سحر اپنی جھونک میں بولے جا رہی تھی یہ دیکھے بغیر کہ عطروبہ کی سوٹ پر گرفت اچانک کمزور ہو گئی تھی مسکراتے لب سکڑ گئے تھے۔

"اماں یہ سوٹ مال سے نہیں لائیں۔" لاکھ کوشش کے باوجود آواز میں لرزش واضح تھی۔

"نہیں بیٹا مال سے تو نہیں لائی لیکن ڈیزائن بالکل ویسا ہے اپنا موبائل کھول کر دیکھو ناں۔" ماحول میں اچانک ہی کوئی تبدیلی آئی تھی سبھی کے چہروں پر سنجیدگی

در آئی نادیہ بیگم ہنسنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن نہ جانے کیوں ہنس نہیں پائیں۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" عطروبہ بمشکل بولی اگلے ہی لمحے وہ بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی۔ وہاں موجود سارے نفوس ہکا بکا سے ٹوکری پر رکھے کالے سوٹ کو دیکھ رہے تھے جس میں کہیں کوئی کمی نہیں تھی۔

"بے وقوف، ناہنجار، گھر کو سنبھال کر رکھنا بھی نہیں آتا، لے دیتا اسے اس کی مرضی کا سوٹ ماں کی بے عزتی کروا دی۔ گھر والوں کو خوش بھی نہ رکھ سکے ایسا مرد کس کام کا۔" سب سے پہلے جاوید صاحب کو ہوش آیا تھا تبھی وہ اطہر کو صلواتیں سنانے لگے۔ جب ان کا بی پی ہائی ہوتا تھا تو وہ یونہی کسی پر بھی چڑھائی کر دیا کرتے تھے۔

"ایسی بات نہیں مجھے لگتا ہے، بہو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ پریشان مت ہوں۔" نادیہ بیگم نے خود پر قابو پاتے ہوئے جاوید صاحب کو کرسی پر بٹھایا جن کا سانس پھولنا شروع ہو گیا تھا۔

"جاؤ شیراز ابو کے لیے پانی کا گلاس لے کر آؤ، سحر تم یہ سامان اپنے کمرے میں لے جاؤ اور اطہر تم اوپر بہو کے پاس جاؤ۔" نادیہ بیگم نے حالات کو سنبھالنے کی کوشش کی اطہر مرے مرے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھا۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

"نائلہ ٹھیک کہتی تھی سسرال والوں کے رنگ آہستہ آہستہ کھلتے ہیں، کیسے چالاکی سے میرا حق غصب کر لیا نہ جانے کیسی کیسی گھٹیا جگہوں سے گھٹیا چیزیں خرید کر عید کا ڈریس بنوا دیا اور مقابلہ ہو رہا ہے مال کے ڈریس سے کبھی گھٹیا قیمت میں بڑھیا چیز ملتی ہے اور مجھے سب کو ہنس ہنس کے دکھانے کی کیا ضرورت، جب میں خوش ہی نہیں تو خوش ہونے کا دکھاوا کر کے ان سب کو اپنی من مانی کرنے کا موقع کیوں دوں۔" ہاتھوں پر سر گرائی آنسو بہاتی وہ مسلسل سوچ رہی تھی۔ تبھی اطہر اندر آیا دروازہ کھلنے کی آواز پر عطروبہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا اطہر اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر آ بیٹھا تھا۔ ہمہ وقت مطمئن رہنے والا چہرہ آج بجھا ہوا تھا لیکن وہاں پروا کسے تھی، عطروبہ ہونٹ بھینچتی الماری کی طرف بڑھی۔

"مجھے امی کی طرف چھوڑ آئیں۔" عطروبہ کا لہجہ سپاٹ تھا اطہر نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، کیا نہیں تھا ان نظروں میں شکایت، غصہ، بے یقینی۔

"ایسا بھی کیا ہو گیا عطروبہ جو تم نے ساری محبتیں ایک ہی پل میں فراموش کر دیں۔" اطہر یہ سب صرف سوچ ہی پایا تھا۔

"سارا قصور ان کا ہی ہے اگر اپنی اماں کو یہ ذمہ داری دینے کی بجائے خود ہمت کی ہوتی تو ان کی بچت اسکیم آج یوں میرے ارمانوں کا خون نہیں کرتی، اتنا کماؤ شوہر ہونے کے باوجود میری ذرا سی خواہش پوری نہیں ہو پائی، میں بھی کسی گرے پڑے خاندان کی نہیں، اپنی مرضی کا ڈریس لاؤں گی اور عید پر وہی پہنوں گی انہیں بھی تو پتا چلے عطروبہ اپنی خواہش سے دست بردار نہیں ہوتی۔" بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اس نے ایک تلخ نظر اپنی جانب دیکھتے ہوئے اطہر پر ڈالی۔

"آج ابو تھوڑے ہائپر ہو رہے ہیں بعض اوقات ایسی صورت حال میں انہیں ہاسپٹل شفٹ کرنا پڑتا ہے میرا گھر پر رہنا ضروری ہے تم شیراز کے ساتھ چلی جاؤ۔" اطہر نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے آپ اس سے بات کر لیں میں نیچے گراج میں ہوں۔" وہ بیگ سمیت دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ اس کا ہر قدم اطہر کو اپنے دل پر پڑتا محسوس ہو رہا تھا وہ خوب صورت حسینہ اتنی کٹھور اتنی بے رحم ہو گی اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

گاڑی سبک رفتاری سے تارکول کی سڑک پر بھاگ رہی تھی عطروبہ رخ موڑے بے تاثر چہرے کے ساتھ بھاگتے دوڑتے مناظر دیکھ رہی تھی۔ شیراز لب بھینچے خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا۔

"پتا نہیں بھابی میں صحیح کر رہا ہوں یا غلط کیونکہ اماں نے

مجھے اپنی زبان بند رکھنے کا کہا تھا لیکن مجھے لگتا ہے کہ ان حالات میں آپ کا سچ جاننا بہت ضروری ہے۔" ایک فیصلہ کرتے ہوئے شیراز نے کہنا شروع کیا۔

"کون سا سچ۔" عطروبہ کو اپنی بے نیازی اور لاتعلقی کا خول توڑنا ہی پڑا۔

"یہ بات تب شروع ہوئی جب اماں عیدالفطر پر آپ کے گھر آئیں پھر......" وہ بڑے نپے تلے انداز میں اسے حقیقت حال سے باخبر کر رہا تھا۔ "بھائی کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اماں نے آپ کی خواہش تو پوری کر دی لیکن وہ حالات کی تنگی جھیل رہی ہیں یہ احساس بھی وہ آپ تک نہیں پہنچنے دینا چاہتی تھیں اور شاید یہی ان کی غلطی تھی آپ کو پتا ہے بھابی ہم لوگوں کے گھر ہمیشہ بھنا ہوا گوشت پکتا تھا ہمیں شوربا پسند ہی نہیں اماں نے آپ سے صرف اس لیے جھوٹ بولا کہ آپ کو یہ غریبانہ کھانا نہ کھانا پڑے۔" شیراز سر ہلاتے محظوظ سی ہنسی ہنسا جیسے اماں کے معصوم سے جھوٹ کو انجوائے کر رہا ہو۔

"اماں کو جوڑوں کا کوئی مسئلہ نہیں لیکن گرمیوں میں اے سی کم سے کم چلانے کے لیے کوئی تو جواز چاہیے ناں ہائے میری بھولی اماں۔" وہ ایک بار پھر ہنسا۔ "اور اب جب کہ بھائی کہہ رہے تھے کہ عید کی شاپنگ کے لیے ان کے پاس پیسے نہیں اماں نے زبردستی کی اور دیکھیے کیا ہوا۔" شیراز نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی رائے جاننے کا متمنی ہو۔

"تمہارے بقول اگر ان کے پاس پیسے نہیں تو اتنا مہنگا قربانی کا جانور کیسے لے لیا؟" عطروبہ نے سر جھٹکتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا لہجہ فخریہ تھا کیسا پوائنٹ نکالا تھا ساری کہانی بوگس ہوگئی۔

"ہم لوگ ہر سال ایک بچھڑا خرید کر گاؤں میں اپنے رشتہ دار کو پالنے کے لیے دے دیتے ہیں پندرہ ہزار کا بچھڑا اور پندرہ ہزار روپیہ سالانہ خرچہ ہمیں تو وہ تیس ہزار کا ہی پڑا ناں آپ اس کے ریٹ کو منڈیوں کے ریٹ سے نہ ملائیں۔" اس کے پاس ہر سوال کا واضح اور مدلل جواب تھا۔

"ہونہہ کتنی جلدی کہانی بنالی لیکن میں اب کسی کی باتوں میں نہیں آؤں گی' نائلہ ٹھیک کہتی ہے سبھی سسرال والے ایک جیسے ہوتے ہیں۔" وہ سر جھکائے زہریلی سوچوں میں گم تھی۔ دل بے چین تو ہوا تھا لیکن اس نے دل کو ڈپٹ کر سمجھا ہی لیا تھا تبھی گاڑی جھٹکے سے رکی اس کے بابل کا آنگن اس کی منزل نظروں کے سامنے تھی۔

"ابھی میں کچھ دن یہاں رکوں گی۔" گاڑی سے اترتے ہوئے عطروبہ نے سرد لہجے میں کہا۔ شیراز کی آنکھوں میں جلتا امید کا دیپ ہولے سے بجھا تھا عطروبہ نے تیزی سے اپنے گھر کا گیٹ پار کیا۔

☾ ...... ♥ ...... ☾

"ارے عطروبہ بیٹا تم۔" جس وقت عطروبہ گھر میں داخل ہوئی سلمٰی بیگم عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد کچن کی طرف جا رہی تھیں۔ عطروبہ کو دیکھتے ہی خوشگوار حیرت سے اس کی جانب بڑھیں۔

"کتنے دنوں سے تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا اچھا ہوا تم آگئیں اطہر کہاں ہے وہ نہیں آیا تمہارے ساتھ؟" عطروبہ کو گلے لگاتے ہوئے انہوں نے استفسار کیا۔

"میرا بھی آپ سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اطہر کو آفس میں کام تھا تو انہوں نے شیراز کو کہا تھا کہ مجھے آپ کی طرف ڈراپ کر دے میں ان سے اجازت لے کر آئی ہوں کہ آپ کی طرف ایک دو دن رکوں گی۔" عطروبہ نے ان کی اپنے بیگ کو گھورتی نظروں کو دیکھ کر تھوک نگلتے ہوئے کہا تو وہ اسے لیے اندر بڑھ آئیں بیاہی بیٹی میکے آئی تھی سب نے ڈھیر ساری خوشی کا اظہار کیا تھا۔ آنکھیں جھپک جھپک کر اس نے بڑی مشکل سے ہنسی چہرے پر سجائی تھی۔

جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئی تو مسلسل ذہنی دباؤ کے باعث سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ پانی کے ساتھ دو گولیاں نگل کر لائٹ آف کر کے وہ بستر پر دراز ہوئی تو پھر سے زہریلی یادیں اسے ڈسنے لگیں۔

"ہوں ساری دنیا میں شادی کی تیاریاں ہوتی ہیں یوں غریب غریب تو کوئی نہیں کھیلتا۔" منفی سوچیں اپنے لیے جواز تراشتی جا رہی تھیں۔ اماں نے اچھی ساس ہونے کا

خوب دکھاوا کیا، میں انہیں کتنا اچھا سمجھتی رہی اور وہ میری حق تلفی کا پلان بناتی رہیں۔ خوش رنگ یادوں نے ذہن کے دروازے پر دستک دی تو اس نے بڑی بے رحمی سے انہیں کوئی سازش قرار دیا، تبھی ہلکی سی قدموں کی چاپ کے ساتھ سلمٰی بیگم اندر آئیں۔

"کیا ہوا عطروبہ بیٹا، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اتنی جلدی سونے کے لیے لیٹ بھی گئیں۔" سلمٰی بیگم نے متفکر سے انداز میں کہتے ہوئے لائٹ جلائی تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، امی بس تھوڑی تھکاوٹ ہو رہی تھی سر میں درد تھا تو میں نے سوچا آرام کرلوں، آپ بیٹھیں ناں مجھے آپ سے ضروری فرمائش بھی کرنی ہے۔ سر درد خود ہی ختم ہو جائے گا۔" عطروبہ نے ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں باتیں کل کریں گے، ابھی تم آرام کرو، منیزہ اور حارث شاپنگ پر جا رہے ہیں میں دروازہ بند کرلوں پھر تمہارے ابو کے پاؤں کی مالش کروں گی، آج کل درد کی شکایت کر رہے ہیں، تم سکون سے سو جاؤ، کل صبح ملاقات ہوگی اور فرمائش بھی پوری ہو جائے گی۔" سلمٰی بیگم اس کا ماتھا چوم کر ہولے سے دروازہ بند کر کے باہر نکلیں تو اس کے آنسو بہہ نکلے، کتنے انمول ہیں ناں یہ رشتے دل نے بے اختیار گواہی دی وہ ریموٹ سے اے سی کا کمپریسر سیٹ کرتے ہوئے پھر سے لیٹ گئی۔

"میری امی کتنی اچھی ساس ہیں ناں، بہوؤں کے کسی بھی معاملے میں کبھی دخل اندازی نہیں کی، اسی وقت اس کا موبائل اندھیرے میں چمکا تو بپ کی آواز پر اس نے فون آن کیا۔

"اطہر......" میسج کھولتے ہوئے اطہر کے ہرجائی پن پر وہ سسک اٹھی۔

"کل صبح تیار رہنا، تمہیں شاپنگ کے لیے لے جاؤں گا۔" میسج کا متن بڑا حیرت بھرا تھا وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی الفاظ بدلے انہیں تھے۔

"یعنی آپ بھی مردوں کی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جو جیب سے پیسے نکالتے ہوئے یونہی واویلا مچاتے ہیں، اگر آپ کے پاس پیسے نہیں تھے تو اب کہاں سے آئے، سچ کہتی ہیں بھابی سارے شوہر جھوٹے اور دغاباز ہوتے ہیں، خیر کل تیار رہوں گی آج سرنڈر کر دیا تو کبھی اپنے دل کی خوشی پوری نہیں کر پاؤں گی۔" گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا۔

"جاہل عورت، بدتمیز، بے عقل، نہ جانے کون سی منحوس گھڑی تھی جب تم میری زندگی میں آئی، اتنی فضول خرچی ابھی دو مہینے پہلے تم نے اتنا مہنگا ڈریس لیا تھا اب پھر اٹھارہ ہزار کا ڈریس لینا ہے، آخر تمہیں میرا کوئی احساس ہے بھی یا نہیں۔" حارث گرجا تو سوئی ہوئی عطروبہ دہل کر اٹھ بیٹھی۔

یقیناً یہ دونوں شاپنگ پر جا رہے ہیں، کچھ دیر بعد سمجھ میں آ ہی گیا تھا کہ وہ اپنے میکے میں ہے۔ امی کو چاہیے کہ وہ بھائی کو سمجھائیں، کمبل اوڑھ کر لیٹتے ہوئے اس نے سادگی سے سوچا لیکن امی تو ان کے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتیں، اس معاملے میں بھی نہیں۔ یہ آوازیں ان کے کمرے تک بھی تو جا رہی ہوں گی، اچانک دماغ میں کوئی کوندا لپکا تھا اگر اطہر یوں مجھے ڈانٹ رہے ہوتے تو کیا اماں بھی انہیں ایسا کرنے دیتیں، ہرگز نہیں، دل و دماغ کا جواب متفقہ تھا اور اطہر انہوں نے تو کبھی مجھے ڈانٹا ہی نہیں چاہے غلطی میری ہو تب بھی یہ دل کی گواہی تھی دھند چھٹنے لگی تھی۔

"ہاں تو میری خواہشیں اور کس نے پوری کرنی ہیں اور آئی ایم سوری میں چیزوں کے معیار پر سمجھوتہ نہیں کر سکتی اور معیاری چیزیں مہنگی تو ہوتی ہی ہیں۔" منیزہ نے جیسے عطروبہ کے دل کی بات کی تھی۔ سحر اور نادیہ بیگم کیا کوئی خواہش نہیں رکھتی تھیں، انہیں اپنی خواہش کو پورا کرنے سے کس نے روکا تھا، سوال اپنا جواب آپ تھا۔

"ہاں کوالٹی کو روتی رہنا، جس کوالٹی کو تم بڑا ہائی فائی مانتی ہو ناں وہ کوالٹی بھی کسی کی نظر میں بڑی گھٹیا ہوگی سوچو ذرا ایسی بیگمات بھی تو ہیں جو ایسے ہی ڈریسز کی قیمت لاکھوں

میں ادا کرتی ہیں، وہ تمہارے اس اٹھارہ ہزار کے جوڑے کو کس نظر سے دیکھتی ہوں گی، اندازہ کرنا مشکل تو نہیں لیکن تم جیسے عقل کے اندھوں کو کون سمجھائے، شوہروں کو مجبور کر کے حقیقتاً اجاڑ کر سمجھتی ہو جیسے کوئی میدان مار لیا ہو۔" حارث کا غصہ شدید تھا۔

"آپ کے پاس پیسوں کی کون سی کمی ہے، جتنا بھی رو لیں آخر کو سارے اخراجات پورے کر ہی لیتے ہیں ناں آپ کو تو یونہی پیسوں کی کمی کا رونا رونے کا شوق ہے۔" منیزہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"یہ اخراجات پورے کرنے کے لیے مجھے کتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے تم کیا جانو منیزہ، کبھی اپنی کوئی ضرورت روک کے کبھی کسی سے ادھار مانگ کر، میں کیسے کیسے ذلیل ہوتا ہوں تم اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔" حارث کی آواز میں سچائی تھی، اس کا ایک ایک لفظ عطروبہ کو آئینہ دکھا رہا تھا۔ وہ آئینہ جس میں اسے اپنا بھیانک چہرہ دیکھنا بڑا مشکل لگ رہا تھا، سارے بودے جواز اپنی موت آپ مر رہے تھے اور جو سچ تھا وہ اس پر روز روشن کی طرح عیاں تھا، آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے تکیے تک کا فاصلہ طے کر رہے تھے۔ دل کا میل تو دھل گیا تھا لیکن اپنے ہی کیے کی اذیت جھیلنا بڑا مشکل تھا۔

◉ ...... ♥ ...... ◉

سلمیٰ بیگم کے اصرار کے باوجود اس نے برائے نام ہی ناشتا کیا تھا، ضروری کام کی تکرار کرتی وہ آفس جانے کے لیے تیار عارب کے ساتھ گھر سے نکل آئی تھی۔ اس کے کہنے کے باوجود عارب کسی ضروری کام کے باعث معذرت کرتا ہوا باہر سے ہی چلا گیا تھا، اپنے پرس میں موجود چابی سے گیٹ کھولتے ہوئے اس کا دل زور سے دھڑکا، گیٹ سے لاؤنج تک کا فاصلہ اس نے جیسے ٹوٹے کانچ پر ننگے پاؤں طے کیا تھا۔ لاؤنج میں سناٹا تھا، نادیہ بیگم صوفے پر نیم دراز آنکھیں موندیں نہ جانے کیا سوچ رہی تھیں وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب پہنچی۔

"مجھے معاف کردیں اماں، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، میں نے بڑی گھٹیا اور نیچ حرکت کی ہے۔" ان کے پاؤں پکڑتے ہوئے اس نے ہولے سے کہا اس کے آنسو ان کے پاؤں پر پڑے تو وہ تڑپ اٹھیں۔

"ارے عطروبہ بیٹی میری جان تم کب آئیں اور ایسے کیوں رو رہی ہو، چپ کر جاؤ بیٹا۔" نادیہ بیگم نے اسے گلے سے لگایا تو وہ تڑپ کر رو دی۔

"میں بہت بری ہوں اماں پلیز مجھے معاف کردیں، دوسروں کے نظریات سے زندگی کو دیکھتے ہوئے میں صحیح اور غلط کی پہچان ہی بھول گئی، کتنی بری طرح میں نے آپ کے پیار کو ٹھکرایا اور ایسا کرتے ہوئے مجھے حیا بھی نہ آئی۔" اس کے آنسو اب تیزی سے نادیہ بیگم کا گریبان بھگو رہے تھے۔

"نہیں میری بچی تم تو بہت خالص...... بہت اچھی ہو۔" اس کی کمر کو تھپکتی وہ پیار کا امرت اس کے کانوں میں انڈیل رہی تھیں لیکن احساس جرم بہت شدید تھا۔

"یہ لو بیٹا پانی پیو۔" جاوید صاحب نے سحر کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، اس کا رونا سب کو لاؤنج میں کھینچ لایا تھا۔

"آئی ایم سوری ابو میں نے تو آپ کی طبیعت کا خیال بھی نہیں کیا، پتا نہیں میں نے اتنے گھٹیا پن کا ثبوت کیوں دیا۔" پانی کا گلاس تھام کر اس نے شرمندگی سے سر جھکایا، وہ جو اس کے اپنے تھے اس سے اتنی تکلیف پانے کے بعد آج بھی اسے بہلا رہے تھے، اس کا رونا نہیں پریشان کر رہا تھا۔

"تم غلط نہیں تھیں بیٹا انجان تھیں اور انجانے کی بھول قابل گرفت نہیں ہوتی۔" جاوید صاحب اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

"تمہارے ابو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹا، بس اب رونا نہیں یہ پانی پیو اور اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو، ادھر آؤ اطہر، بہو کو کمرے میں لے جاؤ اور دھیان رکھنا یہ گھبرائے نہیں۔" اطہر کو غیر محسوس انداز میں تنبیہ کرتیں وہ عطروبہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بیٹا اب تم بالکل پریشان نہیں ہونا، ہمیں تم سے کسی قسم

کی کوئی شکایت نہیں۔" لہجہ سچائی کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔

"تم تھوڑی دیر آرام کرلو پھر بازار چلتے ہیں تمہیں شاپنگ بھی کروانی ہے۔" پردے برابر کرتا اطہر مصروف سے انداز میں بولا تو عطروبہ کے آنسو پھر سے بہہ نکلے۔

"ارے بیگم کیا ہوا اب کیوں رو رہی ہو؟ مجھے اماں سے پٹوانے کا ارادہ ہے کیا؟ اگر وہ ہمارے کمرے میں آگئیں تو تمہاری ایسی شکل دیکھ کر تو وہ میری بینڈ بجادیں گی' آخر ہوا کیا ہے کچھ پتا تو چلے؟" اس کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"آپ...... آپ مجھ سے ناراض ہیں ناں' آپ نے مجھے ابھی تک معاف نہیں کیا۔ میری غلطی واقعی بہت بڑی ہے اطہر یقین کریں آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا' لیکن پلیز ایسی باتیں مت کریں مجھے تکلیف ہورہی ہے۔" عطروبہ نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"تم نے اپنی غلطی سدھار لی ہے عطروبہ جن دلوں کو تکلیف پہنچی تھی اب وہ پرسکون ہیں پھر بھلا میری ناراضگی کا کیا جواز' یقین کرو مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں اور میں ابھی تک نہیں سمجھ پایا کہ تمہیں میری کس بات سے تکلیف ہوئی ہے۔" وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولا۔

"مجھے پتہ ہے آپ کے پاس ابھی مجھے شاپنگ کرانے کی گنجائش نہیں یقیناً آپ نے کہیں سے پیسے ادھار لیے ہوں گے یا پھر کسی ضرورت سے منہ موڑا ہوگا لیکن مجھے ایسی شاپنگ ہرگز نہیں کرنی میں پہلے ہی اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں' آپ مجھے اور شرمندہ مت کریں۔" عطروبہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"میری مارکیٹ میں ساکھ اتنی اچھی ہے کہ میں چاہوں تو لاکھوں کا ادھار چٹکی بجاتے میں لے لوں لیکن مجھے ادھار لینے سے شدید ترین نفرت ہے میں چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے پر یقین رکھتا ہوں' پریشان مت ہو ناں میری چادر میں تم آرام سے جتنے چاہو پاؤں پھیلا سکتی ہو لیکن ان دنوں شادی کے اخراجات کی وجہ سے کچھ مسائل تھے جو ان شاء اللہ یقیناً ہمیشہ تو نہیں رہیں گے کل رات گھر کے حالات دیکھتے ہوئے میں نے واقعی ادھار لینے کا ہی سوچا تھا لیکن شاید تمہاری اچھائی کی وجہ سے ہم پر اللہ کا خاص کرم ہوگیا' کافی عرصے سے میری پچاس ہزار کی پیمنٹ رکی ہوئی تھی' میں تو اسے بھول بھال بھی گیا تھا' آج صبح ہی میرے سیکرٹری نے مجھے میسج کیا کہ ہمیں وہ پیمنٹ وصول ہوگئی ہے ان پیسوں میں سے تیس ہزار اماں کو گھر کے اخراجات کے لیے دیئے جبکہ بیس ہزار میں مابدولت تمہیں زبردست سی شاپنگ کروائیں گے' اب تو شاپنگ کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں۔" پوری تفصیل سے سمجھاتے ہوئے اطہر نے مسکراتے ہوئے عطروبہ کا ہاتھ تھاما تو اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا' تم میری عزت ہو عطروبہ اور تمہیں دانستہ شرمندہ کرنے جیسی گھٹیا حرکت کے بارے میں' میں کبھی نہیں سوچ سکتا' چاہے کچھ بھی ہوجائے۔" اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے اطہر نے خلوص بھری سنجیدگی سے کہا' اس بار عطروبہ کی ہنسی میں فخر کی آمیزش بھی تھی۔

دوپہر کے وقت بڑی سی دکان میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ دو حصوں میں بٹی دکان میں نہ صرف کپڑوں بلکہ جوتوں اور بیگز کی بھی وسیع ورائٹی موجود تھی' دکان بالکل نئی نئی بنی تھی' پینٹ کی تازہ خوشبو تو یہی بتا رہی تھی' دکان کا مالک اطہر سے بڑے تپاک سے ملا' فل پروٹوکول کے ساتھ وہ عطروبہ کو ریڈی میڈ کپڑوں کی کلیکشن کی طرف لے آیا تھا۔

"اطہر یہ سارے ڈریسز تو بالکل ویسے ہیں جیسے میں نے مال میں دیکھے تھے۔" اعلیٰ کوالٹی کے دیدہ زیب کپڑوں کو دیکھتی عطروبہ واقعی حیران ہوئی۔

"بھابی ہم بھی سارا مال انہیں یونٹس سے خریدتے ہیں جہاں سے بڑے بڑے شاپنگ مالز والے لیتے ہیں' آپ کو یہاں بالکل وہی ورائٹی ملے گی لیکن قیمت انتہائی مناسب ہوگی' مالز والے اپنی دکانوں کا کرایہ بھی تو کسٹمر کی

جیب سے وصول کرتے ہیں' آپ تسلی سے ڈریسز سلیکٹ کریں آپ پہلی دفعہ اپنے بھائی کی دکان پر آئی ہیں ان شاءاللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" وہ خوش اخلاقی سے کہتا ہوا کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو عطروبہ کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یہ دونوں سوٹ کیسے ہیں؟" عطروبہ نے لائٹ پرپل اور ڈارک گرین ایمبرائیڈڈ سوٹ نکالتے ہوئے اطہر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "اتنی ڈھیر ساری ایمبرائیڈری اتنی زبردست لان اور سوٹ کی قیمت صرف چار ہزار' امیزنگ ناں۔" پرائس ٹیگ پر لکھے ہندسوں نے اسے متحیر کردیا تھا۔

"بہت خوب صورت ہیں لیکن یہ پرپل والا تھوڑا لائٹ کلر نہیں ہے۔" اطہر نے سراہتی ہوئی نظر سے سوٹ کو دیکھتے ہوئے اپنی رائے دی۔

"اماں پر یہ رنگ بہت اچھا لگے گا اور یہ والا میں نے سحر کے لیے لیا ہے' انہوں نے تو عید کی شاپنگ کی نہیں آپ یہ دونوں سوٹ پیک کروادیں۔" دونوں ڈریسز اطہر کو تھماتے ہوئے اس کے لہجے سے محبت اور خلوص چھلک رہا تھا۔

"اور جناب نے اپنے لیے کون سا ڈریس پسند کیا؟" دل ہی دل میں عطروبہ کی سوچ پر نثار ہوتا اطہر شوخ لہجے میں بولا۔

"میرے پاس عید کا ڈریس موجود ہے جناب عالی' میری ساس نے مجھے گفٹ کیا ہے' آپ بھول گئے کیا اور اب آپ مجھے جینٹس حصے کی طرف لے جائیں عید صرف خواتین کی تو نہیں ہوتی۔" عطروبہ نے ابرو اچکا کر سمجھداری دکھائی تو اطہر نے سیلز مین کو آواز لگا کر ہاتھ میں پکڑے دونوں ڈریسز اس کے حوالے کیے۔

"بھابی پلیز آئندہ بھی شاپنگ یہاں سے ہی کیجیے گا۔" بل بنا تو عطروبہ حیرت اور خوشی کی شدت سے بے ہوش ہونے کو تھی' اتنی زیادہ شاپنگ اور بل توقع سے بھی کم تھا گھر والوں کا متوقع ردعمل اس کے دل کو خوشی سے بھر رہا تھا۔

"ہماری بیگم نے تو سب کے لیے گفٹس خرید لیے اب بھلا ہم اپنی بیگم کو کوئی گفٹ دیے بغیر رہ سکتے ہیں۔ ذرا آنا میرے ساتھ......" عطروبہ کی نہ نہ کے باوجود اسے لیے بیگز اور جوتوں کے سیکشن کی طرف چلا آیا' اٹھارہ سو کا خوب صورت بیگ پیک کرواتے ہوئے وہ بڑا مسرور تھا' تبھی اس کی نظر نچلے ریک پر موجود بلک رنگ کے سینڈل پر ٹھہر گئی چمکتے ہوئے بلیک کلر پر ملٹی دھاگوں کا کام بڑا خوب صورت اور مضبوط لگ رہا تھا۔ اطہر نے بے ساختہ جھک کر اسے اٹھایا' بائیس سو روپے جوتے کی قیمت اس کی خوب صورتی کے حساب سے بڑی مناسب تھی۔

"یہ جوتا تمہارے ڈریس کے ساتھ بڑا اچھا لگے گا' پہن کر دیکھو ذرا سائز کا کوئی مسئلہ تو نہیں۔" اس نے جوتا عطروبہ کی جانب بڑھایا۔

"نن...... نہیں میرے پاس پہلے ہی ڈھیر سارے جوتے موجود ہیں' اب گھر چلتے ہیں۔" سرعت سے جوتا واپس رکھتے ہوئے عطروبہ نے تھوک نگلا۔

"شوہر صاحبان کی جیب جیسے جیسے ہلکی ہوتی ہے ویسے ویسے وہ انسانیت کا دامن چھوڑتے جاتے ہیں' کس بات پر بیوی کو جھاڑ کر رکھ دیں کچھ پتا نہیں چلتا۔" ہانیہ بھابی کا کسی وقت ارشاد فرمایا گیا جملہ ذہن میں گونجا تو اطہر پر اعتماد ہونے کے باوجود وہ سہم کر رہ گئی۔ اگر اطہر نے اس کی بے عزتی کردی تو......اس سوال کے آگے گھپ اندھیرا تھا...... وہم نے اچانک ہی بری طرح اس کا گھیراؤ کیا۔

"نہیں تم یہ جوتا پہن کر تو دیکھو۔" اطہر کے اصرار پر اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بڑی مشکل سے وہ جوتا پہن لیا تھا۔

"بس اب جلدی سے گھر پہنچ جائیں گھر میں تو اماں خود ہی سنبھال لیں گی۔" کہیں یہ راستے میں مجھ پر برس نہ پڑیں' دل ہی دل میں دعائیں مانگتی وہ کھڑکی سے جڑ کر بیٹھی تھی۔

"شاپنگ تو بہت ہوگئی۔" اطہر کی بات پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی' اگلا جملہ یقیناً اس کی ہستی کو تہ وبالا کردے گا' اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے آئس کریم کھاتے ہوئے گھر چلتے ہیں'

سب کے لیے پیک بھی کروالیں گے' تمہیں کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" عطروبہ کی سوچ کے برعکس وہ تو کچھ اور ہی بولا تھا۔

"نہیں بس یونہی تھکاوٹ ہورہی ہے۔" عطروبہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا' اس کا شریک حیات بڑا ہی خالص اور ظرف والا تھا۔ دل ودماغ فوراً اس بات پر متفق ہوئے اپنے نصیب پر اللہ کا شکر ادا کرتی وہ شاداں وفرحاں تھی۔ ذات کا اعتماد پورے یقین سے لوٹا تھا۔

وہ تیار ہوکر نیچے آئی تو یوں لگا جیسے پورے گھر میں دھنک کے رنگ بکھر گئے ہوں۔ کالے سیاہ کپڑوں پر شوخ رنگوں کا ایپلک ورک اور ایسے ہی رنگوں سے سجا فل ایمبرائیڈڈ گلا اس کے نازک سراپے پر بے انتہا جچ رہا تھا۔ مہندی سے رچے ہاتھ' ست رنگی چوڑیوں سے بھری کلائیوں والے ہاتھ آج ہمیشہ سے بڑھ کر اچھے لگ رہے تھے۔ اس نے بڑے ادب سے ساس سسر کو عید مبارک کہا جواباً جاوید صاحب نے سر پر ہاتھ رکھا تو نادیہ بیگم نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے عید مبارک کہا' شیراز نے بھابی کو سلیوٹ کے ساتھ عید کی مبارک دی البتہ اطہر کو دور سے ہی ہاتھ ماتھے تک لے جاکر عید مبارک کہا۔ سحر نے بڑے پیار سے ان لمحات کی خوب صورتی کو اپنے کیمرے میں قید کرلیا تھا۔

"یہ لیجیے بسم اللہ کریں۔" عطروبہ نے باداموں اور چاندی کے ورق سے سجا ٹھنڈا ٹھار شیر خورمے کا بڑا سا ڈونگا ٹیبل کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ شیر خورما میری بہو نے پکایا ہے اسے جلدی سے چکھیں اور بہو کو اچھا سا انعام دیں' اس گھر میں اس کی پہلی پکوائی ہوئی ڈش ہے۔" نادیہ بیگم نے شیراز کے کندھے پر دھپ لگاتے ہوئے جاوید صاحب کے لیے شیر خورمہ نکالا' جو کھانے والے چمچ سے ہی پورا ڈونگا اپنی پلیٹ میں انڈیلنے کے چکر میں تھا۔ کل رات بڑی ضدوں اور منت ترلوں کے بعد نادیہ بیگم عطروبہ کا ہاتھ میٹھے میں ڈلوانے پر رضامند ہوئی تھیں۔ اپنی لاڈلی بہو کو کچن میں کھڑا کرنا انہیں بالکل نہیں بھا رہا تھا' لیکن عطروبہ صاحبہ قربانی کی عید پر سب کو اپنے ہاتھ سے کچھ پکا کر کھلانا چاہ رہی تھیں۔ سو شیر خورمہ پکانے کے بعد اس نے گوشت کی ڈشز کی ترکیبیں نوٹ کی تھیں اب تو گوشت کی آمد کا انتظار تھا۔

"کیا ہے اماں مجھے اتنی بھوک لگی ہے صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا۔ بس آپ کی مار ہی کھائی ہے ہمیشہ کی طرح۔" شیراز نے دوبارہ ڈونگے پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو نادیہ بیگم نے اس کی پلیٹ کو شیر خورمے سے بھر دیا وہ ہمیشہ کھانے کی ٹیبل پر یونہی افراتفری مچاتا تھا۔

"ویری گڈ بیٹا میٹھا بہت مزے کا ہے۔" جاوید صاحب نے عطروبہ کو پانچ ہزار کا کڑک نوٹ دیا تو اس نے شکریہ کہتے ہوئے فخریہ انداز میں سب کو نوٹ دکھایا۔ اب کتنی دلکش لگ رہی تھی وہ یوں کھلکھلاتے ہوئے' یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کپڑوں پر زیادہ رنگ بکھرے ہیں یا چہرے پر..... مگر وائے حسرت' اسے اس وقت حال دل بتانا ممکن نہیں تھا۔ اطہر دل ہی دل میں اپنی بے بسی پر کڑھا۔

"بھئی میری بہو تو اللہ کا انعام ہے۔ دیکھیں ناں سارے گھر کے لیے عید کے جوڑے لے آئی' حالانکہ ابھی اس کے دن تحفے دینے کے نہیں لینے کے ہیں۔" نادیہ بیگم نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے لپٹایا۔

"اماں آپ بھی ناں....." الفاظ نے اس کا ساتھ نہیں دیا تو وہ جھینپی جھینپی ہنسی لیے ان کے آنچل میں چہرہ چھپا گئی۔

"یہ تم نے بیل کو کس قسم کے سہرے سے سجایا ہے بیوقوف ایسا سہرا تو دلہا پہنتے ہیں۔" وہ سحر کے ہمراہ لان میں آئی تو شیراز حسب معمول بیل کے ساتھ مصروف تھا۔ پچھلے تین دن سے وہ صبح شام بس اسی کی خدمت میں مصروف پایا جاتا تھا۔ کل شام وہ خود اپنے پیسوں سے اس کی سجاوٹ کے لیے کتنی ہی نئی چیزیں لے کر آیا تھا' جن میں یہ گولڈن تاروں والا سہرا سرفہرست تھا۔ صد شکر کہ اس نے بیل کی آنکھوں پر آنے والی لڑیوں کو کاٹ دیا تھا' ورنہ سارا جہان

سونے کا نظر آنے پر بیل خوب تباہی مچا سکتا تھا۔

"یہ بھی تو دلہا ہی ہے ناں دیکھیں تو ذرا کتنا پیارا اور منفرد لگ رہا ہے میرا شیرو۔" شیراز نے پانی پیتے بیل کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا' جس کے سہرے کی لڑیاں پانی کے ٹب میں تیرتی اسے مشکل سے ہم کنار کررہی تھیں۔

"واقعی بہت پیارا لگ رہا ہے اچھا اطہر کہہ رہے تھے کہ قصائی پانچ دس منٹ میں پہنچنے والا ہے تم ایسا کرنا کہ ہڈی کے بغیر چار پانچ کلو صاف ستھرے گوشت کی تکہ بوٹی بنوا لینا ورنہ بعد میں مشکل ہوگی اور کلیجی کی بوٹیاں بھی چھوٹی بنوانا۔" عطروبہ کے کہنے پر شیراز نے اسے دہل کر دیکھا۔

"یہ کیا بھابی آپ ایسی باتیں میرے شیرو کے سامنے ہی کرتی جارہی ہیں' ایسے تو وہ ڈر جائے گا۔ اسے ساری باتوں کی سمجھ آتی ہے۔" شیراز جذباتی انداز میں بولا۔ اس کی آواز کپکپا رہی تھی بس آنسو نکلنے کی کسر باقی تھی۔

"ہیں...... واقعی۔" سحر نے آنکھیں پھاڑیں۔

"سوری وہ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب تم بازار جاؤ گے تو وہاں سے گوشت کی تکہ بوٹیاں بنوالانا اور کلیجی بھی بازار سے لے آنا ٹھیک ہے اب۔" اٹک اٹک کر احتیاط سے بولتے ہوئے عطروبہ نے کنکھیوں سے بیل کو دیکھتے ہوئے اسے اپنے تئیں بے وقوف بنایا۔

"آپ جائیں میں سمجھ گیا۔" اس کو چارہ کھلاتا ہوا شیراز اب بیل کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔

وہ دونوں کچن میں آئیں تو فضیلت بوا لہسن ادرک تیار کرچکی تھیں' نادیہ بیگم گرم گرم کسٹرڈ کو ڈونگوں میں نکال رہی تھیں ارادہ اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے فریزر میں رکھنے کا تھا۔

"اہا...... اماں خوشبو تو بڑے مزے کی ہے۔ جیلی پکادوں کسٹرڈ پر بہت اچھی لگتی ہے۔" عطروبہ نے اسٹرابری اور بنانا فلیورز والی جیلیز کے پیکٹس اٹھائے۔

"تم رہنے دو بیٹا' ابھی تم نے کل ہی تو کھیر میں ہاتھ ڈالا ہے۔" نادیہ بیگم نے اس کے ہاتھ سے پیکٹس پکڑے۔

"ہاں بھابی' ہم یہ سارا کام کرلیں گے آپ آرام کریں۔" سحر نے فروٹس کا شاپر اپنی طرف کھسکاتے ہوئے چھری تھامی۔

"اب یہ کون سی رسم ہے اماں' جس میں گھر کی بہو میٹھا پکانے کے بعد بھی مہینہ بھر آرام کرتی ہے آپ کو بس مجھے آرام کروانے کا بہانہ چاہیے اور کوئی بات نہیں...... آج عید کا دن ہے اور میری خواہش ہے کہ میں آپ کی ڈھیر ساری مدد کرواؤں' بس اب آپ نے مجھے کچھ نہیں کہنا اور تمہیں اتنی سویٹ نند بننے کی ضرورت نہیں سمجھیں۔" نادیہ بیگم کے ہاتھ سے جیلو کے پیکٹس لیتے ہوئے اس نے سحر کو انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو اس نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

جس وقت شیراز گوشت کی بڑی سی پرات اٹھائے اندر آیا وہ سبھی فروٹ کسٹرڈ کو فریزر میں رکھ چکی تھیں اور مصالحے پیسنے کا کام جاری تھا۔

"بھابی یہ رہی آپ کی تکہ بوٹیاں اور اماں جلدی سے کلیجی پکائیں سچی بڑی بھوک لگ رہی ہے۔" شیراز نے کلیجی کی بوٹیوں سے بھری چھوٹی سی ٹوکری نادیہ بیگم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

"مجھے تو لگا تھا کہ شیراز بیل سے اتنا پیار کرنے لگا ہے شاید قربانی کا گوشت کھائے ہی نہ لیکن دیکھو تو ذرا سب سے زیادہ اتاؤلا تو یہی ہورہا ہے۔" لہسن' ادرک اور ہری مرچوں کو گرائنڈر کرتی عطروبہ حیران ہوئی۔

"یہ بڑا ڈرامے باز ہے بھابی' اس نے تو اپنے کالج کے پرنسپل کو بھی بے وقوف بنا رکھا ہے۔ اس کی خصوصیات آپ کو آہستہ آہستہ ہی پتا چلیں گی۔" دہی کی چٹنی تیار کرتے ہوئے سحر نے اسے آگاہ کیا۔

"عطروبہ بیٹا اس وقت تکے کیسے بنیں گے چھت پر بہت گرمی ہے اور پھر کوئلے بھی بہت کم ہیں' اگر تمہارا زیادہ دل چاہ رہا ہے تو میں کوئلے منگوالوں گی' ہم آج شام کو باربی کیو کرلیں گے' ویسے تو ہم لوگ عید کے تیسرے دن باربی کیو کرتے ہیں' دوسرے دن تو کہیں نا کہیں دعوت پر جانا ہوتا ہے' جیسے اس بار تمہارے میکے جائیں گے' صادق

صاحب نے باہمی مشاورت کے بعد قربانی دوسرے دن کرنے کا فیصلہ کیا تھا عید کا پہلا دن انہیں اپنی بیٹی کے سسرال میں گزارنا تھا' جاوید صاحب نے بڑے اصرار اور محبت سے انہیں دعوت دی تھی۔ نادیہ بیگم نے فضیلت بیگم سے دھلی ہوئی کلیجی لے کر اسے کڑاہی میں ڈالی تو شوں کی تیز آواز کے ساتھ جیسے کچن جاگ اٹھا۔

''باربی کیو تو ہم عید کے تیسرے دن ہی کریں گے اماں' آج تو میں آپ کو ہانڈی بلکہ پتیلا تکہ کھلاؤں گی' گوشت زیادہ ہے ناتکے پتیلے میں پکیں گے اور کوئلے تو مجھے بس ایک دو ہی چاہیے ہوں گے۔'' عطروبہ نے گوشت میں گرائنڈ ڈ پیسٹ اور مصالحے مکس کرتے ہوئے کہا' تکوں کو دہی اور کچری لگانا وہ بھولی نہیں تھی۔

''چلو دیکھتے ہیں پتیلے میں تکے کیسے پکتے ہیں۔'' نادیہ بیگم کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

اگلے دو گھنٹے میں کافی کام نمٹ چکا تھا۔ کلیجی کھالی گئی تھی' گوشت کے پیکٹس بن چکے تھے۔ اطہر اور شیراز حق داروں تک ان کا حق پہنچا رہے تھے۔ پلاؤ کی یخنی اور مصالحہ تیار تھا۔ بس چاولوں کو دم دینا باقی تھا۔ بڑے سے پتیلے میں گوشت کا قورمہ پک چکا تھا' تکے بھی میرینیٹ ہو چکے تھے۔ چٹنی اور سلاد تیار کر کے فریج میں رکھ دیئے گئے تھے۔

''اب باقی کام میں سنبھال لوں گی تم دونوں جا کر اپنا حلیہ درست کرو' مہمان آتے ہی ہوں گے۔'' نادیہ بیگم نے خوشبو بکھیرتے قورمے پر آخری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہم دونوں نہیں تینوں حلیہ درست کریں گے' ویسے تو اللہ کا شکر ہے کہ موسم بہت اچھا ہے پسینہ بالکل بھی نہیں آیا پھر بھی بال تو سیٹ کرنے ہی پڑیں گے اور پلاؤ کو دم فضیلت بوا دے دیں گی' ہماری واپسی تک تکے بھی ریڈی ہو جائیں گے۔'' عطروبہ نے تکوں والا پتیلا اٹھا کر چولہے پر رکھا۔ اس کے بعد وہ نادیہ بیگم کو ساتھ لے کر ہی کچن سے باہر نکلی تھی۔ تیاری میں اسے بس پندرہ منٹ ہی لگے تھے۔ جس وقت اسے گاڑی کا ہارن سنائی دیا وہ فلاور واز میں پھولوں کو سیٹ کر رہی تھی۔ دل خوشی سے دھڑک اٹھا تھا' وہ دوڑتی ہوئی اپنے پیارے رشتوں کی بانہوں میں جا سمائی تھی۔

ہر طرف عید مبارک کا شور تھا' کھلے کھلے چہرے' ہنستی آنکھیں اور خوشیوں سے لبریز دل گھر کا ماحول ایک دم پُر رونق ہو گیا تھا' سب کے چہروں سے خوشیاں جیسے چھلکی پڑ رہی تھیں۔

''ارے عطروبہ تمہارا ڈریس تو بالکل میرے جیسا ہے' بس کلر کا فرق ہے' تم نے کس مال سے لیا' تمہارے دوپٹے کا کپڑا بھی بہت نفیس ہے' میرے دوپٹے میں تو انہوں نے ڈنڈی ماردی' حالانکہ میں نے یہ ڈریس اٹھارہ ہزار کا لیا تھا۔ تمہارے ڈریس کی قیمت کیا ہے۔'' وہ دونوں ٹیبل سیٹ کر رہی تھیں جب ہانیہ ان کے قریب چلی آئی۔ عطروبہ کے دوپٹے کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھتے ہوئے ہانیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''میرا ڈریس زیادہ قیمتی ہے بھابی جنت مال سے آیا ہے' اماں نے دیا ہے تو جنت سے ہی آیا ہوا ہے ناں' ماں کے قدموں تلے ہی تو جنت ہوتی ہے۔'' عطروبہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے مسکرائی' سحر نے اس کی جانب بڑے غور سے دیکھا تھا۔

''اچھا تو تم نے یہ ڈریس الجنت مال سے لیا ہے' میں نے بھی وہیں سے شاپنگ کی ہے' میرا ڈریس اچھا ہے ناں پورے انیس ہزار کا ہے۔'' منیزہ بھابی کہاں پیچھے رہنے والی تھیں۔ ''ویسے تمہاری ساس اور نند کے کپڑے بھی زبردست ہیں لگتا ہے تم تینوں نے مل کر شاپنگ کی ہے۔'' منیزہ نے سحر کی جانب تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں میرے اور ماما کے کپڑے اتفاق مال سے آئے ہیں'' سحر نے دبی دبی مسکراہٹ سے کہا تو عطروبہ اس کا مطلب سمجھ کر کھلکھلا اٹھی۔

''اتفاق مال لگتا ہے کوئی نیا مال اوپن ہوا ہے' میں نے کبھی نام نہیں سنا' لیکن ان شاء اللہ میں جلدی وزٹ کروں گی۔ ورائٹی تو بہت منفرد ہے۔'' ہانیہ نے کہا۔ کھانے کا

وقت ہوا جارہا تھا۔ وہ دونوں معذرت کرتی ہوئی کچن کی طرف بڑھیں۔

"ذرا چکھو تو سحر یہ تکے کیسے بنے ہیں۔" تیار شدہ تکوں کو کوئلے کا دھواں دینے کے بعد اس نے چمچ کی مدد سے ایک تکہ نکال کر سحر کی طرف بڑھایا۔

"واؤ بھابی بہت مزے کے تکے بنے ہیں۔ لگ ہی نہیں رہا کہ انہیں کوئلوں پر نہیں سیکا بس میں تو یہی کھاؤں گی۔" سحر نے چٹخارہ لیتے ہوئے ایک اور تکہ اٹھالیا۔

دعوت بڑی کامیاب رہی تھی۔ پوری میز انواع واقسام کے کھانوں سے بھر گئی تھی۔ عطروبہ تتلی کی طرح پورے گھر میں اڑتی پھر رہی تھی اس کے قریبی رشتے اس کی دائمی خوشیوں کے لیے محودعا تھے۔

"ہماری نند تو بڑی خوش لگ رہی ہے میاں کو اتنی مہنگی چیزیں خرید کر دینے کے لیے کیسے مجبور کیا ہمیں بھی تو پتا چلے۔" ہانیہ نے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے ہولے سے کہتے ہوئے آنکھ دبائی۔

"ہاں بھئی کوئی گر کی بات ہمیں بھی تو بتاؤ ہوسکتا ہے میاں کو رام کرنے کی کوئی نئی اور آسان ٹرک مل جائے۔" منیزہ مسکرائی تو ہانیہ نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا انداز تائید کرنے والا تھا۔

"یہ واقعی راز کی بات ہے آپ کو آ کر بتاتی ہوں۔" وہ ہنستی ہوئی کچن میں آ گئی اپنے لیے اسے سبز چائے کا قہوہ پکانا تھا دوپہر میں اسے وہی اچھا لگتا تھا گرم گرم قہوہ کپ میں انڈیل کر وہ واپس مڑی تو ٹھٹک کر رکنا پڑا اطہر آنکھوں میں شوق کا جہاں لیے اس کے جانے کے سارے راستے مسدود کیے کھڑا تھا۔

"آپ یہاں کیوں آگئے کچھ چاہیے کیا؟" عطروبہ کی آنکھوں میں حیرانی تیر رہی تھی۔

"ہاں بالکل چاہیے۔" اطہر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرمی سے کپ پکڑ کر سلیب پر رکھا۔

"تمہاری ذرا سی توجہ۔" گمبھیر آواز کے ساتھ بولتا وہ دلچسپی سے عطروبہ کو دیکھ رہا تھا جو اس کے ہاتھ پکڑنے پر ہی گھبرا گئی تھی۔

"اماں آجائیں گی کیا کررہے ہیں۔" عطروبہ نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن گرفت مضبوط تھی۔

"تم سے کہنا چاہ رہا تھا کہ آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو بالکل ان ست رنگی چوڑیوں کی طرح لیکن ان کی کمی اچھی نہیں لگ رہی۔" اس کے ہاتھوں میں گجرے پہناتے ہوئے وہ اپنے دل کی بات بڑے مہکتے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"تھینک یو عطروبہ ہماری زندگیوں میں خوشیاں لانے کے لیے۔" وہ اس کے کانوں میں کوئی سحر پھونک رہا تھا۔ جو اسے حقیقتاً ہواؤں میں اڑا رہا تھا۔ سرخ چہرے کے ساتھ اپنے تیزی سے دھڑکتے دل کو سنبھالتے وہ سرعت سے کچن سے باہر نکلی۔

اسے ہانیہ اور منیزہ کو بتانا تھا کہ چیزیں مہنگی ہوں یا سستی دل کی خوشی جن قیمتی چیزوں کو پانے سے ملتی ہے ان کی قیمت تو وہ محبت ہوتی ہے جس کے باعث وہ آپ کو کسی اعزاز کی طرح ملتی ہیں اور آپ کو آپ کی اہمیت جتادیتی ہیں اور یہ اعزاز پانے کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اعزاز چھینے نہیں جاتے انہیں صرف محبت آپ کی جھولی میں ڈال سکتی ہے اپنے گجروں کو عقیدت سے دیکھتے ہوئے اس نے بے اختیار سوچا کامیابی کی یہ بات اسے جلدی سمجھ آ گئی تھی یہ اس پر اللہ کا خاص کرم تھا تبھی تو اس کی عید میں خوشی کے ساتوں رنگ شامل تھے اس کی یہ عید صحیح معنوں میں ست رنگی تھی۔

مشرق سے شاہ خاور بیدار ہوا' آنکھ کھولی اور اپنی مدھم خوابیدہ بینائی روئے زمین کو بخش دی۔ صبح ہوچکی تھی بے حد روشن اور طرحدار صبح' سکون اور طمانیت سے لبریز' ایسی ہی ایک صبح فیصل آباد کے ایک گھر میں بھی طلوع ہوئی تھی جہاں اب ستاسی سالہ عبدالحمید نمازِ اشراق کے لیے نیت باندھ رہا تھا۔ صبح کی مسکراتی کرنیں تمام تر نقرئی زاویے پہنے عبدالحمید کے گھر کی منڈیروں پر پھیل چکی تھیں' عبدالحمید نے مسکراتے ہوئے تکبیر تحریمہ پڑھی اور ہاتھ باندھ لیے یہ تابناک چمکیلی صبح 14 اگست 2016ء کی تھی۔

❀ .... ❀ .... ❀

تو سلامت رہے اے نگارِ وطن تو سلامت رہے
مانگ تیری ستاروں سے بھر دیں گے ہم

عبدالحمید نماز ادا کر چکا تھا' دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے جب پڑوس سے کہیں نغمے کی آواز ابھری۔ آج کے دن سے وابستہ کچھ یادوں نے آنکھیں نم کردی تھیں اس نے سر جھکا اور دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیئے' کسی کی سلامتی طلب کی تو کسی کی مغفرت کی دعا مکمل کر کے ہاتھ چہرے پر پھیرے اور جائے نماز سمیٹتا اٹھ کھڑا ہوا۔ نغمے کی آواز قدرے بلند ہوچکی تھی اور اس نغمے کے الفاظ نے عبدالحمید کو تھم جانے پر مجبور کردیا۔

تیری عظمت تیری آبرو کے لیے
اپنا تن اپنا من اپنا دھن دیں گے ہم
جب بھی تیری نظر کا اشارہ ملا
تحفۂ نقد جاں پیش کردیں گے ہم

دل میں کچھ زور سے چبھا اور آنکھیں نمکین پانیوں سے لبریز ہوگئیں یک لخت خاک و خون میں لت پت بہت سے پیارے عزیز چہرے نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ عبدالحمید نے سر جھکا آنکھیں پونچھیں' آسمان کی جانب چہرہ کر کے ایک گہری کلفت بھر سانس سپرد ہوا کی' چہار سو آزادی کے رنگ بکھرے تھے' آسمان پر زمین پر ہر جگہ چند لمحے پہلے کی تکلیف کی جگہ آسودگی نے لے لی' کچھ کھویا تھا تو بہت کچھ پایا بھی تو تھا۔ آباؤ اجداد نے جانیں قربان کیں تو نسلیں غلامی سے آزاد ہوئیں' عبدالحمید دھیمے سے مسکراتا ہوا یہ سب سوچتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔

❀ .... ❀ .... ❀

شاہ خاور تھوڑا مزید بلند ہوچکا تھا' نقرئی چمچماتی دھوپ منڈیروں سے زمین پر اتر آئی تھی۔ حدت میں قدرے اضافہ ہوا تھا' بازاروں میں رونق بڑھ چکی تھی دکانیں سج گئی تھیں ایسے میں بوڑھا عبدالحمید آہستہ آہستہ اپنی لاٹھی ٹیکتا چہل قدمی کے سے انداز میں بازار میں چلتا جا رہا تھا۔ دھیمی سی مسکراہٹ اس کے چہرے کا جزو لازم بن چکی تھی' گلیاں بازار قومی جھنڈے اور جھنڈیوں سے سجے ہوئے تھے' ہنستے بولتے لوگ خوش حال خوش باش انداز ہر طرف سے ایک ہی احساس ٹپک رہا تھا آزادی کا احساس۔ سب اپنا اور سب کچھ اپنا ہونے کا احساس اسی واسطے سب کچھ قربان کیا تھا' رشتے ناطے دھن دولت تن من سب قربان کر کے ہی تو آزاد ہوئے' عبدالحمید اپنی ہی سوچ پر تائیدی انداز میں سر ہلاتا آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ دفعتاً ایک آواز ایک جملے نے اس کے قدم روک دیئے۔

بڑھاپا گویا لمحوں میں اس پر طاری ہوا ہاتھوں پر رعشہ اتر آیا' دھیرے سے پلٹ کر آواز کی سمت دیکھا تو نظر نوجوانوں کے ایک گروہ پر گئی جن کے حلیے انہیں آزاد پاکستانی شہری کی بجائے فرنگی زیادہ ظاہر کررہے تھے۔ سیاہ برمودا شارٹ سیاہ ٹی شرٹ میں ملبوس کان میں بالی پہنے' بڑھے ہوئے بالوں کی پونی بنائے وہ لڑکا جس کی آواز پر ان کے قدم لڑکھڑا گئے تھے' کہہ رہا تھا۔

''ارے یار پاکستان میں ہے ہی کیا؟ سوائے قتل و غارت اور بے روزگاری کے؟ میں نے انگلینڈ کے ویزے کے لیے اپلائی کیا ہے' وہاں ڈش واشر بھی بننا پڑا تو بن جاؤں گا مگر یہاں رہنا میری برداشت سے باہر ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

عبدالحمید کی بوڑھی مٹیالی آنکھوں میں گردسی چبھنے لگی نظریں اس دور جاتے نوجوان کے قدموں پر پڑیں تو

صدمے سے بوجھل وجود مزید شل ہوگیا اس جوان کے قدموں تلے جھنڈیاں چرمرا کے رہ گئی تھیں۔ اس نسل کے لیے لیا تھا پاکستان؟ انہیں آزادی دینے کے لیے قربانیاں دی تھیں جن کے لیے پاکستان میں رہنا ہی برداشت سے باہر ہے؟ عبدالحمید وہیں ایک دکان کے چبوترے پر ڈھے گیا' دل ودماغ میں گزرے ہوئے ماہ و سال آندھی کی صورت گزرنے لگے' یادداشت کی کتاب کے صفحات الٹ پلٹ ہوئے اور جو صفحہ کھلا وہ 14 اگست 1947ء کا تھا۔

❁......❁......❁
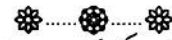
رات بادل خوب کھل کر برسے تھے اور اب مطلع بالکل صاف تھا' رات نے صبح نو کے دامن میں امید' یقین اور خوشیوں کے روپہلے سکے ڈالے اور مسکراتی ہوئی رخصت ہوگئی یوں ایک غلامی کی رات کا اختتام آزادی کی صبح پر بالآخر ہو ہی گیا تھا۔ اقبال کا انداز اور قائد کی مشقت رنگ لے آئی تھی' پاکستان نام کا سورج طلوع ہوچکا تھا جس نے رہتی دنیا تک دنیا کے افق پر اب جگمگانا تھا ان شاءاللہ۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان بے پایاں خوشی کے احساس سے لبریز تھے' انہی مسلمانوں میں ایک گھرانہ عبدالحمید کے والد عبدالمجید کا بھی تھا۔ عبدالمجید کپڑے کے تاجر تھے' اچھا کاروبار تھا خوش حال زندگی تھی مگر یہ سب تب تک تھا جب تک ہندو بنیے کی بالادستی نہ تھی جب بزدل مکار ہندو کو انگریز سرکار کی شہہ ملی تو انہوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کردیا۔ کبھی مسلمانوں کی دکانیں جلادی جاتیں کبھی اسکول میں مسلمان بچوں کو بندے ماترم پڑھنے پر مجبور کردیا جاتا' کبھی عین نماز کے وقت مساجد کے آگے کھڑے ہوکر بھجن گانے لگتے۔ کبھی مسلمان بہنوں بیٹیوں کو گھروں سے اٹھالیا جاتا الغرض نہ دین محفوظ تھا نہ دنیا۔

کچھ ایسے ہی حالات کا شکار عبدالمجید کا گھرانہ بھی تھا' ان کے کپڑے کے گودام کو آگ لگا کر کپڑے کا سارا ذخیرہ تباہ کردیا گیا تھا ایسے میں اپنے الگ وطن کے وجود میں آنے کی خبر کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھی۔ عبدالمجید کے خاندان نے تیاری پکڑی اور جونہی شام کا جھٹپٹا رات کی تاریکی میں بدلا تو وہ سب روئے زمین کی اس سب سے بڑی ہجرت کا حصہ بن گئے۔ خوف امید اور خوشی کا عجب تال میل تھا ان کے چہروں پر اپنی ہی سانس کی اونچی آواز دم سادھ جانے پر مجبور کردیتی۔ راستے میں چند اور مسلمان خاندان ساتھ مل گئے اور یوں یہ ایک چھوٹا سا قافلہ بن گیا' پچاس ساٹھ لوگ فقید المثال خاموشی سے چل رہے تھے۔

ابھی وہ شہر کی حدود سے نکل بھی نہیں پائے تھے کہ اچانک شور سا اٹھا' شہر کے شمال کی جانب آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں بلوائی حملہ آور ہوچکے تھے۔ قافلے پر یک لخت بے بسی اور خوف کے پرندے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے سایہ کرچکے تھے' چہروں پر خوف طاری ہوچکا تھا۔ قافلے کے بڑے بزرگوں نے ایک محفوظ سمت کا تعین کیا اور اس طرف چل پڑے مگر یہ قسمت کی خرابی تھی یا کچھ اور کہ جس راستے کو انہوں نے محفوظ خیال کیا اسی پر بلوائیوں کا جتھا ان سے آن ٹکرایا' گھمسان کا مقابلہ ہو مگر مسلمانوں کے قافلے میں جوان چند ایک تھے باقی بوڑھے کمزور لوگ' خواتین اور بچے۔ آخر کہاں تک مقابلہ کرتے؟ لڑتے لڑتے یکایک عبدالحمید کا والد عبدالمجید پلٹا اور آن واحد میں اپنی بیٹیوں' بہو اور بیوی کا سرتن سے جدا کردیا۔ وہ جہاندیدہ انسان تھا ان بھیڑیے نما بلوائیوں کی آنکھوں میں چھپی ہوس کو اندھیرے میں بھی دیکھ چکا تھا' اس لرزہ خیز منظر نے دیگر اہلیان قافلہ کے ساتھ ساتھ بلوائیوں کو بھی ششدر کردیا پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے واپس پلٹا اور بلوائیوں پر ٹوٹ پڑا دیگر لوگ بھی صدمے سے باہر آچکے تھے۔ بہت سوں نے عبدالمجید کی پیروی کرتے ہوئے اپنی خواتین کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار دیا اور انہیں عصمت دری سے بچالیا' وہ مریں تو فاطمہ' عائشہ' زینب کے نام کے ساتھ مریں ان کے باپ بھائیوں نے انہیں بسنت کور' شردھا' شانتی نہیں بننے دیا۔ خنجر کا زوردار وار عبدالحمید کے بازو پر پڑا تو وہ تکلیف کے مارے وہیں ڈھیر ہوگیا' چند لمحوں کے بعد شیطان کے پجاری خون کی ہولی کھیل کر بکتے جھکتے وہاں سے چلے گئے۔

❁......❁......❁

لہو میں ڈوبا آفتاب طلوع ہوا‘ غم والم کی حدت میں تپ کر آفتاب کی کرنیں شعلے بن کر برس رہی تھیں۔ جانثارانِ پاکستان کے جسد خاکی یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے کچھ ان میں سے زندہ تھے جو شدید زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہوجاتے۔ ہوش میں آتے تو سسکتے اور کراہتے‘ امت مسلمہ ایک آزمائش میں تھی امتحان میں تھی مگر جب اللہ کی نصرت ساتھ ہو تو فتح یقینی ہوتی ہے جو شہید ہوچکے تھے انہیں یہ مان تھا کہ اس ارض پاک کی بنیادیں ان کے لہو سے تعمیر ہوں گی۔ رضا کاروں کے ایک گروہ نے عبدالحمید سمیت چند دوسرے زخمی لوگوں کو ریسکیو کیا‘ انہیں ایک بیل گاڑی پر لٹایا اور وہاں سے لے گئے‘ کیسی حسرت تھی ان آنکھوں میں جو اپنے ہاتھوں اپنے پیاروں کو ان کی آخری آرام گاہ تک بھی نہ پہنچا سکے۔

عبدالحمید کی مرہم پٹی کی گئی اور ایک ٹرین کے ذریعے لاہور روانہ کردیا گیا‘ عبدالحمید کی تو دنیا ہی لٹ چکی تھی۔ شفیق ماں باپ معصوم بہنیں بیٹا‘ خیال رکھنے والی بیوی سب ہی راہ عدم کے مسافر ہوچکے تھے مگر جینا تو بہرحال تھا سو جینا پڑا۔ وقت نے تو گزرنا ہے یہ بھلا کب کسی کا انتظار کرتا ہے؟ سو وقت گزر گیا‘ گھاؤ مدھم تو پڑے مگر ان میں درد اور کسک باقی تھی جو کبھی تو دب جاتی کبھی بڑھ جاتی۔

عبدالحمید میٹرک پاس تھا لہٰذا محکمہ ڈاک میں ملازم ہوگیا‘ ہمیشہ اس بات پر فخر کرتا کہ پاکستان محنت سے ملا‘ کوششوں سے ملا‘ خون دل دیا تو اس گلشن کا رنگ وروپ نکھرا۔ دوران ملازمت فیصل آباد تبادلہ ہوا تو پھر یہیں کا ہو رہا اور آج...... آج جس نسل کو غلامی سے بچانے کے لیے اپنے عزیزوں پیاروں کو کھویا تھا اسی نسل کے منہ سے یہ سننا کہ پاکستان ناقابل برداشت ہے‘ قومی جھنڈے کی بے حرمتی‘ کیا یہ لوگ اس قابل تھے کہ انہیں آزاد وطن دیا جاتا؟ عبدالحمید بڑبڑا رہا تھا جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ عبدالحمید نے پلٹ کر دیکھا ایک اکیس‘ بائیس سالہ نوجوان نم آنکھوں سے مسکراتا ہوا آگے بڑھا زمین پر بکھری جھنڈیاں اٹھائیں جو کہ گارے اور مٹی میں لت پت ہوچکی تھیں پھر واپس عبدالحمید کے پاس آرکا‘ جھک کر اس کے ہاتھ چومے اور بولا۔

''بابا جان یہ زمین یہ مٹی اور اس دھرتی پر بسنے والے لوگ ہمیشہ سے اسی قابل تھے کہ وہ آزاد الگ ریاست میں رہتے شہیدوں نے اپنے خون سے اس مٹی پر یہ ان مٹ تحریر رقم کردی ہے کہ مسلمان غلام نہیں‘ مسلمان غلام بن ہی نہیں سکتا۔ مسلمان آزاد تھا‘ ہے‘ اور رہے گا ایسے لوگ تب بھی تھے جب پاکستان بنا نہیں تھا اور وہ اس کے مخالف تھے۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں مگر بابا جان تب ساڑھے تین کروڑ کے مقابلے میں ایک کروڑ لوگ ایسے تھے‘ اب بھی ایسے لوگوں کا عددی تناسب اتنا ہی کم ہے۔ آپ جیسے مجھ جیسے جذبات رکھنے والے کروڑوں لوگ باقی ہیں اور ان شاء اللہ باقی رہیں گے کیونکہ یہ زمین بانجھ نہیں ہے‘ اس کی مٹی سے جس جس کا خمیر اٹھے گا وہ اپنی مادر وطن سے محبت کرے گا‘ مر مٹے گا۔

بادل کا ننھا سا ٹکڑا شاہ خاور کے آگے سے گزرا اس کے گزرنے کے بعد شاہ خاور نے بے تابی سے نیچے جھانکا جہاں اس نوجوان نے اپنے ہاتھوں پر لگی مٹی کو چوم کر ہاتھ آنکھوں کو لگایا اور عبدالحمید کی جانب مسکرا کر دیکھا‘ جواب تمام تر تاسف بھلائے آسودگی وطمانیت سے مسکرا رہا تھا اور دونوں آگے بڑھ گئے۔ شاہ خاور مسکرایا اور اپنی کرنیں مزید پھیلا دیں دور کسی نغمے کی آواز ابھر رہی تھی۔

وطن کی مٹی سلام تجھ پر
تمام تر احترام تجھ پر
یہ کہکشائیں یہ ماہ وانجم
نثار ماہ تمام تجھ پر
پڑی ضرورت تو وار دیں گے
یہ شان وشوکت یہ نام تجھ پر
کبھی جو دشمن نے آزمایا
نثار ہوں گے غلام تجھ پر
وطن کی مٹی...... وطن کی مٹی

زندگی کی دھوپ میں اس سر پہ اک چادر تو ہے
لاکھ دیواریں شکستہ ہوں پر اپنا گھر تو ہے
جو بھی آئے گا یہاں دستک تو دے کر آئے گا
اک حد دیوار تو ہے اک حصار در تو ہے
یہ بھی کیا کم ہے کہ اپنی جنگ میں تنہا نہیں
کار زار زندگی میں میرا اک تشکر تو ہے
کون ہے اب تک عناصر کو بہم رکھے ہوئے
موسم بے چہرگی میں کوئی صورت گر تو ہے
گھر سے نکلی تو خبر بن جائے گی آپس کی بات
جو بھی قصہ ہے ابھی تک صحن کے اندر تو ہے
اک جھلک اس کے ارادوں کی یہاں بھی دیکھ لی
فیصلے کے باب میں گو عرصۂ محشر تو ہے
سانحہ دو نیم ہونے کا پرانا تو نہیں
اور دلوں میں بھی ابھی تاریخ کا کچھ ڈر تو ہے
ڈھونڈ لے گا پھر افق کھوئی ہوئی پرواز کا
دیکھنے میں آج یہ طائر شکستہ پر تو ہے
آسماں سبز گوں پر ایک تارہ ایک چاند
دسترس میں کچھ نہ ہو یہ خوشنما منظر تو ہے

(انکار)

تمام کاوشوں اور قربانیوں کے باوجود اس کی ذات کی پذیرائی نہیں ہوئی' وہ مضطرب اور پریشانی وفکر مندی سے بے حال ہے۔ لمحہ فکریہ ہے کہ اسے چھوڑنا بھی محال ہے۔ بے گھر و بے آسرا ہونا اور دنیا کی نظروں میں آجانا ان کے ہوش وحواس پر چھا جانا اور پھر خون خوار درندوں کے تعاقب کا ڈر اور خوف اسے قطعاً منظور نہیں۔

لیکن کیا کرے شنوائی تو بھی نہیں' تیتری کے پر کاٹنے کے لیے سب قینچیاں اٹھائے تیار کھڑے ہیں' صیاد نے طنابیں کھینچی ہوئی ہیں۔

نسوانی وقار' کروفر' انا اور غیرت کا قتال ناممکن لگ رہا ہے' حقیقت ذہن میں دھیرے سے گھروندا بنا چکی ہے اور وہ افسانوی دنیا کو خیر باد کہہ کر سچائی کا پیالہ منہ کو لگا کر اپنا تجزیہ کرتی ہے۔ محبتوں کی شدتوں پر نفرت کی مہر ثبت کر کے اپنے حقوق کے لیے فولادی قلعہ بن جاتی ہے۔

ہمیشہ محبت کے لیے بے لوث جذبوں اور نفرت کے انتقامی جذبوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے' ہمیشہ ایک دوسرے کی ہمراہی میں چلتے ہیں۔ اتار چڑھاؤ کی کیفیت میں اکٹھے مرتے اور جیتے ہیں۔ یہاں عورت کو خراج تحسین پیش کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے کہ وہ مرد کی تمام کوتاہیوں اور بے اعتنائیوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پا کر دل کو پاک وصاف کر لیتی ہے کہ اس کا گھر بچا رہے' اس کی چھت چاہے سیلن زدہ ہی کیوں نہ ہو' اسے تحفظ کا احساس دلاتی رہے' خود کلامی میں پروین تجربات ومشاہدات کی رو میں بہتے ہوئے زندگی کی حقیقتوں سے پردہ کشائی کرتی ہے۔

ندامت

میری تمام نظموں کا انتساب اب تک صرف میرے اپنے نام رہا
اور میں خود کو شاعرہ سمجھ کر
خوش ہوتی رہی
میں نے کوڑے کے ڈھیر پر بلی کی طرح چلتا ہوا بچہ نہیں دیکھا
میں نے اینٹ کا تکیہ بنا کر سوتا ہوا راج نہیں دیکھا
راج سے میرے ذہن میں
ہمیشہ راج ہنس آئے
اور بچوں سے تازہ گلاب
میں کیک کو روٹی کا متبادل سمجھتی رہی
میرے بچے
میرے راج
ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا

(انکار)

اس نظم میں پروین کا تجربہ بول رہا ہے اس کے احساسات نے اسے جھنجھوڑ ڈالا ہے اور خود مرکزیت کی شکار شاعرہ اپنے سلوک و رویہ اور سوچ سے نادم نظر آتی ہے۔

فرزند زمیں سے

چوتھائی صدی سے زائد ساتھ کے بعد
جس گھر کی بنیادوں میں جذبے نے رکھا
میری ماں کا دوپٹہ میرے باپ کی پگ
جس کی دیواروں میں میرے تمام خواب تمام
جو نے اور سچ کی صورت چن دیئے گئے
اس گھر کی چھت کا مالک مجھ سے کہتا ہے
تم ہم میں سے نہیں ہو
میں اس فرد جرم کے آگے
سر کو جھکائے کھڑی ہوئی ہوں
عرق آلود اور مہر بہ لب
سوچ رہی ہوں
کیا پا میرے آنے والی تیکھی ہوا کی سرگوشی سچ ہے
میرے آقا ﷺ
جن پر میرے اور تمہارے آباؤ اجداد نثار
ان کے اور یثرب کے بیچ
ایک صدا کا فاصلہ تھا
اس مٹی کی خوشبو میں بسنے کے لیے
مجھ کو ہیں درکار
کتنے دن اور کتنے برس صدیاں بھائی؟

(خود کلامی)

خوشبو کے بعد صد برگ اور پھر خود کلامی تک کا سفر ایک دوسرے کی قربت میں نہایت دھیرے دھیرے طے ہوتا جا رہا ہے۔ زندگی کے اسٹیج ڈرامے میں ایکٹر بدل جاتا ہے سناریو، سکرپٹ اور کہانی ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کبھی آہستگی سے کبھی تیزی سے اپنا فرض نبھاتے ہوئے کبھی رلاتی ہے تو کبھی ہنساتی ہے۔

جب خوشبو کی پیدائش ہوئی تو شاعرہ اکیس سالہ دوشیزہ خوابوں کی دنیا کو سجائے بیٹھی تھی جب صد برگ تک پہنچی تو ذہن میں پختگی آچکی تھی۔ شاعری کا رخ مڑنا ایک قدرتی امر تھا لیکن رشتہ مسلسل خوشبو سے جڑا رہا اور مقصد بھی وہی رہا۔ سونا بھٹی میں تپ کر کندن بن رہا تھا خود کلامی تک پہنچتے پہنچتے وہ دھوکے اور فریب کی چالوں سے نکل چکی تھی۔ اس کی روحانی سوچوں اور محبت سے بھرپور جذبوں پر امید و آس کا غلبہ تھا کیونکہ اب اس نے اپنے زندگی کے دن اور راتوں کی نگہداشت کے لیے پہرے دار کا انتخاب کرلیا ہے پھر اولاد نرینہ حاصل کرنے کے بعد فخر و مسرت سے اپنے روشن مستقبل اور خوشحال دونوں پر بھروسہ کیے ہوئے ہے۔ وہ سمجھی کہ اب زندگی مکمل ہوگئی ہے کہیں بھی اسے خلا نظر نہ آیا جب اس کے اس تسلی بخش احساس پر بے اعتباری کی مہر ثبت ہوئی تو اپنائیت بھی غیرت میں بدل گئی اور دل ٹوٹ کر رہ گیا اب انکار میں اس کی شاعری نے رخ موڑ لیا تھا۔

انکار جس عہد میں وجود میں آئی اس وقت ملک انتشار کے دہانے پر کھڑا تھا پروین ایک محب وطن ہونے کے ساتھ ساتھ شاعرہ بھی تھی جس کا دل کسی اور انداز سے دھڑکتا تھا۔ ذہن کے سوچنے کا طریقہ بھی عام لوگوں جیسا نہیں تھا اس منجھی ہوئی شاعرہ نے اپنا پرانا راستہ تو نہ چھوڑا لیکن اس میں قانون اور اصولوں کو شامل کرلیا جن کی خلاف ورزی کی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے قلم کے ذریعے عاشقانہ شاعری میں روح پھونکی تھی آج بھی اس کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے قلم کا رخ موڑنے میں ثابت قدم رہی۔

پھر دھڑلے سے سرکاری نظام کی پوشیدہ خامیوں پر نظمیں لکھ کر نابلد نسل کو ان سے روشناس کرنے لگی لیکن محبت آس اور چاہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

بزمِ سخن

سمیّہ عثمان

رقیہ ناز.....میلسی

مجھ کو اک خواب پریشان سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کے ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

علیشبہ نور.....بھیر کنڈ

اپنے تو وہ ہوتے ہیں جن کو درد کا احساس ہو
ورنہ حال تو رستوں پر چلنے والے بھی پوچھ لیا کرتے ہیں

سیدہ لوبا سجاد.....کہروڑ پکا

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم ہوا نہیں کرتا

حنا کنول فرحان.....حویلی لکھا

ٹوٹ گیا تو کیا ہوا حنا
دل کھلونا ہی تو ہے

لیلیٰ رب نواز.....گاؤں ودھیوالی بھکر

زمانے سے جدا ہوکر ہم کیا کریں گے نواز
ہمیں تو سورج کو بھی الوداع کرنا نہیں آتا

شازیہ کنول شازی.....نور پور

جنہیں میرے جذبوں کی شدت نے چاہا ایس
کہاں چھپ گئے عید کا "چاند" ہوکر

اقرأ ناز.....کراچی

میں نے چاہا تجھے عید پر کچھ پیش کروں
جس میں تابندہ ستاروں کی چمک شامل ہو
جس میں گزرے ہوئے لمحات کی تصویریں ہوں
جس میں انجان جزیروں کی مہک شامل ہو

اروی چوہدری.....میاں چنوں

ہر بشر کی نوید زندگی تیری ہی قدرت ہے اللہ تعالیٰ
کہ بندہ گناہ گار ہوکر بھی تجھ کو پیارا لگتا ہے

نجم انجم اعوان.....کورنگی کراچی

بن بتائے نجانے کیوں اس نے دوری کردی
بچھڑ کر مجھ سے اس نے محبت ادھوری کردی
میرے مقدر میں غم آیا تو کیا ہوا دوست
خدا نے اس کی خواہش تو پوری کردی

حمنی اقبال.....منڈی فیض آباد

ہزاروں عیب ہیں مجھ میں مجھے معلوم ہے پھر بھی
اک شخص ہے نادان..... مجھے انمول کہتا ہے

سامعہ ملک پرویز.....خان پور ہزارہ

نظام ہستی ہے رواں دواں
نظام زندگی ہے تھما ہوا
خیال مہربان' فکر محرماں سے
میرا لمحہ لمحہ ہے سجا ہوا

سحر رباب.....لیاقت آباد کراچی

میرے جذبات کو الفاظ نہ مل سکے ورنہ
تیری خود داری کو پاش پاش کردیتے

پرنسز اقو.....تلہ گنگ

صبر تہذیب ہے محبت کی
وہ سمجھتے ہیں بے زباں ہیں ہم

نمرہ آزاد.....خیر پور ٹامیوالی

کہہ رہا تھا وہ میری غم کی کہانی جھیل پر
گر رہا تھا جھیل سی آنکھوں سے پانی جھیل پر

سائرہ شاہین.....تلونڈی بھٹیاں

ہمارے جھکنے کی امید مت کرنا
درخت بوڑھا ہی سہی ہوا سے جنگ کرتا ہے

حمدہ چوہدری.....گجرات

سنو مغرور ہم بھی غضب کے ہیں
تیرے غرور کا بس ذرا احترام کرتے ہیں

ارم ریاض.....برنالی

عشق کے نشے میں ڈوبا تو یہ جانا ہم نے دوست
کہ درد میں تنہائی نہیں ہوتی' تنہائی میں درد ہوتا ہے

انعم زہرہ.....ملتان

اسے کہنا وہ زندگی سے عزیز تر ہے مجھے
کہ وہ میری باتوں پر اعتبار اب نہیں کرتا
عابدہ خان......ایس ڈبلیو ایل

وہ بے وفا ہو کہ بھی کتنا اچھا لگتا ہے مجھے
خدا جانے اس میں وفا ہوتی تو کیا ہوتا
نورین انجم اعوان......کراچی

اس قابل تو نہیں کہ تجھ سے جنت مانگو یارب
ماں جنت ہے میری اسے تو سلامت رکھنا
شبنم میر......سیالکوٹ

کچھ نہیں چاہیے تجھ سے اے میری عمرِ رواں
میرا بچپن، میرے جگنو، میری گڑیا لادے
رفعیہ ابدالی......کراچی

جس کے دم سے روشن یہ جہاں ہے
جس کی چاہت پر خلوص بیش بہا ہے
جس کی دعا سے آجاتی ہیں قدموں میں منزلیں
ایسی ہستی دنیا میں صرف ماں ہے
فاطمہ......حیدرآباد

اپنی یادوں کے اجالے ہمارے ساتھ رہنے دو
نجانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے
لائبہ علی......کوٹ ادو

حالات کے لکھے کو مٹا کیوں نہیں دیتے
یہ بوجھ ہے سینے پر ہٹا کیوں نہیں دیتے
کیوں ہم سے گریزاں ہو بتا کیوں نہیں دیتے
اس راز سے اب پردہ اٹھا کیوں نہیں دیتے
نسرین یاسین......لطیف آباد

تیری نگاہِ ناز میں میرا وجود بے وجود
میری نگاہِ شوق میں تیرے سوا کوئی نہیں
ساجدہ ظفر......کمالیہ

ہمارے ہجر کے قصے سمیٹو گے تو لکھو گے
ہزاروں بار سوچو گے ہمیں تحریر کرنے تک
تسنیم کوثر......کراچی

تمہارے گھر کی چوکھٹ ہی تمہارے سر کی چادر ہے

سنو اے لڑکیوں نادانیاں اچھی نہیں ہوتیں
فرحت احمد......ملتان

زمین واقف نہیں ہوتی فلک سایہ نہیں دیتا
کسی کو اپنی ذات کا کوئی لمحہ نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ہارا بدن اپنا
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کاندھا نہیں دیتا
عریشہ جنید......کراچی

کاش تیرا گھر میرے گھر کے قریب ہوتا
ملنا تو دور، دیکھنا تو نصیب ہوتا
نفیسہ نہال......لاہور

میری کتابِ حیات سے فقط لفظ تم نکال دو
یقین مانو یقین مانو کہ باقی کچھ نہیں رہتا
یاسمین رشید......کراچی

وہ بے وفا نہیں بس یونہی بدنام ہوگیا
ہزاروں چاہنے والے تھے کس کس سے وفا کرتا
صبا سجاد......فیصل آباد

زخم ناسور بنانے کا ہنر جانتا تھا
کشتی ساحل پر ڈبونے کا ہنر جانتا تھا
میرے انکار کو انکار ہی سمجھا کم بخت
دعویٰ کرتا تھا کہ وہ شخص مجھے جانتا تھا
عشرت فاطمہ......رحیم یار خاں

ہم زمانے میں فقط اس وجہ سے بدنام ہیں
کہ موسموں کی طرح ہمیں بدلنا نہیں آتا
ارم حسین......واہ کینٹ

بھلائے سے جو نہ بھولے وہ کہانی چھوڑ جاؤں گا
زمانے بھر کی آنکھوں میں پانی چھوڑ جاؤں گا
ام عائشہ......خانیوال

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن گارڈن

زہرہ جبین

کلیجی سالن

اشیاء:۔

کلیجی	آدھا کلو
گھی	ایک پیالی
پیاز	چار عدد
لہسن	آدھی پوتھی
دہی	آدھی پیالی
ٹماٹر	دو عدد
نمک سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ادرک	دو انچ کا ٹکڑا
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

نمک ڈال کر کلیجی کو ایک جوش دے کر اتار لیں' گھی کڑکڑائیں اور پیاز کے لچھے اور پسا ہوا لہسن اس میں ڈال کر بادامی کرلیں پھر پانی کا چھینٹا دے کر نمک' مرچ' دھنیا' ادرک کی ہوائیاں ہلدی ڈال کر مصالحہ بھون لیں۔ دہی پھینٹ کر شامل کرلیں' دوبارہ بھون کر دہی کو مصالحے کی رنگت دے لیں۔ اب کلیجی ڈال کر ٹماٹر کے قتلے اور ایک پیالی پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں' پانی خشک ہونے پر کلیجی کو خوب بھون لیں' مصالحہ نرم رکھنے کے لیے پانی کا چھینٹا دیتے جائیں۔ دو منٹ بالکل دھیمی آنچ پر رکھیں تاکہ گھی اوپر آجائے' اب اتار کر گرم مصالحہ چھڑک دیں اور تناول فرمائیں۔

طلعت نظامی...... کراچی

مکئی گوشت

اشیاء:

بکرے کا گوشت (بغیر ہڈی کا)	آدھا کلو
نرم بھٹے	آٹھ عدد
کالی مرچ (کٹی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
ادرک لہسن (پسا ہوا)	ایک کھانے کا چمچ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	چھ عدد
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
لیموں	تین عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	ایک گڈی
پیاز (درمیانے سائز کے)	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
آئل	آدھی پیالی

ترکیب:۔

پیاز باریک پیس لیں' اب ایک مٹی کی ہانڈی میں گوشت' پیاز' ادرک' لہسن' ہلدی' نمک ڈال دیں اور ایک پیالی پانی بھی شامل کرکے ہلکی آنچ پر چڑھا دیں۔ ایک الگ دیگچی میں بھٹے ابلنے رکھ دیں' جب گل جائیں تو پانی نکال کر ان کے دانے الگ کردیں جب گوشت گل جائے تو اس میں آئل ڈالیں پھر بھٹے کے دانے ڈال دیں۔ کالی مرچیں' کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر ہلکا سا بھون لیں پھر لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ڈال دیں' پانچ دس منٹ تک دم پر رکھ دیں۔ چاہیں تو سوندھی خوشبو کے لیے ایک چائے کا چمچ بلو بینڈ مارجرین دم کے دوران ڈال دیں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

اچاری کوفتہ

اشیاء:۔

قیمہ	ڈیڑھ کلو
ڈبل روٹی کے سلائس	دو عدد
(آدھی پیالی دودھ میں بھیگے ہوئے)	
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچ
زیرہ	ایک کھانے کا چمچ
کلونجی	1/4 چائے کا چمچ
پسا ہوا خشک دھنیا	دو کھانے کے چمچ

پسی ہوئی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچ
پیاز	دو عدد
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
لہسن ادرک (پسا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا' ہری مرچ	حسب ذائقہ
ٹماٹر پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
آئل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

قیمہ میں ادرک' لہسن ایک کھانے کا چمچ' ڈبل روٹی سلائس کارن فلور نمک 1/2 چائے کا چمچ' لال مرچ 1/2 چائے کا چمچ' گرم مصالحہ سونف' کلونجی آدھی ملائیں۔ 1/2 چائے کا چمچ ہرا دھنیا' ہری مرچ ملا کر باریک پیس کر ملالیں اب قیمہ کی گول یا لمبی ٹکیاں بنا کر آئل میں فرائی کرلیں۔

گریوی:۔

ایک پتیلی میں آئل گرم کریں' پیاز براؤن کریں' اب ادرک' لہسن' دھنیا مرچ' پسا گرم مصالحہ' نمک' ٹماٹر پیسٹ' سونف' کلونجی بھونیں جب مصالحہ بھون جائے تو ایک کپ پانی ڈال کر ابال آنے دیں پھر کباب ڈال کر ہلکی آنچ میں پانچ منٹ پکنے دیں' اوپر ہرا مصالحہ ڈال کر اتارلیں۔

صباء ایشل...... بھاگووال

ہانڈی گولا کباب

اشیاء:۔

قیمہ	آدھا کلو
خشخاش	ایک چائے کا چمچ
سونف	ایک کھانے کا چمچ
سوکھا دھنیا	ایک کھانے کا چمچ
کھوپرا	ایک کھانے کا چمچ
ثابت لال مرچیں	دس تا پندرہ عدد
پپیتا	ایک کھانے کا چمچ
بھنا چنا	ایک چوتھائی کپ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
نمک	ایک چائے کا چمچ
دہی	ڈیڑھ کپ
پیاز (کچی پسی ہوئی)	ایک عدد
ادرک' لہسن	دو چائے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک برتن میں خشخاش' سونف' سوکھا دھنیا' کھوپرا اور لال مرچ کو بھونیں اور چنے کے ساتھ اچھی طرح پیس لیں۔ قیمے میں پپیتا' نمک' ادرک' لہسن اور تمام بھونا ہوا مرکب ملا کر ایک یا دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں پھر دہی میں ملائیں اور ان کو گول شکل میں بنالیں۔ تیل گرم کرکے تھوڑے تیل میں فرائی کریں' فرائی ہونے کے بعد انہیں 1/4 پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ آخر میں ہری مرچیں' ہرا دھنیا ڈالیں اور چولہے سے اتارلیں' لاجواب ہانڈی' گولا کباب تیار ہیں۔

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

بکرے کے پائے

اشیاء:۔

بکرے کے پائے	بارہ عدد
پیاز	ایک پاؤ
لہسن	ایک چھٹانک
سوکھا دھنیا	چائے کا آدھا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	دو ٹکڑے
ادرک	آدھا چھٹانک
دہی	آدھا پاؤ
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چمچ
ہرا دھنیا	حسب پسند
ہلدی	حسب ذائقہ

تیل یا گھی	پکانے کے لیے
مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

پائے اچھی طرح دھو کر صاف کرلیں اور پھر اس میں نمک، لہسن پیسٹ پیس کر ڈال دیں اور لونگ دار چینی ثابت ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ کم از کم چار گھنٹے پائے پکنے دیں پھر دیکھیں کہ پائے گل گئے ہیں تو اتارلیں ورنہ آدھے گھنٹے اور پکنے دیں تاکہ اچھی طرح سے گل جائیں اب سب مصالحہ ملا کر باریک پیس لیں۔ پیاز علیحدہ پیس لیں ادرک اور لہسن تھوڑا سا پیس لیں گھی میں لچھے دار پیاز کاٹ کر بادامی کرلیں پھر اس میں کچھ پسی ہوئی پیاز ملا کر خوب بھونیں۔

جب پیاز اچھی طرح بھون جائے تو اس میں لہسن اور ادرک ڈال کر ایک دو منٹ بھونیں پھر سب پسے ہوئے مصالحے ڈال کر بھونیں اب اس میں سرخ مرچ اور ہلدی پسی ہوئی ڈال کر تھوڑا اور بھونیں اب اس میں دہی پھینٹ کر ڈال دیں اور اتنا پکائیں کہ مصالحہ گھی چھوڑ دے پھر پائے اور یخنی ڈال کر شوربہ ڈال دیں اور تھوڑا سا پکنے کے بعد اتارلیں۔ اوپر پسا ہوا گرم مصالحہ اور ہرا دھنیا ڈال دیں، گرم گرم نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

حنا اشرف......کوٹ ادو

بہاری کباب

اشیاء:۔

بیف انڈر کٹ (بوٹیوں میں کٹا ہوا)	ایک کلوگرام
کچا پپیتا	چار کھانے کے چمچ
ادرک کا پیسٹ	تین کھانے کے چمچ
پیاز کا پیسٹ (گرائنڈ کرلیں)	دو کھانے کے چمچ
دہی	ایک کپ
لال مرچ	دو کھانے کے چمچ
نمک	دو چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
تیل	حسب ضرورت
پیاز	ایک عدد (سلائس، بگھار کے لیے)

ترکیب:۔

گوشت کو کسی بھاری چیز سے ہلکا سا کچل لیں یا چھری کی مدد سے گود لیں۔ لہسن، ادرک، کچا پپیتا، دہی، پیاز کا پیسٹ، لال مرچ، نمک، گرم مصالحہ اچھی طرح لگا کر گوشت کو ڈھک کر فریج میں رکھ دیں۔ رات بھر کے لیے یا کم سے کم چھ گھنٹے کے لیے پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز بگھار کر کے نکال لیں پھر گوشت مصالحہ کے ساتھ ڈال کر درمیانی آنچ پر پکنے دیں اور ڈھک کر رکھیں۔ پک جانے کے بعد اتارلیں اور ہرا دھنیا چھڑک کر گرما گرم نوش فرمائیں۔

اریبہ منہاج......کراچی

گولڈ چانپ

اشیاء:۔

چانپیں	ایک کلو
پیاز	دو عدد (سلائس کرلیں)
دار چینی	ایک عدد
ثابت لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
ہری مرچ	چھ عدد (پیس لیں)
نمک	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	ایک کپ
لیموں	سجانے کے لیے
تیل	حسب ضرورت
ثابت کالی مرچ	تین سے چار عدد

ترکیب:۔

دار چینی اور کالی مرچ کو گرائنڈ کرلیں اس میں ادرک، لہسن، ہری مرچ اور نمک شامل کریں۔ اس کو چانپوں پر دونوں طرف لگا کر آدھا گھنٹہ رکھیں۔ اس کے بعد ان کو

گرل یا باربی کیو کرلیں درمیان میں تیل لگاتے رہیں۔ جانپیں گل جائیں تو گرل سے نکال کر گرم گرم سرو کریں پیاز' ہرادھنیا' لیموں کے ساتھ سجا کر پیش کریں۔

سدرہ شاہین......پیرووال

چکن پاستا

اجزاء:۔

چکن	ڈیڑھ کلو
ابلا ہوا پاستا	ڈیڑھ کلو
لال یا سبز شملہ مرچ	ایک عدد
پیاز	دوعدد
ہری پیاز	دوعدد
تازہ لال مرچ	دوعدد
تل کا تیل	ایک کھانے کا چچ
لہسن	ایک کھانے کا چچ
نمک	ڈیڑھ چائے کا چچ
کالی مرچ	ڈیڑھ چائے کا چچ

چلی ساس کے اجزاء:۔

یخنی	ایک کپ
براؤن شوگر	ایک چائے کا چچ
چلی ساس	ایک کھانے کا چچ
کارن فلور	ایک کھانے کا چچ
سویا ساس	دو کھانے کے چچ
تیل	دو کھانے کے چچ

ترکیب:۔

ایک کھانے کا چچ تل کا تیل گرم کرکے اس میں ڈیڑھ کلو چکن تیز آنچ پر پکائیں۔ اب اس میں ایک کھانے کا چچ لہسن ڈیڑھ چائے کا چچ کالی مرچ اور ڈیڑھ چائے کا چچ نمک ڈال کر ڈھک دیں۔

چلی ساس کے لیے ایک پیالی ایک کپ یخنی ایک چائے کا چچ براؤن شوگر ایک کھانے کا چچ چلی ساس ایک کھانے کا چچ کارن فلور دو کھانے کے چچ سویا ساس اور دو کھانے کے چچ تیل ڈال کر مکس کرلیں اس کے بعد چکن میں ڈیڑھ کلو ابلا ہوا پاستا' دو عدد پیاز' ایک عدد لال شملہ مرچ' دو عدد ہری پیاز شامل کرکے پانچ منٹ دم پہ رکھیں آخر میں اس میں ساس اور تل کا تیل ڈال کر دو منٹ پھر دم پر رکھیں پھر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

خزینہ طاہر......سرائے عالمگیر

چکن کریم سوپ

اشیاء:۔

مرغی کا گوشت (ابلا ہوا چھوٹے ٹکڑوں میں)	ایک کپ
یخنی	چھ کپ
پیاز	آدھا (باریک کٹا ہوا)
میدہ	آدھا کپ
نمک	ایک چائے کا چچ
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چائے کا چچ
مکھن	آدھا کپ

ترکیب:۔

مکھن گرم کریں' پیاز کو نرم ہونے تک فرائی کریں۔ اب پیاز نکال کر گوشت فرائی کریں پھر اس میں میدہ' مسٹرڈ پاؤڈر' نمک ڈالیں اور فرائی کریں۔ پیاز بھی ڈال دیں اور اب آہستہ آہستہ یخنی ڈالیں اور کچھ دیر پکنے دیں۔ گاڑھا ہونے پر سوپ کریم اور ڈبل روٹی کے چوکور ٹکڑوں کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

جی کنول خان......موسیٰ خیل

عربی لڈو

ضروری اشیاء:۔

زعفران	آدھا چائے کا چچ
فریش ملک	دو کھانے کے چچ
آئل	تین کپ
پیلے چنے بھنے ہوئے	ڈھائی کپ
آئسنگ شوگر	ڈیڑھ کپ
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چچ

ترکیب:۔

زعفران کو دودھ میں بھگودیں' چنوں کو گرائنڈ کرلیں' آئل گرم کریں اور پسے ہوئے چنوں کو بھون لیں جب اس کی رنگت ہلکی بھوری ہوجائے تو چولہے سے اتارلیں اور ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک سائیڈ پر رکھ دیں۔ شوگر الائچی' زعفران والا دودھ' چنوں میں ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ جب ساری چیزیں مل جائیں تو پھر اس مکسچر کو شیپ دے لیں یعنی 20 عدد بالز بنالیں اور سرو کریں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کریمی فروٹ سلاد

ضروری اشیاء:۔

آم' کیلا' انگور' آڑو	تین کپ (مکس)
شکر	کھانے کے تین چمچ
مایونیز	ایک کپ
وائٹ مرچ	آدھا چمچ
کریم	آدھا کپ
سلاد' رائتہ' ٹماٹر' کھیرا	گارنش کے لیے
میکرونی	ڈیڑھ کپ
نمک	حسب پسند

ترکیب:۔

میکرونی ابال لیں' تمام فروٹ کیوبز میں کاٹ لیں اب الگ باؤل میں مایونیز' کریم' شکر' وائٹ مرچ ملائیں۔ میکرونی شامل کریں' مکس کریں اب آہستہ آہستہ چمچ سے فروٹ کو ڈال کر مکس کریں۔ ایک پلیٹ میں سلاد' ٹماٹر' کھیرا لگائیں' درمیان سے کریمی فروٹ سلاد ڈالیں پھر آم یا آڑو سے گارنش کریں۔

نبیلہ ناز...... ٹھینگ موڑ الہ آباد

کلیجی پیاز

اجزاء:

بکرے کی کلیجی	آدھا کلو
تیل	۴ سے ۵ کھانے کے چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
پیاز	دو عدد
ٹماٹر	۲ عدد ابال کر کاٹ لیں
ہری مرچ	دو عدد
لال مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
زیرہ (پسا ہوا)	آدھا چائے کا چمچ
دھنیا (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچ
جائفل جاوتری (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چوتھائی گٹھی

ترکیب:۔

پہلے بکرے کی کلیجی کو چھوٹی بوٹیوں میں کاٹ لیں اب کڑاہی میں تیل اور ادرک لہسن پیسٹ شامل کردیں۔ جیسے ہی وہ تھوڑا سا پک جائے تو کلیجی شامل کرکے اتنا بھونیں کہ تمام پانی خشک ہوجائے۔ پھر اس میں پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ، پسی لال مرچ، نمک، زیرہ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، جائفل جاوتری، قصوری میتھی اور ہلدی شامل کرکے تھوڑا سا مکس کریں۔ آدھا کپ پانی شامل کرکے ڈھک کر پکنے کے لیے چھوڑ دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بعد ڈھکن ہٹا کر ہرے دھنیے سے گارنش کرکے گرم گرم سرو کریں۔

ضوباریہ ساحر...... مظفر گڑھ

آرائشِ حسن

صدیقہ احمد

لیجیے آپ ہوگئیں عید کے لیے بالکل تیار

لمحوں میں کھلا کھلا پھولوں جیسا شگفتہ چہرہ عید چاہے عیدالفطر ہو یا عیدالاضحیٰ صرف چند دنوں کے لیے نہیں ہوتی کیونکہ عید کا پورا مہینہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کو بھی ساتھ لے کر آتا ہے ایسے میں پورے ماہ اچھا نظر آنا خواتین کا حق ہے اگرچہ عید اور مختلف تقریبات کے موقع پر گھر کے کاموں کی بھرمار ہوتی ہے مگر اس کے باوجود اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ سر جھاڑ منہ پہاڑ گھومتی رہیں اور مہمانوں کے سامنے شرمندگی اٹھائیں۔ ہم آپ کو جھٹ پٹ کچھ ایسی ٹپس بتاتے ہیں جو کچھ ہی دیر میں آپ کو خوب صورت بنادیں اور لوگ یہ سوچ کر حیران ہوجائیں کہ گھر کی مصروفیت میں بھی آپ کتنی فریش اور خوب صورت لگ رہی ہیں سب سے پہلے اپنے چہرے کو کلینزنگ ملک سے صاف کرلیں اب بے بی آئل لے کر آہستہ آہستہ مساج کریں اور پھر اسٹیم لے کر چہرے کو ٹھنڈے تولیہ سے تھپتھپائیں اب اگر آپ کو چہرے پر بلیک ہیڈز نظر آئیں تو انہیں انگلیوں سے دبا کر صاف کریں اس کے بعد چہرے کو صاف کرکے موئسچرائزر لگائیے اب آپ کا چہرہ کھلا نظر آئے گا اور ہلکا سا میک اپ آپ کو پھولوں سے زیادہ شگفتہ بنادے گا اب جبکہ آپ کا چہرہ میک اپ کے لیے تیار ہے تو پھر میک اپ شروع کردیں۔

سب سے پہلے کنسیلر لگا کر دانے داغ اور حلقوں پر تھپتھپائیں اور دو منٹ کے لیے چھوڑ دیں اب بلینڈر لے کر اس کو گیلا کریں اور چہرے پر لگائیں اور پانچ منٹ تک چھوڑ دیں۔ پانچ منٹ کے بعد ایک بار پھر بلینڈر گیلا کرکے چہرے پر پھیریں آپ کا میک اپ سیٹ ہوجائے گا اس کو خشک ہونے دیں اب فیس پاؤڈر کا بالکل ہلکا سا ٹچ دیں اور پھر اپنے کپڑوں کے ہم رنگ شیڈ لگائیں آنکھوں پر صرف آئی لائنر اور مسکارا لگائیں، لپ اسٹک لگا کر اگر چاہیں تو اس پر سلور یا گولڈن شائنر لگائیں۔ پرفیوم کا اسپرے کریں اور لیجیے آپ عید کے لیے بالکل تیار ہیں۔

اب مہمان چاہیں جب آجائیں آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ ان کے استقبال کے لیے بالکل تیار ہیں اب باری آتی ہے بالوں کی، ہم آپ کو چند آسان اسٹائل بتارہے ہیں ذرا دیکھیے آپ کو ان میں سے کون سا انداز پسند آتا ہے۔

بالوں کو سیدھا کیجیے اور درمیان سے مانگ نکالیں، بالوں کے چند حصوں کو پکڑ کر باریک چوٹی کی شکل میں بنائیے اور پھر نیچے والا حصہ خالی چھوڑ کر اوپری حصے میں پونی ٹیل باندھ لیں اس کے بعد کچھ بالوں کی لٹیں بنالیں بے حد آسان اور سادہ ڈیزائن بن جائے گا۔ بالوں کو اچھی طرح کنگھی کریں اور پیچھے ایک پونی ٹیل بنالیں، بالوں میں سے کچھ حصہ چھوڑ دیں اور اب بالوں کا مختلف سا جوڑا بنادیں، بالوں کو پچھلی سطح سے تین حصوں میں تقسیم کرلیں اور ہر حصے کی چوٹی بنالیں اور اب یکجا کرکے کپڑے کا بینڈ لگالیں اور پیچھے کی جانب چھوڑ دیں، بالوں کو پورا اوپر پونی اسٹائل میں پکڑیں اور پھر اس کو فولڈ کرکے اندر کی جانب موڑ کر جوڑے کے پن لگالیں اور سائیڈ میں چاہیں تو پھول لگالیں، آگے آگے سے سیدھا کرکے مانگ کی جگہ پر ایک پتلی چوٹی بنالیں ایک ایسی ہی چوٹی دائیں طرف سے اور ایک بائیں سائیڈ سے بنالیں، اب ان تینوں چوٹیوں کو ساتھ لے کر سائیڈ سے بال لے کر پیچھے کی جانب اور چوٹی بنالیں اور اگر چاہیں تو اس پر کوئی بینڈ لگالیں یا پھر اوپر چوٹی باندھ کر پراندہ ڈال سکتی ہیں، بالوں کو آگے سے مانگ نکال کر اپنی پسند سے دونوں سائیڈ پر ڈال دیں اور پھر بالوں کو آگے کی جانب موڑ کر جتنا پسند ہو اتنا فولڈ کرکے پن لگالیں۔

منزہ عطا......کوٹ ادو

جلد کی صفائی کے لیے اُبٹن

جلد کی رنگت نکھارنے کے لیے تھوڑی سی چنے کی دال رات کو بھگودیں اور صبح اسے پیس کر اس میں دودھ ملا کر

پیسٹ سا بنا لیں اور اس پیسٹ کو چہرہ پر آہستہ آہستہ پندرہ سے بیس منٹ تک ملیں اور بعد میں تازہ پانی سے چہرہ دھولیں تو چہرہ کی رنگت نکھر آئے گی۔

ماسک

ماسک استعمال کرنے کا طریقہ

☆ سب سے پہلے کسی اچھے صابن سے منہ دھوکر خشک کریں۔

☆ اپنے بالوں کو ہیئر بینڈ یا کسی اسکارف سے باندھ لیں تاکہ ماسک آپ کے بالوں کو نقصان نہ پہنچائے۔

☆ چہرے پر نقطوں کی صورت میں کلینزنگ کریم لگائیں۔

☆ ماسک ہمیشہ غسل کرنے سے پہلے لیا جائے تاکہ جب آپ ماسک کے بعد غسل کر کے نکلیں تو آپ کا چہرہ اور جسم دونوں تروتازہ ہوں۔

☆ ماسک لگانے سے دس منٹ پہلے چہرے پر دودھ لگائیں، دس منٹ بعد روئی کے ٹکڑوں کو نیم گرم پانی میں بھگو کر اس سے چہرے کو اچھی طرح صاف کریں اس کے بعد ٹشو پیپر سے چہرے کو اچھی طرح خشک کرلیں۔

ماسک کی کئی اقسام ہیں یہ بازار سے تیار شدہ بھی مل جاتے ہیں اور انہیں گھر پر بھی آسانی سے تیار کیا جاسکتا ہے ہم آپ کو بعض آسان مگر فائدہ مند ماسک تیار کرنے کے طریقے بتاتے ہیں جس سے نہ صرف آپ کے پیسوں کی بچت ہوگی بلکہ گھر میں تیار کیے جانے والے ماسک زیادہ معیاری اور اثر انگیز ہوتے ہیں کیونکہ آپ ان میں خالص اجزا شامل کرتی ہیں اگر آپ ماسک گھر میں تیار کر رہی ہیں تو پھل سبزیاں اور دوسرے اجزاء عمدہ کوالٹی کے لیں اور انہیں استعمال کرنے سے قبل اچھی طرح دھوکر سکھالیں پھر انہیں صاف ستھرے برتن میں اسٹور کریں، بیشتر پیسٹ فریج کے اندر دو ہفتوں تک آسانی سے رکھے جاسکتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ ہر دفعہ تازہ ماسک استعمال کریں۔

ماسک لگانے کا طریقہ

ماسک لینے سے دس منٹ پہلے چہرے پر دودھ لگائیں، دس منٹ بعد روئی کے پھاہے کو نیم گرم پانی میں بھگو کر اس سے چہرے کو اچھی طرح صاف کریں۔ اب تولیے یا ٹشو پیپر سے چہرہ خشک کرلیں، ماسک شروع میں پیشانی اور رخساروں کے اطراف میں لگائیں، دوسرے مرحلے میں چہرے کے جو حصے باقی رہ گئے ہیں ان پر اچھی طرح ماسک لگائیں یہاں تک کہ ماسک آپ کا پورا چہرہ ڈھانپ لے صرف آنکھیں اور ہونٹوں کے اردگرد جلد صاف کرلیں۔ یاد رہے کہ ماسک لگانے سے پہلے اپنے بالوں کو سیٹنا مت بھولیے، ماسک گردن پر بھی لگائیں۔

اس دوران آنکھیں بند کر کے کم از کم دو منٹ کے لیے سیدھی لیٹ جائیں یا آرام دہ کرسی پر نیم دراز ہو کر کوئی ہلکی پھلکی تحریر یا رسالہ پڑھیں مگر اعصاب پر بوجھ قطعاً نہ ڈالیں۔ ماسک لگانے کے بعد جلد اور اعصاب کو نہایت سکون کی ضرورت ہوتی ہے یا پھر اس دوران عرق گلاب میں روئی کے پیڈ بھگو کر آنکھوں پر رکھیں اس سے آنکھوں کی تھکن دور ہوجائے گی۔

ماسک اتارنے کا طریقہ

آپ نے ماسک کے طور پر جو شے بھی اپنے چہرے پر لگائی ہے وہ چند منٹوں کے بعد خشک ہوجائے گی۔ اب روئی کے ٹکڑوں کو نیم گرم پانی میں بھگو کر گردن اور چہرے سے ماسک کو اچھی طرح صاف کریں اس کے بعد اپنا چہرہ صاف پانی سے دھوکر کسی نرم تولیے سے خشک کرلیں، جب چہرہ خشک ہوجائے تو اسکن ٹانک کا استعمال کیجیے اگر یہ ممکن نہ ہو تو عرق گلاب لے کر اسے روئی میں بھگو کر چہرے اور گردن پر نرمی سے لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد چہرہ نیم گرم پانی سے دھولیں۔ خیال رہے کہ ماسک اتارنے کے لیے بہت زیادہ ٹھنڈا پانی استعمال نہ کریں، ماسک اتارنے کے فوراً بعد میک اپ نہ کریں۔ بہتر یہی ہے کہ ماسک اتارنے کے کم از کم ایک یا ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ ضرور رکھیں، اس کے بعد فاؤنڈیشن پاؤڈر لگائیں۔

محبت کے قصے

محبت کے تجھے قصے سنانے ہیں چلے آؤ
تری زلفوں میں ہم نے گل سجانے ہیں چلے آؤ
جنہیں تاریکیاں پیدا کریں ایسے خداؤں نے
کہاں جگنو، دیے، سورج بنانے ہیں چلے آؤ
جسے ظالم زمانے نے خوشی سے توڑ ڈالا ہے
اسی دل میں محبت کے خزانے ہیں چلے آؤ
یہاں دل کی کوئی قیمت نہیں، چہروں پہ مرتے ہیں
یہاں تم نے بڑے دھوکے ہی کھانے ہیں چلے آؤ
پرندے پر کٹے گرچہ ہوا میں اڑ نہیں سکتے
ضمیر اپنے چمن میں آشیانے ہیں چلے آؤ
شاعر: ضمیر حیدر ضمیر
انتخاب: ہالہ سلیم ...... کراچی

ارمان

بہت ارمان تھا مجھ کو
بڑا ہی مان تھا مجھ کو
میں اپنے دیس کی مٹی کو خود سونا بناؤں گی
لہو سے اس کو سینچوں گی
بہاروں سے سجاؤں گی
یہاں جو ظلم ہوتا ہے
اسے میں ختم کردوں گی
اور اک عدل وانصاف کا معاشرہ
تشکیل دینے میں
میں سارے ہنر سارے گر آزماؤں گی
مگر افسوس اے دنیا!
مجھے پہلے قدم پر ہی
میری مٹی کے لوگوں نے
منہ کے بل گرایا ہے
میرے رستے میں مشکلوں کے خار رکھے ہیں
مجھے پاگل کہا ہے اور سنگ مجھ پہ اٹھایا ہے
میں جشن آزادی دھرتی، مناؤں کس طرح اب کے؟
باتوں کے دھنی لوگوں نے عمل کو چھوڑ کر دامن مجھے
یوں خون رلایا ہے
کہ گل مجھ کو......
میرے اسلاف سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے
مجھے دھرتی کی مٹی سے نگاہیں تک ملانے کی نہیں ہے
تاب اب
لیکن......
میں پھر بھی اپنی اک کوشش
دعا کے رتھ پر رکھ کر بھیجتی ہوں آسمانوں میں
جہاں بیٹھا ہوا ہے کون ومکاں کا جو مالک
اسے درخواست کرتی ہوں
میرے مولا! میرے اللہ......
میری دھرتی کے سینے پر محبت، امن، اخوت اور رواداری
کے سارے موسموں کو بھیج دے اب کے
یہاں پہ امن قائم کر، خوشی، خوشحالی واسلام کے پرچم
بلند کردے
میری دھرتی کو اے اللہ!
محمد علی جناح جیسا اک رہبر عطا کردے
آمین
سباس گل
انتخاب: عثمان عبداللہ ...... کراچی

غزل

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی
لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی
اس کی آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی
عکسِ رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا

تاب تجھ میں مہِ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی
اب کی جو راہِ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی
پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں
آتی آوازِ سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی
نگہِ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی
چشمِ قاتل مری دشمن تھی ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہوگئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی
کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خُو تری حُورِ شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

کلام: بہادر شاہ ظفر

انتخاب: صباء ایشل...... بھاگووال

غزل

سنتا ہے کون کس سے کہیں بزمِ یار میں
بیٹھے ہی بیٹھے دل نہ رہا اختیار میں
کیا کیا تڑپ تڑپ کے پکارے ہیں تم کو ہم
کیا کیا اٹھا ہے درد، دلِ بے قرار میں
آنکھیں اجل کے بند کیے بھی نہ ہوں گی بند
جاگا ہوں اس طرح سے شبِ انتظار میں
راس آئے اے خدا دلِ پُر شوق کی امنگ
جی چاہتا ہے بیٹھے رہیں کوئے یار میں
رگ رگ سے آ کے لے گیا چن کر خیالِ دوست
جس جس جگہ تھا درد دلِ بے قرار میں
موسیٰ کے واقعے کی جب آتی ہے ہم کو یاد
اٹھتی ہے اک چمک سی دلِ بے قرار میں
غش کھا کے اس کا طور پہ گرنا عجب نہیں
ٹھوکر جسے کبھی نہ لگے کوئے یار میں
محشر نگاہ سوئے فلک مصلحت سہی
پھر بھی نظر جھکی ہی رہی کوئے یار میں

کلام: محشر لکھنوی

انتخاب: راؤ رفاقت علی...... دنیاپور

غزل

زندگی کی دل فریبی سے اماں کیا پاؤں گا
میں اسی کافر ادا پر جاں فدا کر جاؤں گا
ناصحا اس بات کا کچھ پہلے کر لے فیصلہ
تو مجھے سمجھائے گا یا میں تجھے سمجھاؤں گا
ہر مکاں سے ہی کوئی آواز اگر آنے لگی
میں تجھے پہچاننے کس کس مکاں میں جاؤں گا
آنکھ بھر کر دیکھنے کی تجھ کو کیا جرأت کروں
مجھ کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں جل جاؤں گا
میری مٹی میں ترنم کی ملاوٹ ہے عدم
گاتا آیا تھا یہاں، گاتا ہی واپس جاؤں گا

کلام: عبدالحمید عدم

انتخاب: عائشہ سلیم...... کراچی

غزل

ہم کو دشمن کی نگاہوں سے نہ دیکھا کیجیے
پیار ہی پیار ہیں ہم، ہم پہ بھروسا کیجیے
چند یادوں کے سوا ہاتھ نہ کچھ آئے گا
اس طرح عمرِ گریزاں کا نہ پیچھا کیجیے
روشنی اوروں کے آنگن میں گوارا نہ سہی
کم سے کم اپنے ہی گھر میں تو اجالا کیجیے
کیا خبر کب وہ چلے آئیں گے ملنے کے لیے
روز پلکوں پہ نئی شمعیں جلایا کیجیے

کلام: رئیس اختر

انتخاب: حنا اشرف...... کوٹ ادو

غزل

ہم تو وقت ہیں، پل ہیں، تیز گام گھڑیاں ہیں
بے قرار لمحے ہیں، بے تکان صدیاں ہیں
کوئی ساتھ میں اپنے آئے یا نہیں آئے
جو ملے گا رستے میں، ہم اسے پکاریں گے

کلام: ناصر کاظمی

انتخاب: ارم صابرہ...... تلہ گنگ

غزل

درد ہو دل میں تو دوا کیجے
دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجے
ہم کو فریاد کرنی آتی ہے
آپ سنتے نہیں تو کیا کیجے
ان بتوں کو خدا سے کیا مطلب
توبہ توبہ خدا خدا کیجے
رنج اٹھانے سے بھی خوشی ہوگی
پہلے دل درد آشنا کیجے
عرض شوخی نشاط عالم ہے
حسن کو اور خود نما کیجے
دشمنی ہو چکی بقدر وفا
اب حق دوستی ادا کیجے
موت آتی نہیں کہیں غالب
کب تک افسوس زیست کا کیجے

کلام: اسداللہ غالب

انتخاب: طلعت نظامی......کراچی

غزل

عرضِ غم کبھی اس کے روبرو بھی ہو جائے
شاعری تو ہوتی ہے، گفتگو بھی ہو جائے
زخمِ ہجر بھرنے سے یاد تو نہیں جاتی
کچھ نشاں تو رہتے ہیں، دل رفو بھی ہو جائے

کلام: احمد فراز

انتخاب: کائنات......کرچی

غزل

نیتِ شوق بھر نہ جائے کہیں
تُو بھی دل سے اتر نہ جائے کہیں
آج دیکھا ہے تجھ کو دیر کے بعد
آج کا دن گزر نہ جائے کہیں
نہ ملا کر اداس لوگوں سے
حسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تو یہاں آئے
اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں
جی جلاتا ہوں اور سوچتا ہوں
رائیگاں یہ ہنر نہ جائے کہیں
آؤ کچھ دیر رو ہی لیں ناصر
پھر یہ دریا اتر نہ جائے کہیں

کلام: ناصر کاظمی

انتخاب: سدرہ شاہین......پیرووال

غزل

دیارِ دل کی رات میں چراغ سا جلا گیا
ملا نہیں تو کیا ہوا وہ شکل تو دکھا گیا
وہ دوستی تو خیر اب نصیبِ دشمناں ہوئی
وہ چھوٹی چھوٹی رنجشوں کا لطف بھی چلا گیا
پکارتی ہیں فرصتیں کہاں گئیں وہ صحبتیں
زمیں نگل گئی اُنہیں کہ آسمان کھا گیا
جدائیوں کے زخم دردِ زندگی نے بھر دیے
تجھے بھی نیند آگئی مجھے بھی صبر آگیا
یہ صبح کی سفیدیاں یہ دوپہر کی زردیاں
اب آئینے میں دیکھتا ہوں میں کہاں چلا گیا

کلام: ناصر کاظمی

انتخاب: ہماراؤ......کراچی

شکوہ ہجر کریں بھی تو کریں کس منہ سے
ہم تو اپنے کو بھی اپنے سے جدا کہتے ہیں
گونج اٹھتی ہے ہر اِک شعر میں تیری آواز
یعنی جو کہتے ہیں، تیرا ہی کہا کہتے ہیں

کلام: فراق گورکھپوری

انتخاب: صائمہ شیرازی......جہلم

غزل

دیپک راگ ہے چاہت اپنی کاہے سنائیں تمہیں
ہم تو سلگتے ہی رہتے ہیں کیوں سلگائیں تمہیں
ترکِ محبت، ترکِ تمنا کر چکنے کے بعد
ہم پہ یہ مشکل آن پڑی ہے کیسے بھلائیں تمہیں
دل کے زخم کا رنگ تو شاید آنکھوں میں بھر آئے
روح کے زخموں کی گہرائی کیسے دکھائیں تمہیں

سناٹا جب تنہائی کے زہر میں گھلتا ہے
وہ گھڑیاں کیونکر کٹتی ہیں، کیسے بتائیں تمہیں
جن باتوں نے پیار تمہارا نفرت میں بدلا
ڈر لگتا ہے وہ باتیں کبھی بھول نہ جائیں تمہیں
اڑتے پنچھی، ڈھلتے سائے، جاتے پل اور ہم
بیرن شام کا تھام کے دامن روز بلائیں تمہیں
دور گگن پر ہنسنے والے نرمل کومل چاند
بے کل من کہتا ہے آؤ، ہاتھ لگائیں تمہیں
درد ہماری محرومی کا تم جب جانو گے
جب کھانے آئے گی چپ کی سائیں سائیں تمہیں
رنگ برنگے گیت تمہارے ہجر میں ہاتھ آئے
پھر بھی یہ کیسے چاہیں کہ ساری عمر نہ پائیں تمہیں
پاس ہمارے آ کر تم بیگانہ سے کیوں ہو؟
چاہو تو ہم پھر کچھ دوری پر چھوڑ آئیں تمہیں

کلام: ظہور نظر

انتخاب: اُم عمارہ...... چیچہ وطنی

نظم

ہم لوگ
دائروں میں چلتے ہیں
دائروں میں چلنے سے
دائرے تو بڑھتے ہیں
فاصلے نہیں گھٹتے
آرزوئیں چلتی ہیں
جس طرف کو جاتے ہیں
منزلیں تمنا کی
ساتھ ساتھ چلتی ہیں
گرد اڑتی رہتی ہے
درد بڑھتا رہتا ہے
راستے نہیں گھٹتے

کلام: امجد اسلام امجد

انتخاب: رخسانہ اقبال...... خوشاب

غزل

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا
وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا
دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا، میں نے تجھے یاد کیا
اے میں سو جان سے اس طرزِ تکلم کے نثار
پھر تو فرمایئے، کیا آپ نے ارشاد کیا
اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا
اتنا مانوس ہوں فطرت سے، کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا، مجھ سے کچھ ارشاد کیا
مجھ کو تو ہوش نہیں تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

کلام: جوش ملیح آبادی

انتخاب: طیبہ ارشاد...... منڈی بہاؤالدین

غزل

یونہی تنہا تنہا نہ خاک اڑا، مری جان میرے قریب آ
میں بھی خستہ دل ہوں تری طرح مری مان میرے قریب آ
میں سمندروں کی ہوا نہیں کہ تجھے دکھائی نہ دے سکوں
کوئی بھولا بسرا خیال ہوں نہ گمان میرے قریب آ
نہ چھپا کہ زخم وفا ہے کیا، تری آرزوؤں کی کتھا ہے کیا
تری چارہ گر نہ یہ زندگی نہ جہان میرے قریب آ
تجھے ایسے ویسوں کی دوستی نے بہت خراب و خجل کیا
کسی جھوٹ کی یہ نقاب رُخ پہ نہ تان میرے قریب آ
جو نکل سکے تو نکال لے کوئی وقت اپنے لیے کبھی
مرے پاس بیٹھ کے رو تو لے کسی آن میرے قریب آ

کلام: اعتبار ساجد

انتخاب: صدف آصف...... آسٹریلیا

غزل

وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی

ہر ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کمبخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں نئے پھول کھلے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
قحطِ پندار کا موسم ہے سنہرے لوگو
کچھ تیز کرو اب کے گرانی اپنی
دشمنوں سے ہی اب غمِ دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

کلام: محسن نقوی

انتخاب: رابی......ساہیوال

غزل

آپ کا اعتبار کون کرے
روز کا انتظار کون کرے
ذکر مہر و وفا تو ہم کرتے
پر تمہیں شرمسار کون کرے
جو ہو اس چشم مست سے بے خود
پھر اسے ہوشیار کون کرے
تم تو ہو جان اک زمانے کی
جان تم پر نثار کون کرے
آفتِ روزگار جب تم ہو
شکوۂ روزگار کون کرے
اپنی تسبیح رہنے دے زاہد
دانہ دانہ شمار کون کرے
ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں
موت کا انتظار کون کرے
آنکھ ہے ترک زلف ہی صیاد
دیکھیں دل کا شکار کون کرے
غیر نے تم سے بے وفائی کی
یہ چلن اختیار کون کرے
وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں
تجھ کو امیدوار کون کرے
داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے

کلام: داغ دہلوی

انتخاب: حنا کامران......چیچہ وطنی

غزل

عشق مجھ کو نہیں، وحشت ہی سہی
میری وحشت، تری شہرت ہی سہی
قطع کیجے نہ، تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے، تو عداوت ہی سہی
میرے ہونے میں، ہے کیا رُسوائی
اے، وہ مجلس نہیں، خلوت ہی سہی
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے
غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
اپنی ہستی ہی سے ہو، جو کچھ ہو
آگہی گر نہیں، غفلت ہی سہی
عمر ہر چند کہ ہے برق خرام
دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی
ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
نہ سہی عشق، مصیبت ہی سہی
کچھ تو دے، اے فلکِ نا انصاف
آہ وفریاد کی رُخصت ہی سہی
یار سے چھیڑ چلی جائے، اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

کلام: مرزا اسد اللہ خاں غالب

انتخاب: ضوباریہ ساحر......مظفر گڑھ

alam@aanchal.com.pk

خوشبو تحریر

ہما ذوالفقار

آیت 13 سورہ الحجرات کی تشریح

ساری نسل انسانی ایک عورت اور ایک مرد سے چلی' قومیں اور برادریاں پہچان کے لیے ہیں تعصب اور فساد کے لیے نہیں' پرہیزگار ہی عزت والا ہے۔

غلام سرور...... نارتھ ناظم آباد' کراچی

انسان

شاید ہی کوئی انسان کبھی مکمل مرتا ہو' انسان عموماً آہستہ آہستہ قسطوں میں مرتا ہے جب کوئی اپنا قریبی شخص مرتا ہے تو انسان کی ذات کا ایک مخصوص حصہ بھی اس کے ساتھ ہی دفن ہوجاتا ہے جسے شعوری سطح پر کچھ زیادہ محسوس نہیں کیا جاسکتا لیکن بعض اوقات دور پار کا کوئی شناسا بھی ملک عدم سدھار جائے تو آپ کی ذات کا کوئی نہ کوئی حصہ اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

فائزہ بھٹی...... پتوکی

چند باتیں آپ کے لیے

⌘ عزیز چیزوں کے بندھن سے جو آزاد ہے اسے نہ خوف ہے نہ غم کیونکہ عزیز چیزوں سے ہی غم ملتے ہیں اور خوف بھی عزیز چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔

⌘ آنکھ والا وہ ہے جو اپنے آپ کو دیکھے نا کہ دوسروں میں عیب تلاش کرے۔

⌘ غصے کی مقدار بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے جتنی کھانے میں نمک...... نمک جب تک مناسب انداز پر رہتا ہے تو ہاضم ورنہ فاسد ہے۔

⌘ زندگی اچھے سے بسر کرنے کے دو ہی طریقے' خاموشی اور کمپرومائز۔ جس سے نہ غم دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی غم ملتے ہیں۔

انا مریم...... شادیوال' گجرات

آس اور امید

انسان کی فطرت میں قدرت نے امید اور آس کی ڈور سے ہمیشہ بندھے رہنے کا ایک عجیب سا انتظام کررکھا ہے۔ ایک ڈور ٹوٹتی ہے تو دوسری تھام لیتا ہے۔ دوسری ٹوٹتی ہے تو تیسری' یوں یہ سلسلہ اس کی سانس کی ڈور ٹوٹنے تک چلتا ہی رہتا ہے شاید قدرت نے انسان کی طبیعت میں آس اور امید کا سلسلہ نہ رکھا ہوتا تو وہ پہلی ناامیدی پر ختم ہوجاتا' مایوسی سے مرجاتا۔

وقاص عمر...... بنگڑ نو' حافظ آباد

سبق اور امید

ایک نوجوان اپنے بوڑھے ماں باپ کے ساتھ کسی مہنگے ہوٹل میں کھانا کھانے لگا۔ ماں باپ تو نہیں چاہتے تھے لیکن بیٹے کی خواہش تھی کہ وہ انہیں کسی مہنگے ہوٹل میں ضرور کھانا کھلائے گا' اسی لیے اس نے اپنی پہلی تنخواہ ملنے کی خوشی میں ماں باپ جیسی عظیم ہستیوں کے ساتھ شہر کے مہنگے ہوٹل میں لنچ کرنے کا پروگرام بنایا۔

باپ کو رعشے کی بیماری تھی اس کا جسم ہر لمحہ کپکپاتا رہتا تھا' ضعیفہ ماں کو دونوں آنکھوں سے کم دکھائی دیتا تھا' یہ شخص اس خستہ حالی اور بوڑھے ماں باپ کے ہمراہ جب ہوٹل میں داخل ہوا تو وہاں موجود امیر لوگوں نے سر سے لے کر پیر تک ان تینوں کو یوں عجیب و غریب نظروں سے دیکھا' جیسے وہ غلطی سے وہاں آگئے ہوں۔ کھانا کھلانے کے لیے بیٹا اپنے ماں باپ کے درمیان بیٹھ گیا۔ وہ ایک نوالہ اپنی ضعیفہ ماں کے منہ میں ڈالتا اور دوسرا نوالہ بوڑھے باپ کے منہ میں ڈالتا۔ کھانے کے دوران کبھی بھی رعشے کی بیماری کے باعث باپ کا چہرہ ہل جاتا تو روٹی اور سالن کے ذرے کپڑوں پر گر جاتے تھے یہی حالت ماں کے ساتھ بھی تھی وہ جیسے ہی ماں کے چہرے کے پاس نوالہ لے جاتا تو نظر کی کمزوری کے باعث وہ انجانے میں ادھر اُدھر دیکھتی تو اس کے بھی کپڑوں پر کھانے کے داغ پڑ جاتے تھے۔ اردگرد بیٹھے ہوئے لوگ جو پہلے ہی انہیں حقیر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے وہ اور بھی منہ بنانے لگے کہ کھانا کھانے کی تمیز تو ہے نہیں اور اتنے مہنگے ہوٹل میں

آ جاتے ہیں۔

بیٹا اپنے ماں باپ کی بیماری اور مجبوری پر اپنی آنکھوں میں آنسو چھپائے چہرے پر مسکراہٹ سجائے اردگرد کے ماحول کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک عبادت سمجھتے ہوئے انہیں کھانا کھلاتا رہا۔

کھانے کے بعد وہ ماں باپ کو بڑی عزت و احترام کے ساتھ واش بیسن کے پاس لے گیا' وہاں اپنے ہاتھوں سے ان کے چہرے صاف کیے اور کپڑوں پر پڑے داغ بھی دھوئے اور جب وہ انہیں سہارا دیتے ہوئے باہر کی جانب لے کر جانے لگا تو پیچھے سے ہوٹل کے منیجر نے آواز دی اور کہا۔

''بیٹا تم ہم سب کے لیے ایک قیمتی چیز یہاں چھوڑے جا رہے ہو؟'' اس نوجوان نے حیرانگی سے پلٹ کر پوچھا۔

''کیا چیز چھوڑے جا رہا ہوں جناب؟'' منیجر نے اپنی عینک اتار کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''نوجوان بچوں کے لیے سبق اور بوڑھے ماں باپ کے لیے امید۔''

اللہ پاک ہر والدین کو اس نوجوان جیسے بیٹے عطا فرمائے' آمین ثم آمین۔

نورین انجم اعوان..... کورنگی' کراچی

باتیں یاد رکھنے کی

⌘ دوسروں کی بجائے اپنی خامیوں پر نظر رکھیں کیونکہ آپ کو اپنے بارے میں جواب دہ ہونا ہے دوسروں کے بارے میں نہیں۔

⌘ خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں کوئی نہیں جانتا کہ کب اور کہاں برس جائیں۔

⌘ جس چیز کا علم نہیں اسے مت کہو' جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو نہ کرو اور جو راستہ معلوم نہیں اس پر سفر مت کرو۔

⌘ اللہ تعالیٰ خوش حالی بخشے تو اپنی آرزوؤں کو وسیع نہ کرو۔

⌘ قدرت کو زبان کی سختی پسند نہیں اس لیے اس میں ہڈی نہیں ہوتی۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

عید کیا ہے؟

عید نام ہے حسین ملاپ کا
عید خوشیوں کی پیامبر ہے
عید ایک منفرد اور حسین تہوار ہے
آمد عید پر شادمانی کے دیے جلتے ہیں
عید ناراض دوستوں کو منانے کا موقع فراہم کرتی ہے
عید کی شب پیار کی' شب دیدار کی شب ہوتی ہے
عید ملاتی ہے دو بچھڑے ہوئے دلوں کو
اور میری طرف سے بہت بہت عید مبارک۔

شازیہ اختر شازی..... نور پور

دعا

دعاؤں کا رنگ نہیں ہوتا
لیکن جب دعا رنگ لاتی ہے تو زندگی میں رنگ بھر جاتے ہیں۔

روبی علی..... سیدوالا

ماں

⌘ اپنی زبان کی تیزی اس ماں پر مت آزماؤ جس نے تمہیں بولنا سکھایا۔

⌘ اپنی ماں کو ایک دفعہ محبت بھری نگاہ سے دیکھنا ثواب مقبول حج جتنا ہے۔

⌘ ماں کے لیے سب کو چھوڑ دینا لیکن سب کے لیے ماں کو مت چھوڑنا کیونکہ جب ماں روتی ہے فرشتوں کو بھی رونا آ جاتا ہے۔

لبنیٰ شکیلہ..... اولکھ جٹاں' سیالکوٹ

قدر

لوگ اس وقت ہماری قدر نہیں کرتے جب ہم ان کے ہوں بلکہ لوگ ہماری قدر کرتے ہیں جب وہ خود اکیلے ہوں۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

اقوال زریں

⌘ دل آزاری صحرا کی پرواز اور محبت تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔

⌘ تنہائی انسان کو اپنی شخصیت سے متعارف کرواتی ہے۔

⌘ دوستی اختیار کرو مگر آبرو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

⌘ ہمیں بھول جانے کا احساس تب ہوتا ہے جب ہمیں کوئی بھول جائے۔

⌘ آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدل دو تو زندگی میں خوشیاں تلاش کرنا آسان ہو جائے گا۔

⌘ دل ایک آئینہ ہے اگر یہ برائیوں سے پاک ہو تو اس میں خدا نظر آتا ہے۔

⌘ کتنے حسین ہیں وہ لوگ جو کسی کے دل کا نور اور آنکھوں کا سکون ہوتے ہیں۔

⌘ دنیا کو جیتنا چاہتے ہو تو آواز میں نرمی پیدا کرو۔

⌘ کسی کو پانے کی تمنا مت کرو بلکہ اس قابل ہو جاؤ کہ لوگ تمہیں پانے کی تمنا کریں۔

لیلیٰ رب نواز......گاؤں ودھیوالی بھکر

محبت

⌘ محبت انسان کو بے حد بے بس کر دیتی ہے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی محبت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔

⌘ محبت ایک تناور پودا بن کر پورے جسم میں پھیل جاتی ہے۔

⌘ محبت اپنا آپ منوا کر رہتی ہے۔

⌘ اگر اسے پاکیزہ رکھو گے تو تمہاری محبت تمہارے قدموں میں بچھ جائے گی۔

سیرا بنت یوسف......کراچی

محبت

محبت کی گلیوں میں
اندھیرا ہو یا روشنی
چلنا ہی پڑتا ہے
پھر چاہے ٹکرا کے گرو
یا سنبھل کے گرو
چلنا ہی پڑتا ہے
محبت نام پا لینے کا نہیں
کسی کی عزت کے لیے
قربان ہو جانا بھی پڑتا ہے

اقرا جٹ......منچن آباد

اچھی بات

جو شخص اپنی قسمت پر خوش ہے
دراصل وہی شخص خوش قسمت ہے
کیونکہ وہ اللہ کی رضا پر راضی ہے......

سمیہ کنول......بھیر کنڈ

عید آئی ہے

میرے گلشن میں عید آئی ہے
میں نے دل کی دنیا سجائی ہے
دنیا کو دکھانے کی خاطر......
مصنوعی مسکان ہونٹوں پر لائی ہے
تیری یادوں میں ٹھوکر جانم
کھیر بغیر چینی کے پکائی ہے
دل کی بوٹی کاٹنے کے بجائے
چھری اپنی ہی انگلی پر چلائی ہے
بریانی قورمہ یا سیخ کباب کیسے پکاؤں
جب تم ہی نہیں ساتھ، تو صرف سالن روٹی پکائی ہے
نہ آنکھوں میں کاجل نہ پاؤں میں ہیل
نجم انجم نے ہاتھوں پر مہندی بھی نہ لگائی ہے

نجم انجم اعوان......کورنگی

انمول موتی

❖ مومن وہ ہے جو خوشحالی میں شکر اور مصیبت پر صبر کرتا ہو۔

❖ کسی تصویر کے اتنا قریب مت جاؤ کہ وہ دھندلی نظر آئے۔

❖ حُسن شکر میں لپٹی زہریلی گولی ہے۔

❖ جب آپ ناکام ہو جائیں تو ناکامی سے ملنے والا

سبق نہ بھولیں۔

صباء عیشل...... بھاگووال

افسانچہ

تمہارے ہجر و فرق کا یہ عالم ہمیشہ میری نازک طبیعت پر گراں گزرتا ہے' تمہاری جدائی کے یہ جاں گسل لمحات صدیوں پر محیط ہوجاتے ہیں کہ ایک ایک پل گزارنا مشکل ہوجاتا ہے۔ تمہارے انتظار میں بھوکی پیاسی' پہروں دروازے کے چکر لگاتی ہوں کہ شاید تمہارا رخ روشن دکھائی دے لیکن ہر بار مایوسی وناکامی ہی مقدر ٹھہرتی ہے۔ میرے چاہت و محبت سے بھرپور جذبات و احساسات کو یکسر فراموش کیے تم نازک اندام حسینہ کی مانند نخروں پہ نخرے دکھاتے ہو لیکن میں تمہاری ناز برداریاں آخر کہاں تک کروں۔ وقت تیزی سے گزرتا جارہا ہے اور تمہاری آمد کا کچھ پتا ہی نہیں۔ تمہاری غیر موجودگی میں یہ گھر مجھے بالکل سنسان وویران لگتا ہے اس سے پہلے کہ میرے شوہر نامدار کی آمد ہو اور انہیں اس معاملے کی خبر ہوجائے تم لوٹ آؤ۔ تمہاری اس تاخیر کے سبب مجھے اپنے مجازی خدا کے بگڑے تیور دیکھنے کو ملتے ہیں اور تمہیں تو دیکھ کر بہت مزہ آتا ہے ناں کہ ہمیں خالی پیٹ اپنے مجازی خدا کی ڈانٹ ہضم کرنا پڑتی ہے اس سے پہلے کہ وہ بھوک سے بلبلا کر اپنا غصہ ہم پر اتاریں اے سوئی گیس تم اپنا رخ زیبا دکھاؤ تاکہ ہمارے سنسان پڑے چولہے روشن ہوجائیں اور بھوک کے مارے پیٹ میں دوڑتے چوہے بھی شانت ہوجائیں۔

حنا مہر...... کوٹ ادو

اقوال زریں

✦ انسان اپنی توہین معاف تو کرسکتا ہے مگر بھول نہیں سکتا۔

✦ کسی کو اتنا دکھ مت دو کہ اسے جینے سے نفرت ہوجائے۔

✦ جن لوگوں کو آپ کی موت غم دے سکتی ہیں انہیں زندگی میں خوشی ضرور دیں۔

✦ کچھ خوابوں کو پانے کے لیے کچھ خوابوں سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔

✦ دوست وہ ہے جو تمہارے مزاج کے ہر موسم کو ہنس کر سہہ جائے۔

✦ ہوا اور خوشبو جیسے بن جاؤ کہ جب اور جہاں جاؤ اپنا تعارف خود کراؤ۔

✦ کچھ لوگ ہمیں اتنے عزیز ہوتے ہیں کہ ان کے لیے سب کچھ چھوڑ دینا بھی کم لگتا ہے۔

صدف آصف...... آسٹریلیا

عورت کی محبت

پھولوں سے بھی زیادہ حسین چاند تاروں سے بھی ارفع' چشموں کے بہتے پانیوں سے بھی شفاف' صندل سے بھی زیادہ مہکتی ہوئی سمندر سے بھی زیادہ گہری' شہد کی طرح میٹھی اور سوچ سے بھی زیادہ وسیع اگر کوئی چیز ہے تو وہ ہے عورت کی محبت' یہ ہر احساس سے بھی زیادہ حساس اور صبح سویرے موتیے کے پودے پر کھلتی ہوئی کلیوں سے بھی زیادہ نازک ہوتی ہے۔ عورت جس سے محبت کرتی ہے' اس پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرتی ہے' اس کے نزدیک امیری' غریبی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے لیے کوئی شے قابل قدر ہے تو وہ ہے سچائی' وہ محبت دیتی اور خلوص مانگتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سچی محبت والے غرق دریا ہوجاتے ہیں' تپتے صحراؤں میں بھٹک جاتے ہیں' وہ پھر بھی سچے دل سے محبت کرتی ہے۔ وہ محبوب کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر میلوں میل کانٹوں پر ننگے پاؤں تو چل سکتی ہے مگر اس کی بے پروائی برداشت نہیں کرسکتی۔

عائشہ رحمٰن ہنی...... ریالی' مری

shukhi@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ آپ بہنوں کو عید الاضحیٰ مبارک' کافی عرصہ سے قاری بہنوں کا اصرار تھا کہ تبصرہ پر انعام دیا جائے تو آپ بہنوں کی اس تجویز کو قبول کرلیا گیا اور اگلے شمارے سے اس محفل میں شرکت کرنے پر انعام دیا جائے گا۔ اگلے ماہ جس قاری بہن کا تبصرہ جامع بھرپور' مفصل اور حجاب کے مطابق ہوگا اسے خصوصی انعام سے نوازا جائے گا لیکن یہ خیال رہے کہ تبصرہ صرف ڈاک کی صورت موصول ہو' اب بڑھتے ہیں حسن خیال کی جانب جہاں آپ کے تبصرے مصنفین کی تحریروں کو حسن بخش رہے ہیں۔

نرمین سرھیو ...... حیدر آباد۔ اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ پہلے تو دعا ہے کہ سعیدہ آپا کو اللہ تعالیٰ مکمل شفا وصحت یابی عطا کرے (آمین) اور آنچل ادارے کو مزید کامیابیاں عطا کرے (آمین)۔ چلیں اب رسالے کی جانب بڑھتے ہیں۔ پہلے حجاب کا ٹائٹل دیکھ کر بہت خوشی ہوئی' اتنا پیارا ٹائٹل۔ میک اپ، زیور اور کپڑوں کا خوب صورت امتزاج۔ ماڈل کی من موہنی صورت۔ فہرست میں سر فہرست اپنی دوستوں کے نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور اگست کی مناسبت سے خوب صورت تحریروں کے عنوان پڑھ کر بھی۔ حمد ونعت خوب رہیں۔ ''ذکر اس پری وش کا'' کے سلسلے میں سب کے (مریم عنایت، الوینہ، بی بی اسماء سحر، شازمہ رفیق) تعارف اچھے رہے خاص کر الوینہ کا۔ رخ سخن بھی اچھا رہا۔ بے رنگ پیا از امجد جاوید پر تبصرہ بھی خوب رہا۔ ڈھول کا پھول از صبا نور۔ لڑکیوں کے نصیب کا ڈر تو ہر ایک کو ہوتا ہے کہ بات اصل نصیب کی نہیں لوگوں کی ہوتی ہے۔ اکثر جن کو اچھے لوگ ملتے ہیں وہ قدر نہیں کرتیں اور جن کو برے وہ مروت اور روایتوں میں پس جاتی ہیں۔ حرا کا انداز باغی تھا کہ کچھ تو ہو جو مغروروں کا غرور ٹوٹے جبکہ ارم کا انداز تحمل سے پُر تھا۔ وہ جن حالات سے نبرد آزما تھی اسے لڑکیوں کی عزت کے ہر پہلو کا ادراک تھا۔ عمدہ کہانی۔ جذبوں کا بہاؤ بھی خوب رہا۔ اللہ زور قلم قائم رکھے آمین۔ یہ وطن تمہارا ہے از ماورا طلحہ۔ خوب صورت انداز میں خوب صورت بات۔ ماورا کی خاصیت ہے کہ وہ سادہ تحریریں لکھتی ہیں۔ سادہ سی بات میں عمدہ بہاؤ۔ لفظوں کا انتخاب خوب رہا۔ اختتام لاجواب۔ اللہ مزید ترقی عطا کرے آمین۔ اعتبار، وفا اور محبت از نفیسہ سعید۔ مزاحیہ کہانی، ہر موڑ پر تجسس' سماجی پہلوں کو اجاگر کرتی دل موہ لینی والی کہانی۔ ہمیشہ کی طرح خوب صورت۔ ماورا کا رویہ ردعمل سا لگا۔ ہیر کی ساری کارستانی شاہ زیب کی تھی۔ شکر کرے کہ راحم نے اس کا قتل نہیں کیا۔ اللہ مزید ترقی دیں۔ آمین اس راہ محبت میں از سحرش فاطمہ۔ ندا اور حسن کی کہانی خوب رہی۔ ندا ہر لکھاری کی عکاسی لگی کہ اکثر لکھاری (کچھ کچھ میری جیسی) نصیحتیں ہی کرتی پائی جاتی ہے اور جو گھر والوں نے پڑھ لی کہانی تو وہی کہانی کی بات لے کر چھیڑتے ہیں۔ عمدہ کہانی۔ کہانی منظر کشی لگی ایک لڑکی کی

زندگی کی۔ اللہ قلم پر گرفت مزید مضبوط کرے آمین۔ تکمیل از آسیہ مظہر چوہدری۔ عمدہ کہانی اور دلائل لاجواب۔ معاشرتی مسائل پر انسانی رویوں کا خوب صورت ردعمل کہ صبر ہی انسان کو افضل بنایا تا نہ کہ غرور۔ لفظوں کا چناؤ اور دلائل لاجواب۔ مختصر مگر جامع کہانی۔ اللہ مزید ترقی دے آمین۔ میرا پاکستان از نورین مسکان خوب رہا۔ خوب صورت کہانی۔ آزادی کی سچائی۔ یہ سچ ہے کہ آج کل آزادی کے بجائے ہمارے عہد کے بچے غلامی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ انگریزی نہ آتی ہو تو احساسِ کمتری میں مبتلا۔ پینٹ شرٹ نہ پہنی تو گاؤں کا گنوار۔ عجیب سی رسم چل نکلی ہے۔ اللہ قلم کی طاقت برقرار رکھے آمین۔ فرنٹ سیٹ از تمثیلہ زاہد۔ سحرش کی فکر بجا تھی کہ معاشی مسائل اکثر لوگوں کے دل تنگ اور زندگی مشکل کر دیتے ہیں جبکہ ایک مثال آنکھوں کے سامنے ہو تو ایسے میں انسان کی بدگمانی عروج پر پہنچ جاتی ہے۔ میرا بھی یہی ماننا ہے کہ مثال سامنے ہو تو زندگی میں شکوک ابھر آتے ہیں لیکن کہانی کو مثبت دکھا کر یہ سوچ بدلنے میں خوب معاون ثابت ہوئی۔ ممکن ہے ہر کوئی ایک سا نہ ہو اور وقت کے ساتھ معاشی مسائل تو ہو ہی جاتے ہیں۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ انداز از کنزہ مریم۔ عمدہ سب سے زبردست کہانی رہی۔ سبق نے دل موہ لیا۔ کیا کہوں کہ عمدہ کے علاوہ تو کچھ بھی ذہن میں نہیں آ رہا۔ کہانی دل میں ٹھہر گئی ہے۔ ہر انسان کی یہی سوچ ہوتی ہے اور اس میں ترقی کا راستہ ہموار کرنے کا گر بتا دیا ہے اور کمپیوٹر کی تاش میں تو آدھا کیا پورا دماغ ہی خالی ہو جاتا ہے۔ سوچئے انداز بدل کر، منفی کو مثبت انداز سے۔ اس عبارت نے دل میں گھر کر لیا۔ اللہ قلم کی روانی قائم رکھے آمین۔ میرے وطن سب تیرے لیے از مونا شاہ قریشی۔ عمدہ کہانی۔ بھاری سل سینے پر دھری تھی لیکن بہادری سے ہی مقابلہ کرنا پڑتا ہے حالات کا۔ اپنا ملک اپنا ہوتا ہے لیکن اپنے بھی تو اپنے ہوتے ہیں۔ مشکل ہوتا ہے لیکن ہمت کرنی پڑتی ہے۔ اللہ قلم کی مضبوطی دے آمین۔ ''تم گواہی دو'' از فریدہ فرید۔ کہانی معاشرے کے بنیادی ستون کی وضاحت کرتی رہی۔ الجھن کا آشکار کر کے بتاتی رہی کہ سچ یہ ہے جھوٹ یہ ہے لیکن حقیقت کیا ہے؟ عمدہ کہانی عمدہ اختتام کے ساتھ۔ اللہ قلم کی روانی قائم رکھے آمین۔ ''وفا کا پیکر'' از شاہدہ حسن۔ اچھی رہی کہانی۔ رشتوں کا کھونا آسان نہیں ہوتا۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ آرٹیکلز کی طرف بڑھتے ہوئے کہنا چاہوں گی کہ پہلے میں نے صباحت کا ہی پڑھا کیونکہ اس میں میرا ذکر جو تھا۔ شروعات اچھی لگی۔ اپنا ذکر بہت اچھا لگا، اور اختتام بھی خوب رہا۔ اگست میرے لیے بہت خاص ہے۔ اس مہینے میں سب نے کہا حبس اور گھٹن بڑھ جاتی ہے لیکن مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس مہینے میں قدرت نکھر جاتی ہے اور بارشوں کی تو میں دیوانی ہوں۔ صبا آپی، ماورا سعدیہ آپی اور سر محمود ظفر کا ذکر بھی اچھا لگا۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ کچھ کر دکھانا ہے از اقراء حفیظ۔ اس تحریر میں لفظوں کا بہاؤ خوب رہا۔ شعر کا بموقع استعمال بھی لاجواب تھا۔ مثالیں بھی خوب دی گئیں اور ایک فرد کے نیک عمل کی وضاحت بھی۔ لیکن ایسا لگا کہ لفظوں کا بہاؤ مزاج کی تیزی اختیار کر گیا ہے۔ اسلامی تہذیب از عنزہ یونس۔ اسلامی تہذیب کا جامع تعارف اور لفظوں کی بیساختگی خوب رہی اور شعر کا بموقع استعمال بھی۔ لیکن ان کی تحریر میں کچھ کمی لگی اختتام میں حالانکہ شروعات میں محسوس نہیں ہوئی۔ اللہ قلم کو مضبوطی دیں آمین ''ہم آزاد ہیں'' از زیبا مخدوم۔ شروعات دلچسپ

رہی۔ بیساختگی قابلِ تعریف تھی۔ مثبت راہ کا تعین بھی خوب رہا۔ آپ نے وہی مشورہ دیا جس پہ آپ نے خود عمل کیا۔ بائیکاٹ کا۔ اس بات نے دل موہ لیا۔ پاکستان سے وابستہ تینوں تحریروں میں زیبا کی تحریر بہت پسند آئی۔ اللہ مزید کامیابیاں عطا کریں آمین۔ جیسا میں نے دیکھا از رفاقت جاوید۔ پروین شاکر کا ایسا مسحور کن تعارف کہ ہر لفظ نے دل میں گھر کر لیا۔ لفظوں نے اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ رفاقت جاوید نے پروین شاکر کی سوچ اور ماحول کی تبدیلی کو ایسے بیاں کیا کہ ہر ساعت حقیقت میں آنکھوں سے دیکھی گئی محسوس ہوئی۔ اللہ زورِ قلم قائم رکھے آمین۔ بزمِ سخن میں سب کے اشعار پسند آئے خاص کر علیشبہ نور، پروین افضل، فریدہ فری، ثانیہ مسکان، حافظ چندا ثروت عزیز، آمنہ رحمٰن مسکان، انعم علی، فضا ناز، جازیہ عباسی، نازیہ مغل، کائنات جعفری، مینا جمال، راؤ رفاقت علی، مہوش عادل، ارم کمال، حنا کرن اور فضہ یوسف (کی رباعی کا دوسرا شعر) بہت اچھے لگے۔ کچن کارنر میں کھٹے گوشت کے پلاؤ کی ترکیب پسند آئی۔ آرائش حسن میں شہد والا فیس ماسک پسند آیا (بھئی لگانے کا ارادہ ہے جب ہی تو پسند آیا) اور سورج کی شعاؤں پر معلومات دلچسپ رہیں۔ عالم میں انتخاب میں سب انتخاب اچھے رہے خاص کر عائشہ رحمٰن ہنی، کرن شہزادی، جویریہ وسمی، بی بی عابدہ اور نیلم صدیقی کے۔ شوخئ تحریر اچھا رہا۔ حسن خیال میں سب تبصرے خوب رہے۔ ہومیو کارنر میں ذیابیطس کی معلومات ترتیب سے اور خوب صورت انداز میں دی گئیں۔ ہومیو کارنر مجھے ہمیشہ ہی پسند رہا ہے اور اس میں دی گئی معلومات ہمیشہ مددگار ثابت رہی ہیں۔ شوبز کی دنیا کی خبریں خوب رہیں۔ ٹوٹکے میں عرق گلاب کے بارے میں معلومات بھی خوب رہیں۔ شمارہ خوب رہا اور مزہ آیا پڑھ کر اللہ مزید ترقی دے آمین۔ صبا آپی (صبا عیشل) معذرت آپ کی تحریر نہیں پڑھ سکی جو ناول پڑھے وہ پہلے پڑھے تھے اور تبصرہ جو لکھا افسانے پڑھ کر سب پڑھ کر جلدی جلدی لکھا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ ان شاء اللہ پڑھوں گی ضرور۔ جزاک اللہ۔

صائمہ سکندر سومرو...... حیدر آباد۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! عزیزی جوہی احمد۔ حجاب اگست کو ملا' سرورق بے حد دل کو بھایا۔ نائلہ طارق آپ لکھ نہیں رہی ہمارے دلوں پہ جادو کر رہی ہیں۔ آپ کے لکھنے کا انداز سنجیدگی لئے ہوئے ہے۔ آپ کے ناول کا ہر کردار آپ کے پختہ ذہن کا غمازی ہے ہر کردار پہ آپ کی گرفت مضبوط ہے۔ زنائشہ اور عرش کے ساتھ کچھ برا ہونے کی بو آ رہی ہے۔ ''محبت کی ابتدا'' کمال لکھا رمشہ زیب آپ نے' بہت مزہ آیا پڑھ کے' منظر نگاری کمال تھی اور کردار بھی۔ ''یہ وطن تمہارا ہے'' ماورا طلحہ بہت ہی اچھی سوچ کی عکاسی۔ افسر جمال دین جیسی سوچ اور محب الوطنی اگر ہر کسی میں ہو تو ہمارا وطن تعلیم یافتہ ہو کر ترقیوں کی منازل طے کرتا جائے۔ صباء عیشل نے بہت زبردست لکھا۔ صباء جب بھی لکھتی ہیں کمال لکھتیں ہیں۔ تمثیلہ زاہد نے بھی خوب لکھا۔ ''وفا کے پیکر'' از شاہدہ حسن زہرہ علوی جیسی مائیں نصیب والی ہوتی ہیں۔ نفیسہ جی نے بہت پیارا پیغام دیا' کبھی کبھی نیکی بھی گلے پڑ جاتی ہے۔ اچھا ہوا جو یہ شرارت تھی۔ اپنے طرز کی انوکھی اور منفرد کہانی۔ کمال است۔ سحرش فاطمہ نے بھی خوب لکھا۔ ''میرا پاکستان'' از نورین مسکان بہترین کہانی لکھنے پر مبارکاں۔ آزادی کی روح کو سمجھنے کے بجائے سیلفیز اور اسٹیٹر کے لیے پاک پرچم کی بے قدری پہ دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اللہ ہدایت دے ہم سب کو۔ مونا شاہ قریشی لکھے اور

دل میں نہ اترے ہو ہی نہیں سکتا۔ رومی جیسی سوچ اگر ہر ماں رکھے تو ہمارے وطن کی سرحدوں سمیت ہمارا بھی اللہ ہی مالک۔ سعدیہ کا سمجھانے کا انداز بہت پیارا لگا باقی تمام لکھاریوں نے بھی خوب تر لکھا سب پہ تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں۔ بات چیت میں خالہ جانی کی بات توجہ سے سنی اور صدقہ دل سے ثم آمین کہا۔ حمد و نعت سے روح کو معطر کیا۔ اب ذکر کروں گی پری وشوں کا۔ بی بی اسماء سحر سے مل کر اچھا لگا۔ رخ سخن میں سباس گل اپیا ہر بار نئے انداز سے ہمیں ایک نئی شخصیت سے متعارف کراتی ہیں۔ بے رنگ پیا پہ امجد صاحب نے جاندار تبصرہ کیا۔ آرٹیکل چاروں ہی زبردست تھے۔ بزم سخن میں راؤ رفاقت' پروین افضل چھائے رہے۔ کچن کارنر میں انیقہ احمد' پروین افضل کی ریسپیز اچھی لگیں۔ عالم میں انتخاب عثمان عبداللہ' عائشہ رحمن ہنی' جویریہ وسیمی سمیت سب کا انتخاب لاجواب رہا۔ شوخئی تحریر میں غلام سرور' شازیہ ہاشم' مسز نگہت غفار سب نے اعلیٰ انتخاب کیا۔ حسن خیال میں کوثر خالد' گل مینہ خان کے تبصرے جامع لگے عائشہ پرویز' ماورا طلحہ کے خیالات بھی حسین لگے۔ ہومیو کارنر ایک معلوماتی سلسلہ ہے۔ مجموعی طور پہ سارا حجاب بے مثال رہا صرف ایک کمی ہے حجاب میں وہ ہے دوستوں کے لیے پیغامات کا سلسلہ' اگلے ماہ تک کے لیے دیجیے اجازت اگر زندگی نے وفا کی تو دوبارہ حاضری ہوگی۔

ماورا طلحہ...... گجرات۔ السلام علیکم! ماہ اگست کا حجاب اپنے دلکش سرورق کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اگست کے ڈائجسٹ پہ سال کا بہترین سرورق ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے بعد آتے ہیں قیصر آرا آپا کی بات پہ۔ وطن عزیز کی جس حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ سیاست کے حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ملک کو تاابد قائم رکھیں۔ حمد اور نعت سے دلوں کو منور کرتے ہوئے ہم آگے بڑھے، ''ذکر اس پری وش'' کا میں شامل ہونے والی سب بہنوں کو مبارکباد۔ رخ سخن میں اس مرتبہ محمد فیاض ماہی'' شامل تھے۔ ان کے حالات زندگی پڑھ کر افسوس ہوا، ہماری حکومتیں ادب کے معاملے میں مکمل بے حسی کی چادر اوڑھے ہوئے ہیں۔ کیسے کیسے لوگ گردش زمانہ میں گم ہو جاتے ہیں۔ ''ڈھول کا پھول'' بہترین ناولٹ تھا۔ اور آخر میں ارم نے جو فیصلہ کیا وہ بہت مشکل تھا مگر یہی فیصلہ ناولٹ کی جان بڑھا گیا۔ بہترین تحریر لکھنے پہ مبارکباد قبول کریں۔ یہ وطن تمہارا ہے آپ لوگوں کی عدالت میں پیش ہے اور آپ لوگ ہی بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ نفیسہ سعید کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ اعتبار، وفا اور محبت بہترین عنوان کے ساتھ مزے کا ناولٹ' ہنسی مذاق اور محبت کی نرمی گرمی سے بھرپور کہانی' ہیر رانجھے کا تڑکہ بھی مزے کا تھا۔ سحرش فاطمہ نے رائیٹرز کو فیس کرنے والے حالات قلمبند کیے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہمارے لکھے کرداروں میں ہماری جھلک ضرور ہوتی ہے اور یقیناً سحرش بھی یہ سب برداشت کر چکی ہوگی (اب یہ تو سحرش ہی بہتر بتا سکتی ہے) رمشا زیب مکمل ناول لیے موجود ہیں۔ رمشا نے بہت پختہ انداز سے ناول لکھا ہے۔ اتنی اچھی تحریر مبارک ہو، آئندہ بھی لکھتی رہیے۔ کچھ افسانے جو پڑھے وہ سب ہی بہت اچھے تھے اور جن کے ابھی نہیں پڑھ سکی ان سے ڈھیر ساری معذرت مگر پڑھوں گی ضرور...... ان شاء اللہ صدف آپی زیادہ زیادہ صفحات لکھ کر ناول ختم کریں تاکہ ہم ناول کو بک فارم میں لے سکیں۔ تقسیم پاکستان کے تناظر میں صبا

آپی نے بہت زبردست کہانی لکھی ہے۔ نرملا کا کردار حقیقت سے قریب تر محسوس ہوا، نہ جانے کتنی ایسی لڑکیاں تھیں جنہیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس ملک کی قدر کرنے کی توفیق دے۔ اگست کے حوالے سے صباحت رفیق کا آرٹیکل بھی بہت اچھا لگا۔ اگست کی چھان بین کرتے ہوئے محترمہ مجھ تک بھی پہنچ گئی۔ سالگرہ ایڈوانس میں وش کرنے کے لیے شکریہ۔ اقراء حفیظ، عنزہ یونس اور زیبا مخدوم کے آرٹیکل بھی جذبہ حب الوطنی سے بھرپور تھے۔ زہرہ جبین سے گزارش ہے کبھی ہم جیسے نالائقوں کے لیے آسان سی ڈش کی ترکیب دے دیں۔ جو بنا ہاتھ ہلائے بن جائے (ایسی ترکیب ڈھونڈنا آپ کا کام ہے) (ہے ناں خیالی پلاؤ) اگلے شمارے تک اجازت دیجیے۔ خوش رہیں، ہنستے مسکراتے رہیں۔

طیبہ شیریں...... کوری خدا بخش۔ السلام علیکم! اگست کا شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح 10 اگست کو ملا' سرورق بس سو سو' سچ میں مجھے کوئی زیادہ پسند نہیں آیا مگر حجاب میں سب کی سب تحریریں بہت ہی بیسٹ تحریریں تھی...... سب سے پہلے حمد اور نعت سے دل کا سکون حاصل کیا' ساتھ ہی ''پری وش'' میں شامل لوگوں سے ملاقات بھی ہوگی...... سب سے مل کر بہت اچھا لگا...... ''رخ سخن'' بہت اچھا سگمنٹ ہے اس میں بہت سے لوگوں کو جاننے کا موقع ملتا ہے...... اس بار محمد فیاض سر کے بارے میں جان کر دل افسردہ ہوگیا...... پتہ نہیں ہمارے ملک میں ایسا کب تک چلتا رہے گا' سب سے پہلے اسٹوری جو پڑھی یہ وطن تمہارا ہے' ماورا طلحہ بہت ہی زبردست اسٹوری لکھی آپ نے کاش کہ ہمارا ملک کا ہر شہری بلکہ ہم خود بھی ایسی ہی محبت وفاداری اپنے ملک کے لیے رکھیں تو ہمارا ملک ضرور ترقی کی منازل طے کرتا ہوا بہت اونچے مقام پہ جا سکتا ہے' مگر اس کے لیے ایمان داری پہلی شرط ہے' ماورا طلحہ بہت بہت مبارک ہو آپ کو' خدا آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ تمثیلہ زاہد کی اسٹوری نے بھی بہت متاثر کیا دھول کا پھول بہت ہی اعلیٰ ناولٹ اعتبار وفا اور محبت بہت مزے کا ناولٹ اس میں ہیر اور رانجھے سے ملکر مجھے بہت اچھا لگا اسٹوری کو بہت ہی حیسن انداز میں لکھا' مکمل ناول جو ہمیشہ کی طرح بہت ہی زبردست تھا' رمشا زیب لکھنے کا انداز بہت ہی خوبصورت تھا ایسے ہی ہمیشہ لکھتی رہیں۔ صباء آپ کو جب بھی پڑھا تو کچھ نیا ہی پڑھنے کو ملا اس دفعہ بھی بہت کمال کا لکھا آپ نے مجھے نرملا کا کردار بہت اچھا لگا کیونکہ وہ حقیقت کے قریب تر تھا بہت سی لڑکیاں جن کو پاکستان کی آزادی کے وقت ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہوگا مگر کوئی بھی آج نہ تو ایسے لوگوں کو یاد رکھتا ہیں نہ ہی وطن کی قدر کرتا ہیں خدا سب کو ہدایت دیں' آرٹیکل سب کے بہت اچھے تھے سب نے بہت اچھا لکھا اور ہاں افسانے سب ہی اچھے لگے کچن کارنر میں سب بہت مزیدار تھا پروین افضل نے بہت ھی اچھی ریسپی دی' شعر کے انتخاب میں سب کے انتخاب بہت اعلیٰ کیونکہ حجاب کوئی عام تھوڑا ہی ہے جو ایویں والے شعر پیش کرے' میرے خیال میں تبصرہ بہت ہوگیا اب چلتی ہو دعا ہے کہ خدا ہمارے ملک کو ہمیشہ قائم دائم رکھے آمین خدا حافظ۔

سحرش فاطمہ...... کراچی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے السلام علیکم کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ امید کرتی ہوں سب خیریت سے ہوں گے؟ میں کافی مصروف رہی ہوں رمضان کے بعد سے بلکہ

رمضان سے ہی...... اس لئے تبصرہ بھی بہت دیر سے کر رہی ہوں۔ اس ماہ یعنی اگست کے شمارے کی جب جھلکیاں دکھائی جا رہی تھیں تو آنچل آفیشل گروپ کے ایڈمنز جیسا کہ اکثر خاص رائٹر کا نام چھپا کر تنگ کیا جاتا ہے اور گیس کروایا جاتا ہے کہ اس بار کون ہوگا تو جناب ہماری ایڈمن ماور اور نرمین نے بڑی کوشش کی لیکن میں بالکل ہی جیسے سب سے دور باش ہوئے بیٹھی تھی کہ اچانک سے مجھے مینشن کیا گیا اور سر کا پرائز دے دیا میری تحریر کا بتا کر۔ جی ''اس راہ محبت میں'' کو بہت پسند کیا گیا ہے چونکہ مجھے ڈائجسٹ ملتے ہی سب سے پہلے اپنی ہی تحریر پڑھی تو اس کا ہی ذکر کروں گی۔ دوسری تحریر میں نے صباحت رفیق کی پڑھی جو کہ سالگرہ اسپیشل تھا انہوں نے اگست میں پیدا ہوئے رائٹرز کو خوب صورت سے قلمبند کیا اور ایک پیاری سی تحریر کی شکل دے دی۔ چونکہ میری خود طبیعت خراب رہی ہے اس لئے مجھے موقع نہیں ملا حجاب پڑھنے کا لیکن کوشش کی ہے ہلکا پھلکا سا کچھ پڑھوں۔

صباء عیشل...... بھاگووال۔ السلام علیکم! چند ماہ کی غیر حاضری کے بعد ایک بار پھر حجاب تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں۔ ہمیشہ کی طرح سب سے پہلے بات چیت پڑھی پھر لسٹ تک واپس آئی۔ اس لیے نہیں کہ لسٹ دیکھنا تھی بلکہ اس لیے کہ اپنی تحریر کا صفحہ نمبر دیکھنا تھا۔ سب سے پہلے اپنی ہی کہانی بغور پڑھی کہ کہاں کیا تبدیلی آئی ہے۔ اس کے بعد سلسلے وار ناولز کی طرف چھلانگ لگائی' صدف آصف کا ''دل کے دریچے'' بہت خوب صورتی سے اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے۔ مجھے امید ہے یہ ناول کتابی شکل میں بھرپور پذیرائی حاصل کرنے میں کامیاب رہے گا۔ نادیہ فاطمہ رضوی بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ سونیا کی سر پھری حرکتیں عروج پر ہیں تو دوسری جانب فراز اچھے خاصے امتحان میں گھر گیا ہے۔ نائلہ طارق ہمیشہ کی طرح کمال لکھ رہی ہیں۔ اس بار قسط میں اچھے ٹوسٹ تھے۔ رمشا زیب کا مکمل ناول اس بار شامل تھا ان کے نام کی طرح خوب صورت تحریر دل کو بھا گئی۔ ناول کے کرداروں کے نام بھی خوب صورت تھے۔ حائم' مصفرہ زائم ویلڈن رمشا آپ کے لیے ڈھیروں نیک تمنائیں۔ ''ڈھول کا پھول'' صبا نور نے اچھا لکھا۔ ارم نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا اور آخری لائن پوری کہانی کی جان تھی۔ کہتے ہیں جس انسان کی بخشش مشکوک ہو اس کے نام سے پانی لگوا کر صدقہ کرو۔ بہتر فیصلہ اور بہترین کہانی۔ نفیسہ سعید کو جب جب پڑھا بہت اچھا لگا۔ اس بار بھی ان کا ناولٹ دل کو چھو گیا۔ ہیر رانجھا والی کہانی میں شروع میں ہی کچھ دال میں کالا نظر آ رہا تھا۔ کہانی نے آخر تک سحر میں جکڑے رکھا۔ تمام ہی افسانے پسند آئے۔ آسیہ مظہر' تمثیلہ زاہدہ' مونا شاہ' نورین مسکان آپ سب نئے رائٹرز کو بہت مبارک اور عروج پر جانے کے لیے بہت سی دعائیں۔ ماورا طلحہ ہمیشہ دل سے لکھتی ہیں اسی لیے دل کو بھاتا ہے۔ ماورا بہت خوب صورت افسانہ لکھا۔ ایسے ہی کامیابی کے زینے عبور کرتی رہیں۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' کہانی پسند آ رہی ہے اس بار قسط کچھ مختصر معلوم ہوئی۔ آرٹیکلز سب اچھے تھے لیکن صباحت کا آرٹیکل بہت پسند آیا۔ سالگرہ وش کرنے کا یہ انداز نیا تھا۔ صباحت اس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ آج یہ سطور لکھتے وقت تمہاری سالگرہ ہے تو میں بھی تمہیں حجاب کے ذریعے سالگرہ کی بہت مبارکباد دینا چاہتی ہوں۔ میری طرف سے اور ہمارے آفیشل ایڈمن پینل اور ادارے کی جانب سے سالگرہ کی بہت

مبارکباد۔ مستقل سلسلوں میں عالم میں انتخاب بہترین جا رہا ہے۔ ذکر اس پری وش کا میں اس بار تین پریاں شامل تھیں تینوں کو جان کر اچھا لگا۔ ویسے کبھی کبھی بڑا دل کرتا ہے کوئی کہانی جیسا سین ہو کوئی بچھڑی دوست اچانک آنچل حجاب کے ذریعے مجھ سے دوبارہ ملاقات کرے۔ (خوابوں میں جینے والے لوگ ہیں ہم ایسی ہی بات کریں گے نا) حجاب آنچل اور نئے افق کی مزید کامیابیوں کے لیے بہت سی دعائیں۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ اس بار حجاب اگست کا شمارہ دلہن بنی بینش بخاری بہت ہی اچھی لگ رہی تھی‘ ان کے لیے یہ شعر......

ہم آکے تیرے شہر سے واپس نہ جائیں گے
یہ فیصلہ کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

سلسلہ وار ناولز تو ہیں ہی اچھے ان کے علاوہ ''محبت کی ابتداء‘ ڈھول کا پھول‘ خوابوں سی زندگی‘ فرنٹ سیٹ‘ میرے وطن سب تیرے لیے‘ میرا پاکستان‘' پسند آئے۔ بزم سخن میں فریدہ جاوید فری‘ مسز نگہت غفار‘ حنا کرن‘ فضا ناز‘ فصیحہ آصف خان۔ عالم میں انتخاب میں مدیحہ نورین مہک‘ جویریہ وسی‘ نورین مسکان سرور۔ شوخئ تحریر میں کرن شہزادی‘ صائمہ سکندر سومرو‘ شنزا بلوچ‘ اقراٗ جٹ‘ سباس گل۔ حسن خیال میں کوثر خالد چھائی رہیں۔ میری نگارشات پسند فرمانے پر صائمہ سکندر سومرو‘ گل مینا خان‘ حسینہ ایچ‘ کرن شہزادی کا بے حد شکریہ۔ میری امی کی وفات پر جن بہنوں نے بذریعہ فون بذریعہ آنچل وحجاب مجھ سے اظہار تعزیت کیا ہے ان کا بہت بہت شکریہ‘ اجازت دیں اللہ حافظ۔

منزہ عطا...... کوٹ ادو۔ السلام علیکم جو ہی آپی اینڈ حجاب ٹیم اینڈ ڈیئر ریڈرز اینڈ تمام قارئین کو میرا پیار بھرا اسلام قبول ہو‘ کافی ماہ بعد حاضر ہوئی ہوں وہی ڈاک کا مسئلہ حجاب میری سہیلی مجھے مقررہ تاریخ پر مل گئی تھی۔ حجاب میرے ہاتھوں میں ہے سب سے پہلے ٹائٹل پر نظر ثانی ہوتی ہے جو کہ ایک آنکھ سے نہیں بلکہ تین تین چار چار آنکھوں سے ماڈل صاحبہ کا ایکسرے ہوتا ہے اگر پسند آجائے تو واہ واہ اگر پسند نہ آئے تو اس کی خیر نہیں پر اس بار بہن مدیحہ کا کہنا ہے ماڈل بینش صاحبہ جیولری ڈریس میک اپ سمیت سب کے سب دل میں گھس گئی ٹھاہ کر کے۔ ہم سب کزنز کی فرمائش ہے کہ آپ آنچل یا حجاب میں سے جو اندر کے صفحات ہیں ماڈل والے وہ آپ رنگین کر دیں تو رسالے کو اور زیادہ چار چاند لگ جائیں گے پلیز غور کریں۔ اب آگے بڑھتے ہیں وطن کے بارے میں بات چیت اچھی لگی بس اللہ پاک ہمارے پیارے وطن کو ہمیشہ سلامت رکھے‘ آمین۔ حمد ونعت سے دل میں سکون پیدا ہوا'' ذکر اس پری وش کا'' الوینہ آپ کا تعارف پسند آیا کیوں کہ ہم دونوں سمائے جو ہوئے ہیں کوٹ ادو گجرات میں‘ تھوڑا سا تو فاصلہ ہے۔ انٹرویو میں خاص پڑھتی نہیں‘ ہاں پیاری پیاری ریڈرز کا ہو تو کیا ہی بات ہے۔ اب آتے ہیں اپنے پسندیدہ ناول کی طرف ''میرے خواب زندہ ہیں‘ نادیہ جی فراز اور لالہ رخ کی جوڑی اچھی لگتی ہے‘ یہ دونوں میرے پسندیدہ کردار ہیں پلیز یہ جو درمیان میں ماریہ کو لے آئی ہیں یہ ذرا نہیں اچھی لگ رہی۔ ''دل کے دریچے'' کچھ خاص پسند نہیں آرہا‘ نائلہ طارق آپ کو شاید پہلی بار پڑھ رہے ہیں‘ آپ کا انداز بیاں اچھا لگ رہا ہے۔ اللہ پاک آپ

کوخوب خوب ترقی دے' آمین۔ مکمل ناول میں رمشا زیب آپ ٹاپ پر رہیں۔ ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' اچھا ہے' مکمل ہونے پر تبصرہ کریں گے' ناولٹ سارے اچھے لگے پر صباء عیشل آپ نمبرون رہیں' افسانے بھی اچھے تھے۔ فریدہ فری آپ نے پہلی بار قلم اٹھایا ہے' اچھا لگا اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے' آمین۔ آرٹیکل میں بھی سب کی کاوش پسند آئی۔ آپی پروین افضل آپ کا انتخاب پسند آیا' شوخئ تحریر اقراٗ مزمل آپ کی معلومات سے دل کو سکون ملا' باقی سارے کا سارا حجاب سپرہٹ تھا' آخر میں سب سہیلیوں سن لو میری پیاری سہیلی کی تین ماہ بعد نومبر میں سالگرہ ہے' آپ سب نے آنا ہے' گفٹ کے ساتھ آنا ہے ورنہ گھر بیٹھی رہیں' ہاہاہا۔ میری پیاری سہیلی حجاب تم بلاؤ یا نہ بلاؤ ہم تو ضرور آئیں گے۔ حجاب تم خوب ترقی کا میابی کی منزل طے کرو' آمین' اللہ حافظ۔

ثناء فرحان...... گجرات۔ السلام علیکم! ڈیئر قارئین اور میری پیاری خوب صورت مصنفین! امید ہے سب بخیر ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی کو بھرپور طریقے سے گزار رہی ہوں گی۔ اب مجھے یہ تو کہنے کی قطعی ضرورت نہیں کہ میں پہلی بار آئی ہوں بھئی آتی رہتی ہوں لیکن کم کم ہی حسن خیال میں شرکت کرتی ہوں۔ اب کیا کریں مصروفیت ہی ایسی ہے' کوثر خالد کی کمی پچھلے کچھ عرصے سے محسوس کر رہی تھی لیکن اگست کے شمارے میں آپ کی نعت حسن خیال میں پڑھی' اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے اور آپ یوں ہی خدمت خلق کے کام انجام دیتی رہیں' آمین۔ پروین افضل آپی کی والدہ کی رحلت کا جان کر دکھ ہوا' اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو صبر عطا فرمائے اور آپ کی والدہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے' آمین۔ اب آتی ہوں تبصرے کی جانب لیکن ٹھہریں سب سے پہلے ہماری پیاری سی سویٹ سی ملکہ صباحت رفیق چیمہ کو سالگرہ مبارک' ارے آپ قاری بہنیں تالیاں کیوں بجانے لگیں کیک تو انہوں نے باقی مصنفین کو کھلایا تھا وہ بھی اپنی تحریر کی صورت۔ ماہ اگست مبارک کے عنوان سے تو میں یہ ہی سمجھی کہ پاکستان کے لیے تحریر ہوگی لیکن یہ تو...... دوستی کی تحریر تھی لیکن موقع کی مناسبت سے ہٹ کر تحریر اچھی تھی۔ آپ کی دوست صباء عیشل کی تحریر پڑھی اور بے ساختہ اختتام پر واہ نکل گیا' زبردست تحریر تھی خاص کر جو آپ نے ہندو لڑکی کو مسلمان کیا وہ سین تو کمال کا ہی تھا۔ ''تم گواہی دو'' اس تحریر کے لیے میں صرف اتنا ہی کہوں گی کہ الفاظ کا چناؤ اور موضوع سب پر ہی بازی لے گیا' یوں لگ رہا تھا جیسے فریدہ فرید ہر کردار سے ہمیں ملا رہی ہوں' اس کے بعد پہنچے سحرش فاطمہ کی تحریر ''اس راہ محبت'' معذرت کے ساتھ تحریر میں جو مزہ ہونا چاہیے تھا وہ نہ ہونے کے برابر تھا شاید سحرش آپی کی پہلی تحریر تھی مجھے ایسا لگا پھر سلسلہ وار ناول کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے ''میرے خواب زندہ ہے'' سے فراز اور ماریہ کا حال دریافت کیا' کچھ شک تو ہمیں بھی ہو چلا تھا کہ ماریہ ضرور فراز کو اپنا مسلمان ہونا بتا کر شادی کے لیے کہے گی' بھئی سمجھا کریں آخر کو اس نے پاکستان بھی آنا ہے اور سونیا نے اس کو دیکھ کر ایک نیا ڈرامہ اسٹارٹ کرنا ہے۔ نادیہ آپی ایسے ہی اچھا اچھا لکھتی رہیں' آپ کی تحریر میں لالہ رخ ابھی تک آگے نہیں بڑھی یوں لگتا ہے ہر بار آپ اس کو ایک ہی جگہ رکھ کر چند جملے دہرا دیتی ہیں کچھ نیا پن تو لائیں' اس کے ساتھ ہر بار وہ اپنا سر ہاتھوں میں گرا تی اچھی نہیں لگتی۔ اب تو شاید لالہ رخ بھی آپ کی توجہ کی منتظر ہے جو حالات

مہرینہ کے ساتھ ہیں ایسے حالات میں لڑکی کی چھٹی حس ضرورت سے زیادہ بیدار رہتی ہے اور لڑکی کی ماں کبھی غافل نہیں ہوتی' کہاں مومن جان کے ارادے ویسے آپ بہتر جانتی ہیں میں ایک قاری کی نظر سے پڑھ رہی ہوں' امید ہے کہ آپ نے میری باتوں پر برا نہیں مانا ہوگا۔ اس کے بعد ''دل کے دریچے'' پڑھی واہ صدف آپی آپ کی تحریر بہت ہی زبردست ہے شاہ اور سفینہ اب مطمئن زندگی گزار رہے ہیں لیکن مشکل زندگی شرمیلا کی قسمت میں کیوں لکھ رہی ہیں' کچھ تو اس بے چاری پر رحم کریں آخر ایسی بھی اس نے کیا خطا کردی جو آپ اس کی زندگی کو مشکل سے مشکل تر بنا رہی ہیں خیر قسط ہر بار پڑھ کر مزہ آتا ہے اس کے بعد نادیہ احمد کی تحریر ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' پڑھی اور ہر بار تو نہیں لیکن اس بار تحریر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ یہ تو ماضی اور حال دونوں کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں ورنہ اب تک میری ناقص عقل یہ ہی سمجھتی رہی کہ سفینہ اپنی بڑی بیٹی نور انصاری سے علاوج کروا رہی ہے اب دیکھیں یہ نور انصاری ہیں کون اور پلیز پلیز آپ فریحہ کی شادی ہرگز بھی فارس سے مت کیجیے گا ورنہ وہ ہمیشہ دکھی رہے گی۔ اس کے بعد بڑھے سیدھا نفیسہ سعد کی تحریر ''اعتبار' وفا اور محبت'' ان کا تو نام ہی کافی ہے' تحریر خود کہتی ہے ہم ہیں۔ ایک لڑکی کس طرح خود کو بچاتی ہے اور جھوٹ اس کا کہیں کھلتا ہی نہیں پڑھ کر مزہ آیا۔ ''ڈھول کا پھول'' صباء نور کو پہلی بار پڑھا لیکن الفاظ کے چناؤ اور انداز تحریر سے یوں محسوس نہیں ہوا کہ وہ پہلی بار لکھ رہی ہیں۔ یہ صرف ایک مرد کا کردار نہیں تھا ہمارے معاشرہ میں ایسے بے شمار مرد ہیں جو عورت کو کمزور سمجھ کر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور وہ فائدہ کوئی بھی ہو اس لیے ضرورت کے وقت عورت آج بھی اپنی چار دیواری سے باہر نکلنے کے لیے ہزار بار سوچتی ہے' خوب صورت تحریر تھی۔ اس کے بعد پہنچے ''شب آرزو تیری چاہ میں'' نائلہ طارق کی ہر قسط کمال ہوتی ہے لیکن ابھی پچھلی دو قسط سے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کردار وہیں ٹھہر گئے ہیں۔ دراج صرف انتقام کی آگ میں جل رہی ہے اور کچھ نہ ہونے پر ہاتھ مسلتی رہتی ہے' اس بار عرش کی والدہ کی رحلت کی خبر افسوس سے دوچار کرگئی لیکن پھر زنائشہ اور عرش کے نکاح کی خبر چہرہ پر خوشی بھی لے آئی۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ وہ برائی کا رستہ چھوڑ کر محنت مزدوری کرنے لگا۔ رجاب کا دکھ سمجھ نہیں آرہا کہ آخر اس کو اپنا چہرہ خراب ہونے کا زیادہ دکھ ہے یا پھر حاذق کے چھوڑ جانے کا۔ ندا اور راسب کے کردار بخوبی آگے بڑھتے اپنا کام انجام دے رہے ہیں' قسط میں ابھی تک انتظار والی بات نہیں آئی معذرت کے ساتھ۔ افسانے سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے' کسی ایک کی تعریف اس لیے نہیں کروں گی کیونکہ وطن کے حوالے سے سب نے ہی اپنے خیالات کو زیر قلم لاکر ہم تک پہنچائے' تبصرہ طویل ہوگیا ہے اب اجازت چاہوں گی' اللہ نگہبان۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ رب العزت ملک پاکستان کو اپنی حفاظت میں رکھے اور اسے دشمن کی بُری نظر سے بچائے' آمین' پاکستان زندہ باد۔

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
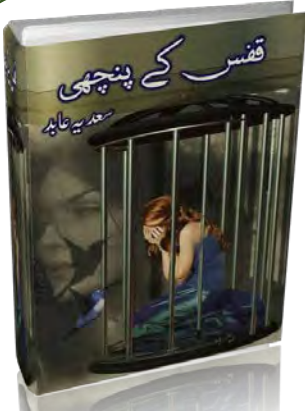
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے جلد، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے۔

آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟

اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ **مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔**

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

بلند فشار خون
(Hypertension)

جب خون کے نارمل دباؤ میں غیر معمولی اضافہ ہوجائے تو ایسی حالت کو بلند فشار خون (Hypertension) کہتے ہیں۔ خون کے دباؤ سے مراد وہ دباؤ یا پریشر ہے جو خون شریانوں سے گزرتے ہوئے ان پر ڈالتا ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں خون کے دباؤ سے مراد وہ قوت ہے جو خون اپنے بہاؤ میں خون کی لچک دار نالیوں کو پھیلانے کے لیے صرف کرتا ہے۔

بلند فشار خون کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ فشار خون یا بلڈ پریشر نارمل کیا ہوتا ہے۔ خون کی نالیوں کی دیواروں میں پڑنے والے خونی دباؤ کو بلڈ پریشر کہتے ہیں۔ عام خون کا دباؤ ہر شخص میں پایا جاتا ہے' نوجوانی میں صحت کی حالت میں نارمل خون کا دباؤ 102/80 ہوتا ہے عمر بڑھنے کے ساتھ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

بڑی عمر کے لوگوں کا بلڈ پریشر نوجوانوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ جب دل سکڑتا ہے تو وہ خون کی ایک خاص مقدار کو شریانوں میں دھکیل دیتا ہے' شریانوں کی دیواریں اپنی طبعی لچک کی وجہ سے ایک خاص حد تک پھیل کر آنے والے خون کو قبول کرلیتی ہیں پھر وہ خون اپنی طبعی بہاؤ سے آگے خون کی باریک اور چھوٹی نالیوں میں جاتا ہے تو دیواریں اپنی قدرتی لچک کی وجہ سے سکڑ کر اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے جسے خون کا دباؤ یا بلڈ پریشر سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خون کے دباؤ میں کمی بیشی دل کی طاقت اور قوت پر منحصر ہوتی ہے۔

خون کا دباؤ دو قسم کا ہوتا ہے مثلاً کسی شخص کا بلڈ پریشر 130/80 ہے تو لکیر سے اوپر والا 130 ڈایاسٹالک (Diastolic Blood Pressuer) کہلاتا ہے۔

عالمی ادارہ صحت (WHO) کی رائے کے مطابق عمر سے قطع نظر اگر بلڈ پریشر 160/95 یا اس سے زیادہ اکثر اوقات رہتا ہے تو یہ ہائی بلڈ پریشر کہلاتا ہے۔

خون کا دباؤ ہر شخص میں ہر وقت ہوتا ہے جب کبھی کسی وجہ سے کوئی شخص جوش وجذبے کا اظہار کرتا ہے تو اس کا دل معمول سے زیادہ زور سے دھڑکتا ہے جس کی وجہ سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔

اس طرح ہر وقت بیٹھے رہنے' پانی نہ پینے اور ورزش نہ کرنے سے بھی خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایک تندرست انسان میں خون کے طبعی دباؤ کا ایک اوسط ہوتا ہے جب اس مقررہ اوسط سے خون کا دباؤ کم یا زیادہ ہوجائے اور کچھ مدت تک قائم رہے تو یہ حالت صحت نہیں۔ خون کا دباؤ معلوم کرنے کے لیے BP Appratus یا اسفگو مانومیٹر استعمال کیا جاتا ہے۔

خون کے دبائو پر فعلیاتی تغیرات

عمر (Age):۔ خون کا دباؤ عمر کے ساتھ بڑھتا ہے' بلوغت میں سٹالک پریشر 120/110 اور بڑھاپے میں 150-140 MM/HG ہوتا۔

جنس (Sex)۔ مردوں کی نسبت عورتوں میں سٹالک اور ڈایاسٹالک پریشر تھوڑا سا کم ہوتا ہے' سٹالک پریشر جسمانی طور پر موٹے آدمی کا زیادہ ہوتا ہے۔

پوزیشن (Posture):۔ ڈایاسٹالک پریشر بیٹھنے کی حالت میں بڑھا ہوتا ہے۔

ورزش (Exercise):۔ ورزش کے دوران تھوڑا سا سٹالک دباؤ بڑھ جاتا ہے اور اگر ورزش سخت کی جائے تو 180 تک بڑھ سکتا ہے۔

نیند (Sleep):۔ نیند کے دوران 15-20 ملی لیٹر کم ہوجاتا ہے جبکہ جذبات میں سٹالک پریشر زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ کھانے کے بعد سٹالک پریشر میں معمولی اضافہ ہوتا ہے۔ سٹالک پریشر میں اضافہ ذیل حالتوں کی طرف نشان دہی کرتی ہے (1) دل کتنا کام کررہا ہے (2) دل کتنی قوت سے کام کررہا ہے (3) شریانی دیواروں پر کتنا بوجھ بڑھ رہا ہے۔

ڈایاسٹالک پریشر میں اتار چڑھاؤ کم ہوتا ہے' تندرستی کی حالت میں یہ اپنی نارمل حدود میں رہتا ہے۔ ڈایاسٹالک

پریشر میں زیادتی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ دل بند ہونے والا یا ہوجائے گا۔

خون کے دبائو کے اسباب

Etpology of the high blood pressure

1: وراثتی اسباب: یہ خون کا دباؤ لازمی زیادہ خون کا دباؤ کہلاتا ہے اس کی خاص قسمیں درج ذیل ہیں۔

(A) **بے ضرر خون کا دبائو:** اس میں بایاں بطن بڑھ جاتا ہے۔

(B) **ضرر رساں خون کا دبائو:** اس میں دل پوری طرح بائیں طرف بڑھ جاتا ہے۔

شریانی اسباب

(Arterial diseases)

(A) شریانوں کا سکڑاؤ (B) دل کی جھلی کی سوجن۔

گردوں کی بیماریوں میں بلڈ پریشر کا بڑھ جانا

(1) گردوں کی سوزش (2) مزمن گردوں کی سوزش (3) گردے اور پیشاب کی نالی میں سوزش۔

عام طور پر گردے (Kidney) میں بیماری ہوتی ہے یا گردے کے اوپر دو اور غدود (Adrenal glands) میں اگر ابتدائی حصے میں تنگی ہو تو اس سے بھی بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ عام طور پر حاملہ خواتین میں خون کا دباؤ عارضی طور پر بڑھ جاتا ہے۔

نشہ آور چیزوں کا استعمال

مثلاً شراب (سنکھیا) گردوں میں مزمن پیپ کی موجودگی یا حمل کے دوران نشہ آور چیزوں کا استعمال بھی بلڈ پریشر کو بڑھا دیتا ہے۔

دل کی بیماریوں کی وجہ

A۔ شریان اعظم کی رکاوٹ اور اس میں سکڑاؤ۔

B۔ دل کے اذنین اور بطن میں رکاوٹ۔

C۔ بے نالی غدود کی خرابی یا تھائی رائیڈ غدودوں کا بڑھ جانا اور عورتوں میں خصیہ الرحم (Ovary) کے فعل میں خرابی بھی خون کے دباؤ میں اضافہ کرسکتی ہے اس کے علاوہ موٹاپا جوڑوں کا درد (Gout) دماغی جھلیوں میں سوجن یا اعصابی کھچاؤ۔

اعضائے رئیسہ کا متاثر ہونا

خون کا دباؤ لگاتار زائد رہے اور طویل عرصے تک اس کے علاج میں کوتاہی برتی جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ اس سے دل' دماغ' گردے اور آنکھوں وغیرہ کی شریانیں اندرونی طور پر تنگ ہوتی رہتی ہیں جس سے ان اعضاء کو خون کی سپلائی متاثر ہوتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خون کی سپلائی کافی حد تک کم ہونے کی وجہ سے دل کا دورہ بصارت کی کمی اور گردوں کی خرابی کا امکان قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

وجوہات مرض

موروثی ہے' عمر رسیدہ اور موٹے لوگوں میں زیادہ دیکھنے میں آتا ہے۔ گردوں میں خرابی' گردوں کی سوزش' ذیابیطس' گردوں کے کینسر' پراسٹیٹ گلینڈ کے حجم میں اضافہ سے پیشاب میں رکاوٹ پیدا ہونے سے' شریانوں میں گانٹھ دار سوزش سے ایڈرینل گلینڈ کے کینسر سے پچوٹری گلینڈ کی خرابی سے' بے نالی غدود کے امراض سے خون کی نالیوں کی سختی اور تنگی سے' دوران حمل Toraemia of Pregnancis میں مبتلا ہونے سے' خواتین میں مانع حمل ادویات کے استعمال سے مسلسل رہتی ہے۔ بلند فشار خون سے جسم کو مندرجہ ذیل نقصان پہنچتا ہے اگر بروقت علاج نہ کیا جائے۔

خون کی نالیوں میں سختی اور ورم ہوجاتا ہے' گردے تباہ ہوجاتے ہیں' ہارٹ فیل ہوجاتا ہے۔ دل اور خون کی نالیوں میں خون جم جانے سے' اعضائے رئیسہ' دل و دماغ' گردے بُری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ آنکھیں ناکارہ ہوجاتی ہیں' دماغی شریان پھٹنے سے موت واقع ہوسکتی ہے۔ دماغ میں موجود خون کی نالیوں سے خون رسنے کی صورت میں فالج ہوسکتا ہے۔

بلند فشار خون کی علامات:

سردرد' چکر' بہت جلد غصہ میں آجانا' چڑچڑاپن' گھبراہٹ' آنکھوں کے آگے دھندلا پن' بے چینی' بھوک کی کمی' قے کی رغبت۔

میرا دل

گلوکارہ حنا ملک (جو ہر اہم دن کے حوالے سے گیت، ملی نغمے بنانے کے حوالے سے شہرت رکھتی ہیں) نے پاکستان کے جشن آزادی کے حوالے سے ایک گیت تیار کر لیا۔ حنا ملک نے ملی نغمہ "میرا دل، میری جان، پیارا پاکستان، ہم سب کی پہچان، پیارا پاکستان" تیار کیا ہے اور اس کی ویڈیو بھی تیار کر کے سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر جاری کی گئی ہے۔ اس گیت کو خضر حیات مون نے لکھا ہے جبکہ میوزک کامران اختر نے تیار کیا ہے۔ ویڈیو کے ڈائریکٹر سمیع ملک ہیں۔ گلوکارہ حنا ملک نے کہا کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ میرا یہ ملی نغمہ اپنے ملک کے 70 ویں یوم آزادی پر میری طرف سے ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے۔ اس ملک کی ادنیٰ سی فنکارہ ہونے پر مجھے فخر ہے۔ میری دُعا ہے کہ ملک میں امن و امان اور محبتوں کی فضا قائم رہے۔

ڈھول سپاہی

مصنف وہدایتکار باقر حسین کا ڈرامہ "ڈھول سپاہی" ان دنوں ناز تھیٹر میں پیش کیا جا رہا ہے جس میں اسکرپٹ اور ڈائریکشن جاندار ہونے کی وجہ سے عوام کا بھر پور رسپانس مل رہا ہے۔ ڈرامے کی کاسٹ میں الیاس احمد، نفیس زمان شاہ خاں، رینا ایرانی، نیلم ملک اور عرفان جیلی شامل ہیں۔

چوڑیاں

ڈرامہ سیریل "ہری ہری چوڑیاں" کے ٹائٹل سانگ کی ریکارڈنگ استاد راحت فتح علی خاں کی آواز میں کی گئی ہے۔ ڈرامہ کی کاسٹ میں ساجد حسن، شگفتہ اعجاز، ایمن خاں، خالد بٹ، صباحت علی، رابعہ شبنم اور قیصر نقوی شامل ہیں۔ اس ڈرامے کے ڈائریکٹر عاطف حسین ہیں۔

ہم سفر تھا

سینئر اداکار عرفان کھوسٹ نے کہا کہ پاکستان میں

اداکاری کی کوئی اکیڈمی یا یونیورسٹی نہیں، صرف سینئر اداکار ہی جونیئر اداکاروں کے لیے اکیڈمی کی حیثیت رکھتے ہیں، جو بھی جونیئر آج کامیابیوں کی بلندیوں پر ہیں انہوں نے اپنے سینئرز کی عزت کرنے کے ساتھ ان سے سیکھا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے بیٹے سرمد کھوسٹ میں شوبز میں آگے بڑھنے کی قدرتی صلاحیتیں موجود تھیں (تو نکالیں کس نے؟) مگر اس کے باوجود وہ مجھے اور اپنے دوسرے سینئر اداکاروں کو فالو کرنے کے ساتھ ان سے ٹپس بھی لیتا رہا۔ (جب ہی اداکار نہیں بن سکے) باپ ہونے کی حیثیت سے مجھے خوشی ہے کہ وہ آج کامیابیوں کے اس مقام پر ہے جس پر کسی باپ کو فخر ہو سکتا ہے۔

عروہ

شوبز حلقوں نے اداکارہ وماڈل عروہ حسین کا نئی فلم "

میں پنجاب نہیں جاؤں گی" کے لیے شوٹ کیا گیا گیت میں پرفارمنس کو 'ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا' قرار دیدیا۔ اداکارہ عروہ حسین کے مقابلے میں احمد بٹ کی پرفارمنس کو سراہا جارہا ہے جبکہ دوسری جانب سوشل میڈیا پر بھی عروہ حسین کی ڈانس پرفارمنس کو خاصی تنقید کا سامنا ہے۔ اداکارائیں صرف خوش شکل نہیں بلکہ فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اعضاء کی شاعری سے بھی مالا مال ہونی چاہئیں۔ ان کی گیت میں پرفارمنس کسی بھی اعتبار سے سلور اسکرین کے معیار کے مطابق نہیں۔

عائشہ عمر

اداکارہ عائشہ عمر نے کہا ہے کہ پاکستان میں ٹیلنٹ

لوگوں کی کمی نہیں لیکن ٹیلنٹ لوگوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (جب ہی تو...... اظفر جیسے اداکار سامنے آتے ہیں) میں زندگی میں بہت بڑی کامیابی کے لیے بہت زیادہ محنت پر یقین رکھتی ہوں۔ کامیابی کے لیے کوئی شارٹ کٹ نہیں ہوتا وہ لوگ جو خود کو کسی بھی فیلڈ میں کامیاب کروانا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اس فیلڈ کا پورا نالج انہیں ہونا چاہئے اور اس کے مطابق خود کو اچھی طرح تیار کر کے آئیں میں بھی ایسا ہی کرتی رہی ہوں۔

جیو سرا ٹھا کے

رواں ماہ پاکستانی دو فلمیں سینما گھر کی زینت بننے کے لیے تیار ہیں، فلم "چین آئے نہ" اور "جیو سرا ٹھا کے" ایک دوسرے کے مدمقابل ریلیز ہوں گی۔ رواں ماہ ریلیز ہونے والی فلمز کے ٹریلرز کو سوشل میڈیا پر انتہائی منفی ردعمل دیکھنے کو ملا۔ ایکشن سے بھرپور فلم "جیو سرا ٹھا کے" کی کہانی حقیقی واقعات پر مبنی ہے۔ فلم چین آئے نہ کی ہدایات معروف ہدایتکار سید نور نے دی ہیں۔

ارمینا رانا

اداکارہ و ماڈل ارمینا رانا خان نے کہا ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان فلم ڈائریکٹرز، ایکٹرز اور نئے فلمسازوں نے انڈسٹری کا ماحول تبدیل کر دیا ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں ارمینا رانا خان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں فلم انڈسٹری کا بحران ختم ہونے کی امید پیدا ہوگئی ہے کیونکہ

اب مسلسل فلمیں بننا شروع ہوگئیں ہیں جو مثبت تبدیلی کی علامت ہے۔ پاکستانی ڈرامہ ہر حوالے سے پوری دنیا میں سراہا جارہا ہے۔ پاکستانی فیشن انڈسٹری کی ترقی حیران کن ہے مجھے بھی ماڈل ہونے پر فخر ہے۔(اور باقی لوگوں کی رائے)

لے لی جان

پاکستانی گلوکارہ زیب النساء عرف زیب بنگش نے کہا ہے کہ ہندوستان سے کسی کولانا خطرہ ہے۔(تو آپ خود ہی چلی جائیں) پاکستان سے کسی کا وہاں جانا خطرہ ہے، لیکن ہم مل کر اس لیے کام نہیں کرتے کہ ہم پاکستانی یا ہندوستانی ہیں بلکہ فن ہمیں ایسا کرنے کو کہتا ہے۔ ان کے گانے ''لے لی جان''، ''جگی جگی'' اور ''عشقیا'' حال ہی میں ریلیز ہونے والی متنازع بالی وڈ فلم ''لپ اسٹک انڈر مائی برقعہ'' میں شامل کیے گئے، جن کے باعث انہیں ہندوستان میں بھی مقبولیت حاصل ہوئی۔ زیب نے ان تینوں گانوں کی کمپوزیشن کی جبکہ 'لے لی جان' کی گلوکاری بھی انہوں نے خود ہی کی۔ اپنے ایک انٹرویو میں زیب بنگش کا کہنا تھا کہ یہ فلم بھوپال سے تعلق رکھنے والی خواتین پر بنائی گئی اور میرا تعلق پختون قبیلے سے ہے، تو میں نے سوچا کہ اس فلم کے میوزک میں افغان موسیقی شامل کرنا اچھا خیال رہے گا۔ فلم میں موجود گانا 'لے لی جان' دراصل 70ء کی دہائی کا ایک افغان پاپ گانا 'لیلا جان' سے لیا گیا ہے۔ زیب بنگش نے اپنی ساتھی ہانیہ کے ساتھ کوک اسٹوڈیو میں 2013ء میں اس گانے کو پیش کیا تھا اور اب اس کا ہندی ورژن 'لپ سٹک انڈر مائی برقعہ' میں شامل کیا گیا۔

ڈبل سواری

معروف اداکارہ نرگس نے کہا ہے کہ الحمراء میں کام کرنے کا اپنا ہی لطف ہے اور یہ فیملیوں کے لیے بہترین تفریح گاہ ہے۔ (فیملیوں کے لیے؟) میں جب بھی یہاں پرفارم کرتی ہوں تو میرے ڈرامے کو دیکھنے کے لیے میرے پرستار دیوانہ وار الحمرا کا رخ کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں ان دنوں میرا الحمراء ہال II میں اسٹیج ڈرامہ ''

ٹرپل سواری'' جاری ہے جس میں میرے ساتھ اداکارہ ہما علی، پائل چوہدری، نواز انجم، لکی ڈیئر، صابر علی گاگا، عقیل حیدر سمیت دیگر اداکار پرفارم کررہے ہیں۔ ڈرامے کے رائٹر و ڈائریکٹر بلال چوہدری، پروڈیوسر آصف راہی اور علی سعد ہیں۔

ساتھ دن محبت ان

فلم 'سات دن محبت اِن' کی شوٹنگ کا آغاز کردیا گیا۔

جولائی میں فلم کی ریہرسلز زور و شور سے جاری رہیں، جس کے بعد اب کراچی میں شوٹنگ شروع کردی گئی ہے۔ اس فلم میں ماہرہ خان اور شہریار منور مرکزی کردار ادا کررہے ہیں، یہ دونوں 2016ء کی کامیاب فلم ''ہومن جہاں'' میں بھی ایک ساتھ جلوہ گر ہوئے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ اداکارہ میرا سیٹھی بھی اس فلم کے ساتھ فلمی دنیا میں قدم رکھنے جارہی ہیں، ماڈل اور اداکارہ آمنہ الیاس، عدنان شاہ ٹیپو اور عامر قریشی بھی اس فلم کا حصہ ہوں گے۔ فلم کا

اسکرپٹ فصیح باری خان نے لکھا ہے، فلم کی ہدایات کامیاب پاکستانی فلم 'زندہ بھاگ' کی مینو گور اور فرجاد نبی دیں گے۔

ماہرخان

نامور اداکارہ ماہرہ خان نے کہا ہے کہ پاکستانی فلم انڈسٹری کو بھی بھارتی انڈسٹری جیسا آباد دیکھنا چاہتی ہوں۔ اپنے ایک انٹرویو کے دوران ماہرہ خان نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی کسی بھی شعبے میں اگر محنت اور ایمانداری سے کام کریں تو ان کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی اور میری یہ دلی خواہش ہے کہ پاکستان کی فلم انڈسٹری بھی بھارت کی فلم انڈسٹری جیسی شاد آباد ہوجائے مگر اس کے لیے ہمیں سب سے زیادہ سرمایہ کار کی ضرورت ہے جس کے لیے شوبز سے وابستہ لوگوں کو آگے آنا ہوگا۔

ہمارا نظریہ

فلمسٹار ثناء نے کہا ہے کہ آج کی سیاست جس طرح گندی ہوچکی ہے مجھے سیاست سے نفرت ہوچکی ہے۔(ورنہ آپ سیاست میں بھی......؟) ایک دوسرے کی ذات پر کیچڑ اچھالنا معمول بن چکا ہے (یہ کام تو آپ......؟ بعض سیاستدان اپنے سیاسی معیار سے بہت نیچے آ کر ایسی گفتگو کرتے ہیں جسے سن کو بہت دکھ ہوتا ہے۔(اف...... پی ٹی آئی کو چھوڑنے والی عائشہ گلالئی نے عمران خان پر جو الزامات عائد کیے ہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ ہے۔ میں اپنے سیاستدانوں سے اپیل کرتی ہوں کہ خدا کے لیے وہ عورت ذات پر کیچڑ اچھالنے کی روایت کو ختم کردیں۔ ثناء نے کہا کہ پاکستان ایک نظریے کے تحت حاصل کیا گیا تھا مگر اب وہ نظریہ کہیں نظر نہیں آتا۔

صاحبہ ریمبو

اداکارہ صاحبہ نے کہا ہے کہ میری زندگی کی کوئی نیکی میرے کام آگئی جو مجھے ریمبو جیسا جیون ساتھی ملا، کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے ایک دوسرے پر اعتماد ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کبھی بھی زندگی اچھی نہیں گزر سکتی۔ انہوں نے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی زندگی کے بارے میں جس طرح سوچ رکھا تھا خدا کی ذات نے مجھے اس سے بڑھ کر عطاء کیا ہے اور میری زندگی کا کوئی ایسا اچھا عمل ضرور تھا جس کے نتیجے میں مجھے ریمبو جیسا شوہر ملا۔ انہوں نے کہا کہ میں ریمبو اور اپنے بچوں کے ساتھ ایسی خوشگوار زندگی بسر کررہی ہوں جس طرح کسی لڑکی کا خواب ہوتا ہے اور میں خوش قسمت ہوں کہ میری زندگی کے تمام خواب پورے ہوئے۔

بلوچی فلم

بلوچستان کی پہلی ٹیلی فلم ''سنگت'' بہت جلد بلوچی عوام کو محظوظ کرنے کے لیے سینما گھروں میں ریلیز کردی جائے گی۔ اس فلم کی کہانی پانچ دوستوں پر مبنی ہے، جس میں ایکشن، ڈراما اور موسیقی کو پیش کیا جائے گا۔ فلم کی کاسٹ کا تعلق بلوچستان سے ہے، جبکہ اس کی شوٹنگ عمان میں کی گئی ہے۔ فلم کے پروڈیوسر وحید البلوشی نے کہا کہ پاکستان کی فلم انڈسٹری دوبارہ بہتری کی جانب بڑھ رہی ہے، تاہم بلوچستان میں فلم سازوں کی کمی کے باعث اب بھی مقامی فلمیں نہیں بن پا رہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بلوچستان میں موجود سینما گھروں کو شاپنگ مالز میں تبدیل کیا جارہا ہے، گزشتہ چند سالوں میں کوئٹہ کے چار سینما گھروں کو بند کردیا گیا، جس کے بعد اب وہاں صرف تین سینما گھر باقی ہیں۔ دوسری جانب ہدایت کار سمیع سارنگ اس فلم کے ذریعے بلوچستان کا ایک مختلف چہرا دکھانے کے لیے پرامید ہیں، ان کا کہنا تھا، ہم بلوچستان کی مقامی انٹرٹینمنٹ انڈسٹری کی بنیاد کو مضبوط کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ اس صوبے میں ایک مضبوط فلم انڈسٹری قائم ہوتا کہ بلوچی نوجوان اپنی کارکردگی دنیا کو دکھاسکیں۔ اس فلم کی تکمیل میں تیس لاکھ پاکستانی روپے کے اخراجات آئے، جسے پاکستان اور خلیجی ریاستوں میں آنے والے ہفتوں میں ریلیز کیا جائے گا۔

ریشم

فلم اسٹار ریشم نے کہا ہے کہ شوبز میں لڑائی جھگڑوں سے فائدہ نہیں نقصان ہی ہوتا ہے۔(جیسے سیاست دان) شوبز کی ترقی کے لیے ہم سب کو مل کر ساتھ چلنا چاہیے۔ مجھے آج بھی اداکاری کا جنون کی حد تک شوق ہے، ٹی وی پر کام سے کبھی انکار نہیں کیا، میں نے تو اپنے فنی کیریئر کا آغاز ہی ٹی وی سے کیا تھا۔انہوں نے کہا کہ میرے پاس پیار، محبت اور عشق کے لیے وقت نہیں ہے۔(جب ہی تو ڈراموں اور فلموں میں......) کامیابی ہمیشہ ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور شوبز انڈسٹری تو ویسے بھی کانٹوں کی سیج کی طرح ہے جس پر پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔خود کو اس لحاظ سے خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ میں نے بہت کم وقت میں کامیابی حاصل کی ہیں۔

عائزہ خان

اداکارہ عائزہ خان نے کہا ہے کہ میرے آنے والے ڈراموں میں کردار اہمیت کے حامل ہیں۔امید ہے کہ جس طرح اب تک مجھے پزیرائی ملی ہے ان ڈراموں کو بھی پسند کیا جائے گا۔میں نے ہمیشہ معیاری کام کیا ہے اور اسی وجہ سے میری ایک منفرد پہچان ہے(دانش کے حوالے سے) جس کو میں برقرار رکھنے کی کوشش کروں گی میں اپنے کام سے کام رکھتی ہوں اور اسی وجہ سے مجھے ڈراموں میں کاسٹ کیا جاتا ہے۔

مہک علی

اداکارہ و ماڈل مہک علی نے ڈرامہ سیریل ”قطرہ قطرہ زندگی“ سائن کرلیا۔مہک علی نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میرا کردار ایک ایسی لڑکی کا ہے جو معاشرے کے ساتھ اپنوں کے ظلم کا شکار ہوتی ہے۔ ڈرامہ کی ریکارڈنگ جاری ہے۔

بشریٰ انصاری

سینئر اداکارہ بشریٰ انصاری نے کہا ہے کہ میں بلاوجہ میڈیا پر آنا پسند نہیں کرتی، اپنے فن کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی ہے اور یہی میرے لیے سب سے بڑا ایوارڈ ہے۔ بعض لوگوں کو میڈیا پر آکر انٹرویو دینے ا[illegible] شہرت حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر خدا کے فضل سے مجھ ناچیز پر خدا کی خصوصی رحمت ہے۔انہوں نے کہا کہ مجھے سنجیدہ کردار کرنے کی خواہش رہی مگر میرے پرستا[illegible] مجھے طنز و مزاح اور مزاحیہ اداکاری میں دیکھنا پسند کر[illegible] ہیں۔

سوہانہ خان

ماڈل، ٹی وی اداکارہ اور ہوسٹ سوہانہ خان نے کہا ہے کہ مجھے اس ملک کی ادنیٰ سی فنکارہ ہونے پر فخر ہے خواہش ہے کہ اس ملک کے لیے کچھ کروں۔ میں ہر سال جشن آزادی پر اپنے گھر کو جھنڈیوں اور برقی قمقموں سے سجاتی ہوں، جو اس ملک سے محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے۔اللہ کرے یہ ملک رہتی دنیا تک قائم رہے اور ہم اسی طرح اس کی آزادی کا جشن مناتے رہیں آمین' آج کل ڈرامہ سیریل ”نمک“ کی ریکارڈنگ میں مصروف سوہانہ نے کہا کہ میں دنیا کے بہت سے ملک گھوم چکی ہوں مگر پاکستان جیسا خوبصورت ملک نہیں دیکھا۔ اس ملک کا ایک ایک علاقہ دیکھنے کے قابل ہے۔ میری دُعا ہے کہ ملک میں امن و امان اور محبتوں کی فضا قائم رہے۔ میں خصوصاً نوجوان نسل سے کہوں گی کہ وہ اس ملک کی ترقی اور خوشحالی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ انہوں نے کہا کہ آزادی جیسی نعمت کوئی اور نہیں ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں رسوا ہوتا ہے۔ پاکستانی قوم زندہ دل اور بہادر ہے یہ اپنی آزادی کی حفاظت کرنا جانتی ہے۔

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

وزن کم کرنے کے لیے ٹوٹکے

وزن کم کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ فاقہ کشی کریں' یہ بھی ضروری نہیں کہ آپ سخت ورزش کریں اور خوامخواہ خود کو ہلکان کریں۔ ماہرین نے وزن کو کم کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کے لیے درج ذیل ایسے آسان اور سادہ طریقے تجویز کیے ہیں جن پر وزن کم کرنے کا ہر خواہش مند شخص عمل کرسکتا ہے۔ یہ ٹوٹکے' ماہرین کی طویل ریسرچ اور تجربات کے بعد تجویز کیے گئے ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر آپ ان پر عمل کریں تو ایک پاؤنڈ روزانہ وزن کم کرسکتے ہیں۔

❖ جب بھی کھانا کھائیں' سلاد وغیرہ کا مخصوص اہتمام کریں تاکہ روٹی اور چاول وغیرہ کی جگہ آپ ان سے پیٹ بھرسکیں۔

❖ ایسی خوراک کھائیں جس میں کلوریز ہوں۔

❖ صرف اس وقت کھائیں جب آپ کو اس کی ضرورت ہو۔

❖ غذا کو جسم کا ایندھن خیال کریں' خوشی منانے کا وسیلہ نہ بنائیں۔

❖ ہمیشہ میز پر کھالیں چلتے پھرتے نہ کھائیں۔

❖ کھانے کے دوران مطالعہ نہ کریں نہ ٹی وی دیکھیں۔

❖ باہر جائیں تو آئس کریم یا مٹھائی نہ کھائیں۔

❖ یہ یاد رکھیں کہ آپ نے کیا اور کب کھایا تھا۔

❖ حرص بڑھانے والی چیزوں سے گریز کریں۔

❖ چائے اور کافی کے وقفے کو کھانے کا وقفہ بنائیں۔

❖ گھر میں پھل اور ایسی چیزوں کا اسٹاک رکھیں جن میں چکنائی نمک اور شکر کم ہو۔

موٹاپے سے نجات...... آسان نسخے

ہوش ربا تیز رفتار زندگی' فاسٹ فوڈ اور ورزش کی کمی کا نتیجہ پیٹ کی چربی کی صورت میں نکلتا ہے اور اس سے نہ صرف انسان بدہیئت لگتا ہے بلکہ بڑھا ہوا پیٹ امراض قلب' بلڈ پریشر اور دیگر کئی امراض کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا ہے۔

طب مشرق اور آیورویدک طریقہ علاج میں بڑھتے ہوئے پیٹ کو کم کرنے کی کئی تدابیر موجود ہیں جن پر عمل کرکے پیٹ اور سینے کو ایک حد تک ایک ہی سطح پر لایا جاسکتا ہے لیکن اس میں مستقل مزاجی اور صبر کی ضرورت ہے کیونکہ پیٹ نہ ایک ہفتے میں بڑھتا ہے اور نہ ہی ایک ہفتے میں کم کیا جاسکتا ہے اس کے لیے طب مشرق کی یہ 8 تدابیر بہت فائدہ مند ہوسکتی ہیں۔

دن کی ابتداء لیموں کے رس سے کریں

اپنے دن کی شروعات لیموں کے رس سے کیجیے' ایک گلاس نیم گرم پانی میں لیموں کا رس شامل کرکے چٹکی بھر نمک ڈالیے اور پی جایئے۔ اس کا روزانہ استعمال نہ صرف آپ کے جسمانی افعال کو بہتر رکھتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتے پیٹ کو کم کرتا ہے۔

سفید چاول سے اجتناب:۔

سفید چاول کا استعمال کم کردیجیے اور اس کی جگہ بھورا چاول زیادہ مفید رہے گا اس کے علاوہ براؤن بریڈ' جو اور دلیے وغیرہ کو اپنی غذا کا حصہ بنایئے جس سے فائبر کی کمی دور ہوگی اور دوسری جانب چربی گھلانے میں بھی مدد ملے گی۔

مٹھاس کو خدا حافظ

شکر اور اس سے بنی اشیاء کا استعمال بند کرنا اگرچہ مشکل ہے لیکن اس سے پرہیز بہت ضروری ہے۔ یاد رہے کہ سافٹ ڈرنکس بھی انہی میں شامل ہیں جو اپنے اندر بہت چینی رکھتی ہیں' دوسری جانب شکر والے مشروبات میں تیل موجود ہوتا ہے جو پیٹ اور رانوں

سمیت جسم میں کئی مقامات پر چربی بڑھاتا ہے۔

چیونگم موٹاپے سے بچاؤ کے لیے مفید
نئی تحقیق نے موٹے افراد کو خوش کردیا

اکثر افراد کو دن بھر منہ چلانے کے لیے چیونگم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ عادت انہیں موٹاپے سے بچانے میں مددگار ثابت بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بات امریکہ میں ہونے والی ایک طبی تحقیق میں سامنے آئی۔

مایو کلینک کی تحقیق کے مطابق ایک گھنٹے تک چیونگم چبانے کا عمل 11 کیلوریز جلادیتا ہے۔

تحقیق میں بتایا گیا کہ خصوصاً مٹھاس سے پاک چیونگم کو بیس سے تیس منٹ تک چبانا بھی کیلوریز کو جلانے میں مدد دیتا ہے۔ تحقیق کے مطابق اگر کوئی شخص دن میں دو گھنٹے چیونگم چباتا ہے تو وہ ہفتہ بھر میں 154 کیلوریز جلا رہا ہوتا ہے اسی طرح سال بھر میں اس عادت کے نتیجے میں 8030 کیلوریز جسم سے خارج ہوجاتی ہیں اور اس طرح موٹاپے کا خطرہ کم ہوتا ہے جیسا آپ کو معلوم ہوگا کہ موٹاپا ذیابیطس بلڈ پریشر' امراض قلب اور دیگر امراض کا خطرہ بڑھانے کا باعث بنتا ہے۔ اس سے پہلے گزشتہ سال ایک تحقیق میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ چیونگم کا استعمال منہ سے مضر صحت بیکٹریا کو ختم کرنے کے لیے مفید ہے۔ گورنینگن یونیورسٹی کی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ چیونگم کا ایک ٹکڑا ہی منہ سے دس کروڑ بیکٹریا کا خاتمہ صرف 10 منٹ میں کرسکتا ہے۔ تحقیق میں تو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چیونگم اس حوالے سے فلاس جتنا ہی کارآمد ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ منہ کے اندر مختلف حصوں میں بیکٹریا کو نشانہ بناتی ہے۔ تحقیق کے مطابق چیونگم اولین 30 سیکنڈ میں سب سے زیادہ موثر ہوتی ہے اور اس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ اس کی افادیت کم ہوتی چلی جاتی ہے تاہم 10 منٹ میں دس کروڑ جراثیموں کا خاتمہ ہوتا ہے اور جتنا وقت زیادہ ہوگا یہ تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔

پانی کا زیادہ استعمال

اگر آپ کمر کی چوڑائی کم کرنے میں سنجیدہ ہیں تو زیادہ پانی پینا بھی اس کا ایک بہترین ٹوٹکا ہے۔ پانی خون میں شامل ہوتا ہے اور چکنائی کے سالمات کو گھلاتا ہے جب کہ زیادہ پانی پینے سے بدن کے زہریلے مرکبات خارج ہوتے رہتے ہیں۔

موٹاپا دور کرنے کے طریقے

⌘ صبح نہار منہ گرم پانی میں شہد مکس کرکے پینے سے زائد چربی ختم ہوجاتی ہے۔

⌘ نہار منہ ایک گلاس نیم گرم پانی میں ایک عدد لیموں کا رس مکس کرکے پینے سے زائد چربی ختم ہوجاتی ہے۔

⌘ نہار منہ اور لنچ کے بعد قہوہ میں لیموں کا رس ملا کر پیا کریں۔

⌘ لیموں کا اچار موٹے لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

⌘ دن میں تین بار لیموں کا رس پانی میں ملا کر پی لیا کریں۔

⌘ کھانا کھانے کے بعد تھوڑی سی اجوائن پانی کے ساتھ کھالیا کریں۔

⌘ سلاد کا استعمال کھانے کے ساتھ ضرور کریں۔

⌘ چاول' آلو' مٹر' گوبھی' گھی اور بادی اشیاء کم استعمال کریں۔

⌘ روزانہ رسہ ٹاپنے کی ورزش کریں۔

⌘ روزانہ نہار منہ اورنج جوس پینا چاہیے۔

مہندی کے رنگ
جُہینہ شریف